عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی نادرِ روزگار،
اور معرکہ آرا کتاب "مثنوی معنوی" کی جامع اور لاجواب شرح

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

3

یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ ناخواندہ سب ہی اس سے دلچسپی لیتے ہیں مگر مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے اور بعض اوقات نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے، حضرت حکیم الامت نے اشعارِ مثنوی کو واضح کر کے اور مسائل تصوف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اس سے معتبر اور شریعت و طریقت کا پاس و ادب رکھ کر مضامین کو حل کرنے والی کوئی اور شرح نہیں لکھی گئی

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ
ملتان

عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ کی نادر روزگار
اور معرکہ آراء کتاب "مثنوی معنوی" کی جامع اور لاجواب اُردو شرح

کلیدِ مثنوی

از:

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہٗ

جلد ۳

یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ ناخواندہ سب ہی اس سے دلچسپی لیتے ہیں۔ مگر مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے اور بعض اوقات نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے۔ حضرت حکیم الامت نے اشعار مثنوی کو واضح کر کے اور مسائل تصوف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سے معتبر اور شریعت و طریقت کا پاس ادب رکھ کر مضامین کو حل کرنے والی اور کوئی شرح نہیں لکھی گئی۔

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ • مُلتان

ربع اول دفتر دوم

چوں در کریمہ صدر قولہ یتلوا و یعلمکم الکتٰب بر فضل علم نظم و معنی و قولہ یزکیکم بر شرف علم کلام و عقائد و علم سلوک و قولہ والحکمۃ بر مزیت علم اسرار و علم اصول دال باوضع بیان رسیدہ ازاں خبر دادن تصوف کہ مشتمل بر سلوک و اسرار ست از علم دین نیک عیان ست و باتفاق اہل مذاق مثنوی را در کتب ایں فن خاص شان ست لاکن از اغلاقش محتاج تبیان ست + بنا بر علیہ ایں شرح اردو کہ معنونش را

عنوان ست ایں ربع اول از دفتر دوم ازاں ست (با لفاظ و عبارت (مولوی) شبیر علی و مولوی حبیب احمد سلمہا اللہ کہ ہر یکے از ایشان برائے صاحب معانی یعنی حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب دام ظلہم بمنزلہ لسان ترجمان ست) در اصل متن را چناں حل کردہ کہ نمایت الامکان ست مسائل را بطورے تقریر نمودہ کہ ہم موافق تحقیق اہل اتقان و ہم مطابق حدیث و قرآن ست و اشکالات و اغلاط را بطرزے دور ساختہ کہ مورث اطمینان و امان ست و جا بجا ملفوظات سیدنا الحاج محمد امداد اللہ رحمہ کہ مطرب آذن و منشط اذہان ست ہم درو پیش مطالب بیرون

حسب فرمائش

محمد شبیر علی مالک اشرف المطابع تھانہ بھون ضلع مظفر نگر با طبع رسید

تمهید کلید مثنوی دفتر دوم

بعد حمد ایزد و نعت نبی — عرضه دارد احقر اشرف علی

اول و سادس کلید مثنوی — چون نوشتم از فیوض مولوی

در دفاتر باقیه همت ندید — لاجرم از شرح او تن در کشید

لیک از اصرار بعض[عه] احباب صدق — که بدند از فضل حق صحاب صدق

طرز دیگر سهل گردم اختیار — کز زبان تقریر سازم درس وار

دیگران ضبطش کنند اندر قلم — بس همین سان شد شروع اندر رقم

آنچنانکه مثنوی چون در بهشت — مولوی گفت و حسام الدین نوشت

همچنین این نقش[عه] پاک از نقش زشت — بنده می گفتی و شبیرش نوشت

جذب ذوق و شوق شبیر علی — می کشد جان را بشرح مثنوی

جذب ذوق و شوق انعام الٰه — سوی شرح مثنوی بنمود راه

جذب ذوق و شوق آن احمد حسن — داد شرح مثنوی را جان و تن

جذب ذوق و شوق احمد با حبیب — مثنوی را مے کند شرح غریب

یافت از احمد حسن جلوه وقوع — نیز عزمم بعد فترت شد رجوع

گشت از شبیر در رقمش شروع — کرد انعام الله سامان شیوع

هم حبیبم دون[عه] وعدا لالتزام — حاشیه بنگاشت در بعضے مقام

احمد و انعام و شبیر و حبیب — از شما شد بدرا این حل عجیب

عه فهرست بعضے از ایشان در اشعار آئنده است ۱۲ منه عه یعنی از مخالفت شرع و درست چنانکه بعضے در حل او درین مبتلا میشوند ۱۲ منه عه بار ایشان را بعضے اعذار مانعه از طبعش پیش آمد لکن نیة المؤمن خیر من عمله ۱۲ منه

چون کشیدیدم ازین رہ زابتدا	ہم بریدم از دعا تا انتہا
نیمہ از ماہ محرم رفتہ بود	کہ بہ جنبش آمد این دریاے جود
یک ہزار و سہ صد و سی و چہار	بود سالِ ہجرت خیر الخیار
یا معید و مبدی ہر انتظام	ما ہمہ را بخش توفیق ختام
طالبان را ہم بدہ زو نفع تام	ختم شد تمہید باقی والسلام

حاصل اِن اشعار تمہید یہ کا یہ ہو کہ جب بندہ کلید مثنوی دفتر اوّل وسادس کے لکھنے سے فارغ ہوا القیہ دفاتر کی شرح کی ہمت اپنے اندر نہ پائی بعض احباب صدق نے جب اسمین زیادہ اصرار کیا تو بندہ نے ایک صورت سے اسکا وعدہ کیا کہ مجھ سے کوئی صاحب پڑھ لین اور میری تقریر منضبط کر لین چنانچہ بعد مشورہ اسکا انتظام اِس طرح ہوا کہ مین بیان کرتا تھا اور برخوردار شبیر علی برادر زادہ بندہ بالالتزام اور مشفقم مولوی حبیب احمد کرانوی بدون[ع] وعدہ التزام اُسکو روزانہ لکھ لیتے تھے ضرورت کے مواقع پر مین نے بھی دیکھ لینے کا وعدہ کر لیا تھا چنانچہ جن مواقع پر مجھ سے دیکھنے کی درخواست کی گئی مین نے دیکھا بھی برخوردار مذکور کی تحریر عام ناظرین کے لیے زیادہ مفید ہو اور مشفق موصوف کی تحریر اہلِ علم کے لیے زیادہ نافع ہی حق تعالی سے دعاے تسہیل اختتام سب کام کرنیوالون کے لیے کرتا ہون فقط اشرف علی نصف محرم ۱۳۳۴ھ

نوٹ دونون عزیزون کی شرح پوری ہونے کے بعد دونون کے جمع کرنے کی یہ صورت قرار دی گئی کہ اول جلی قلم سے عنوان شرح حبیبی قائم کر کے مولوی حبیب احمد صاحب کی شرح کو چند اشعار کے متعلق لکھا پھر شرح شبیری کا عنوان قائم کر کے اُن ہی اشعار کی شرح کو لکھا پھر آیندہ اشعار کی شرح کو اسیطرح دونون عنوان قائم کر کے علی التعاقب لکھا و ہکذا الی انتہاء الدفتر اور مجموعہ کا نام کلید مثنوی دفتر دوم مقرر رکھا گیا فقط۔

ع[۵] مگر پھر اُنھون نے بھی بالالتزام پوری شرح لکھی ۱۲ منہ

اشرف علی۔ آخر رجب ۱۳۳۴ھ

شرح حبیبی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامدًا و مصلیًا ۔ اما بعد واضح ہو کہ جب مولانا دفتر اول کی تکمیل سے فارغ ہوے تو دوسرا دفتر فورًا شروع نہین ہوا بلکہ دو سال تک اسکا شروع موخر ہوگیا ۔ اسکی ظاہری وجہ جو تذکرہ نویسون نے لکھی ہے ۔ یہ تھی کہ مولانا حسام الدین رح کی بیوی کا انتقال ہوگیا تھا اور وہ اسمین مشغول ہوگئے تھے چونکہ تحریر مثنوی مین اُنکو بھی دخل تھا ۔ کہ وہی قلمبند کرنیوالے تھے اس لیے کام اتنے عرصہ تک بند رہا ۔ لیکن مولانا اسکی دوسری وجہ بیان فرماتے ہین چنانچہ فرماتے ہین ۔

مدتے این مثنوی تاخیر شد ۔ مہلتے بایست تا خون شیر شد
تا نزاید بخت تو فرزند نو ۔ خون نگردد شیر شیرین خوش شنو
چون ضیاء الحق حسام الدین عنان ۔ باز گردانید ز اوج آسمان
چون بمعراج حقائق رفتہ بود ۔ بے بہارش غنچہا نشگفتہ بود
چون ز دریا سوے ساحل باز گشت ۔ چنگ شعر مثنوی باساز گشت

(حل) خون استعداد علوم و معارف ۔ شیر فعلیت و تحقق علوم و معارف ۔ معراج حقائق عروج روحانی لاقتناص الحقائق ۔ بہار افاضہ غنچہاے نشگفتہ مضامین عالیہ جو ہنوز بیان مین نہین آئے ۔ دریا ۔ عالم ملکوت وجہ شبہ یہ ہے کہ جسطرح دریا دیکھنے مین متشابہ الاجزا معلوم ہوتا ہے اور اسکے اجزا مین اختلاف بین نہین ہوتا ۔ یہی شان عالم ملکوت کی ہے یا دریا سے مراد حق سبحانہ ہون ۔ اُسوقت وجہ شبہ یہ ہوگی کہ جسطرح دریا سے متعارف پیاسون کو سیراب کرنیوالا ۔ اور مایۂ حیات جسمانی ہے ۔ یون ہی حق سبحانہ تشنگان وصال و قرب کو سیراب کرنیوالے اور مایۂ حیات روحانی و جسمانی ہر دو ہین اور ساحل سے مراد یا عالم ناسوت ہے ۔

لاختلاف البین فی اجزائہ یا مخلوق لعدم صفۃ البحر الحقیقی فیہ فی حد ذاتہ ۔

مولانا فرماتے ہین کہ ایک عرصہ تک نظم مثنوی مُوخر ہوگئی ۔ اور ایسا ہونا بھی چاہیے تھا کیونکہ خون کے دودھ بننے اور علوم و معارف قوت سے فعل مین آنے کے لیے وقفہ کی ضرورت تھی ۔ اس لیے کہ ہر کام کے لیے ایک وقت معین ہوتا ہے اور اسکے لیے وجود شرائط اور ارتفاع موانع کی ضرورت ہوتی ہے مثلاً پستان مین خون کے دودھ بننے کے لیے تولد ولد یا اُسکا قریب الولادۃ ہونا شرط ہے ۔ اور ایسا نہ ہونا مانع ۔ پس جبتک تیری خوش قسمتی سے تیرے گھر مین نیا بچہ نہ پیدا ہو یا عنقریب پیدا ہونیوالا نہ ہو اسوقت تک خون پستان مین خوش مزہ اور شیرین دودھ نہین بن سکتا یون ہی یہان علوم و معارف کے ظہور کے لیے بھی کچھ شرائط اور کچھ موانع تھے پس جبتک وجود شرائط اور ارتفاع موانع نہ ہوا اُنکا ظہور کیونکر ہوسکتا تھا تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ چونکہ مولانا حسام الدین اقتناص حقائق کے لیے عالم ملکوت کو بعروج روحانی تشریف لے گئے تھے اور کسب علوم جدیدہ کے لیے متوجہ الی الحق تھے اس لیے افاضہ حقائق سے معذور تھے کیونکہ جبتک استفاضہ نہ ہو افاضہ کیونکر ہوسکتا ہے اور یہ جان اُنکے افاضہ کے مضامین عالیہ ظاہر نہ ہوے تھے اب چونکہ اُنھون نے عالم بالا سے اس عالم کی طرف عنان توجہ کو منعطف کیا اور دریا سے

ساحل کی طرف لپٹے یعنی سکر و استغراق سے صحو مین آئے۔ اور متوجہ الی الخلق للحق ہوے تو شعر مثنوی کا چنگ با ساز ہوا اور تحریر مثنوی کا انتظام مکمل ہوا (ف) مولانا حسام الدین مولانا کے پیر بھائی بھی ہین اور ان سے مستفید بھی مولانا انکے نہایت معتقد ہین اور مثنوی کو انھین کے افاضات سے فرماتے ہین اور انکے کلام سے ظاہر یہ بھی ہے۔ کہ وہ حقیقۃً مفیض ہین۔ نہ کہ علی وجہ التسبب۔ اگر ایسا ہو بھی تو کچھ مستبعد نہین کیونکہ گو تکمیل انکی مولانا ہی سے ہوئی ہے لیکن اختلاف استعدادات کی بنا پر ایک مستفید کا مفید سے بڑھ جانا کچھ بعید نہین۔ پس اس مفید کا مستفید سے فی الجملہ مستفید ہونا بھی کچھ بعید نہین۔

ف ۲ چون بمعراج حقائق الخ گو نظم مین مؤخر ہے مگر مضمون کے لحاظ سے چون ضیاء الحق الخ پر مقدم ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شرح شبیری مدتے الخ۔ ایک مدت تک مثنوی کی تحریر مؤخر رہی۔ ایک عرصہ کی ضرورت تھی کہ خون دودھ ہو بالیقین بصیغہ ماضی مثنوی کا لکھنا ایک مدت تک موخر رہا تھا اور اسکا سلسلہ بند ہو گیا تھا اسکی وجہ یہ ہوئی کہ مولانا حسام الدین جنکے افاضات سے مولانا اس مثنوی کو سمجھتے ہین اور یہ سمجھنا خواہ انکسارًا ہو یا واقعیت پر مبنی ہو انکی بیوی کا انتقال ہو گیا تھا۔ چونکہ وہ اُسکے رنج کی وجہ سے مشغول رہے اس لیے اسکا لکھنا بھی موقوف ہو گیا۔ یہ وجہ تو تذکرہ نویسون کے بیان کی بنا پر تھی لیکن مولانا رومی کے کلام سے اسکی ایک دوسری وجہ معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ مصرعہ ثانی مین خون سے مراد استعداد اور قابلیت کمال ہے اور شیر سے مراد فعلیت کمال ہے۔ پس فرماتے ہین کہ ایک مدت تک اسکا لکھنا موقوف رہا اس لیے کہ ایک مدت درکار تھی کہ استعداد و قابلیت سے درجہ فعلیت کمال حاصل ہو جیسا کہ خون مین اول استعداد و قابلیت دودھ بننے کی ہوتی ہے اور ایک مدت کے بعد وہ دودھ بنجاتا ہے پس مولانا حسام الدین کو ضرورت تھی کہ ان مین جو استعداد استفادہ کمالات کی عالم غیب سے تھی وہ حاصل ہو جاوے اور اسکے بعد افاضہ علی الخلق کر سکین جس خلق مین کہ مولانا روم بھی شامل ہین اور ان افاضات مین یہ مثنوی بھی داخل ہے پس حاصل نتیجہ یہ ہوا کہ اس مدت مین وہ استعداد درجہ فعلیت کو پہونچ گئی اور مولانا حسام الدین نے عالم غیب سے استفادہ کرکے اس طرف افادہ کیلیے توجہ کی بظاہر تذکرہ نویسوں کی وجہ اور مولانا کی وجہ مین تعارض معلوم ہوتا ہے کہ وہ تو مرگ زوجہ کو وجہ سمجھتے ہین اور یہ استغراق مولانا حسام الدین کو فرماتے ہین تو وجہ تطبیق یہ ہے کہ مولانا حسام الدین کو جو یہ استغراق ہوا ہو اُس واقعہ کی وجہ سے ہوا ہو اور پھر اُس استغراق مین اسقدر مدت تک انکے کمالات مین ترقی ہوتی رہی ہو اب یہان یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ مولانا حسام الدین مولانا رومی کے پیر بھائی ہین اور مولانا سے مستفید بھی ہین مگر مولانا روم مثنوی کو ان ہی کے افاضات سے فرماتے ہین یہ یا تو بوجہ انکسار کے ہو یا کسیقدر واقعیت پر مبنی ہو اور صورت ثانیہ کی بنا پر یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ جب مولانا سے مستفید ہین تو مولانا انکے لیے مثل شیخ کے ہوے تو اُن سے مولانا کو استفادہ کیسے ہو سکتا ہے اس لیے یہ ممکن بلکہ واقع بھی ہے کہ مفید کو احیانًا مستفید سے کچھ حاصل ہوتا ہے سو بعض مرتبہ تو وہ فیض اور کوئی نفع ہی ہوتا ہے جو کہ مستفید سے حاصل ہوتا ہے اور بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ بوجہ اُسکی طلب کے مفید کے ذہن مین وہ القاء ہو جاتا ہے جیسے کہ بعض مرتبہ ایک مقام مطالعہ کے وقت اُستاد کی سمجھ مین نہین آیا لیکن جب شاگرد کو پڑھانے بیٹھتا ہے تو فورًا سمجھ مین آجاتا ہے دوسرا یہ شبہ بھی نہ کیا جاوے کہ جب مولانا حسام الدین کامل تھے جنکے کمالات بالفعل ہوتے ہین تو انکو اس استفادہ کی کیا ضرورت

جس کے لیے ان کو ایک مدت تک اِس طرف توجہ کرنا پڑی اور یہ اِس لیے نہین ہو سکتا کہ کمال
کے مراتب مختلف ہین اور کسی کو ایک ہی وقت مین وہ سب مراتب حاصل نہین ہو جاتے
تو کامل مین بھی ممکن ہی کہ کوئی کمال جو پہلے حاصل نہ تھا وہ حاصل ہو اور اُسین اول استعداد کا پھر فعلیت
کا مرتبہ ہوگا اور گو باعتبار اُس کمال کے جو ابھی حاصل نہین ہوا ہی اِس کامل کو بھی ناقص کہہ سکتے ہین
مگر چونکہ صوفیہ مین ادب بھی بہت ہی اِسلیے کاملین کے حق مین نقص کا اطلاق نہین کرتے اور اُنکو اُس حالت
مین ناقص نہین کہتے بلکہ یون کہتے ہین کہ اوّل کامل تھے اب اکمل ہو گئے پھر اولیاء اللہ دو طرح کے ہوتے
ہین ایک وہ جو کہ کامل ہوتے ہین مکمل نہین ہوتے اور دوسرے وہ جو کامل مکمل دونون ہوتے ہین پس اوّل
فرقہ کو تو خداوند تعالے عالم غیب سے استفادہ ہی مین مشغول رکھتے ہین اور وہ دوسرون کو افادہ نہین کرتے
اور دوسری قسم اوّل خود استفادہ عالم غیب سے کرتے ہین اُسکے بعد افاضہ علی الخلق کرتے ہین اور متوجہ
الی الخلق ہوتے ہین لیکن یہ توجہ الی الخلق للحق ہوتی ہی للخلق نہین ہوتی جیسی کہ عوام کو ہوتی ہی پس اسیطرح
مولانا حسام الدین نے علوم جدیدہ حاصل کرنیکے لیے اتنی مدت تک عالم غیب کی طرف توجہ کی اُسکے بعد
جب وہ استعداد مبدل بہ فعلیت ہوگئی تو پھر اِس طرف توجہ کی اِس شعر مین اِس تاخیر کی حکمت اور علت
مجملاً بیان کر دی آگے اِسکو مفصل بیان کرتے ہین۔

تا نزاید الخ جبتک کہ تیری خوش نصیبی سے فرزند جدید پیدا نہین ہوتا اُسوقت تک پستان مادر مین خون دودھ نہین بنتا
اوپر کے شعر مین خون سے استعداد کمال اور شیر سے مُراد فعلیت کی ہی اب اُسکو ظاہر کر کے اور ایک مثال دیکر
فرماتے ہین کہ دیکھو جب تک لڑکا پیدا نہین ہوتا اُسوقت تک خون سے دودھ نہین بنتا اسیطرح جبتک
حالت جدیدہ جو تربیت باطن مین دخیل اور مثل فرزند نو کے ہے حاصل نہین ہوتی وہ استعداد درجہ
فعلیت کو نہین پہونچتی اور خون کا دودھ ہونا یا تو ولادت سے کچھ قبل ہوتا ہی تب تو زائد سے مُراد قریب
زائیدن ہوگا اور اگر بعد ولادت ہوتا ہی تو مُراد ظاہر ہی یہ مسئلہ طبی ہی تحقیق نہین۔

چون ضیاء الحق۔ یعنی جب مولانا ضیاء الحق حسام الدین حالت سکر سے حالت صحو کی طرف آئے (آگے چون زدریا الخ
اسکا بدل ہی اور اُسکی جزا رچنگ شعر الخ اِس مبدل منہ کی بھی جزا ہے اور درمیان مین شعر چون بمعراج
حقائق الخ جملہ معترضہ کے طور پر ہے) اور چونکہ وہ اقتناص حقائق کے لیے عالم بالا کی طرف متوجہ تھے
تو اُنکی عدم توجہ سے یہ غنچے نہ کھلے تھے جب وہ دریا سے ساحل کی طرف واپس آئے تو مثنوی کا سامان
پھر مہیا ہوگیا۔ معراج بمعنے عروج معراج حقائق عروج لاقتناص الحقائق بہار مراد توجہ غنچہا مضامین عالیہ
دریا عالم ملکوت ساحل عالم ناسوت مطلب یہ کہ چونکہ مولانا حسام الدین عالم غیب کی طرف متوجہ تھے
اور اُنکی اِس طرف کی کم توجہی سے یہ علوم عالیہ ظاہر نہ ہوے تھے مگر جب اُنھون نے اِس طرف توجہ کی
تو پھر مثنوی کا سامان مہیا ہوگیا اور اُسکو شروع کر دیا گیا۔ اب یہان یہ بھی سمجھو کہ صوفیہ توجہ الی الحق کو تو عروج

سے تعبیر کرتے ہین اور توجہ الی الخلق کو جوکہ للحق ہوتی ہے نزول سے تعبیر کرتے ہین دوسرے یہ سمجھو کہ صوفیہ عالم ملکوت کو دریا سے تشبیہ دیتے ہین اور عالم ناسوت کو ساحل سے تشبیہ دیتے ہین اس لیے کہ عالم ملکوت مین بھی باہم ایسا ہی تناسب ہی جس طرح اجزاء دریا مین بھی باہم تشابہ ہوتا ہی اگرچہ دراصل ان مین بھی اشیاء مختلفہ ہوتی ہین گر بظاہر دیکھنے مین تو پانی ہی آتا ہی جو کہ ایک چیز ہی اور جس طرح عالم ناسوت کے اجزا مین تخالف ہوتا ہے اسی طرح ساحل پر بھی تشتت واختلاف اجزا زیادہ ہوتا ہی اس مقام پر ایک سوال مولوی انعام اللہ خان صاحب نے کانپور سے بھیجا اور صاحب درس نے اُسکا جواب لکھا بوجہ مفید ہونے اور اس مقام کے مناسب ہونے کے بعینہ نقل کیا جاتا ہی **سوال** مثنوی کے دفتر کے خاتمہ اور اُسکی شرح سے یہ معلوم ہوا تھا کہ سامعین کی توجہ معانی کی طرف نہین رہی تھی جسکے سبب سے آمد معانی کا جوش نہین رہا تھا اور اسی لیے دفتر اول کے ختم ہونے کے بعد پھر دفتر ثانی جلد تر شروع نہین ہوا اور اب اس دفتر دوم مین دوسری وجہ بیان فرمائی کہ مولانا حسام الدین کو اس مدت تک تحریر مثنوی کی طرف توجہ نہین ہوئی اس لیے تحریر مثنوی مؤخر رہی پس اب دفتر اول کے خاتمہ والی وجہ کو مانا جاوے گا یا دفتر دوم کے آغاز والی کو یا دونون کو اور اسکی تحریر و تطبیق کیا ہوگی)۔ **جواب** وجہ تطبیق یہ ہے کہ ابتدا توقف اُس سبب مذکور فی آخر الدفتر الاول سے ہوئی ہوا ور امتداد توقف اس سبب مذکور فی اول الدفتر الثانی سے ہوا ہو فلا تعارض ۔

شرح حبیبی

مثنوی کہ صیقل ارواح بود
مطلع تاریخ این سود را و سود
بلبلے زینجا برفت و باز گشت
ساعد شہ مسکن این باز باد

باز گشتش او ز استفتاح بود
سال ہجری شش صد و شصت و دو بود
بہر صید این معانی باز گشت
تا ابد بر خلق این در باز باد

مثنوی جوکہ ارواح کو زنگ صفات ذمیمہ سے صاف کرکے۔ انکے لیے حقائق ومعارف کا دروازہ کھولدینے والی ہی اُسکے تمامی کی طرف عود کا دن روز استفتاح یعنی رجب کی پندرھوین تاریخ ہی جس روز خانہ کعبہ کا دروازہ زائرین کے لیے کھولا جاتا تھا اور اس متاع گرانمایہ اور سراسر نفع کی دوکان یعنی مثنوی جوکہ علوم ومعارف سراسر نفع سے مالامال ہی اسکے شروع کی تاریخ سنہ ۶۶۲ چھ سو باسٹھ ہجری تھی کار مثنوی کے سرانجام ہونیکی وجہ یہ ہی کہ ایک بلبل یعنی عاشق الٰہی یا نافا در علی اقتناص الحقائق (حسام الدین) یہان سے عالم بالا کو گئے اور متوجہ بحق ہوے۔ اور پھر نزول فرمایا اور متوجہ بخلق للحق ہوئے۔ اور ان معانی کے شکار کے لیے بمنزلہ باز کے ہوگئے یعنی حق سبحانہ سے کسب حقائق کیا پھر ان حقائق کا ہم پر افاضہ فرمایا۔ اس طرح یہ کام سرانجام ہوا۔ خدا کرے

بادشاہ کا ساعد ہمیشہ اس باز کا مسکن رہے۔ یعنی قرب الٰہی اُن کو ہمیشہ حاصل رہے اور یہ قرب الٰہی کا دروازہ اُنکی طرح اور مخلوق پر بھی کھلا رہے۔

شرح شبیری

مثنوی الخ یعنی مثنوی جو کہ ارواح کے لیے مثل ایک صیقل کے ہے اُس کے دوبارہ شروع ہونیکی تاریخ ۱۵۔رجب تھی مثنوی کا صیقل ارواح ہونا تو ظاہر ہی یوم استفتاح رجب کی پندرہ تاریخ کو کہتے ہین اس لیے کہ اُس زمانہ مین اُس تاریخ کو کعبہ کا دروازہ کھلا کرتا تھا اور اُسمین داخلی ہوا کرتی تھی۔ لہذا اُسکو یوم استفتاح کہتے تھے۔

مطلع تاریخ الخ یعنی ان علوم اور منافع کے دوبارہ شروع ہونیکا سنہ ۶۶۲ چھ سو باسٹھ ہجری تھا سود المعنی اسباب و متاع مراد علوم سود و نفع مُراد نفع علوم یعنی کہ ان علوم اور اُنکے ثمرات کو دوبارہ سنہ ۶۶۲ھ مین شروع کیا گیا۔

بلبلے زینجا الخ یعنی ایک بلبل یہان سے گیا اور پھر واپس آگیا اور اب واپسی کے وقت ان معانی کے شکار کرنے کے لیے باز ہوگیا مطلب یہ کہ مولانا حسام الدین جو کہ اِن علوم کے اعتبار سے اول مانند بلبل کے تھے چونکہ شکار نہین کرتا اس عالم ناسوت سے عالم ملکوت کی طرف متوجہ ہوے اور جب وہان سے وہ واپس ہوے تو ان علوم کے حاصل ہوجانیکی وجہ سے وہ مثل باز کے ہوگئے جیسے کہ وہ شکار کرتا ہی اسیطرح یہ ان معانی کو شکار کرلائے۔

ساعد شہ الخ یعنی بادشاہ کی کلائی خدا کرے اس باز کی جائگاہ ہو اور یہ دروازہ مخلوق پر ہمیشہ کھلا رہے چونکہ پہلے مولانا حسام الدین کو باز سے تشبیہہ دی تھی اب کہتے ہین کہ خدا کرے مولانا کو کمال قرب حق حاصل رہے اور اس افاضہ کا دروازہ مخلوق پر (جسمین کہ خود مولانا بھی شامل ہین) کھلا رہے اور افاضہ ہوتا رہے یہان تک تو تاخیر کی حکمت اور علت بیان فرمائی جسکا کہ مجملاً ذکر اول شعر مین کردیا تھا کہ افادہ کے لیے اوّل استفادہ کی ضرورت ہوا کرتی ہی۔ بعدہٗ مفصلاً بیان کردیا کہ تاخیر کی وجہ مولانا حسام الدین کا استغراق اور توجہ الی عالم الغیب تھی اب آگے دوسرا مضمون شروع کرتے ہین اور اس قسم کے انتقالات مولانا کے کلام میں بہت ہوتے ہین اور اُنکو ماقبل سے ربط ضرور ہوتا ہی مگر بعض جگہ تو ربط سہولت سے سمجھ مین آجاتا ہی اور بعض جگہ بعد غور کے مگر یہان تو ربط ظاہر ہی کہ یہان تک اس تاخیر کی حکمت جسکا حاصل موانع وجود کتاب ہے بیان کرکے فرماتے ہین کہ بعد وجود کتاب کے اِس کتاب کے استفادہ سے بعض موانع بھی ہوا کرتے ہین۔ پس فرماتے ہین

شرح حبیبی

آفت این در ہوا و شہوت ست	ورنہ اینجا شربت اندر شربت ست
این دہان بر بند تا بینی عیان	چشم بند آن جہان حلق و دہان
اے دہان تو خود دہان دوزخی	وے جہان تو بر مثال برزخی

شیر صافی پہلوئے جوہائے خون	تو ز باقی پہلوئے دنیائے دون
شیر کو خون می شود از اختلاط	چون درو گامی زنے بے احتیاط

مولانا نے اوپر دعا کی تھی کہ تقرب حق سبحانہ کا دروازہ خدا کرے مولانا حسام الدین کی طرح اوروں پر بھی کھلا رہے جس سے مفہوم ہوتا تھا کہ یہ نہایت اچھی چیز اور حاصل کرنے کے قابل ہے۔ اب اس کے متعلق چند مفید باتیں بتلاتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ قرب حق سے شہوت و ہوائے نفس بہت بڑا مانع ہے جسکے باعث ہر شخص اس نعمت عظمیٰ کو حاصل نہیں کر سکتا ورنہ یہ نہایت ہی لذیذ اور مزیدار شے ہے اگر ان موانع کا غلبہ نہ ہوتا تو کوئی بھی اسکو نہ چھوڑتا مقصود یہ ہے کہ ان موانع کو مرتفع کرنا چاہیے اور اس دولت کو حاصل کرنا چاہیے آگے اسکا طریقہ بتلاتے ہیں کہ بس منھ کو بند کرلے۔ اور تقلیل طعام و کلام کر یعنی نہ ضرورت سے زیادہ کھا اور نہ ضرورت سے زیادہ بول بجدید اس لیے نہیں ہو سکتی کہ ضرورۃً بحسب اقتضائے احوال مختلف ہوتی ہے اگر تو ایسا کریگا تو تجھپر اسرار الٰہی منکشف ہوں گے۔ خوب سمجھ لے کہ بہت بڑے حاجب اور چشم باطن کو اُس عالم کے مشاہدہ سے باز رکھنے والے یہ حلق اور دہان ہی ہیں۔ جیسا کہ تدبیر سے معلوم ہو سکتا ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ ارے منھ تو فی الحقیقت دوزخ کا دہانہ ہے یعنی تو دوزخ میں جانیکا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ اور اے جہان تو ایک برزخ کی طرح ہے۔ کہ تو من وجہ مضر اور من وجہ نافع ہے۔ لہذا تو بیَن بیَن ہے نہ بالکل نافع اور نہ سراسر مضر اس شعر کے پہلے مصرعہ میں تو حفظ دہن کی طرف اشارہ ہے اور دوسرے مصرعہ میں اشیائے عالم کے استعمال میں احتیاط پر تنبیہ ہے۔ آگے اس مضمون کو کسی قدر واضح کرتے ہیں۔ اور دوسرے شعر میں مماثلت برزخ کی تشریح ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ مشابہ برزخ ہونیکی وجہ یہ ہے کہ اسمیں دو وصف جمع ہیں ایک ذنیویت اور مانع عن الحق ہونا۔ اور دوسرا ذریعہ معرفت الٰہی ہونا یا یوں کہو کہ خون کی طرح مکروہ ہونا اور دودھ کی طرح مرغوب ہونا لہذا یہ بین بین ہے کہ نہ سراسر نافع و مرغوب ہے اور نہ بالکل مضر و مکروہ ہے اس لیے برزخ کے مشابہ ہے اس سے اگلے شعر میں تعلیم احتیاط ہے۔ اور فرماتے ہیں کہ جب تو عالم میں بے احتیاطی سے قدم رکھے گا۔ اور اس کے استعمال میں حدود شرعیہ سے تجاوز کریگا تو ایک شے جو بشرط احتیاط تیرے لیے مفید اور فی نفسہ مرغوب تھی وہ ایک نامرغوب اور مکروہ شے کے ساتھ ملکر مکروہ ہو جائیگی۔ نماز فی نفسہ مرغوب اور مثل شیر ہے لیکن جب اسمیں نیت فاسدہ مثل ریا وغیرہ مل گئی جو ایک نامرغوب چیز اور مثل خون ہے تو اس سے وہ مرغوب نماز بھی نامرغوب ہو جائیگی اور بجائے طاعت کے معصیت ہو جائیگی۔ پس تمکو اسکے استعمال میں نہایت احتیاط چاہیے اور اسکے استعمال میں اتباع نفسانی سے نہایت احتراز چاہیے کیونکہ اس سے بہت برے نتائج پیدا ہوتے ہیں آگے اس بے احتیاطی کی مثال سے اُسکے ضرر کو بیان کرتے ہیں اور فرماتے ہیں یک قدم زد آدم اندر ذوق نفس الخ۔

شرح شبیری

آفت این الخ - یعنی اس کتاب کی آفت جو استفادہ سے مانع ہے ہوا و شہوت ہیں ہے ورنہ اس جگہ تو شربت ہی شربت ہے آفت سے مراد دو ہوتی ہیں ایک موانع دوسرے نتائج بد جیسا کہ قول مشہور لکل شئی آفۃ وللعلم آفات میں بھی دو احتمال ہیں۔ یہان بھی آفت کی دو توجیہ عقلاً محتمل ہو سکتی تھیں ایک تو یہ کہ اس کتاب سے ہوا و شہوت پیدا ہوتی ہے یہ تو نتائج بد ہیں مگر قرینہ مقام سے یہان یہ مراد نہیں ہو سکتی - دوسرے یہ کہ اس کتاب کی تحصیل سے ہوا و شہوت مانع ہیں اور اگر یہ حجابات نہون تو پھر تو یہین شربت ہی شربت یعنی معارف و علوم ہی ہیں اور معارف کی تشبیہ شربت سے بوجہ اُنکے مرغوب ہونیکے ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے (کما قالہ المولوی انعام اللہ) کہ مصرعہ اولی میں **در** بمعنے دروازہ ہو جو اسکے شعر میں بھی مذکور تھا لیس آفت این دروازۂ مذکورہ ہوا و شہوت ہے۔

این دہان الخ - یعنی اس منھ کو بند کرو تاکہ ظاہر طور پر دیکھ سکو کیونکہ اُس جہان کے چشم بند اور حجاب تو یہ حلق اور دہان ہی ہے یہان دہان کے بند کرنے سے دو مراد ہین ایک تو قلتِ کلام دوسرے قلتِ طعام جیسا کہ آگے حلق اور دہان لاتا اسپر شاہد ہے یعنی تم قلتِ کلام اور قلت طعام اختیار کرو تاکہ علوم و معارف کو ظاہر طور پر دیکھ سکو اور اُن سے محجوب تو یہ زیادتی طعام اور کلام ہی ہین۔ حلق سے مراد اکل ہے اور دہان سے مراد کلام ہے یہان یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ چونکہ تبدل زمان سے تبدل امزجہ ہو جاتا ہے اور پھر اُن ہی کے مناسب معالجات بھی ہوا کرتے ہین لہذا قلتِ طعام پہلے لوگون کے لیے کہ وہ قوی ہوتے تھے مفید تھی لیکن آج کل صرف قلتِ کلام تو ضروری ہے مگر قلتِ طعام نہ کرے کہ پھر کام بھی نہ کر سکے گا۔

ای دہان الخ - یعنی اے منھ تو خود ایک دوزخ کا منھ ہے اور اے جہان تو خود مثل ایک برزخ کے ہے۔ دوزخ سے مراد پیٹ ہے یعنی اوپر جو کہا تھا کہ منھ کو بند کرو تو فرماتے ہین کہ اے منھ تو تو ایک دوزخ کا منھ ہے اور یا یہ معنے ہین کہ چونکہ طعام و کلام ہی سے ہوتا ہے۔ لہذا دوزخ کے منھ کا راستہ ہونیکی وجہ سے اسکو دوزخ کہدیا گیا ہے۔ اب چونکہ شبہ ہو سکتا تھا کہ جب دنیا کی اور اُسکی متعلقات کی اسقدر مذمت کی تو پھر اُن سے بالکل علیحدہ رہنا ضروری ہوا لہذا اس شبہ کو رفع فرماتے ہین کہ یہ جہان برزخ کی مثل ہے کہ جسطرح برزخ کا تعلق دونو جانب سے ہوتا ہے اسیطرح اس جہان کا تعلق بھی نفع اور ضرر دونون سے ہے اگر مطابق شریعت و طریقت کے اُس سے تعلق رکھا جاوے تو وہ مفید ہے ورنہ مضر ہے۔

نور باقی الخ - یعنی اس دنیا دون کی ساتھ ساتھ ایک نور باقی و صافی ہدایت کا موجود ہے جسطرح کہ خون کی ندیون کے ساتھ ساتھ دودھ ہوتا ہے یہان مثالون سے اُس برزخ کی تفسیر کرتے ہین کہ جسطرح سے کہ دُنیا کے ساتھ ساتھ کہ وہ مضر ہے نور ہدایت کہ وہ مفید ہے لگا ہوا ہے اسی طرح سے خون کے ساتھ ساتھ کہ وہ نجس ہے شیر صافی لگا ہوا ہے خون کے ساتھ شیر کے لانے سے یہ بھی اشارہ ہے کہ جیسے مادۂ خون اور مادۂ شیر ایک ہے اسیطرح استعداد نفع اور ضرر بھی ایک مادہ میں جمع ہین اگر اُسکو صراط مستقیم پر چلاکر استعمال کیا گیا تو وہ ہی نافع ہے ورنہ وہی مضر ہے مثلاً غضب کہ محل امر مین وہی نافع ہے اور محل نہی مین وہی مضر ہے۔

چون ز راہ ہر یعنی اگر ایک قدم بھی بدون احتیاط مراتب شرعیہ کے رکھوگے تو وہ تمھارا شیر صافی خون ہو جاویگا یعنی کہ اگر شریعت سے ایک قدم بھی باہر رکھوگے تو وہ خیر یعنی نفع مبدل بہ خون یعنی ضرر ہو جاویگا آگے اسکو ایک حکایت سے ثابت کرتے ہین کہ ؎ یک قدم زد آدم اندر ذوق نفس الخ۔

شرح حبیبی

یک قدم زد آدم اندر ذوق نفس	شد فراق صدر جنت طوق نفس
ہمچو دیو از وے فرشتہ میگریخت	بہر نانے چند آب از چشم ریخت

دیکھو آدم علیہ السلام نے لذتِ نفس مین معمولی ہی مداخلت کی تھی لیکن اسکا یہ نتیجہ ہوا۔ کہ مفارقت مقام عالی جنت ایک مدت دراز کے لیے انکے گلے کا ہار ہوگئی۔ اور وہی آدم جنکے سامنے فرشتون نے سجدہ کیا تھا اب خود اُنہی کی یہ حالت ہوگئی کہ وہی فرشتے اُنسے یون بھاگنے لگے جس طرح کہ وہ شیطان ملعون سے بھاگتے ہین یا یون کہو کہ جسطرح شیطان آدم علیہ السلام سے بھاگتا ہے یون ہی فرشتے بھی بھاگنے لگے مگر توجیہ اول قریب ہے اور تشبیہ ایک متنفر کو دوسرے متنفر سے ہے نہ کہ حضرت آدم علیہ السلام کو یا فرشتون کو شیطان سے فقد بر ولا تزل۔ اور دیکھو کہ چند دانہ گندم کے لیے۔ جو مادہ ہین روٹی کا کتنی مدت تک اُنکو رونا پڑا۔ ف یک قدم زد آدم اندر ذوق نفس۔ کی تشریح یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو حق سبحانہ نے روکا تھا کہ دیکھو اس درخت کے پاس بھی نہ پھٹکنا اسمین سے کھانا تو درکنار۔ وہ ایک وقت معین تک اس حکم کا امتثال کرتے رہے۔ شیطان اپنی عداوت نہانی کے سبب حضرت آدمؑ کو ضرر پہونچانے کی فکر مین تو ہمیشہ ہی رہتا تھا مگر اسکو کوئی تدبیر نہ سوجھی تھی بالآخر اسکو ایک تدبیر سوجھی اور اُسنے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا کہ اس درخت کے پھلون کے کھانیسے حق سبحانہ نے تمکو اس لیے منع کیا تھا کہ تم فرشتہ یا خالد فی الجنۃ نہ بن جاؤ۔ اور ممانعت کی وجہ یہ نہ تھی کہ حق سبحانہ کو تمھارا فرشتہ یا خلود فی الجنۃ بننا مقصود نہین بلکہ اصل وجہ یہ تھی کہ تم مین اُسوقت اسکی لیاقت نہ تھی۔ اب ماشاء اللہ اتنے دنون جنت مین رہکر اور ذکر الٰہی کرکے قابلیت پیدا ہوگئی ہے لہذا اب کھا لینا مرضی حق سبحانہ کے خلاف نہین اور گو نہی بصورت مطلق ہے۔ مگر فی الحقیقت موقت بوقت استعداد و قابلیت ہے۔ اور قسم کھا کر کہا کہ جو کچھ مین کہتا ہون محض تمھاری خیر خواہی سے کہتا ہون۔ میری کوئی ذاتی غرض نہین حضرت آدم علیہ السلام نے جب یہ پیچ دار تقریر سُنی تو چونکہ دائون پیچ سے واقف نہ تھے۔ اور ملکیت یا خلود فی الجنۃ انکو زیادت قرب یا دوام قرب کے باعث مطلوب تھی۔ اس لیے اسکو کھالیا اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس واقعہ مین نفس کا دخل صرف اتنا تھا کہ اسنے ایک منہی عنہ پھل کو کھانے کی خواہش کی اور حضرت آدم علیہ السلام نے اسکا اتباع یہ کیا کہ اسکو کھالیا لیکن چونکہ وہ یہ جانتے تھے کہ یہ نفس کی شرارت ہے جو شیطان کے برانگیختہ کرنے سے پیدا ہوئی ہے بلکہ وہ اسکو قرب الٰہی کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ نہ کہ معصیت۔ اور حق سے دور کرنیوالا

لہذا انھون نے گو واقع مین اتباع نفس کیا لیکن اِسکو اقتضاء نفس جان کر نہین کیا اِس لیے یہ اُنکی ایک
لغزش اور خطائے اجتہادی تھی جسپر وہ ایک اجر کے مستحق تھے نہ کہ حقیقۃً معصیت اور حق سے دور کرنیوالی
کیونکہ حقیقۃً معصیت وہ ہی جو دیدہ و دانستہ ہو۔ اب یہان ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہی کہ جب وہ ایک ثواب کے
مستحق تھے تو سزا کیسی اسکا جواب مولانا اگلے اشعار مین دیتے ہین اور کہتے ہین ؎ گرچہ یک مو بُد گنہ کو جستہ بود

شرح شبیری

یک قدم الخ یعنی آدم علیہ السلام نے بظاہر ایک قدم ذوق نفس مین رکھا تھا اُسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک مدت تک جنت کے
مقام عالی سے علیحدہ رہے یعنی آدم علیہ السلام کہ جن سے ہمکو کوئی نسبت نہین ہے چہ نسبت خاک را با عالم پاک
پھر اُنھون نے کوئی زیادہ اور بہت بڑی نافرمانی بھی نہ کی تھی بلکہ صرف ایک ذرا نافرمانی صرف صورۃً ہوگئی
تھی ورنہ حقیقت مین اُنکا فعل معصیت نہ تھا جیسا کہ خود خداوند تعالیٰ فرماتے ہین آیۃ وقال ما نہٰکما ربکما عن
ہذہ الشجرۃ الا ان تکونا ملکین او تکونا من الخالدین وقاسمہما انی لکما لمن الناصحین فدلّٰہما بغرور الآیۃ کہ شیطان نے اُنکو دھوکا
دیا اور اُسنے یہ کہا کہ تکو جو منع کیا گیا تھا وہ اِس لیے کہ کہین تم فرشتہ نہ ہوجاؤ اور ہمیشہ ہمیشہ جنت ہی مین نہ رہنے لگو
کیونکہ اُسوقت تم مین اِسکی قابلیت نہ تھی اور اکل من الشجرۃ کا یہ خاصہ ہی کہ یا فرشتہ ہوجاوے یا خالد ہوجاوے
پس اُسوقت بوجہ عدم استعداد نہی کی گئی اور اب استعداد ہوگئی ہی اب کچھ حرج نہین آدم علیہ السلام یہ نسمجھے کہ یہ نہی
گو بصورت مطلق عن قید الوقت تھی مگر فی الحقیقت موقت تھی استعداد ہوجانے تک اب چونکہ ہم مین استعداد تمام
(بوجہ اکراد در اسقدر مدت جنت مین رہنے کے) ہوگئی ہی اس لیے اب نہی باقی نہ رہی اور اس خیال کو اُسکی
قسمین کھانے نے موکد کردیا اور یقین دلادیا کہ مین تمھارا خیر خواہ ہون اِس تقریر کے بعد یہ شبہ بھی رفع ہوگیا کہ نہٰکما
ربکما عن ہذہ الشجرۃ الخ سے دو باتین صاف معلوم ہوئین ایک یہ کہ شیطان نے یاد دلادیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے
تکو اسکے اکل سے منع کیا ہی دوسرے گویا اُسنے یہ بھی بتلادیا کہ خداوند کریم کو مقصود یہ ہی کہ تم فرشتے یا خالد نہ ہو
تو اُنھون نے باوجود یاد ہونے کے اور باوجود اس امر کے معلوم ہونے کے کہ ملکیت و خلود خلاف مرضی حق ہے
پھر رضائے خداوندی کے خلاف کیون کیا وجہ دفع ظاہر ہی کہ اُنکو تو یہ سمجھا دیا گیا تھا کہ تکو مطلقاً نہی ہے ہی نہین
اور اسیطرح مطلقاً فرشتہ بننے سے یا خالد ہونے سے روکنا مقصود نہین ہی۔ کیونکہ یہ دونون امر تو فی نفسہ محمود ہین
بلکہ ایک خاص وقت تک مقصود تھا جو کہ گذر چکا پس وہ دھوکے مین آگئے پس جب آدم علیہ السلام کو اِس
امر کا یقین ہوگیا کہ اکل شجرہ کا خاصہ ہی کہ فرشتہ یا خالد ہوجاوے اور اُنکو یہ امر بوجہ دوام قُرب اور زیادتی قرب
مقصود تھا اور اُسکو اِس طرح حاصل ہوتے دیکھا اور نہی موبد کے شبہ کو ابلیس اپنی تلبیس اور تلمیع سے پہلے ہی
زائل کرچکا تھا اِس لیے اُنھون نے اکل شجرہ کا ارتکاب کیا پس اُنھون نے ارتکاب خلاف کا کیا مگر بقصد خلاف
کے نہین بلکہ بغرض قُرب حق یہ تو حالت آدم علیہ السلام کی تھی اور ہم لوگ ارتکاب معاصی کرتے ہین تو

بقصد معصیت تو بھلا جب آدم علیہ السلام کے لیے باوجود انہیں اسقدر خصوصیات جمع ہونے کے فراق صد
جنت ایک مدت تک ہوا تو ہمارا تو کیا حشر ہوگا اور طوق کہدینا باعتبار طول زمان بلا لزوم کے ہے اسلیے
کہ طوق کبھی نہ کبھی تو گردن سے نکل ہی آتا ہے اور ہمارے حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ فرماتے تھے
کہ حضرت آدم علیہ السلام نے ارتکاب خلاف ہی نہیں کیا بلکہ انھون نے ایک طاعت کی ہے جس سے
انکی ترقی ہوئی حضرت نے یہ ایک بہت بڑا دعوی کیا ہے جسکو ثابت بھی فرما دیا خلاصہ اسکا یہ ہے کہ
جنت مین حق تعالی کے اسمار جمالیہ کی تجلی تو آدم علیہ السلام پر تھی ہی اور اسماء جلالیہ کی بھی علماً تھی لیکن
ذوقانہ بھی اس زلت سے یہ تجلی بھی آپ پر فائض ہوئی دوسرے بعض اسمار جمالیہ کی بھی تجلی جو کہ موقوف ہے
اسمار جلالیہ پر ذوقانہ بھی اول کی مثال منتقم کی تجلی ثانی کی مثال تواب کی تجلی نیز ان تجلیات کے برکات
وثمرات بھی علی درجۃ الکمال حاصل نہ تھے پس یہ فعل ان کے ترقی مراتب کا سبب ہوگیا جو طاعت سے
مسبب ہے پس حکماً وہ فعل انکے حق مین طاعت ہوگیا اور قواعد ظاہرہ پر بھی خطاے اجتہادی پر ایک
ثواب ملتا ہے۔ باقی صورت عتاب کی یہ مقربان را بیش بود حیرانی کی بنا پر ہے۔
همچو دیو الخ یعنی انسے فرشتے اسطرح بھاگنے لگے جس طرح کہ دیو یعنی شیطان سے بھاگتے تھے یا یہ کہ جسطرح سے دیو
فرشتہ سے بھاگتا ہے اسیطرح ان سے فرشتے الگ رہنے لگے اور ایک روٹی کے واسطے بہت مدت تک روئے
یہان تشبیہ صرف بھاگنے مین ہے نہ کہ آدم علیہ السلام یا فرشتہ کو دیو سے تشبیہ دینا مقصود ہے۔

شرح حبیبی

گرچہ یک مو بد گنہ کو جستہ بود بود آدم دیدۂ نور قدیم		لیک آن مو در دو دیدہ رستہ بود موے در دیدہ بود کوہ عظیم

حاصل جواب یہ ہے کہ واقعی یہ ایک بال کیطرح حقیر گناہ تھا جسکو خطاء اجتہادی کہتے ہین اور اسپر وہ اجر کے مستحق تھے
نہ کہ سزا کے لیکن بات یہ ہے کہ واقع مین یہ ایک نقص تھا جو حضرت آدمؑ کے اندر پیدا ہوگیا تھا چونکہ حق کو نہایت محبوب تھے
اور چونکہ حضرت آدمؑ اپنی محبوبیت مین مثل آنکھ کے تھے اور وہ گناہ مثل بال کے اور آنکھ کا بال بھی ایک پہاڑ معلوم ہوتا ہے
اسلیے حق سبحانہ کو منظور نہوا کہ انکے اندر اتنا نقص بھی ہو۔ لہذا اسکے دور کرنیکی تدبیر کی اور معتوب کیا تاکہ یہ اتنا عیب بھی نہ رہے
اور اسکی تلافی ہوکر بالکل پاک صاف ہوجائین اور آئندہ کے لیے متنبہ ہوجائین کہ اس قسم کا کوئی اور نقص انکے اندر پیدا نہ ہونے
پائے یہان تک اتباع ہوے کی مضرتون کا بیان تھا۔ اب اتباع ہوے سے بچنے کی تدبیر بتلاتے ہین اور فرماتے ہین کہ
گر در ان حالت بکردی مشورت الخ۔

شرح شبیری

گرچہ یک الخ یعنی اگرچہ وہ گناہ ایک بال برابر تھا لیکن وہ بال دونون آنکھون مین جم آیا تھا مطلب یہ کہ اگرچہ وہ گناہ بہت ہی چھوٹا تھا اور بال کے برابر تھا مگر دیکھو وہی بال اگر جسم پر بجز چشم کے کسی جگہ بھی جم جائین اور کتنے ہی بڑے بڑے ہوجاوین تکلیف دہ نہین ہوتے مگر جو آنکھ مین ذرا سا بال بھی جم جاوے وہ کس قدر تکلیف دہ ہوتا ہی اسیطرح یہ گناہ بھی اُنکے حق مین عظیم ہوگیا اور گناہ کہدینا باعتبار ظاہر کے ہے یا عصی ربہ کا ترجمہ کیا جاوے ورنہ اصل مین تو وہ گناہ تھا ہی نہین بلکہ بقول حضرت حاجی صاحبؒ طاعت تھی جیسا کہ گذرا۔

بود آدم الخ یعنی آدم علیہ السلام نور قدیم کی چشم (یعنی دیکھنے والے) تھے اور آنکھ مین بال کا ہوتا ایک بڑے پہاڑ کیطرح ہوتا ہے یہان دیدۂ نور قدیم سے اللہ تعالیٰ کی آنکھ اور عین اللہ ہونا مُراد نہین ہی بلکہ مُراد یہ ہی کہ آدم علیہ السلام نور قدیم کے دیکھنے والے مثل چشم کے اور مقربین بارگاہ مین سے تھے اِسلیے اُنکا یہ بال برابر گناہ بھی ایک کوہ عظیم کے برابر ہوگیا بمصداق حسنات الابرار سیئات المقربین تو جب آدم علیہ السلام کو ایک قدم الگ رکھنے سے یہ ہوا تو ہم تو پھر کہان رہین گے واللہ اعلم بالصواب۔ اور دیدۂ نور قدیم کی ایک توجیہ (کما قالہ المولوی انعام اللہ) یہ بھی ہوسکتی ہی کہ اُنکی ذات مثل آنکھ کے تھی اور ذاتِ قدیم کا نور اُسمین سمایا ہوا تھا یعنی وہ نور الٰہی کے مظہر تھے انتہیٰ۔

شرح حبیبی

گر دران حالت بکردی مشورت	در پشیمانی نگفتی معذرت

یعنی اگر حضرت آدم علیہ السلام اس حالت مین جبکہ ابلیس انکو مخالفت حکم خداوندی کی ترغیب دے رہا تھا۔ حق جل شانہ سے استفسار کر لیتے کہ یہی بات ہی جو ابلیس کہہ رہا ہی یا اسمین اسکا دھوکا اور ضلال ہی تو انکو نادم ہوکر معذرت کرنیکی نوبت نہ آتی کیونکہ ایسی حالت مین اِس مخالفت امر الٰہی کی نوبت ہی نہ آتی جو مبنیٰ ہی۔ اِس معذرت کا۔ تو حاصل یہ ہی کہ احکام الٰہی سے واقفیت کی ضرورت ہی۔ اور یہ واقفیت کہین بلاواسطہ اور براہ راست حق سبحانہ وتعالیٰ ہی سے ہوتی ہی اور کبھی بواسطہ کسی ہادی کے حضرت آدم علیہ السلام کو یہ معرفت بلاواسطہ حاصل ہوسکتی تھی۔ اِس لیے انکو حق سبحانہ سے استفسار چاہیے تھا۔ اور جہان یہ ممکن نہ ہو وہان دوسری صورت ہی یعنی ہادی و مرشد سے استفسار جسکی طرف مولانا نے اگلے شعر مین اشارہ کیا ہی آگے در پشیمانی نگفتی معذرت کی دلیل بیان فرماتے ہین اور کہتے ہین ۵ زانکہ با عقلے چو عقلے جفت شد الخ۔

شرح شبیری گر دران الخ یعنی اگر اس حالت میں مشورہ کر لیتے تو پھر پشیمانی کی وقت معذرت کی نوبت نہ ہوتی۔ اوپر سے مولانا نے ہوا و شہوت مین پھنسنے کو مذموم فرمایا ہی اور اسکو ایک حکایت بیان کرکے ثابت فرمایا ہی کہ ہوا و شہوت مین پھنسنے سے یہ نتیجہ ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے بظاہر ایک لغزش ہوگئی تھی اور دراصل وہ لغزش بھی نہ تھی اُنکے لیے مضار پیش آئے اور اُس سے صحبت بد کا مضر ہونا بھی ثابت ہوگیا لہٰذا اب اُس سے انتقال فرماتے ہین اور اُسکی مناسبت سے دوسرا مضمون شروع کرتے

ہین اور وہ یہ کہ اُس ہوا و شہوت سے بچنے کی اور صحبت بد سے الگ رہنے کی تدبیر بتلاتے ہین کہ اگر اس حالت
مین جبکہ اُسمین مبتلا ہونے کو تھے حق تعالیٰ سے مشورہ کر لیتے تو بعد مین پشیمان ہو کر معذرت کی ضرورت نہ ہوتی۔
یہان حق تعالیٰ کے ساتھ مشورہ کرنا صرف خصوصیت آدم علیہ السلام کی وجہ سے ہے کیونکہ وہ بلا واسطہ تلقی عن الحق
کر سکتے تھے مگر مقصود اِس سے یہ ہو کہ طالب کو چاہیے کہ ہوا و ہوس سے بچے اور شریعت سے الگ نہ ہو اور تدبیر اسکی
یہ ہو کہ تلقی عن الحق کرے خواہ بلا واسطہ جیسے کہ انبیا علیہم السلام کر سکتے ہین اور خواہ بواسطہ مرشد کے غرضکہ مقصود
مولانا کا بیان سے یہ ہے کہ جب ابلیس مخالفت حکم خداوندی کی ترغیب دے تو تم اُس سے اِس طرح بچو کہ تلقی
عن الحق کرو اور خداوند کریم سے پوچھ لو کہ اسپر عمل کرنا درست ہو یا نادرست اور خداوند کریم سے پوچھ لینا باعتبار ہمارے شریعت
الٰہیہ پر منطبق کر لینا ہو پس بیان سے ترغیب ہوئی صحبت نیک کی اور تدبیر ہو صحبت بد سے بچنے کی دوسرے
مصرعہ مین فرماتے ہین کہ اگر وہ تلقی عن الحق کر لیتے تو پھر پشیمان ہو کر اُنکو معذرت کی نوبت نہ آتی اِسلئے یہ معنی نہین
کہ اُنکو پشیمانی تو ہوتی مگر معذرت نہ کرتے جیسا کہ ظاہر الفاظ سے متبادر ہوتا ہو بلکہ معنے یہ ہین کہ وہ پشیمانی بھی نہ ہوتی
اور وہ لغزش ہی سرزد نہ ہوتی جس سے کہ معذرت کی نوبت پہنچی۔ اب مقصود مولانا کا یہ ہوا کہ حق تعالیٰ سے تلقی احکام
کرنی ضروری ہو یا بواسطہ مرشد کے اور اہل اللہ کے یا بلا واسطہ (جیسا کہ اِس مقام پر ہو) تو پھر ندامت کی حاجت نہو
آگے اسکی دلیل بیان کرتے ہین ؎ کہ زانکہ با عقلے چو عقلے الخ

شرح حبیبی

آنکہ با عقلے چو عقلے جفت شد		مانع بد فعلے و بد گفت شد

یعنی حضرت آدم کو معذرت کی نوبت نہ آتی کیونکہ یہ قاعدہ ہو کہ جب ایک عقل یعنی عقل مستفیض عقل مفیض کے ساتھ
مقرون ہو گئی تو وہ صدور اقوال بد و افعال ناشائستہ سے مانع ہو جاتی ہو خواہ افعال بد افعال قلوب ہون یا افعال جوارح
کیونکہ طلب مشورہ تو عمل ہی کے لیے ہوگا اور جب مشورہ نیک ہوگا۔ اور مستشیر کا قصد اُس نیک مشورہ پر عمل کرنیکا
ہوگا تو اسکا نتیجہ افعال و اقوال سئیہ سے احتراز ضروری ہو اور عقلے با عقلے جفت شد مین اِسی کی طرف اشارہ ہے کہ
اقتران عقلین یون ہونا چاہیے کہ مستفیض کی عقل بحیثیت استفادہ اور بقصد عمل مقرون ہو ساتھ مفیض کی عقل من حیث
الافادۃ۔ و مشورہ نیک۔ جب قاعدہ یہ ٹھہرا۔ تو اگر حضرت آدم علیہ السلام اِس ذات منزہ عن شوائب النقص سے
استصواب کرتے جسمین احتمال خطا بھی نہین تو ہرگز یہ نوبت نہ آتی اِس تقریر سے وہ شبہ بھی مندفع ہو گیا کہ حق
جل شانہ کے لیے عقل کا اطلاق جائز نہین کیونکہ یہان عقلے سے عقل ہادی ور ہنما مراد ہو نہ کہ عقل حق سبحانہ۔
یہانتک صحبت نیک کی ترغیب تھی تاکہ آدمی اسکے منافع سے بہرہ ور ہو سکے۔ آگے صحبت بد سے احتراز کی ترغیب ہے
تاکہ وہ اسکے بُرے نتائج سے محفوظ رہے۔ اور فرماتے ہین۔ ؎ نفس چون با نفس دیگر یار شد الخ

شرح شبیری

آنکہ الخ یعنی جبکہ ایک عقل کے ساتھ دوسری عقل قرین ہو گئی اور مل گئی تو اب
بد فعلی اور بد گوئی سے مانع ہو گئی یہان سے مضمون شعر بالا کی دلیل بیان کرتے

ہین کہ جب ایک عقل دوسری عقل کے ساتھ مل جاتی ہی تو پھر بدقولی اور بدفعلی سے کہ یہی گناہ کے اقسام ہین اور گناہون کی بھی جڑ ہے۔ رہائی ہوجاتی ہی اور وہ دوسری عقل ملکر ان برائیون اور گناہون سے مانع ہوجاتی ہے یہان یہ شبہ نہ ہو کہ عقل کا اطلاق خداوند تعالیٰ پر کسطرح جائز ہی کیونکہ اسماء خداوندی بالکل توقیفی ہین اور شرع مین جو اسماء آگئے ہین اُنکے علاوہ اُن امور کا جو کہ خداوند تعالیٰ کی صفات کے مشابہ ہون اطلاق کردینا جائز نہین ہی۔ جواب یہ ہے کہ شعر بالا کی شرح مین بیان کردیا گیا ہی کہ تلقی عن الحق بوسطہ بھی ہوسکتی ہی اور بلاواسطہ بھی تو خصوصیۃ آدم کی وجہ سے شعر بالا مین تو تلقی بلاواسطہ مراد تھی مگر یہان تلقی بوسطہ مرشد کے اور اہل اللہ کے مراد ہوگی تو اب مطلب یہ ہوگیا کہ جب تمھاری عقل کے ساتھ مرشد کی عقل بھی ملجاویگی تو پھر ہوا و شہوت سے مانع ہوجاویگی یہان با عقلے جو عقلے کہنے سے یہ بھی بتلادیا کہ صرف مرشد کی عقل ہدایت کے لیے کافی نہین ہوتی۔ بلکہ جب تمھاری عقل بھی اُسکے ساتھ ملجاویگی اور تم خود بھی چاہوگے کہ کام کرو اُسوقت ہدایت ہوسکتی ہی اور اُسوقت ممانعت عن الاقوال والافعال السیئہ ہوسکتی ہی لہذا یہ شعر نگفتے معذرت کی دلیل ہوگئی کہ اُنکو معذرت کرنے کی نوبت اِسلیے نہ آئی کہ اُنکی عقل اور مرشد کی عقل ارتکاب ہوا سے مانع ہوجاتی پس یہان عقل سے مراد عقل رہنما مرشد ہے۔

یہان تک صحبت نیک کی ترغیب دلائی اور اُسکے منافع بتلائے آگے صحبت بد کا ضرر بتلاتے ہین کہ نفس چون بانفس الخ۔

شرح حبیبی

نفس چون بانفس دیگر یار شد		عقل جزوی عاطل و بیکار شد	

یعنی جسطرح صحبت عارف منبع خیرات و برکات ہے یون ہی صحبت اشرار منشاء شرور و مفاسد ہی۔ اِسلیے کہ جب ایک داعی الی الشر دوسرے داعی الی الشر سے قرین و مصاحب ہوتا ہی تو وہ جو اُسکی عقل ناقص ہوتی ہی وہ بھی معطل و بیکار ہوجاتی ہے کیونکہ وہ اگر کام دیسکتی ہے تو اُسیوقت جبکہ اُس سے کام لیا جاوے اور اُس سے کام لینے کا مانع یعنی خواہشات نفسانی کا غلبہ اول تو خود اُسکے اندر ہی موجود ہی پھر اُسکے ساتھ مانع خارجی کا اضافہ اور ہوگیا کہ داعی الی الشر کے ساتھ مناوست و مصاحبت ہی جسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر کسیوقت ہوائے نفسانی کو اُسنے مغلوب بھی کرلیا تو وہ مصاحب اِسکو تقویت پہنچا کر پھر اِسکی کمزور عقل کو مغلوب کردیگا۔ یہان سے پھر صحبت نیک کی ترغیب کی جانب انتقال فرماتے ہین اور فرماتے ہین سہ گر ز تنہائی تو ناامیدی شوی الخ۔

شرح شبیری

نفس چون الخ یعنی کہ جب ایک نفس دوسرے نفس کے ساتھ ہوگیا تو وہ عقل جزوی یعنی ناقص بھی بیکار ہوگئی اوپر کہا ہی کہ جب ایک عقل دوسری عقل کے ساتھ ملجاویگی تو وہ مانع ہوجاویگی بدافعالی اور بداقوالی سے اب فرماتے ہین کہ جب نفس یعنی داعی الی الشر دوسرے

نفس یعنی داعی الی الشر سے ملجاویگا اور دو داعی الی الشر مجتمع ہو جاوینگے تو وہ عقل ناقص بھی جو کہ تنہا اور ابھی ناقص تھی جاتی رہیگی لہذا صحبت بد سے بچنا ضروری ہی اور صحبت نیک حاصل کرنا ضروری ہوا تاکہ اسکی عقل ناقص مرشد کی عقل کامل کے ساتھ ملکر دافع از ہواو ہوس ہو جاوے آگے بھی یہی مضمون اتباع مرشد کو بیان فرماتے ہین سے گر ز تنہائی تو ناہیدے شوی الخ۔

شرح حبیبی

زیر ظل یار خورشیدے شوی	گر ز تنہائی تو ناہیدے شوی

یعنی صحبت نیک تنہائی سے بھی زیادہ سود مند ہی۔ چہ جائیکہ صحبت۔ کیونکہ اگر تو تنہائی سے کمال مین مثل مشتری کے ہو گیا ہی۔ تو کسی محقق مرشد ہادی کے زیر سایہ اور اسکی صحبت مین خورشید کے مثل کامل النور ہو جاوے گا آگے اسی کی تاکید ہی اور فرماتے ہین ر و بجو یار خدائی را تو زود الخ۔

شرح شبیری

گر ز تنہائی الخ یعنی اگر تو تنہائی و انفراد کی وجہ سے مثل ناہید (یعنی مشتری مراد ستارہ خورد) کے ہوگا تو یار کے سایہ مین آکر خورشید کی طرح ہو جاویگا یعنی اگر انفراد اور تنہا ہونیکی وجہ سے تم مین نقص آگیا ہی اور تم ایک چھوٹے ستارہ کی طرح رہ گئے ہو جسمین کہ چمک دمک بہت ہی کم ہوتی ہی تو یار یعنی مرشد کے سایہ مین آجاؤ اور انکا اتباع کرو تاکہ انکے اتباع سے مثل خورشید کے کامل النور ہو جاؤ خورشید سے مراد کامل النور اور ناہید سے مراد ناقص النور ظل سے مراد اتباع ہی مطلب یہ ہوا کہ کسی شخص کی صحبت حاصل کرو کہ اسکے فیوض و برکات کی وجہ سے ایکدن تم مین وہ لوز جو اسوقت ناقص ہی کامل ہو جاویگا اور قرب حق حاصل ہو جاویگا جو مطلوب ہی اور اسکی وہ تقریر بھی ہو سکتی ہی جو شرح حبیبی مین مذکور ہی (ولعلہ احسن من ہذا) آگے اسی مضمون کو بہت صاف الفاظ مین بیان فرماتے ہین کہ رو بجو یار خدائی را تو زود الخ۔

گر ز تنہائی تو ناہیدے شوی + زیر ظل یار خورشیدے شوی

شرح حبیبی

چون چنان کردی خدا یار تو بود	رو بجو یار خدائی را تو زود

یعنی جبکہ تجھے صحبت عارف محقق کے فوائد معلوم ہو گئے۔ تو جا۔ اور کسی محقق خداشناس کو جس سے تو محض خدا کے لیے صاحبت و منادمت اختیار کرے ڈھونڈھ۔ جب تونے ایسا کیا تو خدا تیرا یار ہو گا کیونکہ جب یہ صحبت محض خدا ہی کے لیے ہے تو گویا خدا ہی کے ساتھ ہی۔ یا یہ کہ گو اسوقت تو صحبت با عارف ہی مگر اسکا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ یاری خدا حاصل ہوگی۔ آگے ان لوگون پر رد فرماتے ہین جو ہر حالت مین عزلت کو ضروری خیال کرتے ہین اور فرماتے ہین سے آنکہ در خلوت نظر بر دوختست الخ۔

شرح شبیری | رو بجو الخ - یعنی جا اور کسی یارِ خدائی کو بہت جلد تلاش کرلے اور جب تونے ایسا کرلیا تو پھر خداوند تعالی تیرا یار ہوگیا۔ یارِ خدائی سے مُراد وہ یار جو خدا کے واسطے ہو اور محبوب طلق ہو ور منسوب الی الحق ہو مطلب یہ کہ جب معلوم ہوگیا کہ صحبت نیک کی تحصیل ضروری ہی اور صحبت بد سے بچنا بھی ضروری ہے تو اب کسی خداوالے کو تلاش کرلے جسکی صحبت مین رہ کر اور جسکے ساتھ ملکر تو اُس نقص کو پورا کرسکے اور جب تونے اسکو تلاش کرلیا اور اُسکا اتباع کیا تو پھر خداوند کریم تمھارے ساتھ اور تمھارا یار ہوگیا یعنی پھر قربِ خداوندی تمکو حاصل ہوجاویگا ور واصل الی اللہ ہوجاؤ گے آگے بھی یہی مضمون ہی کہ اگر ایسا شخص ڈھونڈھ لو تو پھر اُسکی صحبت خلوت سے بہتر ہی فرماتے ہین سہ آنکہ در خلوت نظر بر دوخت است الخ

شرح حبیبی

آخر آنرا ہم زیار آموخت ست	آنکہ در خلوت نظر بر دوخت ست

یعنی جن لوگون نے خلوت ہی کو اپنا مطمح نظر بنالیا ہی اور ہر صحبت سے اجتناب ضروری سمجھا ہی انھون نے اِس خوبی عزلت کو بھی تو آخر کسی یارِ محقق و عارف ہی سے سیکھا ہی پس اگر صحبت مطلقًا نامحمود ہوتی تو یہ نکتہ انکے کیسے ہاتھ لگتا پس معلوم ہوا کہ ہر عزلت قابل اختیار و ہر صحبت قابل ترک نہین - آگے عزلت و صحبت کے محال و مواقع کی تعیین و تفصیل فرماتے ہین اور فرماتے ہین خلوت از اغیار باید نے زیار الخ -

شرح شبیری آنکہ الخ - یعنی جس شخص نے کہ خلوت ہی مین نظر کو سی رکھا ہے اور وہ مطلق خلوت ہی کو ترجیح دیتا ہی آخر اسنے یہ بات (کہ خلوت کو ترجیح ہی) یار ہی سے تو سیکھی ہی تو پھر اس سے کیون الگ ہوتا ہی مطلب یہ ہی کہ نہ خلوت مطلقًا اچھی ہی جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہین - اور نہ جلوت مطلقًا اچھی بلکہ ہر شے کا ایک محل ہوتا ہی تو خلوت ہی کو مطلقًا ترجیح دینا اچھا نہین ہی کیونکہ آخر یہ بات کہ خلوت بہتر ہی کہان سے سیکھی ہی - یہ بھی تو اُس یار ہی سے یعنی مرشد ہی سے سیکھی ہی تو پھر اُسکی صحبت سے اعراض کرنا معقول نہین ہی مقصود مولانا کا یہ بتلانا ہی کہ مرشد کی صحبت ضروری ہی اور اِس سے خلوت کرنے مین نقصان ہی کہ فیوض و برکات کو مرشد سے حاصل نہ کرسکے گا یہان سے راغبین الی العزلت مطلقًا کا رد بھی ہوگیا اب آگے خود اُس محل کو بتلاتے ہین کہ خلوت کا محل کیا ہی فرماتے ہین کہ خلوت از اغیار باشد نے زیار الخ -

شرح حبیبی

پوستین بہر دے آمد نے بہار	خلوت از اغیار باید نے زیار

یعنی صحبت و عزلت ہر دو مفید ہین - مگر اپنے اپنے محل پر اغیار اور ناجنسون سے عزلت چاہیے تاکہ انکی شر سے

محظور ہے نہ کہ یار۔ اور ایسے شخص سے جو قطع منازل الی الحق کے لئے اس کا ممد و معاون اور رہبر ہو مثلاً پوستین کی ضرورت فصل خزان میں ہوتی ہی تاکہ اسکے اثر بد سے محفوظ رہے نہ کہ فصل بہار میں۔ کہ اس کے اعتدال اور آثار محمودہ سے انتفاع مقصود ہوتا ہی۔ آگے پھر صحبت نیک کا فائدہ بیان فرماتے ہین عقل با عقل دگر دوتا شود الخ۔

شرح شبیری خلوت الخ۔ یعنی خلوت تو اغیار سے چاہیے نہ یار سے دیکھو پوستین موسم سرما مین ہی مناسب ہوتی ہی نہ بہار مین دے سے مراد موسم سرما ہو کہ وہی موسم خزان ہوتا ہی اور بہار سے مراد موسم گرمی ہی مقصود یہی ہی کہ ہر شے کے لئے ایک محل اور موقع ہوتا ہی پس خلوت اور عزلت کا بھی ایک موقع اور محل ہی اور وہ یہ کہ خلوت اغیار سے ہونی چاہیے جو کہ حق سے غافل کر دیتے ہین اور یار سے یعنی مرشد سے خلوت نہ ہونا چاہیے جیساکہ دیکھو پوستین بھی اپنے محل پر یعنی موسم سرما مین ہی مناسب معلوم ہوتا ہی۔ اور موسم گرما مین اچھا معلوم نہین ہوتا۔ اسی طرح اگر خلوت اور عزلت بھی اپنے محل پر نہ ہو یعنی مرشد سے علیحدگی ہو تو یہ مضر ہی اور مناسب نہین یہان مولانا جلوت اور عزلت کے درمیان مین فیصلہ فرما رہے ہین کہ بس اغیار سے خلوت چاہیے اور مرشد کی صحبت اختیار کرنی چاہیے جیساکہ حدیث مین ہی بالکل اوسکا مصداق ہی الوحدۃ خیر من الجلیس السوء والجلیس الصالح خیر من الوحدۃ۔ اور حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ بھی فرمایا کرتے تھے کہ خلوت از اغیار نہ از یار۔ شاید حضرت بھی اسی سے فرماتے ہون آگے پھر اوسی مضمون کو فرماتے ہین کہ جب دو عقل باہم مل جاوینگی تو ان مین قوت ہو جاویگی اور مانع ہوا اور شہوت سے ہونگی پس فرماتے ہین کہ عقل با عقل دگر دوتا شود الخ۔

شرح حبیبی

عقل با عقل دگر دوتا شود	نور افزون گشت رہ پیدا شود

یعنی صحبت نیک کا یہ فائدہ ہی کہ ایک عقل نورانی جو کہ مستفیض کو طلب حق کی طرف رہنمائی کرتی ہی اور اس کو عمل پر آمادہ کرتی ہی جب دوسری عقل نورانی کی ساتھ مصاحب ہوگی جو کہ خود بھی راہ حق سے واقف ہی اور دوسرون کی بھی رہنمائی کرتی ہی۔ تو دو نورانی چیزون کے ملنے سے نور زیادہ بڑھیگا اور نور علی نور کی کیفیت پیدا ہو کر راہ حق بالکل واضح ہو جائیگی پس معلوم ہوا کہ مستفیض کی عقل کی بھی ضرورت ہی مگر عمل کے لئے اس سے اون لوگون کے خیال کی غلطی بھی ظاہر ہوگئی۔ جو صرف مرشد کی توجہ کو کافی سمجھتے ہین اسکے بعد اسکی صحبت بد کی مذمت فرماتے ہین اور مضمون سابق کا اعادہ فرماتے ہین نفس با نفس دگر خندان شود الخ۔

شرح شبیری عقل الخ۔ یعنی ایک عقل کی ساتھ دوسری عقل ملکر مضاعف ہو جاتی ہین تو پھر نور بڑھ جاتا ہی اور راہ ظاہر ہو جاتی ہی عقل اول سے اپنی عقل اور عقل ثانی سے مراد مرشد اور رہنما کی عقل مطلب وہی کہ صحبت نیک اختیار کرنا ضروری ہی اسلئے کہ اگر تمھاری عقل کی ساتھ مرشد کی عقل مل جاوے گی تو اوسمین قوت زیادہ ہو جاویگی اور یہان بھی عقل با عقل دگر فرمانے سے یہی مراد ہی کہ جو لوگ صرف مرشد کی ہمت اور توجہ کو کافی سمجھتے ہین اور وہ کچھ کرنا نہین چاہتے وہ بالکل غلطی پر ہین بلکہ جب مرشد کی عقل اور ہمت بھی شامل ہو جاویگی تو پھر نور علی نور ہو جاویگا مگر پہلے سے نور کی تو ضرورت ہی اور عمل مین تو اپنے

ہی عقل کی ضرورت ہوگی اور عقل مرشد صرف رہنمائی کرسکتی ہی جیسا کہ پہلے بھی زانکہ با عقلے الخ کے تحت مین بیان ہوچکا ہی اب آہین صحبت نیک کی ترغیب دیکر پھر صحبت بد کی مضرت اور اِس سے اجتناب ضرور ہونا بیان کرتے ہین فرماتے ہین کہ نفس با نفس دگر خندان شود الخ۔

شرح حبیبی

نفس با نفس دگر خندان شود	ظلمت افزون گشت و رہ پنہان شود

یعنی صحبت نیک مین تو یہ فائدہ تھا اب صحبت بد کی مضرت سنو جب کہ ایک نفس مبتلائے ظلمات معاصی دوسرے ایسے ہی نفس کے ساتھ بے تکلف ہوگا تو اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ ظلمت بڑھے گی اور ظلمات بعضہا فوق بعض ہوکر راہ حق بالکل چھپ جائیگی اسکی تفصیل اوپر گذر چکی۔ یہانتک طالب راہ خدا کے لیے راہنما کی ضرورت اور مانع طلب حق کو بتلایا آگے اِس راہنما سے منتفع ہونے کی شرط بتلاتے ہین اور فرماتے ہین۔ ؎ یار چشم تست ای مرد شکار الخ

شرح شبیری

نفس با نفس الخ یعنی ایک نفس جب دوسرے کے ساتھ میل جول کرے اور ایک دوسرے کو دیکھکر خوش اور خندان ہو تو ظلمت بڑھ جائیگی اور راہ پوشیدہ ہوجاویگی نفس سے مراد داعی شر کما مر یعنی جب دو داعی شر کا اجتماع ہوجاویگا تو پھر تو ظلمات بعضہا فوق بعض کا مصداق ہوجاویگا اور راہ ہدایت بالکل پوشیدہ اور معدوم ہوجاویگی اب چونکہ صحبت نیک کا ضروری ہونا بتلا دیا آگے اِسکے آداب بتلاتے ہین کہ ہر امر کے لیے کچھ شرائط ہوتے ہین لہذا اُس صحبت کے مؤثر ہونے کیلیے آداب مرشد کی ضرورت ہے پس فرماتے ہین ؎ کہ یار چشم تست اے مرد شکار الخ

شرح حبیبی

یار چشم تست اے مرد شکار	از خس و خاشاک اورا پاک دار

یعنی یہ تو تجھکو معلوم ہوچکا کہ طالب راہ حق کے لیے صحبت ناجنس سے پرہیز لازم ہی اور صرف اِسی قدر کافی نہین بلکہ ایک راہبر راہنمائے کامل کی ضرورت ہی اور اِس راہبر سے انتفاع ناممکن ہی جبتک کہ شرط انتفاع نہ پائی جائے۔ اور وہ شرط ہی ادب۔ اور ایسے امور سے احتراز جس سے اسکو تکدر ہو کیونکہ مدار فیضان دل کا ملنا ہی اور جبتک دل نہ ملین گے توجہ اور شفقت کامل ناممکن ہی۔ اور وہ بھی مدار فیضان ہی۔ اور تکدر مانع ہی دل ملنے سے اور دل کا نہ ملنا مانع ہی توجہ تام و شفقت کامل سے۔ اور توجہ تام و شفقت کامل کا نہ ہونا۔ مانع ہی فیضان سے لہذا ثابت ہوا کہ تکدر مانع فیضان ہی اور تکدر کچھ اس خاص فیضان سے مانع نہین بلکہ ہر فیضان سے مانع ہی۔ چنانچہ جب اُستاد اپنے کسی شاگرد سے ناخوش ہوتا ہی تو نہ اسکی طبیعت مین جوش و انبساط ہوتا ہی اور نہ تقریر مین بسط و تفصیل نہ اسکی کوشش کہ کسیطرح یہ سمجھ جاوے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میان محمد اشرف کاندہلوی مصنف تفسیر سورۂ یوسف پہلے حضرت میانجی صاحب قدس سرہ کو بُرا کہا کرتے تھے۔ جب وہ اُنسے طالب ہوے تو حضرت نے فرمایا کہ میان صاحب مدار اِس طریق کا امانت پر ہی۔ مین خیانت پسند نہین کرتا اسلیے صاف کہتا ہون کہ تمھین مجھ سے فیض نہین ہوسکتا تم کوئی اور مرشد تلاش کرو مین ہرچند تمھاری طرف توجہ

کرتا ہون مگر تمھاری باتین یاد آکر توجہ تام سے مانع ہوجاتی ہین تکدر چونکہ لوازم بشریت سے ہے اس سے اہل اللہ تو درکنار انبیا بھی مستثنیٰ نہین چنانچہ حضرت وحشی نے بحالت کفر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا بعد کو وہ مسلمان بھی ہوے صحابی بھی ہوے اور بہ برکت صحبت آنحضرت صلعم اس مرتبہ کو پہونچے کہ اغواث واقطاب بھی اس درجہ تک نہین پہنچ سکتے۔ مگر جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم انسے یہ ہی فرماتے ہل تستطیع ان تغیب وجہک عنی اور کبھی صورت نہ دیکھتے کیونکہ جب انکی صورت سامنے آتی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ یاد آکر غم تازہ ہوجاتا۔ اور انکے قاتل کی طرف سے طبعاً انقباض وملال پیدا ہوجاتا اس سے حضرت وحشی وہ خاص فیض حاصل نہ کرسکے جو بصورت عدم تکدر انکو حاصل ہوتا اس مضمون کو مولانا ایک تشبیہ اور تمثیل کی صورت مین بیان کرتے ہین۔ اور فرماتے ہین کہ اے وہ شخص جو اقتناص صید معارف کے درپے ہے تو مرشد کو رہنمائی کے لیے ایسا سمجھ جیسے آنکھ۔ پس جسطرح آنکھ اسی وقت رستہ دکھلاتی ہے جبکہ وہ خس وخاشاک سے پاک ہو ورنہ بند ہوجاتی ہے اور تو راہ کے دیکھنے سے عاجز ہوجاتا ہے۔ یون ہی تجھکو چاہیے کہ اُن اسباب سے اجتناب کرے جن سے مرشد کی طبیعت مین تکدر وانقباض پیدا ہو۔ ورنہ راہ حق کے دیکھنے سے محروم رہیگا۔ اگلے شعر مین بھی اسی مضمون کو بیان فرماتے ہین اور کہتے ہین سہ این بجاروب زبان گردی مکن الخ۔

شرح شبیری

یار چشم الخ۔ اے طالب رہ تو تیری آنکھ کے مانند ہے تو تو اسکو خس وخاشاک سے (مثل آنکھ کے) صاف رکھ۔ یار مراد مرشد۔ چشم تمثیلاً مرشد کو کہدیا خس وخاشاک مراد مکدرات بکسر الدال مطلب یہ کہ مرشد جو کہ آنکھ کے مانند ہے عزیز ہونے مین بھی اور اس امر مین بھی کہ جسطرح آنکھ رہنمائی کرتی ہے اسی طرح مرشد بھی رہنمائی کرتا ہے تو جسطرح خس وخاشاک سے آنکھ کو بچاتے ہو کہ اوس مین کوئی چیز پڑ نہ جاوے اسی طرح مرشد کو بھی مکدرات سے بچاؤ اور اسکو مکدر مت کرو۔ اگرچہ اسکے تکدر سے کوئی گناہ تو نہ ہوگا مگر یہ تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ اگر مرشد اور ہادی کے دل مین مسترشد کی جانب سے کوئی تکدر آجاتا ہے تو وہ فیوض اور برکات بند ہوجاتے ہین حکایت ہمارے پردادا پیر حضرت میانجیو نور محمد صاحب قدس اللہ سرہم کی شان مین ایک صاحب بہت ہی گستاخی کیا کرتے تھے اور معتقد نہ تھے اوس کے بعد انکو ہدایت ہوئی اور اونھون نے اس خرافات سے توبہ کی اور میانجیو صاحب رح سے بیعت ہوگئے کچھ روز بعد حضرت میانجیو صاحب نے فرمایا کہ صاحب جو بات ضروری ہو اوسکو پوشیدہ نہ رکھنا چاہیے اسلئے مین آپ سے کہتا ہون کہ آپ کسی اور سے رجوع کرین آپ کو مجھ سے نفع نہ ہوگا اس لیے کہ مین جب آپکی طرف متوجہ ہوتا ہون اور نفع پہونچانا چاہتا ہون فوراً آپکے وہ کلمات ایک دیوار کیطرح آگے آکر حائل ہوجاتے ہین۔ اور میانجیو صاحب رح تو کوئی صحابی نہین تابعی تبع تابعی نہین تھے بلکہ ایک متاخر امتی ہین اسباب تکدر کی وجہ سے تکدر ہوجانا تو خود حضور مقبول صلے اللہ علیہ وسلم مین واقع ہوا ہے دیکھئے حضرت وحشی قاتل حضرت حمزہ رض جب مسلمان ہوکر حاضر خدمت ہوئے ہین تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا کہ ہل تستطیع ان تغیب وجہک عنی۔ یعنی اے وحشی کیا تم یہ کرسکتے ہو کہ میرے سامنے نہ آؤ مطلب یہ کہ جب تم میرے سامنے آتے ہو فوراً یہ خیال ہوتا ہے کہ انھون نے میرے چچا کو قتل کیا ہے تو جگر ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اوس تکدر کا اثر حضور پر بھی اسقدر تھا کہ انکو دیکھ نہ سکتے تھے اور اگرچہ اُنکا اسلام قبول ہوا اور وہ دیدار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے اور انکو وہ دولت صحابیت کی بھی حاصل ہوئی کہ آج کسیکو میسر نہین ہوسکتی مگر وہ نفع جو طول صحبت سے حاصل

ہوتا ظاہر ہی کہ نہیں ہوا۔ اسی طرح دیکھو کہ اوستاد کو جب کسی شاگرد سے تکدر ہو جاتا ہی تو وہ خواہ کسی قاعدہ مین پابند ہونے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے اوسکو پڑہاوے اور اوسکے سامنے تقریر بھی کرے مگر تقریر مین وہ شگفتگی نہ ہوگی اور تقریر رک رک کر کریگا تو وہان چونکہ فیضان قالاً ہوتا ہے لہذا تکدر کا اثر بھی قال ہی پر ہوگا اور یہان چونکہ فیضان حالاً ہی لہذا تکدر کا اثر بھی حال ہی پر ہوگا۔ اور وہ یہ کہ فیضان بند ہو جاویگا۔ اور یہ بھی یاد رکھو کہ مدار فیض دل کے ملنے پر ہی اگر دونون کا دل ملا ہوا ہی تو برابر فیض جاری رہیگا اور اگر خدانخواستہ ایسا نہین ہی اور اوس سے کچھ تکدر ہو گیا ہی تو وہ فیضان بند ہو جاویگا اور طالب کو مرد شکار کہنا اس اعتبار سے ہی کہ وہ ان معانی کو شکار کرتا ہی اور حاصل کرتا ہی اور ایک امر اور لحاظ کے قابل ہے کہ جو بے ادبی بے پروائی سے ہو یہ اثر اسی کا ہوتا ہی کہ فیضان بند ہو جاتا ہی اور جو احیاناً کبھی غلطی ہوگئی اوسکا یہ اثر نہین ہوتا اور خود مرشد کے قلب کو بھی اسکا ادراک ہوتا ہی کہ یہ تو قلت مبالات سے ہی اور یہ اتفاقی غلطی ہوگئی ہے پس مقصود بیان سے یہ ہوا کہ طالب کو چاہیے کہ اس ذہن مین لگا رہا ہی کہ مرشد کو کوئی تکدر اسکی جانب سے نہ ہو اسلئے کہ جسطرح آنکھ جب تک خس و خاشاک سے پاک ہوتی ہی اوسی وقت تک رستہ دکھاتی ہی اسیطرح مرشد بھی جب تک تکدر سے خالی ہی رہنمائی کریگا پس اگر یہ اس کوشش مین ہی کہ اسکی جانب سے تکدر نہو گو کوئی غلطی ہوگئی وہ تو معاف ہی اور اگر اس فکر مین نہین ہی بلکہ بالکل بے پروائی سے کام لیتا ہی تو پھر تو یہی حشر ہوگا۔ آگے بھی اسی مضمون کو بیان فرماتے ہین کہ ہین بجاروب زبان گردی مکن الخ۔

شرح حبیبی

ہین بجاروب زبان گردے مکن	چشم را از خس رہ آوردی مکن

رہ آوردی کردن تحفہ دینا۔ یعنی دیکھو زبان کی جہاڑو سے گرد نہ اڑانا اور آنکھ کو خس و خاشاک کا تحفہ نہ دینا یعنی زبان سے واہی تباہی باتین کرکے شیخ کے قلب کو مکدر نہ کرنا۔ زبان کی تخصیص اس بنا پر ہی کہ اغلب احوال مین تکدر کا باعث زبان ہی ہوتی ہی اور اسکا موجب تکدر ہونا اظہر و اکثر ہی اور اسمین احتیاط بھی کم کیجاتی ہی۔ ورنہ ہر سبب تکدر ممنوع ہی خواہ زبان سے ہو یا کسی اور طریقہ سے اگلے شعر مین اس مدعا کو دلیل سے ثابت کرتے ہین اور فرماتے ہین۔ چونکہ مومن آئینہ مومن بود الخ۔

شرح شبیری

ہین بجاروب الخ رہ آوردی۔ تحفہ۔ جو کہ سفر اور راستہ مین سے لایا جاتا ہی۔ ہان زبان کی جہاڑو سے گرد مت اڑاؤ۔ اور آنکھ کے لئے خس و خاشاک کو تحفہ مت کرو مطلب یہ کہ زبان سے واہی تباہی باتین اسطرح مت کہو کہ اوس سے تکدر ہو جو کہ مشابہ ہی گرد کے اور کوئی فعل ایسا مت کرو جو مرشد کے لئے تکدر کا باعث ہو اور اس تکدر مین زبان کو اس لیے خاص کیا کہ اس سے تکدر بہت ہوتا ہے بخلاف اور جوارح کے کہ ان کے افعال مین اکثر تاویل محتمل ہوتی ہے پس مقصود یہ ہوا کہ اپنے کسی فعل سے شیخ کو مکدر مت کرو اب آگے ایک نظیر دیکر بتلاتے ہین کہ چونکہ مومن آئینہ مومن بود الخ۔

شرح حبیبی

چونکہ مومن آئینہ مومن بود	روی او ز آلودگی ایمن بود

امین - بکسر ہمزہ و میم امالہ آمن - بمعنی مامون و محفوظ بود - بمعنی باید بود - یعنی چونکہ ایک مومن
دوسرے مومن کا آئینہ ہوتا ہے اور آئینہ اسی وقت قابل انتفاع ہوتا ہے اور اسی وقت اس سے کام نکلتا ہے
جبکہ وہ گرد و غبار سے محفوظ اور مامون ہو - لہذا چاہیے کہ کسی مومن کو مکدر نہ کیا جاوے - اور شیخ کامل مومن کامل ہے - لہذا
اوسکو بالاولی مکدر نہ کرنا چاہیے تفصیل اسکی یہ ہے کہ حدیث مین وارد ہے - المؤمن مرآۃ المؤمن - اور حاصل اسکا یہ ہے کہ
ایک مومن کو دوسرے مومن کے لیے ایسا ہونا چاہیے جیسا آئینہ یعنی جسطرح آئینہ دیکھنے والیکے عیوب ہی ظاہر کرتا ہے اور دوسرون پر
ظاہر نہین کرتا - یون ہی مومن کو چاہیے کہ جب مومن کے اندر کوئی عیب ہو اسکو اسپر متنبہ کر دے اور اسکو رسوا نہ کرے
اور یہ بات بدون خیر خواہی و دلسوزی کے ہو نہین سکتی اور دلسوزی و خیر خواہی کامل اُسوقت تک نہین ہو سکتی جبتک اُسکی طبیعت تکدر سے بالکل صاف نہو - اسلیے ہر مومن
کو لازم ہے کہ دوسرے مومن کی طبیعت کو تکدر سے بچاوے تاکہ وہ اسکا دلسوز اور شفیق و ہمدرد رہے - اور اسکے عیوب پر
مطلع کر کے ان مفاسد سے اسکو بچاوے اور اسکی اصلاح کرے - بالخصوص شیخ کہ وہ مصلح کامل ہے - اور اس سے اسکو کامل
نفع کی توقع ہے - پس اسکو تکدر سے بچانا نہایت اہم اور ضروری ہے تاکہ یہ تکدر حصول مقصد علی وجہ الکمال مین مزاحم نہ ہو -
اگلے شعر مین بھی اسی مدعا کو ظاہر فرماتے ہین اور کہتے ہین - یار آئینہ ست جان را در حزن -

شرح شبیری

چونکہ مومن الخ یعنی جب مومن دوسرے مومن کیلیے آئینہ کی طرح ہے تو اوسکا منہ آلودگی اور تکدر سے
امین ہونا چاہیے امین امالہ آمن - لفظ فارسی نہین ہے یہ ایک حدیث کی طرف اشارہ ہے وہ یہ کہ
المؤمن مرآۃ المؤمن اس حدیث کے معنی تو یہ ہین کہ مومن کو دوسرے مومن کے لئے آئینہ کیطرح ہونا چاہیے خبر بمعنی انشا ہے جسطرح
کہ آئینہ عیب تو دکھلا دیتا ہے مگر فضیحت نہین کرتا مثلاً یہ کہ اگر کسیکے چہرہ پر سیاہی لگی ہے تو آئینہ یہ تو دکھلا دیگا کہ منہ پر سیاہی لگی ہے
مگر جب اوسکو رکھ دوگے تو یہ نہین کہ جا آوے اور سب سے کہے کہ ان کے منہ پر سیاہی لگ رہی ہے پس اسی طرح مومن کو دوسرے
مومن کے لیے ہونا چاہیے کہ خیر خواہی سے عیب تو بتلا دے مگر اوسکو گاتا نہ پھرے - لیکن مولانا نے اسکو دوسرے معنے پر محمول
کیا ہے اور صوفیہ کے کلام مین اکثر جگہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ وہ احادیث یا آیات کو دوسرے معنی خلاف ظاہر پر محمول کرتے ہین تو اس
سے شبہہ تفسیر بالرائے کا نہ ہو جاوے یہ حضرات تفسیر نہین کرتے بلکہ لطائف و نکات کے طور پر فرما دیتے ہین کہ اس سے باعتبار
تنظیر کے اسپر بھی استدلال ہو سکتا ہے جیسا کہ مثلاً حدیث مین ہے کہ جس مکان مین کتا ہوتا ہے وہان فرشتہ نہین آتا - یہان بعض
صوفیہ کہتے ہین کہ کلب سے اشارہ ہے صفات سبعیہ بہیمیہ کی طرف اور ملائکہ سے انوار و برکات الٰہیہ کی طرف تو اس سے یہ معنی
بھی مستفاد ہوسے کہ جس شخص مین صفات سبعیہ بہیمیہ غالب ہون وہان انوار نہین آتے تو یہ معنی درجہ تفسیر مین نہین
ایک نظیر کے طور پر ہین کہ جسطرح وہان صفت سبعیہ مانع دخول ملائکہ سے ہوئی اسی طرح یہان بھی صفات سبعیہ کا پایا جانا جو کہ
مشابہ ہین کلب کے مانع ہوئین انوار الٰہیہ کے نزول سے پس اب یہ شبہ کہ یہ حضرات تفسیر بالرائے کرتے ہین بالکل جاتا رہا اور معلوم
ہو گیا کہ یہ حضرات حقیقۃً تو وہی معنی مراد لیتے ہین مگر چونکہ دونون معنے مناسب اور متشابہ ہوتے ہین اس لئے ان معنے کو بھی درجہ
اعتبار و قیاس ہین اوسکا ایک مصداق مان لیتے ہین لہذا مولانا بھی بدون انکار معنے اصلی کے اسکو ایک دوسرے معنی پر محمول
فرماتے ہین کہ شیخ کامل جو اپنی صفائی مین اور تمکو عیوب دکھلاتے ہین مثل آئینہ کے ہے تو جسطرح آئینہ اگر آلودہ ہو جاتا ہے تو پھر کچھ
نفع نہین ہوتا اسیطرح شیخ اگر مکدر ہو گیا تو وہ بھی فیض نہین پہنچا سکتا - لہذا اُسکی آلودگی یعنی تکدر سے محترز رہنا چاہیے تاکہ
نہین یہ تکدر حصول مقصود سے مانع نہ ہو جاوے اور اگر شرح حبیبی کی تقریر لی جاوے تو اس معنے کا اثبات اس حدیث سے درجہ

تفسیر مین بھی ہو سکتا ہی آگے بھی اسی مضمون کو فرماتے ہین کہ یار آئینہ ست جان را در حزن الخ۔

شرح حبیبی

یار آئینہ ست جان را در حزن	بر رخ آئینہ ای جان دم مزن

یعنی یار (معہود (شیخ کامل) حالت غم و بعد عن الحق مین روح و جان کے لیے آئینہ ہے کہ روح سے عیوب اور نقائص کو طالب پر ظاہر کرتا ہے (جیسا کہ آئینہ معروف جسم کے لیے آئینہ ہوتا ہے اور جسم کے عیوب کو ظاہر کرتا ہی) پس ایجان آئینہ کو پھونک مار کر میلا نہ کرنا اور اس سبب سے اسکے نفع سے محروم نہ ہونا یعنی ان اسباب کا ارتکاب نہ کرنا۔ جو شیخ کے لئے موجب تکدر ہین اگلے شعر مین اسی مضمون کا اعادہ فرماتے ہین اور کہتے ہین تا بپوشد روے خود را از دمت الخ۔

شرح شبیری یار آئینہ الخ یعنی یار جان کے لئے اندوہ غم کی حالت مین کہ مراد بعد عن الحق کی حالت ہی مثل ایک آئینہ کے ہی تو آئینہ کے سطح پر پھونک مت مارو۔ دم مزن مراد سکوت کن۔ یعنی چونکہ آئینہ تو ظاہر صورت کے دکھلانے کے لیئے ہوتا ہی اور جو نقص اوس مین ہوتے ہین اونکو ظاہر کرتا ہی تو اگر اوسکے سطح پر پھونک مار دوگے تو وہ اوس سے مکدر ہو جاویگا اور پھر اپنا کام نہ کرسکیگا یعنی عیوب و نقائص کو ظاہر نہ کریگا بس اسیطرح شیخ کو کہ وہ جان کے لئے اور روح کے لئے آئینہ ہی اور وہ ادن کے عیوب اور نقائص پر مطلع کرتا ہی۔ واہی بتاہی بکواس سے مکدر مت کرو کہ اگر کہین وہ مکدر ہو گیا تو پھر جو غرض اوسکی صحبت سے ہی حاصل نہ ہوگی اور فیضان بند ہو جاویگا آگے بھی اسی کو فرماتے ہین کہ تا بپوشد روے خود را از دمت الخ۔

شرح حبیبی

تا بپوشد روی خود را از دمت	دم فرو بردن بباید ہر دمت

یعنی تا کہ وہ آئینہ تمھاری پھونک سے اپنا چہرہ نہ چھپا سکے اس لیے تمکو ہر وقت اپنا سانس روکے رہنا چاہیے یعنی نامناسب باتون سے ہر وقت سکوت رکھنا چاہیے۔ تاکہ طبع شیخ کدورت سے مصئون و محفوظ رہے اگلے شعر مین مضمون سابق کی طرف عود فرماتے ہین اور صحبت نیک کی دوسرے عنوان سے ترغیب دیتے ہین اور کہتے ہین کم ز خاکی چونکہ خاکے یار یافت الخ۔

شرح شبیری تا بپوشد الخ یعنی تا کہ وہ آئینہ اپنا منہ تمھاری پھونک کی وجہ سے چھپا نہ لے اس لئے ہر دم تمکو اپنی پھونک کو روکے رکھنا چاہیے۔ دم فرو بردن مراد سکوت مطلب یہ کہ کہین مرشد تمھاری ان بے ادبیون اور ان باتون سے مکدر ہو کر اپنا فیضان بند نہ کرے اسلئے تمکو سکوت اختیار کرنا چاہیے اور فضول نہ بکنا چاہیے لیکن یہان یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ یہ مراد نہین کہ بالکل ہی نہ بولے جیسا کہ بعض لوگون نے ادب نکالا ہی کہ مرشد کے سامنے بالکل بول سکتے ہی نہین سو یہ ادب نہین بلکہ یہ بھی بے ادبی اور تکلیف دہ ہی اصل یہ ہی کہ ہر شے کا ایک موقع ہوتا ہی کلام نہ کرنے سے اور سکوت کرنے سے مراد مولانا کی یہ ہی کہ فضولیات اور واہیات باتون سے بچنا چاہیے اب اگر وہ کوئی بات دریافت کرے یا خود کوئی بات کہنا ضروری ہی اور سکوت

سکوت مضر ہوگا جیساکہ وہان کلام مضر تھا پس یہ نہین کہ اگر اب شیخ کوئی بات پوچھے تو کہدین کہ مثنوی مین تو مولانا نے منع کیا ہی ہم کس طرح بولین اور سمجھو تو کہ مولانا رح نے جو منع کیا ہی تو اوس کلام سے منع کیا ہی جو مکدر کرنیوالا ہو - اور ظاہر ہی کہ جو ضروری امر ہوگا وہ مکدر کرنیوالا کس طرح ہو جاویگا خوب سمجھ لو اور آداب صحبت کو لحاظ رکھا صحبت اولیاء اللہ حاصل کرو اب آگے پھر مولانا رح صحبت نیک کا نافع ہونا اور اوسکے منافع بیان فرماتے ہین کہ کم زخاکی چونکہ خاکے یار یافت الخ -

شرح حبیبی

کم زخاکی چونکہ خاکے یار یافت	از بہارے صد ہزار انوار یافت

کم زخاکی بطور استفہام کے ہے - اور از بیانیہ ہے - بہار بیان ہے - یار کا - انوار جمع ہے نور کی بمعنے شگوفہ - حاصل یہ ہے کہ کیا تو خاک سے بھی کم ہی - دیکھ خاک کو ایک یار موافق (بہار) مل گیا اسکی صحبت سے ہزارون شگوفون سے آراستہ ہوگئی - اگر تجھے بھی کسی شیخ کی صحبت مین رہنا نصیب ہو تو کیا تو گلہاے معارف الٰہیہ سے مزین نہ ہوگا - ہوگا - اور ضرور ہوگا - اسلئے تجھے لازم ہی کہ کسی شیخ کامل کی صحبت مین رہے آگے بھی اسی مضمون کو بیان فرماتے ہین - اور کہتے ہین - آن درختے کو شود با یار جفت الخ -

شرح شبیری کم زخاکی الخ یعنی کیا تو خاک سے بھی کم ہی دیکھ تو جب خاک نے اپنے یار بہار کو پالیا تو پھر لاکھون شگوفے اُسنے حاصل کرلئے یعنی شگوفے کھل گئے - کم زخاکی استفہام اے آیا از خاک کمتری از بیانیہ انوار جمع نور بفتح النون شگوفہ - مطلب یہ کہ کیا تو خاک سے بھی کم ہوگیا کہ فوائد صحبت حاصل نہین کرسکتا اور اوس کے منافع کو حاصل نہین کرسکتا - حالانکہ دیکھ جب خاک بہار سے ملتی ہی یعنی موسم بہار آتا ہی تو خاک مین بھی کیسے کیسے غنچے اور شگوفے کھلتے ہین اور بہار کے صحبت کے فیض سے وہ خاک کیا کیا نفع حاصل کرتی ہی مگر تو صحبت نیک سے وہ فوائد اور برکات اور انوار حاصل نہین کرتا مقصود یہ کہ حاصل کرنا ضروری ہی آگے بھی اسی کو بیان فرماتے ہین کہ آن درختے کو شود با یار جفت الخ

شرح حبیبی

آن درختے کو شود با یار جفت	از ہواے خوش زسر تا پا شگفت

یعنی جو درخت اپنے یار یعنی ہواے خوش کے ساتھ مقرون ہوگیا سر سے پاؤن تک کھل گیا اور پھل پھول سے مالا مال ہوگیا پس تو بھی اگر کسی شیخ کی ملازمت اختیار کرے تو اعلی ثمرات وعمدہ نتائج سے کیون کر محروم ہو سکتا ہی آگے پھر صحبت ناجنس سے احتراز کی تعلیم فرماتے ہین اور کہتے ہین - در خزان چون دید او یار خلاف الخ -

شرح شبیری آن درختے الخ یعنی وہ درخت کہ اپنے یار ہواے خوش سے مقرون ہوا تو سر سے پاؤن تک کھل گیا اور سرسبز ہوگیا جفت مقرون از ہواے از بیانیہ مطلب یہ کہ جو درخت موسم بہار مین ہواے خوش سے جو اوسکی یار ہی مقرون ہوا اور اوسکی صحبت مین رہا تو سر سے پا تک سرسبز اور بارآور ہوگیا اور خوب پھول پھل لایا تو جب صحبت ہواے خوش کا یہ اثر ہے کہ وہ درخت سرسبز ہوگیا تو صحبت نیک اور صحبت مرشد کا تو پھر اثر کیون نہ ہوگا کہ اوس سے

ثمرات حاصل ہون اور قرب الٰہی بڑہے اور انوار و تجلیات کا درود ہو اور یہان تک تو یہ بیان فرمایا تھا کہ صحبت نیک سے اوس
درخت مین اسطرح پھول پھل آئے اور وہ یون مستفید ہوا آگے صحبت بد کی کیفیت بیان فرماتے ہین کہ جب اوسکو صحبت بد حاصل
ہوئی تو اوسنے کیا کیا اور اس مین تعلیم ہے مسترشد کو کہ اگر صحبت نیک میسر ہو تو کیا کرنا چاہیے اور اگر صحبت بد پیش آوے
تو کیا کرنا چاہیے اسی کو فرماتے ہین کہ جب درخت کو صحبت بہار حاصل ہوئی جو کہ صحبت نیک کے مثل ہے تو اوسنے اوس سے
خوب ثمرات حاصل کئے اور خوب سرسبز ہوا اب آگے صحبت بد کی حالت بیان فرماتے ہین کہ درخزان چون دیدا و یار خلاف الخ

شرح حبیبی

درکشید او زود سر زیر لحاف	درخزان چون دید او یار خلاف

یعنی درخت کی یار موافق (ہوائے خوش) کے ساتھ تو وہ حالت تھی جو اوپر مذکور ہوئی۔
اب یار مخالف کے ساتھ اسکا معاملہ سنو۔ جبکہ موسم خزان مین یار مخالف وہوائے ناموافق سے بالا پڑا
تو اسنے فوراً اپنے سر کو لحاف کے اندر کر لیا۔ اور اپنے شگوفون کو پوشیدہ اور اپنے کمالات کو مخفی کر دیا اسیطرح تم پر لازم ہے کہ صحبت
ناجنس سے حتی الامکان احتراز کرو۔ اور احتراز ناممکن ہو تو سکوت اختیار کرو اور اپنے حالات و اسرار کو محفوظ رکھو۔

شرح شبیری درخزان الخ یعنی کہ جب اوسنے یار مخالف خزان کو دیکھا تو اوسنے اپنے منہ پر لحاف ڈال لیا۔ سر زیر لحاف
کشیدن مراد از علٰحدگی و روپوشی۔ مطلب یہ کہ جب خزان آئی تو اوس درخت نے جسنے کہ بہار مین
خوب ثمرہ حاصل کئے تھے روپوشی اور علٰحدگی اختیار کی اور اپنے شگوفون کو مخفی کر دیا اور اوسے ظاہر نہین کیا پس تم بھی اسی کی
تقلید کرو کہ اگر تمکو صحبت شیخ و مرشد حاصل ہو تب تو اوس سے فیوض کا استفادہ کرو اور اپنی حالت و اسرار کو اوس سے
پوشیدہ نہ کرو۔ اور جب ناجنس اور نااہلون کی صحبت ہو تو اپنے اسرار کو مخفی رکھو اور اون پر ظاہر مت کرو اون سے
علٰحدگی کرو آگے اسکی وجہ بیان فرماتے ہین کہ یار مخالف سے کیون مخفی رہنا چاہیے تو فرماتے ہین کہ گفت یار بد بلا آشفتن ست الخ

شرح حبیبی

چونکہ او آمد طریقم خفتن است	گفت یار بد بلا آشفتن ست

یعنی وہ درخت بزبان حال کہتا ہے۔ کہ (صحبت) یار بد غضب کی پریشانی (کا موجب) ہے
لہذا جب وہ آ گئے تو میری روش یہ ہے کہ مین سو رہتا ہون۔ یعنے اسکے سامنے اپنی شگفتگی ظاہر
نہین کرتا اور بالکل اجنبیانہ برتاؤ کرتا ہون۔ لہذا طالب کا بھی یہی فرض ہے کہ ناجنس سے علٰحدگی اور اجنبیت اختیار
کرے اور بالکل اُسکو منھ نہ لگائے اپنے کام مین مصروف رہے۔

شرح شبیری گفت یار بد الخ یعنی اوسی درخت نے بزبان حال کہا کہ یار بد تو گویا بلا کا پریشان کر دینا ہے۔ یعنی جیسے
اسی بلا نے پریشان کر دیا تو جب وہ آگیا اب میرا طریقہ سوتا ہے خفتن مراد سکوت کردن و علیحدگی

نودن۔ مطلب یہ کہ جب یار بدخزان آگئی کہ جو بلا کی طرح ہے اسلئے مین نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ بالکل سکوت کر لیا۔ فرماتے ہین کہ اے مسترشد جب کوئی ناجنس اور یار ناموافق تمکو ملجاوے تو تم بھی سکوت اختیار کرو اور اوس سے علیحدہ رہو کہ وہ ایک بلا کا نزول ہے۔ اب آگے صحبت بد سے علیحدگی کے مطلوب اور محمود ہونے کو ایک مثال سے واضح کرتے ہین فرماتے ہین کہ پس بخسپم باشم از اصحاب کہف الخ۔

شرح حبیبی

پس بخسپم باشم از اصحاب کہف	بہ ز دقیانوس باشد خواب کہف

یہ بھی درخت ہی کا مقولہ ہے وہ کہتا ہے کہ ایسے وقت مین سو جاتا ہون اور اصحاب کہف مین سے ہو جاتا ہون کیونکہ غار مین سو رہنا (صحبت) دقیانوس سے بہتر ہے۔ پس اے طالب تو بھی ناجنسون کی صحبت سے حذر کر آگے ایسے خواب کے بہ نسبت ایسی بیداری کے بہتر ہونے کی وجہ بیان فرماتے ہین اور کہتے ہین یقظہ شان مصروف دقیانوس بود الخ

شرح شبیری پس بخسپم الخ یعنی پس مین سو رہون اور اصحاب کہف مین سے ہو جاؤن اسلئے کہ دیکھو اصحاب کہف کا سو رہنا صحبت دقیانوس سے بہتر ہے۔ دقیانوس اوس بادشاہ کا نام ہے جس کے زمانہ مین اصحاب کہف ہوئے ہین مطلب یہ کہ جب وہ یار خلاف آوے اور صحبت بد پیش آوے تو مین اصحاب کہف کی طرح سو رہون اور علیحدہ ہو جاؤن یہی بہتر ہے جسطرح کہ جب اونھون نے دیکھا کہ اگر یہان رہتے ہین تو دقیانوس کی صحبت جو صحبت بد ہے میسر ہوگی لہذا اونھون نے علیحدگی اختیار کی پس اسی طرح اے مسترشد اگر تجکو صحبت بد سے پالا پڑے تو تو بھی علیحدگی کر ناکہ یہی مناسب ہے آگے بھی یہی مضمون فرماتے ہین یقظہ شان مصروف دقیانوس بود الخ۔

شرح حبیبی

یقظہ شان مصروف دقیانوس بود	خواب شان سرمایۂ ناموس بود

یعنی اصحاب کہف کی بیداری دقیانوس جیسے نااہل و ناجنس کے کام آتی تھی۔ اور اُنکی نیند عزت عند اللہ کا سرمایہ تھی پس اِس خواب کو اُس بیداری پر کیونکر ترجیح نہ ہوگی آگے بھی اسی مضمون کو بیان فرماتے ہین۔

شرح شبیری یقظہ شان الخ یعنی اونکی جاگنے کی حالت تو دقیانوس کی صحبت مین مصروف ہوتی تھی اور اونکا خواب عزت و ناموس کا سرمایہ ہوگیا۔ ناموس عزت۔ مطلب یہ کہ اونکی جاگنے کی حالت تو دقیانوس کی صحبت مین گذرتی تھی اور اونکا سونا عزت عند اللہ کا سبب ہوگیا مقصود یہ ہے کہ جسوقت صحبت بد اور ناجنس ہو تو عزلت ہی بہتر ہے اور اوسکی صحبت مین رہنے سے الگ ہی رہنا مناسب ہے آگے پھر اسی مضمون کہ بعض خواب بعض بیداری سے افضل ہے صاف طور پر بیان فرماتے ہین کہ خواب بیدار یست چو با دانشست الخ۔

شرح حبیبی

خواب بیداری ست چون با دانش ست | وای بیداری کہ با نادان نشست

یعنی جو نیند معرفت حق سبحانہ کے ساتھ ہو وہ حکم مین بیداری کے ہے اور اُس بیداری کی حالت نہایت قابل افسوس ہے جو اپنی بیداری کو نادان و عاری عن معرفۃ الحق کی صحبت مین صرف کرتا ہی اور اس نعمت عظمیٰ کی قدر نہین کرتا جو اسکو بصورت اپنے محل پر صرف ہونے کے دولت لازوال یعنی قرب حق تک پہنچانے والی ہی ایک نسخہ با نادانش ست بھی ہی اس صورت مین بیداری کے یا کا معروف پڑہنا زیادہ مناسب ہی اسوقت دوسرے مصرع کے معنے یون ہون گے۔ کہ وہ بیداری قابل افسوس ہی جو جہل اور حق سے ناواقفیت کی ساتھ ہی اور مجہول بھی ہو سکتی ہی اسوقت معنے یہ ہون گے کہ اوس بیدار کی حالت قابل افسوس ہی جو متلبس بجہل عن الحق ہی۔ یہانتک صحبت ناجنس سے احتراز اور دقیانوس کی صحبت سے بہاگ کر اصحاب کہف کے غار مین سو رہنے اور اوسکی فضیلت کا بیان تھا۔ آگے اسی مناسبت سے اہل اللہ کی عزلت کی وجہ بیان فرماتے ہین ان کہتے ہین چونکہ زاغان خیمہ بر گلشن زدند الخ۔

شرح شبیری خواب الخ یعنی سونا بھی مثل بیداری کے ہی اگر عقل اور سمجھ کے ساتھ ہو۔ اور افسوس اوس بیدار پر کہ جو نادان کے ساتھ بیٹھا۔ اور نسخہ ثانی کی بنا پر جسمین بیداری یائے معروف ہی اور آخر مین اسطرح ہی با نادانش ست یہ معنے ہون گے کہ افسوس اوس بیداری پر کہ جو بے عقلی اور کم فہمی کے ساتھ ہو مطلب یہ کہ علم و معرفت کی ساتھ جسکا طریق صحبت مرشد ہی۔ سو رہنا یعنی عزلت عن الخلق بھی مضر نہین بلکہ وہ بھی مثل بیداری کے ہی کیونکہ مقصود اصلی حاصل ہی اور باوس بیدار پر افسوس ہی کہ جو بظاہر ملتا جلتا ہی صحبت مین رہتا ہی مگر صحبت نادان مین رہتا ہی اور نسخہ ثانیہ پر بیدارے کی یا مجہول بھی ہو سکتی ہی و تقریر ما فی الشرح الحبیبی۔ یہان تک صحبت غیر مجانس سے مستر شد کی تحذیر تھی آگے بیان ہی کہ صحبت غیر مجانس کے باب مین شیوخ کاملین کی عادت مذکور ہی کہ ایسے وقت مین وہ لوگ کیا کرتے ہین اور مولانا بہت ہی تھوڑی مناسبت سے انتقال فرماتے ہین مگر ربط ماقبل سے ضرور ہوتا ہی اور اگر مولانا کے کلام مین ربط نہ بھی ہوتا تب بھی تعجب نہ تھا اس لئے کہ ایک مجذوبانہ کلام ہی مگر با اینہمہ ربط ضرور ہوتا ہی جیسا کہ بیان کیا گیا ہی پس فرماتے ہین کہ چونکہ زاغان خیمہ بر گلشن زدند الخ۔

شرح حبیبی

چونکہ زاغان خیمہ بر گلشن زدند | بلبلان پنہان شدند و تن زدند

گلشن عالم۔ زاغان اہل باطل و محجوبین۔ خیمہ زدن ڈیرے ڈالنا تسلط ہونا بلبلان کاملان۔ تن زدن خاموش ہونا یعنی جبکہ تم کو معلوم ہو گیا کہ صحبت ناجنس سے احتراز نہایت ضروری ہی۔ لہذا جبکہ عالم پر اہل باطل و محجوبین کا تسلط ہوا۔ اور انہی کا تین کا تین۔ اور صداہائے نامطبوع سے عالم کو پر کر دیا۔ تو اہل اللہ جو بلبلون کی طرح چہکتے تھے اور اپنے نغمہائے شیرین سے اہل دل کے کانون اور انکی جانون کو پر از نشاط و سرور کرتے تھے۔ اپنے چہکنے کو بے سود سمجھ کر خاموش ہو بیٹھے

اور عزلت اختیار کی اور ایسا ہونا بھی چاہیے تھا چنانچہ حق سبحانہ تعالیٰ فرماتے ہیں یا ایہا الذین آمنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اہتدیتم اور جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اذا رایت شحا مطاعا وھوی متبعا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ فعلیک نفسک ۔ اگلے شعر میں انکے اس فعل کا موجہ ہونا بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں زانکہ بے گلزار بلبل خامش ست الخ ۔

شرح شبیری

چونکہ الخ ۔ یعنی جب زاغون نے گلشن مین خیمہ لگالیا اور اقامت کرلی تو بلبلین وہان سے روپوش ہوگئین اور خاموش ہوگئین ۔ زاغان مراد اہل باطل ۔ گلشن مراد عالم ۔ خیمہ بر گلشن زدن اقامت کردن ۔ بلبلان اہل کمال واہل حق ۔ تن زدن خاموش شدن یعنی جبکہ اہل باطل نے اور مجوبین نے دنیا مین اپنا تسلط کرلیا ۔ اور وہ لوگ غالب ہوگئے تو اوسوقت اہل اللہ واہل حق نے وہان سے علیحدگی اختیار کی اور خاموش ہوگئے یہ ماقبل کی دلیل بھی ہوسکتی ہی کہ اسلئے مسترشد تجھ کو جو تعلیم دی جارہی ہے کہ غیر مجانس کی صحبت سے علیحدگی چاہیئے اسکی دلیل یہ ہی کہ ایسے وقت مین اہل کمال کی بھی یہی عادت ہی کہ وہ علیحدہ ہوجاتے ہین اور اہل کمال کو بلبل کی ساتھ بولنے مین تشبیہ ہی کہ جسطرح بلبل گلشن مین چہچہاتی ہی اور بولتی ہی اور بدون گلشن کے خاموش رہتی ہی اسی طرح اہل کمال بھی جب تک اونکے طالب اور اونکی بات کو سننے والے ہوتے ہین فیوض وبرکات کو جاری رکھتے ہین اور جب غیر مجانس اور اہل باطل جمع ہوجاتے ہین تو سکوت کرتے ہین اب اسی مضمون کو آگے بیان فرماتے ہین کہ جب اہل باطل کا تسلط ہوجاتا ہی تو وہ علیحدگی کیون اختیار کرتے ہین فرماتے ہین ۔

شرح حبیبی

غیبت خورشید بیداری کش ست	زانکہ بے گلزار بلبل خامش ست

گلزار سے مراد طالبین وقدردان ہین ۔ اور وجہ تشبیہ ہر دو کا محل گفتار ہونا ہے جس طرح گلزار بلبل کے چہچہون کا محل ہے کیونکہ گلون کا نظارہ اسکے لیے موجب نشاط ہے اور نشاط اسکے چہچہانے کا سبب ہی یون ہی اہل اللہ کے لئے طالبین کا شوق اور انکی قدردانی اُنکے لئے موجب نشاط وسرور ہوتی ہی اور وہ نشاط وسرور افادات عجیبہ ملذ ذ الاسماع والارواح کا ذریعہ ہوتے ہین حاصل یہ ہی کہ حالت مذکورہ مین اہل اللہ کی خاموشی بالکل برمحل ہی اسکی وجہ پیشتر بھی معلوم ہوچکی ہی اور یہ وجہ بھی ہی کہ وہ مثل بلبل ہین اور طالبین وراغبین مثل گلزار ۔ اور گلزار کے بغیر بلبل خاموش ہوتی ہی کیونکہ داعی موجود نہین ہوتا ۔ پس لازم کہ اہل اللہ بھی بدون قدردانون کے خاموش ہون ۔ دوسرے مصرع مین دوسری دلیل بیان فرماتے ہین اسکی تفصیل یہ ہی کہ وجود طالبین مشابہ ہی طلوع شمس سے کیونکہ جسطرح طلوع شمس سوتون کو جگاتا ہی یون ہی وجود طالبین سبب ہوتا ہی اہل اللہ کے مسند ارشاد پر جلوہ افروزی کا ۔ اس بنا پر انکا عدم مشابہ ہوگا غروب شمس سے کیونکہ جسطرح غروب آفتاب جاگتون کو سلا دیتا ہی ۔ یون ہی انکا عدم باعث ہوتا ہی خمول اہل اللہ کا ۔ اور اہل اللہ کی مسند ارشاد پر جلوہ افروزی کو تشبیہ دی ۔ بیداری سے ۔ کیونکہ جسطرح آثار حیات کا ظہور بیداری سے ہوتا ہی یون ہی اہل اللہ کہ بمنزلہ حیات للعالم ہین ان کی برکات کا ظہور ان کے اس جلوہ افروزی بر مسند ہدایت سے ہوتا ہی ۔ اس بنا پر ان کا خمول مشابہ ہوگا نوم کے ۔ پس حاصل یہ ہوا کہ جب غیبت شمس بیداری کو فنا کرنے والی ہی تو عدم فقدان طالبین ان کی اس جلوہ گری کو بند کرنے والا کیون نہ ہوگا ۔ یا یون کہو کہ یہ اشارہ ہی اہل اللہ کے خمول کے نتیجہ بد کی

طرف اسوقت حاصل یہ ہوگا کہ فقدان طالبین کی صورت مین اہل اللہ عزلت اختیار کرتے ہین اور ان کو ایسا کرنا چاہیے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عالم مین ظلمت ضلالت پھیل جاتی ہے۔ اور وہ بالکل تیرہ وتار ہو جاتا ہے اور جو کچھ بیداری تھوڑی بہت عقول ناقصہ کے سبب تھی وہ سب فنا ہو جاتی ہے جیسا کہ غروب شمس سے یہ ظاہری بیداری معدوم ہو جاتی ہے۔

شرح شبیری چونکہ الخ۔ یعنی دیکھو بے گلزار کے بلبل خاموش رہتا ہے اور جب خورشید غائب ہوجاتا ہے تو بیداری جاتی رہتی گلزار مراد طالبین بلبل مراد اہل کمال۔ یعنی دیکھو بلبل بھی تو جب گلزار نہین ہوتا تو خاموش رہتا ہے اسیطرح جب طالبین اور قدر دان نہین رہتی تو اہل کمال بھی علیحدہ ہوجاتے ہین طالبین کی تشبیہ گلزار کی ساتھ باعتبار محل گفتار ہونے کے ہے کہ جس طرح بلبل پھولون کے گلزار سے علیحدہ ہوکر خاموش رہتی ہے اسی طرح اہل کمال طالبین وقدر دانون کے گلزار سے علیحدہ رہکر خاموش رہتے ہین۔ پس مقصود یہ ہے کہ ہر شے کے لئے ایک محل ہونا چاہیئے خاموشی کا بھی وقت ہوتا ہے اور بولنے کا وقت اور ہوتا ہے اب دوسرے مصرعہ مین اسی مضمون کی ایک دوسری مثال بیان کرتے ہین کہ دیکھو جب یہ آفتاب ظاہری غائب ہوجاتا ہے تو بیداری بھی نہین رہتی اور ہر شے پر ایک سکوت کا عالم ہوتا ہے اور جب تک وہ سامنے رہتا ہے تو ساری چہل پہل ہوتی ہے اسیطرح طالبین کے نہ ہونے سے جو سبب تھے جوش کلام اہل کمال کے اونکی بیداری یعنی توجہ الی اظہار الاسرار خاموش ہوجاتی ہے اب چونکہ مولانا بہت تھوڑی سی مناسبت سے ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف انتقال فرماجاتے ہین اور یہان مثال کے طور پر آفتاب ظاہری کا ذکر آگیا تھا آگے آفتاب صوری اور آفتاب معنوی یعنی عارف باللہ مین فرق اور اول پر ثانی کی تفضیل بیان کرتے ہین پس فرماتے ہین آفتا با ترک این گلشن کنی الخ۔

شرح حبیبی

آفتابا ترک این گلشن کنی	تاکہ تحت الارض را روشن کنی
آفتاب معرفت را نقل نیست	مشرق او غیر جان وعقل نیست

پہلے شعر مین ایک توجیہ کی بنا پر اہل اللہ کی تشبیہ بالشمس مستفاد ہوئی تھی ان اشعار مین اہل اللہ کی فوقیت شمس پر اظہار فرماتے ہین جس کا حاصل یہ ہے کہ اے آفتاب تو تحت الارض کو روشن کرنے کے لئے اس گلشن عالم کو چھوڑتا ہے اور اس کے بغیر تو دوسری جانب کو منور نہین کرسکتا۔ جسکی وجہ یہ ہے کہ تیری نور افشانی کا محل اجسام کثیفہ ہین اور آفتاب معرفت یعنی عارف کی نور افشانی کا محل عقل وجان ہے اور تمام نفوس پر ایک ہی مقام سے نور افشانی ہوسکتی ہے۔ اسکی ضرورت نہین کہ ایک طرف سے توجہ پھیر کر دوسری جانب نور افشانی کیجائے۔

شرح شبیری آفتابا الخ یعنی اے آفتاب تو اس گلشن (عالم) کو چھوڑتا ہے جب کہین زمین کے دوسرے حصہ کو روشن کرتا ہے۔ گلشن مراد عالم۔ چونکہ پہلے شعر مین کہا ہے کہ جب یہ آفتاب نہین رہتا تو خاموشی طاری ہوجاتی ہے اب کہتے ہین کہ دیکھو آفتاب صوری اور معنوی مین یہ فرق ہے کہ یہ آفتاب جب زمین کے دوسرے حصہ کو روشن کرنا چاہتا ہے تو اسکو اس عالم سے غائب ہونا پڑتا ہے اور جب اس عالم سے علیحدگی اختیار کرتا ہے تب دوسری طرف کو روشن کرتا ہے یہان تو آفتاب صوری اور آفتاب ظاہری کی حالت بیان کردی آگے آفتاب معنوی کی حالت بیان کرتے ہین تاکہ ما بالفرق معلوم ہوجائے اسلئے فرماتے ہین کہ۔

آفتاب الخ۔ یعنی آفتاب معرفت منتقل نہین ہوتا اور اوس کا مشرق جان و عقل کے سوا اور کچھ نہین ہی آفتاب معرفت عارف و کامل ۔ جان و عقل مراد جان و عقل مستفیدین مطلب کہ اوپر بیان کیا ہے کہ اس آفتاب معنوی کو دوسری طرف روشنی پہونچانے کیلئے اپنی مشرق سے غیبت ہوتی ہی اور اس طرف سے فیض روشنی کو روکنا پڑتا ہی اور سب چیزون پر ایکدم سے روشنی نہین پہونچا سکتا اور لیکن آفتاب معنوی کو جو کہ مرشد ہی اوسکا مشرق اور محل ظہور انوار قلب مستفیدین ہی اپنے مطلع سے کبھی غیبت نہین ہوتی اور اوسکو اسکی ضرورت نہین کہ جب زید کو مثلاً فیض پہونچا رہے تو زعمر سے غفلت اور غیبت ہو بلکہ وہ ایک وقت مین سب مستفیدین کو فیض پہونچا سکتا ہی اب یہانتک تو آفتاب ظاہری اور معنوی یعنی مرشد کے فیض مین فرق بیان کیا تھا آگے اس آفتاب معنوی یعنی عارف کی حالت کے بیان سے بھی ترقی کرتے ہین اور کہتے ہین کہ خاصہ خورشید کمالی کان سری است الخ۔

شرح حبیبی

روز و شب کردار او روشن گری ست	خاصہ خورشید کمالی کان سری ست

یہ تو ان آفتابہائے معرفت کی حالت تھی جو عالم امکان سے تعلق رکھتے ہین اب اس خورشید کمال کی حالت سنو جو بیرون از عالم امکان ہی اسکا تو کہنا ہی کیا ہی اوس کا تو کام رات دن منور کرنا ہی۔

شرح شبیری خاصہ الخ یعنی خاصکر وہ خورشید کمالی کہ اوس طرف کا ہی جسکا کام راتدن روشنگری ہی ہی خورشید کمالی مراد باری تعالیٰ سری یعنی طرف۔ روشنگری مراد فیض بخشی مطلب یہ کہ آفتاب ظاہری اور آفتاب معنوی تو فیض پہونچاتے ہی ہین ۔ مگر بڑھکر دیکھو کہ خاصکر وہ خورشید کمالی کہ جو انتہائے کمال کو پہونچا ہوا ہے اور جو اوس طرف یعنی عالم امکان سے باہر کا ہی کس طرح روشنگری کر رہا ہے اور ہر وقت اور ہر گھڑی فیض پہونچا رہا ہی اور اوس کا کام ہی یہ ہے کہ راتدن فیض کو جاری رکھتا ہی اوسکو تو کیسے غیبت ہوگی آگے اس شمس کامل سے مستنیر ہونے کو فرماتے ہین کہ مطلع شمس آ اگر اسکندری الخ۔

شرح حبیبی

بعد از ان ہر جا روی نیکو فری	مطلع شمس آ اگر اسکندری

یہین ترغیب ہی اہل اللہ سے استفاضہ کی یعنی اگر تو سکندر راہ حقیقی آب حیات کا طالب ہی تو مطلع شمس معرفت ۔ یعنی اہل اللہ کے پاس آ اور کمال حاصل کر کہ وہ خورشید کمال مذکور کے محل ظہور انوار مثل مطلع شمس کے ہین پھر تو جہان جائیگا ۔ نصیبہ کا سکندر ہوگا خواہ متوجہ بحق ہو یا متوجہ بخلق الاول ظاہر والثانی لان توجہ مثل ہذا المرء الی الخلق یکون للحق وبامر الحق ولنفع الحق فیکون فیہ من القرب ما لا یکون فی توجہ الناقص الی الحق۔

شرح شبیری مطلع الخ۔ یعنی شمس موصوف سابق کے محل طلوع کے پاس آ جاؤ اگر سکندر ہو اسکے بعد تو جہان کہین جاویگا خوش نصیب ہوگا ۔ مطلع شمس قلب کامل اسلئے کہ انوار الٰہیہ کا محل طلوع ہی ۔ سکندر مراد طالب خضر قولہ تعالیٰ حتی اذا بلغ مطلع الشمس الخ مطلب یہ کہ اگر تم طالب ہو اور اوس خورشید کامل یعنی باری تعالیٰ سے فیض لینا چاہتے ہو تو اولیاء اللہ کے پاس جاؤ اور اون سے میل کرو کہ اون کا قلب اوس کے انوار کے طلوع ہونے کی جگہ ہی

تو جب تم اوس مطلع کے پاس پہونچ جاؤگے اور اوس سے یعنی اولیاء اللہ سے تعلق رکھوگے تو پھر کہین جاؤ تم خوش نصیب اور نیکو فر ہوگے کہین جانے سے یہ مراد ہی کہ پھر خواہ تمکو توجہ الی الحق ہو اور خواہ توجہ الی الخلق ہو کہ وہ بھی للحق ہوگی ہر طرح خوش نصیب ہوگے اور مطلع نور وفیض سے نور اور فیض حاصل کرتے رہوگے اب آگے اس صحبت سے جو نفع ہوگا اوسکو فرماتے ہین کہ بعد ازان ہر جا روی مشرق بود الخ۔

شرح حبیبی

شرقہا بر مغربت عاشق بود		بعد ازان ہر جا روی مشرق بود

یعنی اس کے بعد جہان جائیگا یعنی جس طرف متوجہ ہوگا۔ خواہ الی الحق یا الی الخلق تیرے لئے ہر جگہ مشرق ہی ہوگا یعنی ہر حالت مین تو مقتبس انوار ہوگا اور توجہ الی الخلق تجھکو کچھ مضر نہوگی اور تیری حالت توجہ الی الخلق پر جو بظاہر مشابہ مغرب ہی سیکڑون ظاہری مشرقین عاشق ہون گی کہ ان کے لئے وہ نور کہان جو اس حالت مین بھی تیرے لئے ہی۔

شرح شبیری بعد ازان الخ۔ یعنی اس کے بعد تم جس جگہ جاؤگے تمہارے لئے مشرق ہی ہوگا۔ اور مشرق تیرے مغرب پر عاشق ہون گے مشرق مراد مطلع انوار الٰہیہ شرقہا مراد توجہ الی الحق مغرب توجہ الی الخلق کہ ظاہراً حالت ناقصہ ہے مطلب یہ ہی کہ جب تم اوس مطلع شمس سے تعلق پیدا کرلوگے اور اوس سے فیوض و برکات حاصل کرلوگے تو پھر جس طرف بھی توجہ کروگے خواہ الی الخلق ہو خواہ الی الخلق ہو وہ تمہارے لئے مشرق اور مطلع شمس ہی ہوگا یعنی ہر حالت مین تمہارا قلب مطلع نور رہیگا۔ توجہ الی الحق مین تو ظاہر ہے اور توجہ الی الخلق مین اسلئے کہ وہ للحق ہوگی مصرعہ ثانیہ کا یہی حاصل ہی کہ پھر تمہاری یہ حالت ہوگی کہ دوسرے ناقصون کی توجہ الی الحق تمہارے توجہ الی الخلق پر کہ للحق ہی عاشق ہوجاویگی چنانچہ ظاہر ہی کہ کامل کی توجہ الی الخلق مین جو طاعت ہی وہ اکمل ہی اوس طاعت سے جو ناقص کی توجہ الی الحق مین ہو۔ پس طالب کو ضروری ہو اکہ اولیاء اللہ سے تعلق پیدا کرے اور اون کے ذریعہ سے فیوض اور انوار حق کو حاصل کرے یہان تک تو توجہ الی الحق کی ترغیب تھی اب آگے اوس کی تدبیر بتلاتے ہین حس خفاشت سوئی مغرب دوان الخ۔

شرح حبیبی

حس دُر پاشت سوئی مشرق روان		حس خفاشت سوئی مغرب دوان

اس سے پیشتر مولانا نے توجہ الی الحق کی ترغیب دی تھی اب اس کا طریق بتاتے ہین۔ اور فرماتے ہین کہ تیرے اندر دو قسم کے حواس ہین۔ ایک حس خفاش جو کہ ظلمات عالم ناسوت پر فریفتہ اور اُن سے دلچسپی رکھنے والی ہی اور دوسری حس درپاش جو کہ انوار الٰہیہ کا ادراک کرکے مدرک کو محو انبساط کرتی ہی حس اول حس مادی ہی جس مین حواس ظاہرہ مثل باصرہ سامعہ وغیرہ اور حواس باطنہ مثل وہم وغیرہ بلکہ ہر وہ قوت جو داعی الی الشہوات ہو داخل ہین اس کا کام تو یہ ہی کہ وہ عالم ناسوت کی طرف راغب ہی جو کہ سراپا ظلمت ہونے کے باعث مغرب سے مشابہ ہی اور حس ثانی لطائف خمسہ مجردہ ہین ان کا کام یہ ہی کہ وہ عالم ملکوت کی طرف مائل ہین جو کہ سراپا نور اور انوار الٰہیہ سے لبالب ہونے کے باعث مشابہ بالمشرق ہی

حس خفاشت سوی مغرب دوان * حس دُرپاشت سوی مشرق روان

شرح شبیری

حس الخ- یعنی تیری حس ظاہری جو خفاش کی مانند ہی مغرب کی طرف دوڑتی ہی اور تیرے اندر جو حس باطنی ہی وہ مشرق کی طرف روانہ ہوتی ہی حس خفاش سے حس ظاہری کو تشبیہ دیتے ہین اور پھر اوس کے لئے مغرب کی طرف جانا بتلاتے ہین جس طرح کہ خفاش ظلمات کی طرف جو اکثر مغرب مین ہوتی ہی جاتی ہی اور نور سے جو مشرق مین ہوتا ہی بھاگتی ہی اسی طرح یہ حواس اور قویٰ مدرکہ ظاہرہ یعنی مادیہ جو حواس باطنہ کو بھی شامل ہی تلذذات اور تنعمات کی طرف جاتے ہین اور اوس نور سے جو مطلع شمس یعنی حق تعالیٰ کی طرف سے فائض ہو رہا ہی الگ رہتے ہین اور حس درپاش سے تشبیہ ہے حس باطنی یعنی قوت روحانیہ کو اسلئے کہ انوار الٰہیہ کا ادراک کرتی ہی اور ظلمات سے الگ رہتی ہی- اس شعر مین مولانا کو یہ بیان کرنا مقصود ہی کہ ہم نے جو توجہ الی الحق کی اوپر رغبت دلائی ہی اوسکی تدبیر یہ ہی کہ حواس ظاہری جو کہ تلذذات اور تنعمات کی طرف لیجاتے ہین اون سے علیحدگی کرو اور اون حواس کو کام مین لاؤ جو کہ درپاش یعنی جامع الانوار ہین اور موصل الی الحق ہین جو حاصل ہی مجاہدہ و ریاضت کا بس مقصود مولانا کا اس کہنے سے یہ ہی کہ مجاہدہ اختیار کرو اور نفس کی مقتضیات کو ترک کردو کہ نفس تمکو ظلمات کی طرف یعنی شہوات کی طرف لیجا دیگا اور روح تمکو مشرق انوار یعنی حق تعالیٰ کی طرف لیجا دیگی یہان تو یہ بتلادیا تھا کہ کچھ دواعی نفس ہوتے ہین اور کچھ دواعی روح ہوتے ہین آگے فرماتے ہین کہ راہ حس راہِ خران ست اے سوار الخ-

شرح حبیبی

راہ حس راہ خران ست اے سوار	اے خران را تو مزاحم شرم دار

جبکہ پہلے شعر سے تجھکو معلوم ہوچکا کہ تیرے اندر دو قسم کے حواس ہین اور ہر دو کے مطلوب جداگانہ ہین تو اب تجھکو جاننا چاہیے کہ حس مادی کا رستہ اور اوس کے مقتضیات کا اتباع بہائم اور اہل دنیا کا کام ہی جو مشابہ بہائم ہین بھلا تو ان گدھون سے بھڑتا ہی اور ان کی روش پر چلتا ہی اس سے تجھے شرم آنی چاہیے اور تیرا فرض یہ ہونا چاہیے کہ حس مادی کا اتباع کرکے ظلمات عالم ناسوت مین نہ بیٹھے بلکہ اُس حس کے مقتضیات کو ترک کر اور لذات شہوانیہ کو خیرباد کہہ اور حس باطنی مجرد کا اتباع کرکے اوس کے مدرکات عجیبہ سے بہرہ اندوز اور مالامال ہو- یہی عادہ طریق توجہ الی الحق کا جسکو مجاہدہ کہتے ہین مگر مقصود یہ نہین کہ حواس مادیہ سے بالکل بھی متمتع نہونا چاہیے کیونکہ اگران سے مطابق اذن شارع انتفاع ہو تو مضائقہ نہین بلکہ مقصود یہ ہی کہ اُن سے انتفاع مین اس طرح منہمک نہ ہونا چاہیئے کہ وہ مانع ہو جائے انتفاع بالحس المجرد سے خواہ بالکل یا کم آگے پھر مضمون سابق کا اعادہ فرماتے ہین اور کہتے ہین پنج حسے ہست جز این پنج حس الخ-

شرح شبیری

راہ حس الخ- یعنی اے تیز رو راہ حس تو خردن کی ہی اور تو خرون سے ملا جلا چلتا ہی شرم کی بات ہی نفس کے اتباع کے موافق چلنا اور مقتضیات شہوات وغیرہ پر عمل کرنا تو دنیادار اور نااہلون کا کام ہی تو تو طالب قرب ہو کر اوس راہ پر کیون چلتا ہی اور جب اوس راہ پر چلیگا تو ظاہر ہی کہ اون لوگون سے میل جول بھی ہوگا تو تجھ کو اس سے شرم نہین آتی کہ نااہلون اور غیر جنسون کی ساتھ رہے مطلب یہی ہی کہ تلذذات اور خواہشات نفسانی کو ترک کردینا چاہیے- کیونکہ وہ اہل حق کا طریقہ نہین ہی اور ترک خواہشات سے مراد تقلیل ہی کہ مجاہدہ یہی ہی اور اوس سے دواعی نفسانی کمزور اور کم ہوجاتی ہین بالکل معدوم نہین ہوتی اور سوار کہدینا اس اعتبار سے ہی کہ تو اس راہ نفس

مین تیز رو ہے اور عادت ہی کہ سوار بہ نسبت پیادہ کے تیز چلتا ہی اس مناسبت سے طالب کو سوار کہہ دیا اب یہان چونکہ کہا تھا کہ حس مختلف ہوتی ہین حس نفسانی اور حس روحانی آگے اسکی تشریح فرماتے ہین کہ پنج سے ہست جز این پنج حس الخ۔

شرح حبیبی

پنج حسے ہست جز این پنج حس	آن چو زر سرخ وین حس ہا چو مس

ہم پہلے بھی اشارہ کر چکے ہین کہ تیرے اندر دو قسم کے حواس ہین اور اب پھر کہتے ہین کہ تیرے اندر صرف حواس مادیہ ہی نہین بلکہ ان کے علاوہ چند اور حواس بھی ہین جو مجرد ہین اور وہ حواس ان حواس سے زیادہ قیمتی اور کار آمد ہین اور ان مین اس قدر تفاوت ہی جس قدر زر اور مس مین وہ اگر مثل سونے کے ہین تو یہ مثل تانبے کے (ف ۱) ان حواس مجردہ کی تفصیل یہ ہی کہ انسان جس طرح عناصر سے بنا ہی جو کہ مادیات سے ہین یون ہی کچھ مجردات سے بھی مرکب ہی اور اُن کو لطائف ستہ کہتے ہین کیونکہ وہ لطیف اور غیر محسوس ہوتے ہین اور تعداد مین چھ ہین نفس روح قلب سر خفی اخفی ان سب کے خواص جدا گانہ ہین نفس کو ان مین تغلیباً داخل کر لیا ہی ورنہ اصل لطائف پانچ ہین اور وہی حواس خمسہ ہین ان لطائف کو فوق العرش بھی کہتے ہین بایں معنی کہ ان کے لئے کوئی مکان و حیز عرش سے بالا ہی بلکہ اس لئے کہ یہ مجردات اور مستغنی عن الاحیاز والامکنہ ہین اور عرش منتہی عالم مادی محتاج الی الحیز ہی پس فوق العرش بمعنی خارج و منزہ عن الامکنہ والاحیاز ہی۔ پس اب پنج حسے ہست جز این پنج حس" مین یا تو لفظ پنج سے عدد مخصوص مراد لیا جاوے اور پہلے پنج سے لطائف خمسہ مراد ہون اور دوسرے پنج سے حواس خمسہ ظاہرہ بظہور رہا اور باطنہ کو ان کے تابع کر دیا جاوے یا ظاہرہ کے مفہوم کو عام لیلیا جاوے بمعنی مادیہ بمقابل مجرد کا۔ اور یا پنج سے مراد مطلق متعدد ہو یہ ہی اقرب اور بے تکلف ہی (ف ۲) دوسرے مصرعہ مین اس طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہی کہ گو حواس مادیہ ناکارہ ہین مگر ان مین صلاحیت ہی کہ توجہ الی الحق کے کام آسکین اس طریق سے کہ ان سے علی الوجہ المشروع کام لیا جاوے۔ کیونکہ حواس مجردہ کو سونے سے تشبیہ دی ہی اور ان حواس کو مس سے اور مس بھی کیمیاوی طریق سے سونا بن سکتا ہی۔

شرح شبیری پنج حسے الخ۔ یعنی ان حواس خمسہ (ظاہرہ) کے علاوہ اور حواس بھی ہین اور وہ حواس زر سرخ کی مانند ہین اور یہ حواس تانبے کی مانند ہین۔ یہان حواس روحانی کو پنج کہنے سے عدد پنج مراد نہین بلکہ مراد یہ ہی کہ ان حواس خمسہ ظاہری کے علاوہ اور حواس بھی ہین اور یہی تقریر بے غل و غش ہی اور بے تکلف ہی لیکن اگر الفاظ ہی کی توجیہ کی جاوے تو یہ معنی بھی ہو سکتے ہین کہ چونکہ لطائف صوفیہ کے یہان چھ ہین نفس روح قلب سر خفی اخفی جس مین سے نفس کو تو تغلیباً داخل کر لیتے ہین کیونکہ وہ نفس جو کہ داعی الی الشر ہی قوۃ مادیہ ہی مجرد نہین اور لطائف مجرد ہین اسلئے جب اسکو لطائف سے نکال ڈالا جاوے تو آگے لطائف پانچ ہی رہتے ہین اور مراد لطائف سے چند مجردات ہین جو انسان کی ترکیب مین داخل ہین جس طرح مادیات مین سے عناصر اوسکی ترکیب مین داخل ہین چنانچہ نفس ناطقہ کو تو حکما بھی جزو انسان کہتے ہین اور وہ اُن کے نزدیک مجرد بھی ہی تو یہ بھی مراد ہو سکتی ہی کہ اول پنج سے مراد لطائف خمسہ ہین اور ثانی سے مراد حواس خمسہ ظاہرہ مگر اس توجیہ مین ایک گونہ تکلف معلوم ہوتا ہی بے تکلف تو یہی ہے

کہ کہا جاوے کہ پنج سے مراد عدد ہی نہیں لیکن اگر کسی کو پنج کے لفظ کی رعایت ضروری ہو تو وہ ثانی توجیہ کو اختیار کرلے ۶
ولناس فیما یعشقون مذاهب ہے اور بعض لوگوں نے ان لطائف خمسہ کو قرآن شریف سے ثابت کیا ہی اور کہتے ہین انه یعلم السر واخفی
مین یہی سر واخفی مصطلح مراد ہی مگر یہ صریح جور ہے یہ کیا ضروری ہی کہ ساری باتین قرآن ہی سے ثابت ہوا کرین اور جو اوس
سے ثابت نہ ہوا کرے تو اوسکی نفی کردی جاوے بلکہ بات یہ ہی کہ اگر کوئی امر ایسا ہو کہ وہ اصول شرعیہ کے اور قرآن و حدیث
کے خلاف نہو اور کسی مستقل دلیل سے ثابت ہو تو اوسکو بھی کہا جاویگا کہ یہ صحیح ہے اور اوسکو تسلیم کرینگے دیکھو آخر زید قائم قرآن
سے کہین ثابت ہی مگر جب ایک مستقل دلیل سے ثابت ہی اسکو تسلیم کرتے ہین اور مانتے ہین پس اسی طرح یہ لطائف ایک مستقل
دلیل سے ثابت ہین اور اونکو تسلیم کرنے کے لئے قرآن شریف مین ہونا ضروری نہین ہی تو اب حاصل یہ ہوا۔ کہ ان حواس ظاہرہ
کے علاوہ کچھ حواس اور بھی ہین اور کچھ مدرکات اور بھی ہین کہ یہ حواس ظاہرہ تو ان شہوات کا ادراک کرتے ہین اور وہ دوسرے
حواس انوار الٰہیہ کا ادراک کرتے ہین اور متوجہ الی الحق ہوتے ہین لہذا اون کی طرف توجہ چاہیئے اور ان حواس مین نہ پھنس جانا
چاہیئے۔ اور جاننا چاہیئے کہ یہان کے مجردات کے مقابل پنج حس کہا ہی جسکی تفسیر حواس ظاہرہ سے کیگئی سو یہ ظاہرہ عام
ہی باطنہ مصطلحہ اہل حکمت کو بھی کیونکہ وہ بھی مادی ہین اور ان لطائف کو یا مطلق ادراک روحانی کو حس کہنا مجازاً و مشاکلۃً
ہے یعنی مطلق مدرک اور یہان جو مس جو کہا ہی ایک لطیفہ کے طور پر اسکے یہ معنی بھی ہو سکتے ہین کہ جس طرح کیمیاگری مین
تانبے سے سونا بن جاتا ہی اور تانبے مین سونا بننے کی استعداد ہوتی ہی اسی طرح ان حواس مین بھی استعداد موجود ہی اس امر
کی ان کو اوس طرف متوجہ کردیا جاوے اور یہ دونون جمع اس طرح جن مین ایک طرف مادیات ہین دوسری طرف مجردات ہین کام
دینگے ان مجردات کو صوفیہ کے یہان لطائف کہتے ہین اور ان مین سے ہر ایک کے کچھ خواص بھی جدا جدا ہین اور ان
لطائف کا خاصہ مشترکہ توجہ الی الحق ہی اور یہان صوفیہ کے اس قول کے معنی سمجھ لینا بھی ضروری ہین کہ وہ کہتے ہین کہ لطائف
فوق العرش ہین ناواقف اسمین بہت غلطی کرتے ہین اور یون سمجھتے ہین کہ لطائف کے لئے عرش مکان اور حیز ہی تو سمجھ لو کہ لطائف
جب مجردات ہین تو اون کے لئے مکان اور حیز کس طرح ہو سکتا ہی لہذا یہ معنی نہین ہین کہ لطائف عرش پر متمکن ہین بلکہ مطلب
یہ ہی کہ چونکہ عرش تمام امکنہ کو حاوی ہی اسلئے اوسکے اوپر ہونے کے یہ معنی ہوئے کہ خارج عن الحیز والمکان ہین نہ یہ کہ اون کے
لئے عرش مکان اور حیز ہی پس انسان مین پانچ حواس ظاہرہ تو مادی ہوئین اور کچھ مجردات ہین سو مادیات کے مقتضیات
سے علیحدہ ہوکر اون مجردات سے کام لینا ضروری ہوا۔ یہان تک تو یہ بتلایا کہ ان حواس کے علاوہ کچھ اور حواس بھی ہین
آگے مقصود مین ان حواس ظاہرہ کا بیکار ہونا اور انکا کار آمد ہونا بتلاتے ہین لہذا فرماتے ہین کہ اندران بازار کاہل محشر ند الخ۔

شرح حبیبی

اندران بازار کاہل محشر اند	حس مس را چون حس زر کے خرند

یعنی جس بازار مین اہل محشر اور مکلفین کو جانا ہے اور اپنی کمائی کا معاوضہ لینا ہے یعنی عالم آخرت مین وہان
حس مس کو جنس کاسد سمجھا جاتا ہی اور حس زر کے پورے دام لگتے ہین دونون ایک بھاؤ نہین بک سکتے پس تم کو
چاہیے کہ متاع رائج کو کساد سے بچاؤ اور متاع کاسد کو رائج بنانے کی کوشش کرو اہل محشر سے مراد مکلفین
ہین کہ مخاطب بالشرائع وہی لوگ ہین یا مطلق محشور ہونیوالے مگر مقصود مکلفین ہی کو سنانا ہی اور مکلفین کو بعنوان اہل محشر

اسلئے تعبیر کیا گیا تاکہ اسکے مزید تنبہ کا باعث ہو اور وہ سمجھین کہ ہم فقط دنیا ہی مین نہ رہین گے بلکہ ہمکو آخرت مین بھی جانا ہے۔

شرح شبیری اندران الخ۔ یعنی اوس بازار مین کہ جہان اہل محشر مین مس حس مس کو حس زر کی برابر کیسے خرید ین گے
بازار اہل محشر۔ عالم غیب۔ مس حواس مادیہ حس زر حواس مجردہ۔ مطلب یہ کہ عالم غیب کے بازار مین
ان حواس کو اون لطائف اور حواس باطنی کے برابر کس طرح کرین گے بلکہ وہان تو حواس باطنی کی ہی پرسش ہوگی عالم غیب
کے موجودین کو اہل محشر کہدیا باعتبار مآل کے ہی اور اسمین یہ بھی اشارہ ہی کہ پورا پورا ظہور اس کے مس ہونے اور بیکار ہونے
کا اور اون کے زر اور باکار ہونے کا تو محشر ہی مین ہوگا یہان چونکہ حواس ظاہر اور دواعی شہوت کا بیکار ہونا عالم غیب مین
بیان کیا تھا اب اسکی وجہ بتلاتے ہین کہ وہ بیکار اور دوسرے باکار کیون ہین فرماتے ہین کہ حس ابدان قوت ظلمت میخورد الخ

شرح حبیبی

حس ابدان قوت ظلمت میخورد		حس جان از آفتابے مے چرد	

اس شعر مین دونون حسون کے درمیان دوسرے عنوان سے تفاوت دکھلانا مقصود ہی یعنی حس مادی کی تو غذا عالم ناسوت
سے ہی جو سراپا ظلمت ہی یعنی اس کے مدرکات ومطلوبات تو مادیات ہین اور حس روح یعنی حس مجرد کی خوراک اور اوس کا مطلوب
نور حق ہی۔ واین الثریٰ من الثریا۔

شرح شبیری حس ابدان الخ۔ یعنی ابدان کی حس ظلمت سے غذا حاصل کرتی ہی اور جان کی حس ایک آفتاب سے چرتی
ہی مطلب یہ کہ یہ حواس ظاہرہ تو ظلمت یعنی کدورات شہوات سے خوش ہوتے ہین اور اوسی مین انکو
نشو ونما ہوتا ہی اور یہ اون ہی شہوات ہوا وہوس سے تلذذ حاصل کرتے ہین مگر حس روح ایک آفتاب سے یعنی حق تعالی سے
غذا حاصل کرتی ہی اور اوسکو تلذذ اور نشو ونما انوار الٰہیہ سے اور برکات سے ہوتا ہی تو معلوم ہوا کہ چونکہ حس ابدان ظلمات
اور شہوات نفسانی مین لگی رہتی ہے اور عالم غیب کی طرف متوجہ نہین ہوتی اسلئے وہ تو وہان بیکار ہے اور حس روح جو کہ
اوس طرف لگی رہتی ہی اور فیوض وبرکات اوسی عالم سے حاصل کرتی ہی وہان باکار ہی اب چونکہ یہان تک تعلیم بھی توجہ الی
الحق کی اور اوسکی تدبیر بھی بتلائی تھی کہ مجاہدہ ہی اور مجاہدہ کے لئے جو طریقے بتلائے ہین کہ نفس کی مخالفت کرو اور اوسکی
مقتضیات پر عمل مت کرو اور یہ بہت ہی مشکل تھا اور اپنی قوت سے خارج تھا اسلئے آگے خداوند تعالی کی بارگاہ مین مناجات
اور دعا کرنے لگے اور یہ ان کی ایک عادت مطردہ ہی کہ جہان کسی امر کی تعلیم کرتے ہین اور وہ سخت ہوتا ہی تو فوراً خداوند تعالی سے
مناجات مین مشغول ہوجاتے ہین لہذا فرماتے ہین کہ اے بردہ رخت حس ہا سوئے غیب الخ۔

شرح حبیبی

اے بہ بردہ رخت حس ہا سوئے غیب		دست چون موسیٰ برون آور ز جیب	

مولانا کی عادت ہی کہ جب کسی امر کی صعوبت کو محسوس کرتے ہین تو مناجات مین مشغول ہوجاتے ہین چونکہ اوپر مجاہدہ
کی ضرورت بیان کی تھی اور مجاہدہ ایک امر شاق ہے اسلئے مناجات مین مصروف ہوتے ہین اور فرماتے ہین کہ اے حس

مجردہ کے سامان کو خفا کی طرف لیجانیوالے اور اسکو باقتضائے حکمت مخفی اور ان کے مقتضیات کو مغلوب کرنیوالے موسی علیہ السلام کی طرح نیا ہاتھ جیب سے نکال اور ہمکو ظلمت جہل و ضلالت مین نور معرفت و ہدایت عطا فرما اور اپنی قدرت سے حواس مخفیہ کو پردۂ خفا سے نکالکر اونکو غالب بنا۔ اب مولانا پر توحید اور سکر کا غلبہ ہوتا ہی اور فرماتے ہین۔

شرح شبیری اے الخ۔ یعنی اے وہ ذات کہ جو متاع حواس (باطنی) کو پوشیدگی اور خفا کی طرف لے گیا ہی اب موسیٰ علیہ السلام کی طرح گریبان سے (منور) ہاتھ نکالئے حسہا سے مراد حس جان اور روح اور سوئے غیب سے مراد مطلق خفا اور پوشیدگی ہی عالم غیب مراد نہین جیسے بعض لوگ اپنی غلطی سے ایسا سمجھتے ہین اور دست چون موسیٰ الخ سے مراد یہ ہی کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام اپنے ہاتھ کو گریبان مین لیجاکر مخفی کر دیتے تھے اور جب نکالتے تھے تو وہ منور ہوتا تھا اسی طرح آپ بھی اون حواس روحانیہ کو جو خفا مین ہین اپنے دست تصرف سے ظاہر فرما دیجئے کہ اون کے نور سے حقیقت بینی میسر ہو مطلب یہ کہ دعا کرتے ہین کہ یا الہ العالمین ہم مین تو ان مجاہدات کے پورا کرنیکی ہمت ہی نہین ہان اگر آپ انکو پردہ خفا سے نکالکر ہمارے قلوب کو ان سے منور فرما دین تو ہو سکتا ہی کہ ان سے ہماری اصلاح ہو جاوے اور ان حواس ظاہرہ کے مقتضیات کو مغلوب فرما دیجئے یہان تک تو دعا تھی کہ اون حواس باطنی مخفیہ کو میرے لئے ظاہر فرما دیجئے آگے اسکو بتلاتے ہین کہ اون کے اظہار کی کیا ضرورت ہے لہذا فرماتے ہین اے صفات الخ جس کا حاصل یہ ہی کہ مقصود اس اظہار سے حصول معرفت حق ہی۔

شرح حبیبی

وآفتاب چرخ بند یک صفت	اے صفاتت آفتاب معرفت

اس شعر مین صفت اور صفات سے مراد متعارف عوام ہی یعنی افعال۔ نہ کہ متعارف خواص۔ کیونکہ انکو آفتاب بمعنی آلہ ظہور کہا گیا ہی اور آلہ ظہور افعال الٰہیہ ہین نہ کہ صفات بلکہ ان صفات کے ظہور کا آلہ بھی افعال ہی ہین تفصیل اسکی یہ ہی کہ حق سبحانہ تعالیٰ اگر عالم کو پیدا ہی نہ کرتے جو کہ اختیاری ہونے کے باعث ممکن تھا تو کسی عارف ہی کا وجود نہ ہوتا پھر معرفت کیسی سو معرفت کا آلہ تخلیق عالم ہوا جو کہ ایک فعل ہی افعال حق سے پس آلہ معرفت فعل ہوا تخلیق عالم کے بعد پھر جن چیزون سے حق سبحانہ کی معرفت ہوتی ہی وہ اسکی مصنوعات عجیبہ ہین جو دال ہین اس کے افعال خاصہ اور تاثیرات مخصوصہ پر اور یہ دلالت کرتی ہین صفات خاصہ مثل قدرت کاملہ و حکمت بالغہ و علم محیط پر اور ان سے استدلال ہوتا ہی ذات پر لہذا یہان بھی افعال ہی آلہ معرفت ٹھیرے اسپر شبہ یہ ہو سکتا ہی کہ یہان تو آلہ مصنوعات ہین نہ کہ افعال اسکا جواب یون ہو سکتا ہی کہ مصنوعات من حیث الذات الہ نہیں بلکہ من حیث کونہا۔ آثار للافعال آلہ ہین تو درحقیقت افعال ہی آلہ ہوئے معنے شعر یہ ہین کہ اے وہ ذات جس کی تجلیات وافعال آلہ ہین اسکی معرفت کا اور آفتاب چرخ جسکے ایک فعل یعنی ایجاد خاص کا پابند و تابع ہی جواب ابیات آئندہ مین ہین

شرح شبیری اے صفات الخ۔ یعنی اے ذات کہ تیری صفات یعنی تجلیات وافعال (تیری) معرفت کے لئے آفتاب اور ذریعہ ہین اور یہ آفتاب آسمانی بھی اون ہی تجلیات مین سے ایک تجلی کا مسخر اور بندہ یعنی تابع صفت ہے صفات سے مراد افعال و تجلیات صفت بمعنی متعارف مراد نہین کیونکہ معرفت کا آلہ افعال ہی ہین مطلب یہ کہ آپ کے افعال مثل آفتاب کے آپکی معرفت کے ذریعہ ہین یعنی جس طرح آفتاب سے نور حاصل کرکے دوسری اشیاء کا علم ہوتا ہی اسی طرح ان افعال کو دیکھکر تیری معرفت ہوتی ہی اور جس طرح آفتاب آلہ اظہار اشیاء ہی اسی طرح یہ افعال

وتجلیات بھی معرفت ذات کیلئے آلہ ہین جاننا چاہیئے کہ صوفیہ کے کلام مین ہرطرح کی اصطلاحات ہوتی ہین وہ بعض جگہ تو حکماء کی اصطلاح کے موافق کلام کرتے ہین اور بعض جگہ محاورۂ عوام کے مطابق کلام کرتے ہین اسلئے لوگون کو دونون اصطلاحون کے خلط سے بہت سے شبہات ہوجاتے ہین پس یہان محاورہ عامہ کی موافق صفات سے مراد افعال ہین جیسے بولتے ہین کہ زید بڑی صفت کا آدمی ہی اوس صفت کو بیان کرتے ہین تو کہتے ہین کہ وہ خوب خرچ کرتا ہی تو دیکھو خرچ کرنیکو جوکہ ایک فعل تھا صفت سے تعبیر کرتے ہین تو یہان بھی صفات سے مراد افعال ہی ہین دوسرے مصرعہ مین فرماتے ہین کہ یہ آفتاب چرخ بھی تیرے افعال مین سے ایک فعل یعنی ایجاد مشخص خاص کا تابع ہی جب یہ ایسا نوربخش ہی تو آپ کی تجلیات کیسی کچھ نور معرفت کا سبب ہون گی یہان چونکہ کہا تھا کہ افعال ہی آلہ معرفت ہین آگے اسی کی کچھ تفصیل ہی کہ۔

شرح حبیبی

گاہ کوہ قاف وگہ عنقا شوی	گاہ خورشید وگہے دریا شوی

تیری معرفت کا آلہ کبھی آفتاب ہوتا ہی کبھی دریا کبھی کوہ قاف کبھی عنقا۔ کیونکہ یہ سب تیری مصنوعات اور تیرے افعال کے آثار اور ان کے مظاہر ہین اصل مقصد تو یہ ہی اور جو عنوان اختیار کیا ہی کہ کبھی تو آفتاب ہوتا ہی اور کبھی دریا اور کبھی کوہ قاف اور کبھی عنقا وہ محض تعبیر ہی بعض احادیث مین بھی اس قسم کی تعبیرات آئی ہین مثلاً ایک حدیث مین ہی کہ حق سبحانہ فرماتے ہین کہ ابن آدم مجھے برا کہتا ہی یہ اسے زیبا نہین کیونکہ وہ زمانے کو برا کہتا ہی زمانہ تو مین ہون یہان اپنے آپ کو زمانہ کہا ہی لیکن اول تو تعبیر مفضی الی الفساد نہین کیونکہ ہر اہل زبان عامی ہو یا من الخواص سمجھتا ہی کہ اس کا مقصود یہ ہرگز نہین کہ خدا زمانہ ہو بلکہ مقصود یہ ہی کہ وہ زمانہ کو برا اسلیے کہتا ہی کہ بعض تصرفات اسکو ناپسند ہوتے ہین اور ان تصرفات کو وہ زمانہ کی طرف منسوب کرتا ہی اسلئے وہ اسکو برا کہتا ہی۔ ورنہ اصل مقصد اس کا متصرف کو برا کہنا ہی اور متصرف حقیقی تو ہم ہین لہذا فی الحقیقۃ ہمین کو برا کہتا ہی گو تعیین متصرف مین غلطی کرنے کے سبب سے ہمارا نام نہین لیتا دوسرے اگر بالفرض مفضی ہو بھی تو یہ فعل صاحب شریعت کا ہی جسکی شان یہ ہی کہ لایسئل عما یفعل وہم یسئلون غایۃ ما فی الباب یہ کہ دیگر متشابہات کی طرح یہ بھی متشابہات مین داخل ہوگا۔ اس سے دوسرون کو اجازت نہین ہوسکتی کہ وہ بھی اس قسم کی تعبیرین کیا کرین یہان سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ صوفیہ کے اس قسم کی تعبیرات فی نفسہ اپنے اندر ایک معنی صحیح رکھتی ہین مگر حالت سکر مین تو معذوری ہی اور بجز حالت سکر کے ایسی تعبیرات کی اجازت نہین کیونکہ اس قسم کی تعبیرات مفضی الی الفساد ہوتی ہین حتی کہ انہی تعبیرات نے بعض لوگون کو کفر تک پہونچا دیا ہی چنانچہ ایک صاحب کو دیکھا کہ وہ حق سبحانہ کو عالم کا مادہ خیال کرتے تھے ایک دوسرے صاحب حق سبحانہ کو کلی طبعی سمجھتے تھے اور ان خیالات کا کفر ہونا ظاہر ہی۔

شرح شبیری | گاہ خورشید الخ۔ یعنے اے ذات تو کبھی خورشید ہوجاتی ہی اور کبھی دریا اور کبھی کوہ قاف اور کبھی عنقا صوفیہ کے اس قسم کے کلام سے لوگون کو بہت دھوکا ہوتا ہی اور نتیجہ یہ ہوتا ہی کہ کفر کی نوبت ہو جاتی ہی اور جہال یون سمجھ لیتے ہین کہ خورشید ودریا وغیر ذلک ہونے سے یہ مراد ہی کہ ذات حق نعوذ باللہ بطور استحالہ کے ذات دریا ہوگئی یا ذات خورشید خود ذات حق ہے حتی کہ ایک صاحب کو دیکھا گیا کہ وہ حق تعالیٰ کو عالم کے لئے مثل مادہ کے خیال کرتے تھے اور یون سمجھتے تھے کہ پہلے تو حق تعالیٰ بیشک منزہ تھے مگر جب ان مخلوقات کو پیدا کیا تو اپنے ہی کو ان صورتون مین مستحیل

یا حال کر دیا ایک دوسرے صاحب تھے وہ حق تعالی کو ایک کلی طبعی خیال کئے ہوئے تھے جس سے کہ لازم آتا ہی کہ جب یہ مخلوقات فنا ہون تو وہ بھی باقی نہ رہے وہو صریح الکفر لہذا اس مقام کو خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ صوفیہ کے کلام مین جو اس قسم کے الفاظ ہوتے ہین یہ محض تعبیرات ہوتے ہین مقصود ان سے خود ذات حق کا ان محمولات کی ساتھ اتحاد نہین ہوتا اور دیکھو ایسی تعبیرات خود نصوص مین بھی موجود ہین حدیث مین ہی ان اللہ ہو الدہر دیکھو اللہ تعالی کے لئے دہر کو محمول قرار دیا پس جو تاویل یہان کروگے وہی تاویل ان حضرات کے کلام مین بھی کر لو سہان یہ الفاظ موحش ضرور ہوتے ہین مگر صحیح اور واقعی ہوتے ہین جیسا کہ حدیث مین وارد ہونے سے معلوم ہوتا ہی اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اس قسم کے الفاظ ماول ہوتے ہین مگر یہ فرق ہی کہ اہل ظاہر اور تاویل کرتے ہین اور یہ حضرت دوسری تاویل کرین گے مگر مضمون ایک ہی ہوگا مثلاً یہ کہ اہل ظاہر تو کہتے ہین کہ یہان مضاف محذوف ہی اور عبارت یہ ہی کہ ان اللہ مقلب الدہر اور یہ حضرات کہین گے کہ ان اللہ ظاہر فی الدہر والدہر مظہر لہ اور حاصل اسکا بھی وہی ہی جو مقلب الدہر کا تھا کیونکہ مصنوع کا مظہر ہونا اس معنی کر ہے کہ اوس سے ظہور و ادراک صانع کا ہوتا ہی اور آلہ ادراک فعل ہی جیسا یہان تقلیب پس مقلب الدہر و ظاہر فی الدہر کا ایک ہی مطلب ہوگا ـ یہ توجیہ تو دفع اشکال کی تھی باقی صوفیہ اس ظاہریت و مظہریت مین علاوہ تعلق ایجاد کے ایک دوسرے تعلق خاص کے بھی قائل ہین جو کہ محض کشفی و وجدانی ہی جسکو الفاظ سے سمجھانا مشکل ہی اور سچ یہ ہی کہ ان حضرات کو ذوقیات و وجدانیات مین مافی الضمیر کے اظہار کے کافی الفاظ نہین ملتے اسلئے کہ یہ امور ذوقی اور کشفی ہین اور اونکا تو وہ حال ہوتا ہی مگر دوسرون کو کیسے سمجھائین ہان خود اچھی طرح سمجھے ہوئے ہین جس طرح کہ اگر کوئی مرد صحبت کے لطف کو عنین کو سمجھانا چاہے تو خواہ وہ کتنی ہی کوشش کرے مگر وہ قادر نہین کہ اوس لطف کی کیفیت کو اوس پر طاری کردے بلکہ اوسکو مثال دے دے کر اور تشبیہات سے سمجھا دیگا پس اسی طرح ان حضرات کے یہ چونکہ احوال اور ذوقی امور تھے اسلئے دوسرون کے سمجھانے کے لئے اونکو الفاظ نہ ملسکے اور مجبور ہوکر حیات سے مثال دیکر سمجھاتے ہین کہین ظل اور شخص کی مثال دیکر کہین آفتاب اور زمین کی مثال دیکر اور درحقیقت یہ مظہریت ذوقی و کشفی ہی پس اسکو یہان بھی فرمایا کہ تیرا مظہر کبھی تو خورشید ہوتا ہی اور کبھی دریا یعنی تیری معرفت کبھی اوسکے ذریعہ سے ہوتی ہی اور کبھی اس سے اور خوب سمجھ لو کہ حق تعالی کسی ممکن یا حادث مین حلول کئے ہوئے نہین ہی بلا حلول ایک خاص تعلق کے یہ حضرات قائل ہین علاوہ تعلق ایجاد کے اسکو وحدۃ الوجود بھی کہتے ہین جسکو ایک دوسرے معنی کر حکمار نے بھی مانا ہی اور اس کے قریب قریب پہونچ گئے ہین وہ کہتے ہین کہ وجود تو سب اشیار کا ایک ہی ہی مگر ذات مختلف ہین اس سے آگے مسئلہ کشفی تھا وہان تک اون کی رسائی نہ ہوسکی وہانتک صوفیہ پہنچے اور اوسکو اتحاد ذوات سے تعبیر کرنے لگے اور اس تعبیر کو خود تو سمجھ گئے مگر دوسرون کو نہ سمجھا سکے جسکی وجہ سے بچارون پر کفر کے فتوے لگے اور تیر مطاعن کے نشانہ بنے یہان تک کی تقریر سے چونکہ جہال کو شبہ حلول کا ہوسکتا ہی اور بعض کو ہوا بھی ہی اسلئے آگے اس شبہ کو دفع فرماتے کہ تو نہ این باشی نہ آن درذات خویش الخ ـ

شرح حبیبی

تو نہ این باشی نہ آن درذات خویش	اے فزون از وہما وزبیش بیش

اب مولانا حالت سکر سے حالت صحو کی طرف عود فرماتے ہین اور پہلے شعر سے جو حلول و اتحاد کا شبہ ہوتا تھا اس کا ازالہ

فرماتے ہین اور فرماتے ہین کہ تو اپنی ذات مین نہ یہ ہی نہ وہ - تو تو اوہام سے بھی بالاتر ہی بلکہ اگر اوہام سے بھی بڑھکر کوئی چیز ہو تو اس سے بھی ارفع واعلی ہی پھر ممکنات حال یا ان سے متحد کیونکر ہو سکتا ہی -

شرح شبیری | تو نہ این سالخ - یعنی تو فی حد ذاتہ تو نہ یہ ہی نہ وہ ہی اسے وہ ذات کہ اوہام سے بھی اور جو چیز کہ اوہام سے آگے ہی اوس سے بھی فوق ہی یعنی ورار الورار ثم ورار الورار ثم ورار الورار ہی لہذا یہ شبہ باطل ہی کہ تو کسی چیز مین حلول کئے ہوئے ہی آگے مثالون سے سمجھاتے ہین کہ

شرح حبیبی

روح با علم است و با عقل ست یار		روح را با ترکی و تازی چہ کار	

یعنی روح ممکنات مین سے ہی اور اسکو علم وعقل سے تعلق ہی جو اسکی صفات ہین مگر اسکو تازی و ترکی سے کیا علاقہ کہ یہ صفات مادیات سے ہین جبکہ ایک ممکن کی یہ شان ہو کہ باوجود جسم سے اس قدر تعلق کے کہ اس کے تمام آثار کا منشا وہی ہی پھر الگ ہی تو آپ تو واجب ہین آپ کو ممکن ہالک الذات سے کیا نسبت کہ اوس مین حال یا اوس سے متحد ہون -

شرح شبیری | روح الخ - یعنی روح علم اور تعقل کے ساتھ مقرون و موصوف ہے سو اپنی مناسب صفات تو اوسمین ہین مگر خواص ابدان سے منزہ ہی چنانچہ اسکو عربی یا ترکی سے کوئی مطلب نہین اور ان قیود سے بالکل مبرا و منزہ ہی یعنی جس طرح روح کو باوجودیکہ بدن ذی روح کی ساتھ تدبیر وغیرہ کا تعلق ہوتا ہی مگر پھر بھی ابدان کی قیود سے مثل ترکیت و تازیت منزہ ہوتی ہی چنانچہ روح مجرد کو کوئی یہ نہین کہتا کہ یہ روح تازی ہی اور یہ ترکی ہی اسی طرح حق تعالی بھی اپنی صفات کے ساتھ موصوف ہین اور سب اشیار کے ساتھ معیت بھی رکھتے ہین مگر ان اشیار کی قیود سے مبرا و منزہ ہین اور کسی شئے مین حلول کئے ہوئے بھی نہین ہین آگے اسی تنزیہ کی ایک خاص تحقیق کی طرف اشارہ فرماتے ہین -

شرح حبیبی

از تو اے بے نقش و با چندین صور		ہم مشبہ ہم موحد خیرہ سر	

اسے بے صورت والے بے چون و بیچگون تیری تو یہ شان ہی کہ با این ہمہ مظاہر تیرے بارہ مین مشبہ و منزہ ہر دو سر گردان و حیران ہین اور یا بے نقش صفت اول اور با چندین صور صفت ثانی ہو یعنی اسے بے صورت والے ذات التعلق مع المظاہر اور کیسکو تیری کنہ معلوم نہین اس اجمال کی تفصیل یہ ہی کہ تشبیہ سے مراد ہی خالق کو مخلوق سے مشابہ بتانا اور تنزیہ کے معنی ہین خالق کو مشابہت مخلوق سے متعالی بتانا پس مشبہ وہ ہی جو خالق کو مخلوق سے مشابہ بتا دے اور منزہ وہ ہی جو خالق کو مشابہت مخلوق سے منزہ و مبرا ٹھیرا دے مشبہین و منزہین کے درجات مین تفاوت ہی بعض تو مشبہ کامل ہین یہ وہ لوگ ہین جو مخلوق کی صفات مختصہ کو حق سبحانہ کے لئے ثابت کرتے ہین جیسے تشکل - تمکن - تحیز - جسمیت وغیرہ وغیرہ بعض منزہ تام ہین یہ وہ لوگ ہین جو حق سبحانہ کو ممکن کی جملہ صفات مختصہ و غیر مختصہ سے عاری ٹھہراتے ہین حتی کہ علم سے بھی پھر مشبہین کاملین کا آپس مین تعین تشکل وغیرہ مین اختلاف ہوا - کوئی ایک شکل متعین کرتا ہی کوئی دوسری یہانتک تو مشبہین و منزہین کاملین یعنی غالین کا بیان تھا اب ان لوگون کی حالت سنو جو جامع بین التشبیہ والتنزیہ ہین یہ وہ لوگ ہین جو حق سبحانہ کے لئے

صفات غیر مختصہ بالممکن تو ثابت کرتے ہین مگر صفات مختصہ بالممکن کی نفی کرتے ہین ان کے دو گروہ ہین ایک وہ جو نفس صفات کی تو نفی کرتے ہین مگر آثار کو ثابت کرتے ہین اور ان آثار کا منشار نفس ذات کو بتاتے ہین وہ کہتے ہین کہ خدا علیم ہی مگر بصفۃ العلم نہین بلکہ بذاتہ یون ہی قدیر بھی ہی مگر بصفۃ القدرۃ نہین بلکہ بذاتہ علی ہذا القیاس مرید بھی ہی مگر بصفۃ الارادہ نہین بلکہ بذاتہ اور ارادہ کے معنی متعارف نہین لیتے بلکہ کچھ اور ہی تراشتے ہین دوسرے وہ جو نفس صفات کو بھی ثابت کرتے ہین پھر دوسرے گروہ کے دو گروہ ہو گئے ایک وہ جو ان نصوص کی تاویل کرتے ہین جن مین استوار علی العرش۔ بطش۔ ضحک۔ ید۔ وجہ وغیرہ واقع ہین دوسرے وہ جو تاویل نہین کرتے مگر اس کا اعتراف کرتے ہین کہ ان سے مثل صفات مخلوقین تو یقیناً مراد نہین لیکن یہ الفاظ اپنے معنی حقیقیہ ہی مین مستعمل ہین رہی یہ کہ بات کہ پھر وہ صفات کیسی ہین۔ اوسکو علم حق سبحانہ کی طرف تفویض کرتے ہین اور خود کوئی کیفیت متعین نہین کرتے مسلک اول متکلمین کا ہے اور مسلک ثانی محدثین و سلف صالحین کا۔ آجکل عام طور پر لوگ مسلک متکلمین ہی کے موافق اعتقاد رکھتے ہین اگر مسلک ثانی احوط و اسلم و اشبہ بالحق ہی تو مسلک اول ابعد عن شبہۃ التجسیم پھر دوسرے گروہ کے دو فرقے ہو گئے فرقہ اولے وہ جو کہتا ہی کہ خدا ممکنات سے ذاتاً مبائن محض ہی اور اسکو مخلوقات سے صرف اپنی صفات و افعال کے ذریعہ سے تعلق ہی۔ جیسے علم۔ ارادہ۔ قدرت ترزیق و تخلیق غضب۔ رحمت وغیرہ وغیرہ۔ فرقہ ثانیہ وہ جو کہتے ہین کہ خدا کو ذاتاً بھی اپنی مخلوقات سے کچھ تعلق ہی اور اس تعلق کو وہ کشفاً اور ذوقاً سمجھتے ہین مگر کافی الفاظ نہ ملنے کے سبب وہ اس تعلق کو دوسرونکو نہین سمجھا سکتے وہ اپنے مقصد کو تشبیہات کے پیرایہ مین ظاہر کرنا چاہتے ہین اور اسکے لئے اقرب سے اقرب تشبیہات تلاش کرتے ہین کبھی دریا اور موج کی مثال دیتے ہین کبھی روح اور جسم کی وغیرہ وغیرہ مگر افسوس کہ ہر تشبیہ ناکافی ہوتی ہی۔ اور پورے مدعا کو ظاہر نہین کر سکتی لوگ اسکو تشبیہ تام سمجھکر دہوکہ مین پڑجاتے ہین اور ایمان تک کہو بیٹھتے ہین امثلۂ متعارفہ مین سب سے اقرب گو فی نفسہ وہ بھی بعید ہی۔ وللہ المثل الاعلیٰ تشبیہ شمس در خہناے سقف ہی دیکھو ایک چہت ہین چند سوراخ ہین بعض بشکل دائرہ بعض بشکل مثلث بعض مربع وغیرہ وغیرہ مگر شمس کسی سے بشکل دائرہ جلوہ گر ہوتا ہی اور کسی سے بشکل مثلث اور کسی سے بشکل مربع وغیرہ وغیرہ اور یہ تمام سوراخ اسُ کے مظاہر مختلفہ ہین مگر آفتاب ان سب سے مبائن اور جدا ہی یہ سب فی من وجہ مشبہ اور من وجہ منزہ ہین کما ہو الظاہر اگلے اشعار بھی اسی مضمون کا تتمہ ہین۔ فرماتے ہین کہ مشبہ را موحد میکنی الخ

شرح شبیری | انتوای الخ یعنی اے وہ ذات کہ باوجود بے نقش و صورت ہونے کے اتنی صورتین تیری مظاہر ہین تمام عالم خواہ وہ مشبہ ہون یا موحد (یعنی اہل تشبیہ ہون یا اہل تنزیہ) تیری معرفت مین حیران ہین ترکیب عبارت یون ہی کہ اے بے نقش و یا چندین صور از تو ہم مشبہ و ہم موحد خیرہ سر ست یا چندین صور کا مطلب یہ ہی کہ اس قدر مختلف صورتین تیرا مظہر ہین اور بے نقش کا مطلب یہ ہی کہ تو فی حد ذاتہ منزہ ہی اور یہان مشبہ موحد بالمعنی الشرعی کا مقابل نہین ہی تاکہ غیر موحد اور کافر مراد ہو بلکہ یہ مشبہین بھی موحدین مین ہی ہین اور توحید سے مراد معنی متعارف نہین بلکہ تشبیہ کے مقابل یعنی تنزیہ اور ان سب کی تفصیل آگے آتی ہی معلوم کرنا چاہیئے کہ مشبہ اوسکو کہتے ہین کہ جو خالق کو مخلوق سے مشابہ فی بعض اوصاف بتاوے نہ کہ فی الحقیقت اور موحد بمعنی منزہ اس کو کہتے ہین جو کہ خالق مین بعض اوصاف مشترکہ کا قائل ہو اور اس مفہوم عام کے اعتبار سے مشبہین اور منزہین کے مراتب مختلف ہون گے سو بعض حکماء نے تو تنزیہ محض کے قائل ہونے مین اتنا غلو کیا ہی کہ کہتے ہین کہ خداوند تعالیٰ صرف ذات ہی

ذات ہین اور اُن کے لیے صفات بالکل ثابت نہین غرض صفات کا ایکدم سے انکار کرتے ہین حتیٰ کہ علم کا بھی انکار
کرتے ہین اور کہتے ہین کہ ذات کے ساتھ تو کسی اور شے کا نام آنا ہی نہ چاہیے۔ ان کے مقابلہ مین اصطلاحاً وہ لوگ
مشبہ ہوں گے جو کہ ذات کے لیے صفات کو ثابت کرتے ہین اب قائل بالصفات مین وہ لوگ منزہ ہین جو صفات کو
عین ذات مانتے ہین جیسے جمہور حکما اور وہ لوگ مشبہ ہونگے جو صفات کو زائد علی الذات مانتے ہین جیسے اہل شرع پھر
ان زائد علی الذات ماننے والون مین وہ منزہ کہلاوین گے جو علم و قدرت کو بالمعنے الحقیقی ثابت کہتے ہین مگر ید و ساق
و قدم و وجہ و نزول و استواء وغیرہ ماؤل کہتے ہین جیسے اکثر علماء خلف اور وہ مشبہ کہلائین گے جو ان کے بالمعنی الحقیقی
قائل ہین مگر بلا کیف جیسے اکثر سلف مثلاً قرآن شریف مین ید کے معنے منزہ تو یہ لین گے کہ اس سے مراد قدرت اور
استواء علی العرش سے مثلاً مراد استیلاء ہوگا۔ اور مشبہ یہ کہین گے کہ ید سے مراد ید ہی ہے اور استواء ہی ہے مگر اُس کی
کیفیت کہ وہ کس طرح ہے ہمکو معلوم نہین اور اسکو ہم خداوند تعالیٰ ہی کی طرف تفویض کرین گے اور مذہب اول خلف
کا ہے اور مذہب ثانی سلف کا اور محدثین کا ہے پھر ان قائلین یہ ید و وجہ و نزول و استواء بالمعنی الحقیقی مین بھی دو فرق
ہین ایک وہ کہ کہتے ہین کہ حق تعالیٰ کو ممکن سے صرف تدبیر و تصرف کا تعلق ہے اور کوئی تعلق نہین ہے یہ منزہ
ہین ان کے مقابلہ مین مشبہ وہ لوگ ہین جو کہتے ہین کہ حق تعالیٰ کو ممکنات کے ساتھ علاوہ تدبیر و تصرف کے ایک اور
بھی تعلق باعتبار ذات کے ہے یہ مسلک اکثر صوفیہ کا ہے مگر اُس تعلق کو وہ کشفاً اور ذوقاً ہی جانتے ہین اور اس تعلق
کے بیان کرنے کے لیے اُنھین الفاظ نہین ملتے اور اُسے دوسرون کو سمجھا نہین سکتے پس مجبور ہو کر تشبیہات سے سمجھاتے
ہین چنانچہ کبھی دریا و امواج سے تشبیہ دیتے ہین کبھی خورشید و زمین سے کبھی ظل اور شخص سے مگر افسوس ساری
تعبیرین ناکافی ہوتی ہین اور اُنکے مافی الضمیر کے اظہار کے لیے ہرگز کافی نہین ہوتین جیسا کہ شعر گاہ خورشید الخ کی تقریر مین
عنقریب کی مثال دی گئی ہے اب جہال ان تعبیرات و تشبیہات کو جو صرف تقریب فہم کے لیے ہوتی ہین تشبیہ تام سمجھ گئے
اور کفر مین مبتلا ہو گئے لہذا خوب سمجھ لو کہ صرف تعبیرات اور تشبیہات ہین اور مراد تشبیہ من کل الوجوہ نہین اور ان سب مین
عمدہ اور اقرب تشبیہ شمس اور چھت کے مختلف رخنون کی ہے اگرچہ فی نفسہ یہ بھی بعید ہے مگر بہ نسبت دوسرے
تشبیہات کے اقرب ہے اسکو یون سمجھو کہ ایک چھت مین مختلف سوراخ ہین کوئی مربع ہے کوئی مثلث ہے
الی غیر ذلک اور ان مین سے شمس کی روشنی اور اُسکا نور آرہا ہے اور اُس سے زمین پر اُس نور کی مختلف اشکال
پیدا ہو رہی ہین کہین وہ دھوپ مربع ہے کہین مثلث ہے الی غیر ذلک مگر پھر بھی ذات شمس پر اسکا کوئی اثر
نہین اور اس مین اختلاف صور متحقق نہین ہوتا اور وہ ان سب سے منزہ و مبرا ہے اور اسی مثال کو مولانا محمد قاسم
صاحب رح نے ایک موقع پر بہت ہی نفیس طریقہ سے بیان فرمایا کہ دیکھو جب سورج نور افگنی کرتا ہے تو
اُس کا نور ایک گھوڑے پر بھی پڑ رہا ہے اور ایک عطر کے کارخانہ پر بھی مگر نہ اُسکی بدبو کا اثر وہان تک جاتا ہے
اور نہ دوسرے کی خوشبو وہان تک پہونچتی ہے پس اُسکو زمین سے تعلق بھی ہے مگر پھر بھی اُس کے آثار و
خواص سے منزہ ہے اور اُسکی صفات و آثار اُس تک متعدی نہین ہوتے پس اسی طرح صوفیہ کہتے ہین کہ
حق تعالےٰ کو ممکنات کے ساتھ ایک خاص تعلق بھی ہے اور پھر بھی وہ منزہ ہے یعنی وہ تعلق حلول اور اتحاد نہین
اور ایک فرقہ مشبہ کا ان صوفیہ کے مقابل ہے کہ حلول و اتحاد و تجسم وغیرہ کے قائل ہین جو ضلالت محضہ ہے انکے

مقابلہ مین صوفیہ منزہ ہین اور اِس تقریر سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ تنزیہ محض بھی جیسے بعضے حکماء ضال سمجھے صحیح نہین اور تشبیہ محض بھی جیسے مجسمہ وغیرہ سمجھے صحیح نہین مسلک حق جمع مبینا ہے بشرطیکہ اِس جمع مین شرائع کا بھی اتباع کیا جاوے اور شیخ محی الدین اِس جمع کو فرماتے ہین ؎ فان قلت بالتنزیہ کنت مقیدا + وان قلت بالتشبیہ کنت محددا + وان قلت بالامرین کنت مسددا + وکنت اماماً فی المعارف سیدا + الخ اِسی جگہ اسی کو مولانا فرماتے ہین کہ اے ذات حق جنکی یہ شان ہے کہ آپ کو سب کے ساتھ تعلق بھی ہے اور اِس تعلق سے اِس قدر صورتین آپکی مظاہر ہین مگر ساتھ ہی آپ اُن سب سے منزہ بھی ہین پس اے ایسی ذات آپ سے یعنی آپکے کنہ کے دریافت کرنے مین تمام عالم خواہ وہ مشبہ ہون یا منزہ سرگردان ہے یعنی کسی کو آج تک کنہ کا پتہ نہین چلا کوئی تنزیہ مین غالی ہو گیا مثلاً صفات کی نفی کرنے لگا کوئی تشبیہ مین مفرط ہو گیا کہ تجسیم تک کا قائل ہو گیا کوئی متوسط و جامع بین التنزیہ والتشبیہ رہا مگر حقیقت دونون کی نہ سمجھ سکا نہ یہ معلوم کر سکا کہ تیری ذات کو دوسری اشیاء سے کیا تعلق ہے کوئی کچھ کہنے لگا کوئی کچھ کسی نے تجھے دوسری اشیاء کے ساتھ متحد کر دیا کسی نے دوسری اشیاء کو معدوم کہدیا الغرض تو ان سب سے وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے ؎ اے برتر از خیال وقیاس وگمان ووہم + وز ہرچہ گفتہ اند وشنیدیم وخواندہ ایم + دفتر تمام گشت وبپایان رسید عمر + ما ہمچنان در اول وصف تو ماندہ ایم + آگے اسی حیرانی کو فرماتے ہین کہ ۔

شرح حبیبی

گہ مشبہ را موحد مے کنی ‌ ‌ ‌ گہ موحد را بصورت رہزنی

گہ ترا گوید ز مستی بو الحسن ‌ ‌ ‌ یا صغیر السن یا رطب البدن

گاہ نقش خویش ویران مے کند ‌ ‌ ‌ از پئے تنزیہ جانان مے کند

یہان تک ذات بیچون مین فرقون کا اختلاف اور ان کا تحیر اور پریشانی دکھلائی تھی اب مختلف اوقات مین ایک شخص کے احوال کا تفاوت اور اسکی پریشانی وسرگردانی ظاہر فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ کبھی ایک مشبہ ہوتا ہے مگر تو اُسکو منزہ کر دیتا ہے یعنی جب وہ تشبیہ مین غور کرتا ہے تو اسکو تیری شایان شان نہین پاتا اِس لیے رجوع کرتا ہے اور تنزیہ کا قائل ہوتا ہے اِس بناء پر تو اپنی اخفاء کنہ حقیقت کے سبب سے سبب بنتا ہے اسکے اِس تحول وتقلب کا یون ہی ایک شخص منزہ ہوتا ہے پھر تو اُسکو قول بالصورت سے گمراہ کرتا ہے یعنی وہ تنزیہ کو تیرے شایان شان نہ پا کر تشبیہ کا قائل ہوتا ہے اور یہ محض اِس لیے کہ تیری کنہ اِس سے مخفی تھی اِس لیے اِس تغیر کا سبب بھی تو ہی ہوتا ہے کبھی ایک عارف ایک بچہ مین تیرا جلوہ دیکھتا ہے یا اِس صورت مین تجلی مثالی اُس پر ظاہر ہوتی ہے اور غلبہ شوق وجوش مستی سے تجھے نو عمر اور نرم بدن کہکر پکارتا ہے ۔ اور کبھی اُس پر تیری تنزیہ کا غلبہ ہوتا ہے تو اپنی ہستی کو مغائر ہستی حق دیکھ کر اُسکو بھی مٹا دیتا ہے اور صرف ایک تیری ذات کو موجود جانتا ہے اور تو ہی تو ہے کہتا ہے کبھی انا الحق پکارتا ہے اور کبھی مافی جبتی غیر اللہ کا نعرہ لگاتا ہے یہ اختلاف وتشتت آراء تیری کنہ کے معلوم نہ ہونے کے سبب سے ہے پس ظاہر ہوا کہ تو اوہام ومبشرات اوہام

بھی بالاتر ہے ہماری اِس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ موحد کردن اور رہ زدن کی اسناد حق سبحانہٗ کی طرف مجازی ہے اور یہ اقرب الی الادب ہونے کے سبب اختیار کی گئی ہے اور اِس سے اسناد حقیقی بمعنی ایجاد کے امتناع کا شبہ نہ کیا جاوے اہل سنت نے دلائل سے اِسکو صحیح مانا ہے۔

شرح شبیری | گر مشبہ الخ۔ یعنی کبھی تو مشبہ کو موحد کر دیتا ہے اور کبھی موحد کے لیے صورت سے رہزن ہوجاتا ہے مطلب یہ کہ جب مشبہ کو تشبیہ کے کسی درجہ مین کوئی اشکال پیش آتا ہے تو مضطر ہو کر تنزیہ کو اختیار کرتا ہے اور منزہ ہوجاتا ہے اور کبھی منزہ کو تنزیہ کے کسی درجہ مین ایسا ہی کوئی اعضال پیش آتا ہے تو وہ مشبہ ہوجاتا ہے اور یہان تو دو شخصون کا ذکر تھا جن پر یہ مختلف حالتین ہوتی ہین کہ کبھی مشبہ پر غلبہ تنزیہ ہوتا ہے اور کبھی منزہ پر غلبہ تشبیہ ہوتا ہے آگے فرماتے ہین کہ بعض مرتبہ ایک ہی شخص پر مختلف اوقات مین دونون کا غلبہ ہوتا ہے لہذا فرماتے ہین

گہ ترا گوید الخ۔ یعنی کبھی تو مستی مین آکر (غلبہ تشبیہ مین) عارف یون کہنے لگتا ہے کہ اے کم عمر والے اور اے نرم نرم بدن والے (تو یہان صفات محدثہ کو قدیم پر محمول کر دیا) اور کبھی اپنی ہستی کو مٹا کر آپکی تنزیہ کرنے لگتا ہے اور آپ کو سب سے منزہ و مبرا جانتا ہے جسکی وجہ غلبہ تنزیہ ہے کہ اُسمین سب صفات و ذوات محدثہ کو مغائر سمجھتا ہے اس لیے سب کو فنا کرتا ہے بخلاف حالت تشبیہ کے کہ اُسمین مغایرت کا حکم نہین ہوتا اس لیے فنا مین کوشش نہین کرتا۔ ابو الحسن سے مراد عارف ہے یعنی صاحب فعل حسن۔ مولانا کا مطلب یہ ہے کہ کبھی تو یہ احوال الگ الگ دو شخصون پر طاری ہوتے ہین اور ایک مشبہ سے منزہ اور دوسرا منزہ سے مشبہ ہوجاتا ہے اور کبھی ایک شخص پر دونون حالتین گذرتی ہین اور وہ کبھی مشبہ ہوتا ہے اور کبھی موحد ہوجاتا ہے مثلاً ایک وقت مین عارف کی نظر تعلقات حق مع الممکن پر ہے اُسوقت مین وہ مشبہ ہوجاتا ہے جیسے کہ کسی بچہ کو تیرا مظہر دیکھتا ہے (نہ یہ نظر شہوت کہ وہ مذموم ہے) اور اُسکو صغیر السن اور رطب البدن پاتا ہے تو مشبہ ہو کر حالت سکر و مستی مین اُسکی صفات کو تیری طرف مضاف کرنے لگتا ہے اور کہہ اُٹھتا ہے یا صغیر السن یا رطب البدن (ویمکن ان یتجلی لہ الحق احیاناً فی مثل ہذہ الصورۃ ویناد یہ بہ فی ذلک الوقت ویکون مثل ذلک تجلیاً مثالیاً مخلوقاً مظہراً للحق فافہم) اور کبھی اِس شخص پر تنزیہ کا غلبہ ہوتا ہے اور یون سمجھتا ہے کہ وہ ذات تو بالکل منزہ ہے اور اُسکو اور ممکنات کو کیا نسبت اِس لیے اپنی ہستی کو بھی مٹا دیتا ہی اور کالعدم سمجھ لیتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ اپنے وجود کو وجود سمجھنا بھی ایک قسم کا شرک ہے اِس لیے موحد ہو کر بالکل ذات بحت کی طرف توجہ کرتا ہے اور کسی چیز کو اُسمین مشارک نہین سمجھتا غرضکہ تیری معرفت علی وجہ الکمال کسی کو نہ ہوسکی یہ تقریر حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کی برکت ہے کہ مثنوی حل ہو رہی ہے ورنہ محشی تو قیل و قال ہی مین رہتے ہین اور مقصود مولانا سے کہین دور جا پڑتے ہین وللہ درہ پہلے چونکہ کہا ہے کہ جو اس ظاہرہ جو مدرک تلذذات اور ناسوت مین گرفتار ہین ان کو بیکار کر کے حس روحانی سے کام لینا چاہیے اور بیچ مین ذات خداوندی کو اور اُسکی صفات کو بیان کرنے لگ گئے تھے آگے پھر اُسی مضمون بالا کی طرف رجوع فرماتے کہ چشم حس را ہست مذہب اعتزال الخ۔

شرح حبیبی

دیدۂ عقل ست سنی در وصال	چشم حس را ہست مذہب اعتزال

اد پر بیان کیا تھا کہ حس مادی کو جو عالم ناسوت مین گرفتار ہے بیکار کر کے حس مجرد سے کام لینا چاہیے اُسی کی طرف پھر عود کرتے ہین اور فرماتے ہین چشم حس تو عملاً معتزلی المذہب ہے کہ وہ حق بینی کی کوشش نہین کرتی تو گویا معتزلہ کی طرح منکر روایت حق ہے اور دیدۂ عقل وحس مجرد حالت قرب مین عملاً سنی المذہب ہے کہ مثبت رویت ہے اور حق بینی کی کوشش کرتی ہے اِس صورت مین در بمعنی ظرفیت ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ تعلیل کے لیے ہو جیسا کہ ان کے کلام مین بکثرت ہے یعنی چشم عقل تحصیل قرب اور مشاہدہ محبوب حقیقی کے لیے سنی المذہب اور معتقد رویت ہے تاکہ اِس اعتقاد کی بنا پر مشاہدہ و معائنہ محبوب حقیقی مین سعی کرے یا یون کہو کہ چشم ظاہر تو دنیا مین جمال حقیقی کا مشاہدہ نہین کر سکتی اور اِس لیے وہ منکر رویت ہو کر معتزلہ کے مشابہ ہو گئی۔ رہی چشم باطن سو وہ دنیا مین بھی بصورت قرب حق حاصل ہو جانے کے جمال حق کا مشاہدہ اصطلاحیہ کر سکتی ہے اِس لیے وہ منکر رویت نہین اور سنی المذہب سے مشابہ ہے پس ایسی حالت مین تو اُس آنکھ کے پیچھے کیون پڑا ہے جس سے حصول مقصود نا ممکن ہے اور اُس آنکھ کی بینائی تیز کرنے کی فکر کیون نہین کرتا جس سے فوز مرام کی توقع ہے تجھ پر لازم ہے کہ قرب حق حاصل کرے اور چشم حق بین سے جمال حق معائنہ کرے آگے فرماتے ہین سخرۂ حس اند اہل اعتزال الخ۔

شرح شبیری چشم حس الخ۔ یعنی چشم حواس ظاہرہ کا مذہب تو معتزلی ہے اور دیدۂ عقل سنی ہے وصال مین وصال مراد قرب در وصال کے معنے یا تو یہ لیے جاوین کہ وصال اور قرب کی حالت مین وہ سنی ہے اور یا یہ کہا جاوے کہ در بمعنی لاجل کے ہے اور یہ مولانا کے کلام مین اکثر ہے تو معنی یہ ہون گے کہ دیدۂ عقل سنی ہے بغرض تحصیل قرب اور وصال کے مطلب یہ ہے کہ جس طرح معتزلی اعتقاداً منکر ہوتے ہین دیدار کے اور انکا یہ عقیدہ ہے کہ دیدار حق نہ ہوگا بخلاف اہل سنت والجماعت کے کہ وہ دیدار حق کے قائل ہین اِسی طرح یہ حواس ظاہرہ کہ متوجہ الی الحق نہین ہوتے اور اُس طرف سے توجہ ہٹا کر اِس طرف تلذذ مین اور تنعم مین پڑے ہین عملاً دیدار کے منکر ہین اور عملاً ہونے کے یہ معنے کہ عمل ایسا کرتے ہین جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دیدار کے اور وصال کے قائل نہین ہین کیونکہ اگر قائل ہوتے تو اُس طرف توجہ کرتے اور کوشش کرتے کہ ہمکو قرب حاصل ہو بخلاف حس عقل کے جو کہ حواس باطنہ ہین کہ وہ اِس کوشش مین ہوتے ہین کہ کسی طرح قرب ہو۔ پس جب تجھکو قابلیت اور استعداد اس امر کی ہے کہ سنی ہو سکے اور اِسکی کوشش کرے کہ دیدار قرب حق ہو تو بڑے افسوس کی بات ہے کہ تو اِس طرف توجہ نہین کرتا اور اُن حواس ظاہرہ کی مدرکات مین پھنسا ہوا ہے تجھکو چاہیے کہ چشم حق بین کو کھولے اور اُس سے کام لے آگے بھی اِسی مضمون پر تفریع کرتے ہین اور فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

خویش را سنی نماید از ضلال	سخرۂ حس اند اہل اعتزال

یعنی حس ظاہری کے مسخر و منقاد اور اسی کی دھن میں لگے رہنے والے گو زبان سے اپنے کو سنی ظاہر کرتے ہیں مگر یہ انکی گمراہی ہے اور حقیقت سے ناواقفیت وہ درحقیقت معتزلی ہیں کیونکہ چشم عقل کے تو قائل ہی نہیں اگر قائل ہوتے تو جس طرح چشم ظاہر کا خیال رکھتے ہیں اور اسکو ہر قسم کی مضرت سے بچاتے ہیں یوں ہی چشم باطن کی بھی فکر کرتے پس انکا یہ دعویٰ بھی کہ ہم چشم باطن کو مانتے ہیں محض زبانی ہی دعویٰ ہے پس ثابت ہوا کہ وہ چشم باطن کے منکر ہیں اور چشم ظاہر حق بین (عالم دنیا میں) ہے نہیں لہذا وہ اس عالم کے اعتبار سے معتزلی اور منکر رویت ہیں۔

شرح شبیری مسخرہ الخ۔ یعنی جو لوگ حس ظاہر میں مسخر و مقید ہیں وہ اہل اعتزال ہیں اور گمراہی کی وجہ سے اپنے کو سنی بتاتے ہیں یہاں مسخرہ حس مبتدا ہے اور اہل اعتزال خبر ہے یعنی جو لوگ کہ حس ظاہر میں مسخر ہو جاتے ہیں وہ واقع میں عملاً معتزلی ہیں مگر زبان سے اپنے کو سنی کہتے ہیں اور انکا یہ کہنا بالکل گمراہی اور غلطی ہے اس لیے کہ حق بینی کا انکار کر رہے ہیں اگر اسکو مانتے تو جس طرح چشم حس سے کام لیتے ہیں اسی طرح وہ چشم باطن سے بھی تو حق بینی کا کام لیتے انکا یہ کام نہ لینا دلیل اسکی ہے کہ وہ اس کے منکر ہیں آگے بھی یہی مضمون ہے فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

گرچہ گوید سنیم از جاہلی ست	ہر کہ در حس ماند او معتزلی ست

یعنی جو شخص ظاہری حس میں پھنس کر رہ گیا وہ معتزلی ہے اگرچہ زبان سے کہتا ہے کہ میں سنی ہوں یہ کہنا اس کا نادانی سے ہے تفصیل اوپر مذکور ہوئی۔

شرح شبیری ہر کہ الخ۔ یعنی جو شخص اس حس ظاہر میں رہ گیا وہ فی الحقیقت معتزلی ہے اگرچہ زبان سے کہے کہ میں سنی ہوں اسکا یہ کہنا محض جہالت ہے مطلب یہ کہ جو شخص ان حواس کے ادراکات میں پھنسا ہوا ہے اور ان ہی کے مشتبہات اور مقتضیات پر عمل کرتا ہے وہ دراصل معتزلی اور منکر قرب و دیدار ہے اگرچہ اپنی زبان سے اپنے کو سنی ہی کہتا ہے مگر حقیقۃً و عملاً معتزلی ہی ہے اور اپنے اس دعویٰ میں وہ جھوٹا ہے اور اسکا یہ دعویٰ جہالت سے ہے آگے پھر اسی مضمون کو فرماتے ہیں کہ جو ان سے نکل کر ان حواس تک پہونچ گیا وہ اہل تحقیق اور اہل بینش ہو گیا۔ پس فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

اہل بینش چشم حس خویش بست	ہر کہ بیرون شد ز حس او سنی ست

جو حس ظاہری کو چھوڑ دے یعنی اسکو معطل و بیکار کر دے۔ اور عالم ناسوت سے توجہ ہٹالے سنی فی الحقیقت وہ ہے۔ اس لیے کہ اہل بینش۔ اور معتقد رویت اپنے چشم ظاہری کو بند کر لیا کرتے ہیں الا فی ما اذن اللہ۔ اہل بینش میں اضافت ادنیٰ ملابست سے ہے مجھے ذوقاً یہ تاویل اچھی معلوم ہوتی ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اہل بینش سے مراد اہل بصیرت ہوں۔

شرح شبیری ہر کہ الخ۔ یعنی جو شخص کہ ان حواس ظاہرہ کے مقتضیات سے باہر ہو گیا وہ سنی ہے اور اہل تحقیق اور اہل بینش نے اپنے حواس ظاہرہ کی آنکھ بند کر لی ہے یعنے جس شخص نے عالم ناسوت کی طرف توجہ نہ کی بلکہ عالم غیب کی طرف توجہ کی اور اس چشم حس کو بیکار کر دیا اور اس سے کام نہ لیا اہل تحقیق اور اہل بینش مین سے ہے اور چشم حس کو بیکار کر دینے سے مراد یہ ہے کہ جہان اُسکو بیکار کرنے کی ضرورت ہو ورنہ یہ معنی نہین کہ اہل تحقیق اپنی آنکھین بند کیے پھرتے ہین پھر اُسی کو بیان کرتے ہین کہ جسنے حس باطن سے کام لیا وہ فائز المرام ہو گیا لہذا فرماتے ہین۔

شرح حبیبی

ہر کہ از حسن خدا دید آیتے	در بر حق داشت بہتر طاعتے

حس خدا مین اضافت بادنی ملابست ہے یعنی جس نے حس باطن سے جو جمال حق کا مشاہدہ کرنے والی ہے حق سبحانہ کی کوئی نشانی بھی دیکھ لی تو وہ حق سبحانہ کے نزدیک ایک بہتر عبادت رکھتا ہے جو کہ اس کے یہان مقبول و پسندیدہ ہے۔

شرح شبیری ہر کہ از۔ الخ۔ یعنی جس نے حس خداوندی کی ایک جھلک بھی دیکھ لی اور اُسکو تھوڑی سی بھی معرفت ہو گئی اُس نے حق تعالےٰ کے نزدیک ایک بڑی طاعت پالی حسن کی اضافت خدا کی طرف بادنی ملابست ہے یعنی مؤصل الی الحق مطلب یہ ہوا کہ جسکو تھوڑی سی معرفت بھی حاصل ہو گئی اُسکو تو بہت بڑی نعمت اور طاعت مِل گئی جس سے بڑھ کر اور طاعت ہو نہین سکتی۔ یا یہ کہا جاوے کہ چونکہ اُسکو قرب اور معرفت حاصل ہے اِس لیے اُسکی طاعت دوسرون کی طاعت سے بہتر ہو گی کہ وہ معرفت کے ساتھ ہو گی آگے فرماتے ہین کہ ان حواس کو بیکار کرنے اور حواس باطن کو باکار کرنے کی کیا ضرورت ہے کیا یہ حواس مقصود مین کافی نہین پس فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

گر بدیدے حس حیوان شاہ را	پس بدیدے گاؤ خر اللہ را

بھلا تو اتنا تو سمجھ کہ اگر چشم ظاہری جو تمام حیوانات مین مشترک ہے خدا بین ہوتی تو بیل اور گدھے بھی تو خدا کو دیکھتے جب کہ ایسا نہین تو معلوم ہوا کہ کوئی اور ہی قوت خدا بین ہے تو تو اسکی درستی کی فکر کیون نہین کرتا اس کے پیچھے کیون پڑا ہے۔

شرح شبیری گر بدیدے الخ۔ یعنی اگر یہ حس حیوانی شاہ کو دیکھ لیا کرتی اور اِس سے اُسکا ادراک ہو جایا کرتا تو پھر تو گاؤ خر بھی کہ اُن مین بھی یہ حس حیوانی موجود ہے اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کر لیا کرتے مطلب یہ کہ یہ تو مسلم ہے کہ قرب حق اور وصول الی الحق ضروری ہے اور یہ بات اِس حس ظاہری سے حاصل نہین ہوتی دلیل اِسکی یہ ہے کہ اگر یہ حس بھی ادراک حق کا کر سکتی تو حیوانات علاوہ انسان کے جو ہین وہ بھی اللہ کو دیکھ سکتے اور چشم ظاہری سے ادراک کر لیا کرتے لیکن ایسا نہین ہے پس معلوم ہوا کہ یہ حس ادراک حق کے لیے کافی نہین لہذا

وہ حس جو اس ادراک کے لیے کافی ہو حاصل کرنا ضروری ہوا اور وہ حس باطن ہی ہے جیسا کہ اوپر معلوم ہوا ہے لہذا ان حواس کو معطل کر کے اُنکی تحصیل ضروری ہوئی وہو المطلوب۔ آگے بھی اسی مضمون کا اثبات ہے فرماتے ہین کہ

شرح حبیبی

گر نبودے حس دیگر مر ترا — جز حس حیوان ز بیرون ہوا
پس بنی آدم مکرم کے بدے — کے بحس مشترک محرم شدے

اچھا تو یہ سمجھ کہ اگر سوائے حس حیوانی کے مقتضیات نفسانی سے تعلق نہ رکھنے والی کوئی اور حس تیرے لیے نہ ہوتی تو انسان کو جسکا تو بھی ایک فرد ہے لقد کرمنا کا خلعت کیونکر عطا ہوتا اور انسان صرف ایک حس مشترک کے ذریعہ سے محرم راز و مقرب بارگاہ حق سبحانہ کیونکر بن سکتا تھا اس تقریر پر حل عبارت یون ہوگا کہ گر نبودے شرط اور پس حرف جزا بنی آدم مکرم کے بدے۔ جزا اور معطوف علیہ۔ اور کے بحس مشترک محرم شدے جزا و معطوف لیکن تحقیقی جزو ثانی معطوف مقدر ہے جو معلول ہے جزاء ثانی معطوف مذکور فی الکلام کا معلول کو محذوف کر کے علت کو قائم مقام کر دیا اسوقت تقدیر عبارت یون ہوگی اگر انسان کے لیے کوئی اور حس نہ ہوتی تو مکرم کیسے ہوتا اور محرم کیونکر بنتا کیونکہ صرف حس مشترک کے ذریعہ سے محرم کیسے ہوسکتا تھا یعنی صرف حس مشترک کے ذریعہ سے محرم ہونا ناممکن تھا اسکی نظیر ایسی ہے جیسے کسی عہدہ دار کم تنخواہ اور صاحب جائداد سے کہا جاوے کہ اگر تو رشوت نہ لیتا تو صرف تنخواہ سے اتنی بڑی جائداد کیونکر خرید سکتا تھا کیونکہ اسکی تقدیر یون ہے کہ اگر تو رشوت نہ لیتا تو اتنی بڑی جائداد نہ خریدتا کیونکہ صرف تنخواہ اسکے لیے کافی نہ تھی اور دوسری نظیر آیت قرآنی ان یسرق فقد سرق اخ لہ من قبل ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ چوری کرے تو کچھ تعجب کی بات نہین کیونکہ انکے یہان تو ہوتی ہی آئی ہے کیونکہ اس سے پہلے اسکے بھائی نے چوری کی ہے فقد حصل الجمع بین التوجیہین والحمد للہ علے ذلک۔

شرح شبیری اگر نبودے الخ۔ یعنی اگر حس حیوانی کے علاوہ دوسری حس تجھ مین نہ ہوتی جو کہ مواد ہوس کے خارج سے حاصل ہے یعنی ہوا و ہوس سے باہر ہے تو پھر بنی آدم مکرم کیونکر ہوتا کیونکہ حس مشترک فی الحیوان والانسان سے کس طرح محرم راز ہوسکتا تھا۔ یہان بادی النظر مین یون معلوم ہوتا ہے کہ مصرعہ کے بحس مشترک الخ معطوف بحذف عاطف ماقبل پر ہے مگر اصل مین یون نہین ہے بلکہ وہ الگ مضمون ہے کیونکہ عطف مین تو معنے بالکل غلط ہوجاوینگے اسلیے کہ پھر یہ معنے ہونگے کہ اگر دوسری حس نہ ہوتی تو بنی آدم مکرم نہ ہوتا حالانکہ ہوا اور نیز حس مشترک کی وجہ سے کب محرم راز ہوتا حالانکہ ہوا۔ اور یہ باطل ہے کیونکہ حس حیوانی اور حس مشترک سے محرم راز کہان ہوا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ دیکھو اگر تمہارے پاس کوئی حس علاوہ اس حس حیوانی کے نہ ہوتی تو پھر تم مکرم کس طرح ہوسکتے تھے اس لیے کہ جیسے تمہارے پاس حس حیوانی تھی اسی طرح ان کے پاس بھی تو تھی حالانکہ تم مکرم ہوئے جیسا کہ ولقد کرمنا بنی آدم سے معلوم ہوتا ہے لہذا معلوم ہوا کہ وہ حس جسکی وجہ سے کہ مکرم ہوئے ہین ضرور قابل تحصیل ہوئی اب مصرعہ ثانیہ مین اسکی دلیل کے طور پر فرماتے ہین کہ دیکھو تو حس مشترک سے کس طرح مشاہدہ کر سکتے ہین کہ وہ تو دونون مین شریک ہے تو لازم آتا ہے کہ انکو بھی مشاہدہ ہوا کرے لہذا ایسا ہے نہین پس معلوم ہوا کہ اس مشاہدہ کے لیے کسی دوسری چیز کی ضرورت ہے اور ایک توجیہ مصرعہ کے بحس مشترک الخ کے صحت عطف کی بھی ہوسکتی ہے وہو مذکور فی الشرح الحبیبی اور بیان

اور اسیطرح شعر سابق پس بدیدے گاؤ خر اللہ را مین دیدن وغیرہ سے مراد رؤیت بالمعنے المتبادر نہین بلکہ مشاہدہ اصطلاحی یا معائنہ مراد ہے مشاہدہ کہتے ہین توجہ الی الصفات کو اور معائنہ کہتے ہین توجہ الی الذات کو بغیر نفی صفات کے یعنی توجہ ذات کی طرف اِس طرح ہو کہ صفات کی طرف اُسوقت التفات نہ ہو۔ پس یہان دیدن سے دونون مراد ہوسکتے ہین یہان ان حواس کا بیکار ہونا بتلایا تھا آگے بتلاتے ہین کہ بغیر حواس باطنی کے تنزیہ اور تشبیہ بالمعنین المذکورین فی ہا بعد جسکے جامع اہل حق ہوتے ہین دونون باطل ہین فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

نامصور یا مصور گفتنت	باطل آمد بے زصورت رفتنت

اور مشاہدہ حق کی ضرورت بتائی تھی اور حس ظاہری کو اس کے لیے ناکافی بتایا تھا اب حصول مشاہدہ کی تدبیر بتلاتے ہین اور فرماتے ہین کہ اس مقصد کے حصول کا ذریعہ یہ ہے کہ قید صورت سے آزاد ہو اور عالم ناسوت سے تعلق منقطع کرے قیل وقال سے کچھ کام نہین چلتا عمل کی ضرورت ہے جب تک تو صورت کو نہ چھوڑیگا خواہ تو یہ کہہ کہ خدا مصور اور مجسم ہے خواہ یہ کہہ کہ وہ شکل وصورت سے منزہ ہے دونون بیکار اور لغو ہین کہ اس سے وہ وصول الی الحق حاصل نہین ہوتا جیسا ہونا چاہیے گو ایک عقیدہ صحیحہ نجات کا فی الجملہ ذریعہ بن ہی جاتا ہے یا یون کہو کہ تیرا خدا کو مصور اور نا مصور کہنا دونون باطل ہین جب تک کہ عالم ناسوت سے تعلق قطع نہ کرے کیونکہ مشبہین ومنزہین کے قوی ادراکیہ معرفت حق سبحانہ سے قاصر ہین مشبہ ہونا اس لیے باطل ہے کہ بہت ممکن ہے کہ تو تشبیہ مین اس درجہ تک پہونچ جائے۔ جہانتک کہ واقع نہین۔ مثلا یہ کہ خدا کی صورت ایسی ہے اسکا قد ایسا ہے اسکے سر پر بال ہین وغیرہ وغیرہ جیسا کہ اہل ہوا رقائل ہوے ہین اور منزہ ہونا اس لیے باطل ہے کہ مبادا تو تنزیہ کے اس مرتبہ تک پہونچ جائے کہ صفات ثابتہ بالنصوص کی بھی نفی کرنے لگے۔ جیسے ید۔ وجہ۔ استواء علی العرش وغیرہ وغیرہ اِس لیے عالم ناسوت سے قطع تعلق کرنا لازم ہے تاکہ ان مہالک سے نجات پائے۔

شرح شبیری ناممصورا لخ۔ یعنی تیرا حق کو نا مصور کہنا یا مصور کہنا بغیر ترک صورت اور ظاہر کے بالکل باطل ہے مطلب یہ کہ منزہ جب غیر مصور کہے گا اور خود مقید ہوگا صورت کے ساتھ تو یہ بھی باطل ہوگا اور جب مشبہ مصور کہیگا اور وہ بھی خود صورت کا مقید ہوگا تو یہ بھی باطل ہے اور مشبہ کے مصور کہنے کا باطل ہونا تو ظاہر ہے کہ جب وہ مقید بصورت ہے تو مصور سے مراد وہی صورت لیگا جسمین وہ مقید ہے یعنی جوارح اور اعضاء ممکنات اور حادث کے جسکا باطل ہونا ظاہر ہے ہان منزہ کے غیر مصور کہنے کا باطل ہونا ذرا دقیق ہے اسکو ذرا سمجھ لو کہ منزہ جس قصد سے غیر مصور کہہ رہا ہے یعنی جسکو وہ صورت سمجھ رہا ہے اُسکی نفی وہ تو فی نفسہ صحیح ہے مگر اُس سے بلا اُس کے قصد کے فی الواقع لازم آتا ہے کہ اُسکی نفی معارض ہوگی نصوص سے کے یعنی جب نا مصور کہا تو جو امور مثل ید ووجہ ونزول واستواء وغیرہا نصوص مین وارد ہین اُنکی نفی بھی ہوجاویگی کیونکہ ایسا شخص کہیگا لیس لہ ید۔ ولیس لہ وجہ الی غیر ذلک تو چونکہ اُس کے اِس کہنے سے انکار نصوص لازم آتا تھا اس لیے وہ بھی باطل ہوگا چنانچہ خود حدیث مین ہے کہ رایت ربی فی احسن صورۃ یہان آخر صورت نے سے

کیا مراد ہوگا جو یہان مراد ہے وہی مصور کہنے مین سمجھ لو پھر منزہ کا مطلقاً غیر مصور کہنا تو صحیح نہ ہوگا اور یہ ظاہر ہے کہ اس حدیث کے معنی تو یہی ہین کہ فی احسن صورۃ لہ اور یہ مراد نہین ہے کہ مین اچھی صورت مین تھا اس حالت مین حق تعالے کو دیکھا اسیطرح ید و وجہ وغیرہا کی وہ شخص نفی کریگا حالانکہ ثابت بالنصوص ہین اور مبالغین فی التنزیہ اسمین مجاز اس لیے لیتے ہین کہ حقیقت لینے مین ممکن کے ساتھ مماثلت ہو جاویگی لیکن پھر چاہیے کہ علم وغیرہ مین بھی مجاز لیا جاوے ورنہ اسیطرح علم و قدرت وغیرہ بھی تو صفات ممکن سے ہین حالانکہ وہان تم خود یہی کہتے ہو کہ علم حقیقۃً حق تعالے کیلیے ثابت ہے مگر اسکی کیفیت ہمکو معلوم نہین اسیطرح اگر یہان بھی کہدو کہ حقیقۃً ید ثابت ہے مگر ہمکو اسکی کیفیت معلوم نہین تو کیا حرج ہے بعینہ ویسی ہی بات ہے اور ان صفات کے اثبات سے حق تعالے کی مماثلت ممکن کے ساتھ لازم نہین آتی ہان مشابہت اصطلاحیہ مین کوئی محذور نہین پس حق تعالے کیلیے مثل بکسر المیم وسکون الثاء ممتنع ہے کہ حقیقت اسکی مشارک فی النوع وحقیقتہ ہے اور مثل بفتحتین ممتنع نہین قال تعالے لیس کمثلہ شئ وقال لہ المثل الاعلے اسیطرح مثال قال تعالے مثل نورہ کمشکوۃ الآیہ اور یہان یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ حق تعالے کے اسماء توقیفی ہین پھر اسپر مصور یا ذی ید وغیرہ کا اطلاق کس طرح درست ہوسکتا ہے کہ یہ اسم منصوص نہین بات یہ ہے کہ بطور تسمیہ کے تو بلا توقیف اطلاق جائز نہین لیکن بطور توصیف کے جائز ہے جبکہ وہ وصف ثابت بالدلیل ہو جیسا کہ رایت ربی فی احسن صورۃ کہنے سے معلوم ہوتا ہے کہ احسن کا اطلاق کیا گیا حالانکہ اسماء خداوندی مین سے نہین ہے اسیطرح مصور کا اطلاق بھی بطور توصیف کے جائز ہوگا پس مقصود مولانا کا اس فرمانے سے یہ ہے کہ جب تک عالم ناسوت سے الگ نہ ہوگے اور اسی مین مقید رہوگے اسوقت تک خواہ مشبہ ہوکر مصور کہو خواہ منزہ ہوکر نامصور کہو سب باطل اور بے سود ہے اور باطل آمدکی ایک اور توجیہ سہل بھی ہے جسکو شرح حبیبی مین اول ذکر کیا ہے آگے بتلاتے ہین کہ مصور یا نامصور کا اطلاق کون کرسکتا ہے فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

نامصور یا مصور پیش اوست	کہ ہمہ مغز ست و بیرون شد ز پوست

خدا مصور ہو یا نامصور جیسا بھی ہے انھین کے نزدیک ہے اور وہی اسکو جانتے ہین جو ظاہر کو چھوڑکر سراپا تحقیق ومعرفت بن گئے ہین کیونکہ وہ مشاہدہ کرنیوالے ہین اور تیر تو محض ظن وتخمین ہے جو بالکل بے سود ہے۔

شرح شبیری نامصور الخ۔ یعنی نامصور کہنا یا مصور کہنا اس شخص کے نزدیک صحیح ہوگا کہ جو بالکل مغز ہی مغز ہوچکا ہو اور قشر سے باہر ہوگیا مطلب یہ کہ جو شخص علم تحقیق مین کامل ہوچکا ہے اور عالم ناسوت سے نکل کر دوسرے عالم کی طرف متوجہ ہے اور وہ اسکی حقیقت کو بھی جانتا ہے کہ نامصور سے کیا مراد ہے اور مصور سے کیا مراد ہے تو حقیقۃً تو اسکو سب کہنا روا ہے اور جب تک اس حد کو نہ پہونچے اس وقت تک جائز نہ ہوگا یہان تک بیان تھا کہ ان حواس ظاہرہ کے اتباع کو ترک کرکے حواس باطنہ کا اتباع اختیار کرو اور اوپر یہ بھی معلوم ہوگیا کہ ان حواس مین بھی استعداد ہے کہ اس طرف متوجہ ہوجاوے لہذا اب نفس سے باہر ہونے کی تدبیر بتلاتے ہین جسکا حاصل مجاہدہ ہے اور مقصود تو تدبیر بتلانا ہے مگر اسکو توبیخ سے شروع کرتے ہین پس فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

گر تو کوری نیست بر اعمی حرج	ورنه رو کالصبر مفتاح الفرج

اوپر عالم ناسوت سے قطع تعلق اور ترک ظاہر کی ترغیب دی تھی اب اسکا طریقہ بتلاتے ہین لیکن توبیخ سے ابتدا کرتے ہین اور فرماتے ہین اگر تو اندھا اور مسلوب الاستعداد ہے تو ہم کچھ نہین کہتے کیونکہ اندھے پر کوئی تنگی نہین اور اگر اندھا نہین اور یقینًا نہین کیونکہ کل مولود یولد علے الفطرۃ۔ تو تجکو مجاہدہ کرنا چاہیے اور مخالفت نفس سے جو تکالیف وشدائد تجھے پہونچین سب کو فراخ حوصلگی کے ساتھ برداشت کرنا چاہیے کیونکہ الصبر مفتاح الفرج۔

شرح شبیری اگر تو الخ۔ یعنی اگر تو اندھا ہے تب تو تجھ پر بفحوائے لیس علے الاعمی کوئی تنگی نہین اور اگر نہین ہے تو جا کہ صبر مفتاح ہے کشادگی کی۔ مقصود مولانا کا یہ بتلانا ہے کہ جب تم مین استعداد موجود ہے اور پھر بھی تم اسکو کام مین نہین لاتے تو یہ بڑی بدبختی کی بات ہے لیکن اسکو توبیخ کے طور پر شروع کیا ہے کہ کیا اندھا تو نہین ہے کہ معذور رکھا جاوے۔ جونکہ قرآن مین ہے لیس علے الاعمی حرج یعنی یہ تو نہین ہے کہ تجھ مین قبول قبولیت کی استعداد ہی نہین کہ جو عدم جہد کی صورت مین معذور سمجھا جاوے بلکہ استعداد تو موجود ہے جیسا اوپر بیان ہوا تو اب جاؤ اور مجاہدات اور ریاضات کرو کہ یہی چیزین تمھارے لیے انوار الٰہیہ کو اور قرب کو بڑھا دینگی اور یہ جو پردے عالم ناسوت کے پڑے ہین انکو اٹھا دینگی یہی کو فرماتے ہین کہ پردہاے دیدہ را داروے صبر الخ۔

شرح حبیبی

پردہاے دیدہ را داروے صبر	ہم بسوزد ہم بسازد شرح صدر

یہان سے اس صبر اور مجاہدہ کا نفع بیان فرماتے ہین کہ یہ صبر ایسی مفید چیز ہے کہ چشم باطن کے سامنے کے تمام حجب ظلمانیہ کو جو حق بینی سے مانع ہین پھونک دیگی باب سینہ کو انوار الٰہیہ کے داخلہ کے لیے کھولیگی۔ جسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ تیری آنکھ مشاہدہ جمال محبوب سے مسرور ہوگی اور سینہ انوار الٰہیہ سے معمور۔

شرح شبیری پردہاے الخ۔ یعنی آنکھ پر جو پردہ جھلی وغیرہ آجاتی ہے اسکو دوا لگانا اس پردہ کو بھی جلا دیتا ہے اور شرح صدر بھی کر دیتا ہے اوپر دیدہ سے مراد حواس لئے ہین اب کہتے ہین کہ حواس پر جو ناسوت کے پردے پڑ گئے ہین اور اس طرف توجہ نہین ہوتی اسپر دواے صبر لگا دو یعنی مجاہدات وریاضات کرو تاکہ وہ ریاضات ان حجابات کو بھی اٹھا دین اور شرح صدر بھی کر دین یعنی قلب کو کدورات سے پاک صاف کر دین اور اس قابل بنا دین کہ اس طرف توجہ ہو سکے آگے اسی کو فرماتے ہین کہ آئینہ دل چون شود صافی وپاک الخ۔

شرح حبیبی

آئینہ دل چون شود صافی وپاک	نقشہا بینی برون از آب وخاک

صبر سے ایک فائدہ یہ ہوگا کہ تیرا آئینہ دل کدورت ماسوے اللہ سے پاک صاف ہو جائے گا تو سب تجھے

عالم ناسوت سے باہر کی صورتیں بھی دکھلائی دینگی - چنانچہ اہل اللہ کو بہت کچھ عجائبات منکشف ہوتے ہیں - چنانچہ شیخ عبدالکریم جیلی فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دریا دیکھا جس کی ایک موج ما بین السماء والارض سے دس لاکھ حصہ بڑی ہے اور میں نے دوزخ کے تمام طبقات کی پیمائش کی اور شیخ محی الدین ابن عربی پر غالباً تمام اہل دوزخ واہل جنت کی تعداد منکشف ہوئی مگر ان حضرات کی نظر میں یہ مقصود نہیں ہوتے چنانچہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں کہ ان سب کو نظر انداز کرنا چاہیے کہ یہ بھی حجاب بلکہ سخت حجاب ہیں اِن الحجب النورانیۃ اشد من الحجب الظلمانیۃ البتہ علوم معاملہ جو اسپر منکشف ہوتے ہیں اور حسب استعداد انکا منکشف ہونا لازم ہے وہ مقصود اور نافع ہیں پس سالک کو چاہیے کہ صرف ذات وصفات حق ومعاملات کو مطمح نظر بنالے اور سب کو نظر انداز کردے -

شرح شبیری آئینہ الخ - یعنی جب آئینہ دل کدورتوں اور تعلقات عالم ناسوت سے صاف اور پاک ہو جاویگا تو پھر تو تم بہت سے نقوش دیکھو گے جو کہ آب وخاک سے باہر اور علیحدہ ہونگے مطلب یہ کہ جب مجاہدہ کرنے سے تمہارا دل صاف ہو جاویگا تو تم بہت سے نقش یعنی انوار وتجلیات دیکھو گے کہ جو آب وخاک سے باہر ہیں اور اِس قدر حکماء کو بھی ماننا پڑا ہے کہ ان قوی مدرکہ معلومہ کے علاوہ ایک اور قوت بھی ہے جس کو قوت قدسیہ کہتے ہیں اور اُسکے جو ادراکات ہوتے ہیں وہ ہر شخص کی سمجھ میں نہیں آتے اور کہتے ہیں کہ ہماری رسائی اُس قوت قدسیہ تک نہ ہو سکی مگر وہ صرف اِس لیے مانتے ہیں کہ خود اُنکے اکابر میں بعضے ایسے ہوئے کہ اُن کے علوم اُنکے احاطہ سے باہر ہیں تو اُنکو صاحب قوت قدسیہ مانا تاکہ جو بات اُنکی اِن کے سمجھ میں نہ آئی اُسکو کہدیتے ہیں کہ یہ کام قوت قدسیہ کا ہے اور ہم میں نہیں ہے اِس لیے ہم اِس کے سمجھنے سے عاجز ہیں اِسکا مطلب وہی جانیں گر افسوس اِس گمراہی پر کہ اپنے اکابر کے کلام میں تو ایسے امور ہونیکی وجہ سے قوت قدسیہ کے قائل ہوں اور اُنسے معارضہ نہ کریں مگر رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو اور دوسرے حضرات انبیاء کو بزعم خود عقلیات سے معارضہ ہونے پر نہ مانیں اور اُنسے معارضہ کریں - پس مقصود مولانا کا یہ ہے کہ مجاہدہ کرکے تم اپنے دل کو صاف کرلو پھر دیکھو کس قدر نقوش تمکو دکھلائی دیتے ہیں - اور یہ نقوش دو طرح کے ہوتے ہیں ایک تو کونیات دوسرے الٰہیات تو یہ حضرات کونیات کے تو مرتبہ علم وقصد میں بالکل نفی کرتے ہیں یعنی اُنکی طرف توجہ کرنے کو شرک فی الطریق سمجھتے ہیں ہاں الٰہیات کی طرف توجہ کرتے ہیں ہمارے حضرت حاجی صاحب فرماتے ہیں کہ لا کے ساتھ ان انوار ملکوتیہ کی بھی نفی کردو اور بجز اُس کے کسیکو مقصود مت سمجھو دوسرے بھی فرماتے تھے حجب نورانیہ اشد ہوتے ہیں حجب ظلمانیہ سے کہ جبتک حجب ظلمانیہ میں رہتا ہے اُسوقت اپنے کو محجوب تو سمجھتا ہے اور جب حجب نورانیہ میں پھنس گیا تو اُسوقت اسکو شبہ وصول الی الحق کا ہو جاتا ہے اور یا تو یہ خیال کرتا ہے کہ یہ تجلی ذات حق کی ہے اور یا ایسا نہیں سمجھتا مگر اُنسے لذت لیتا ہے لہذا مدۃ العمر اسی میں رہتا ہے اور مقصود یعنی قرب حق سے محروم رہتا ہے اسلیے کہ سمجھتا ہے کہ مقصود تو حاصل ہو ہی گیا اب آگے کیا ضرورت ہے چنانچہ بعض صوفیہ سالہا سال تک روح کی تجلی کو تجلی ذاتی سمجھتے رہے ہیں ایک مدت کے بعد معلوم ہوا کہ ہم غلطی پر تھے اور اُسوقت تک روح کی پرستش میں رہے البتہ اگر اُسکی طرف قصد والتفات نہ ہو تو نفس کشف مضر نہیں مگر لازم بھی نہیں چنانچہ بعض کو عمر بھر بھی یہ امور مکشوف نہیں ہوئے بعض کو بڑے بڑے امور مکشوف ہوئے چنانچہ حضرت عبدالکریم صاحب جیلی فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دریا دیکھا کہ جو موجیں ماررہا ہے اور اُسکی ایک موج اسقدر بڑی ہوتی ہے کہ جو بعد ما بین السماء والارض ہے اس سے دس لاکھ حصہ زیادہ مگر اُسکے روکنے تھامنے کو فرشتے کھڑے ہیں کہ اُسکی موجیں باہر نہ جا سکیں اگر اُسکی ایک موج بھی باہر

تجلی آوے تو ظاہر ہے کہ آسمان وزمین سب کو غارت کردے لیکن عرش اس سے بڑا ہے اور وہ سب کو محیط ہے جسقدر اشیا ہیں ان سب کو عرش محیط ہے۔ اب دیکھ لو کہ وہ کس قدر بڑا ہوگا اور نیز انھون ہی جنت دوزخ کی پیمائش لکھی ہے اور کہتے ہیں کہ ہم وہان گئے اور ان کی پیمائش کی اور یاد پڑتا ہے کہ شیخ محی الدین ابن العربی نے دوزخیون اور جنتیون کی تعداد بھی لکھی ہے۔ مگر باوجود اس قدر عظیم الشان علم ہونے کے بھی خود یہ حضرات بھی اسکی طرف متوجہ ہونے سے منع کرتے ہین البتہ جو کشف کہ نافع ہے وہ الہیات کا ہے یعنی آکہ حق کی صفات اور افعال اور معاملات بین الحق والعبد کا وہ کشف جسکو قرب الی الحق مین داخل ہو اول کو علوم مکاشفہ ثانی کو علوم معاملہ کہتے ہین اور اول غیر لازم ہے اور ثانی حسب استعداد لازم ہے مقصود مولانا کا بھی یہی ہے کہ مجاہدات وریاضات سے قلب کو پاک اور صاف کرلو پھر دیکھو کہ علوم معاملہ مین سے دائما اور علوم مکاشفہ مین سے احیانا کیسے کیسے نقوش اور کیا کیا باتین تمکو معلوم ہوتی ہین اور انوار الٰہیہ مین سے کس کس کا فیضان میسر ہوتا ہے آگے اسی کو بتلاتے ہین کہ۔ ؎ ہم ببینی آن نقش و ہم نقاش را + فرش دولت را و ہم فراش را۔ یعنی جب قلب کے آئینہ کو صاف کرلوگے تو اسمین وہ نقش بھی تم کو معلوم ہونگے اور صاحب نقوش کو بھی دیکھوگے اور فرش دولت کو بھی دیکھوگے اور اس کے بچھانے والے کو بھی یعنی جب مجاہدات وریاضات سے قلب کو کدورات سے پاک کرلوگے اور عالم ناسوت سے اسکا تعلق قطع کردوگے تو پھر انوار الٰہیہ کا بھی مشاہدہ ہوگا اور ذات باری کا بھی معائنہ ہوگا بالمعنے المذکور سابقا اور فرش دولت سے مراد فرش آرام یعنی وہی کیفیات کہ جن سے سکون و آرام ہوتا ہے اور سچ یہ ہے کہ جو سکون اسوقت حاصل ہوتا ہے وہ شاید مدۃ العمر کسی عیش و آرام مین بھی نہین ہوتا یہ ایک ذوقی امر ہے ورنہ بتلا دیتا۔ خیر۔ مراد یہ کہ عالم ناسوت مین جس قدر اشیا ہین سب کی نفی کردو بس اس عالم کی طرف توجہ کرو پھر دیکھو کیا مزے آتے ہین اور کیسے کیسے لطف حاصل ہوتے ہین ؎ یزیدک وجہہ حسنا + اذا ما زدتہ نظرا + اسمین جس قدر زیادتی ہوگی اسی قدر لطف بڑھے گا اب یہان چونکہ سب غیر اللہ کی نفی کی تعلیم تھی اس لیے یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ پھر شیخ بھی تو غیر اللہ ہے اسکی بھی نفی ہونا چاہیے اور مثل اور عالم ناسوت کے اس سے بھی تعلق قطع کرنا ضروری ہوا پھر جا بجا اور یہی شعر رو بجو یار خدائی را تو زود الخ مین اسکا امر کیون کیا اسکا آگے جواب دیتے ہین وللہ دره فرماتے ہین کہ چون خلیل آمد خیال یار من۔

شرح حبیبی

چون خلیل آمد خیال یار من ۔۔۔ صورتش بت معنی او بت شکن

اور پر مجاہدہ کی ضرورت بتائی تھی مگر وہ بے شیخ کامل کے اکثر بجاے نفع کے نقصان پہنچاتا ہے اس لیے ضرورت شیخ کو بتلاتے ہین اور فرماتے ہین کہ میرے شیخ کے خیال کی مثال ایسی ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام کو انکی صورت تو بت ہے اور معنی وحقیقت بت شکن اول یہ سمجھنا چاہیے کہ ابراہیم علیہ السلام کی صورت کیونکر بت ہے۔ اور معنے کیونکر بت شکن ہین سو اسکی وجہ یہ ہے کہ حضرت خلیل کا جب انکی قوم سے مناظرہ ہوا تو انھون نے اولا ایک ستارہ کی بابت یہ الفاظ استعمال کیے ہذا ربی۔ پھر دوسرے ستارہ یعنی قمر کی بابت یہی الفاظ استعمال کیے پھر تیسرے ستارہ شمس کی بابت الفاظ ہذا ربی ہذا اکبر کہے ان الفاظ کا بت اور شرک ہونا ظاہر ہے۔ لیکن حقیقت دیکھی جاتی ہے تو یہی

الفاظ بت شکن بیخ کن شرک ہین ۔ کیونکہ مناظرہ مین اولاً وہ دعویٰ متعین کیا جاتا ہے جسکا اثبات یا ابطال مدنظر ہوتا ہے اور دلائل کی عمارت کی بنا اِسی دعویٰ پر ہوتی ہے ۔ جب یہ امر ممہد ہوچکا ۔ تو اب سمجھو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہٰذا ربی ۔ یا ہٰذا ربی ہٰذا اکبر فرمانا ۔ اُس دعویٰ کی تعیین اور تقریر ہے جس کا باطل کرنا مدنظر ہے اور حقیقت اس قول کی یہ ہے کہ تمھارا دعوےٰ جس کو تم مجھ سے منوانا چاہتے ہو یہ ہی ہے کہ ہٰذا ربی ۔ اب اسکی حقیقت دیکھ لو کہ یہ دعویٰ کہانتک صحیح ہے ۔ اُسکے بعد اسکا ابطال فرمایا ہے تو یہ الفاظ گو بصورت بت اور شرک ہین مگر فی الحقیقت بت شکنی اور ہدم اساس شرک کے لیے استعمال کیے گئے ہین ۔ اسکے بعد یہ سمجھو کہ خیالِ یار کیونکر بصورت بت اور بمعنی بت شکن ہے اُسکی حقیقت یہ ہے کہ صوفیہ کرام کی اصطلاح مین بت کہتے ہین غیر اللہ کو ۔ اور خیالِ یار کا بصورت غیر اللہ ہونا ظاہر ہے ۔ اور حقیقت کے لحاظ سے دیکھئے تو غیر اللہ نہین بلکہ غیر اللہ کو دل سے مٹانے والا ہے لہٰذا بت شکن ہے اور یہ حکم کہ خیالِ یار غیر اللہ نہین اِس سے یہ سمجھنا کہ عین خدا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اِنکے عرف مین غیر اللہ وہ ہے جس سے خدا کے لیے تعلق نہ ہو ۔ اور خیالِ یار سے تعلق محض خدا کے لیے ہے کہ وہ موصل الی اللہ ہے ۔ اب تشبیہ ٹھیک ہوگئی وہ شبہ بھی مندفع ہوگیا کہ ان کے دل مین غیر اللہ کیونکر آیا ۔ اور ضرورت شیخ بھی ثابت ہوئی کہ ماسوے اللہ کو دل سے مٹاتا ہے آگے اِس بت شکنی کی تفصیل اور تشریح کی طرف اشارہ ہے چنانچہ فرماتے ہین ۔ شکر یزدان را کہ چون او شد پدید الخ ۔

شرح شبیری چون الخ ۔ یعنی میرے یار (مرشد) کا خیال حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے مانند ہے کہ اُسکا ظاہر تو بت ہے مگر باطن اُسکا بت شکن ہے ۔ مطلب یہ کہ شیخ کا خیال ایسا ہے کہ جیسے حضرت خلیل اللہ علیہ السلام تھے ظاہر مین تو جب کہ کوکب طلوع ہوا یہ فرمایا کہ ہٰذا ربی اور جب وہ چھپ گیا تو کہا کہ مین اُس شے کو جو افول قبول کرے رب نہین بناتا پھر جب قمر نے طلوع کیا تو اُسکو کہا کہ ہٰذا ربی پھر جب وہ بھی پوشیدہ ہوگیا تو کہنے لگے کہ اگر مجھے اللہ تعالیٰ ہدایت نہ کرتے تو ضرور مین بھی قوم گمراہ مین سے ہوجاتا اُس کے بعد جب شمس طلوع ہوا تو کہا کہ ہٰذا ربی ہٰذا اکبر یعنی لو بھائی اب اِس سے بڑھ کر تو کوئی کوکب نہین اور وہ تو اپنی صفت نور مین سب سے اعلیٰ ہے اگر اُسکو بھی افول ہوا تو پھر بس اِن مین سے کوئی بھی لائق الوہیت کے نہ رہے گا چنانچہ جب وہ بھی روپوش ہوگیا تو فرمانے لگے کہ لے قوم مین تمھارے شرک سے بری ہون چونکہ اُنکی قوم کواکب پرست تھی اِس لیے اُنھون نے معارضہ بھی کواکب ہی سے کیا یہان بعض مورخ لکھتے ہین کہ چونکہ ابراہیم علیہ السلام تہخانہ مین پلے تھے اور اُنھون نے کواکب کو دیکھا نہ تھا اِس لیے جب کواکب نے طلوع کیا تو وہ اُسکو پہچان نہ سکے اور اِس لیے ہٰذا ربی کہدیا ۔ یہ بالکل غلط ہے اِس لیے کہ اگر مان بھی لین کہ وہ تہخانہ مین پلے تھے تو بھی انبیاء علیہم السلام کے عقول اور ادراکات تو فطرۃً ہی کامل اور اکمل ہوتے ہین اور اصل فطرت کا تو مقتضی ہی یہ ہے کہ وہ غیر خدا کو خدا نہ سمجھے جیسا کہ کل مولود یولد علی الفطرۃ الخ سے معلوم ہوتا ہے تو یہ کہنا اول تو اِس طرح باطل اور غلط تھا پھر آگے انی بری مما تشرکون کہنا صاف دلیل ہے کہ وہ اسکا اعتقاد نہ رکھتے تھے اس لیے کہ اگر اُنکا یہ اعتقاد ہوتا تو یون کہتے کہ انی بری مما اشرک پس یہ قول کہ اِس ہٰذا ربی کہنے کے وقت اُنکا اعتقاد بھی اِسی کے مطابق تھا بالکل غلط در غلط ہے بلکہ ہٰذا ربی ظاہر مین تھا اور معنے اُسکے یہ ہین ہٰذا ربی بزعمکم مگر مجارات خصم کے طور پر اِس قید کی تصریح نہین فرمائی

چون خلیل آمد خیال یار من ۔ صورتش بت معنی او بت شکن

تو حضرت خلیل پر یہ بات صادق آئی صورتش بت معنے او بت شکن * پس اسیطرح شیخ اگرچہ بظاہر بت ہے اس لیے
کہ کل شئی شیغلک عن الحق فہو طاغوتک - لیکن اصل مین اور فی الواقع وہ بت شکن ہے کہ بت پندار کو توڑنے کی اور
غیر اللہ کو چھوڑنے کی تعلیم کرتا ہے وغیر ذلک پس وہ غیر حق نہ ہوا بالمعنے الذی سیاتی اور اسکی نفی ماسوائے حق کی
نفی مین داخل نہ ہوئی - یہان غیر کے معنے سمجھنا ضرور ہے وہ یہ کہ غیر اصطلاح صوفیہ مین کہتے ہین بے تعلق کو اور
یہ محاورہ عام کا ہے کہا کرتے ہین کہ تم کچھ غیر تھوڑا ہی ہو اور یہ غیر مقابل عین کا نہین ہے تو اب مراد اس سے کہ
وہ غیر حق نہین ہے یہ ہوا کہ وہ حق سے بے تعلق نہین ہے بلکہ حق سے اُسکو تعلق ہے اور وہ موصل الی الحق ہے
پس اس لیے اسکی نفی نہین ہوتی ایک صاحب نے حضرت مولانا تھانوی دام فیضہم سے دریافت کیا تھا کہ جب
لا الٰہ الا اللہ مین لا سے ماسوی اللہ کی نفی ہوئی تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی بھی نفی ہوگی اسکا جواب حضرت نے
یہی دیا کہ وہ ماسوی اللہ ہی نہین اور غیر حق ہی نہین اس لیے کہ غیر حق وہ ہے جسکو حق سے تعلق نہ ہو سا اور اُنسے
زیادہ کس کو تعلق ہوگا اور یہ اگر محاورہ کے موافق بھی نہ ہوتا تب بھی کہہ سکتے تھے کہ اپنی اصطلاح ہے آئین کسی کا
اجارہ نہین ہے - جو چاہین اصطلاح مقرر کرلین اور یہان بہت سے محشیون سے ایسی صریح غلطی ہوئی ہے کہ خیال
یار سے مراد تصور شیخ کا شغل لے لیا ان بھلے مانسون سے کوئی پوچھے کہ مولانا رومی کے وقت مین یہ شغل کب تھا یہ تو
بعد کے لوگون نے کچھ مصلحت سمجھکر ایجاد کرلیا ہے دوسرے مثنوی اشغال کی کتاب نہین ہے یہان تو خیال سے مراد
اُسکی صحبت و خدمت و معیت ہے اور خیال سے تعبیر اس لیے کردیا کہ غالب اوقات مین تو مرشد پاس نہین ہوتا اُسکا
خیال مع المحبۃ ہی دلمین رہتا ہے آگے اسی کو فرماتے ہین کہ شکر یزدان راکہ چون او شد پدید الخ -

شرح حبیبی

شکر یزدان راکہ چون او شد پدید	درخیالش جان خیال خود بدید

خدا کا شکر ہے کہ جب خیال یار ظاہر ہوا تو اُس کے خیال سے میری روح کا نقشہ اس کے سامنے کھینچ گیا اور اُسکو
اپنی حالت معلوم ہوگئی - اول تو اہل اللہ کی خاصیت ہوتی ہے کہ انکو دیکھنے سے خدا یاد آتا ہے - اذا رُؤا ذکر اللہ
انکی شان ہے اور یاد خدا کا ذریعہ ہے معرفت نفس اس لیے اولاً معرفت نفس ہوتی ہے اور یہ معرفت مفضی سا لے
معرفۃ الحق ہو جاتی ہے من عرف نفسہ فقد عرف ربہ - دوسرے قاعدہ ہے وبضدہا تتبین الاشیاء جب ایک
سرتاپا کمال ناقص کے مقابل ہوگا تو اسکا کمال عند فقدان المانع ناقص کے لیے اپنے نقصان کے ادراک کا سبب
ہو جاویگا - اور یہ ادراک و احساس اسکو تحصیل کمال پر آمادہ کریگا اس سے بھی ضرورت شیخ ثابت ہوگئی جو اصل
مقصود تھا جیسا کہ پہلے شعر سے ثابت ہوتی تھی -

شرح شبیری ۱ شکر یزدان الخ - یعنی خدا کا شکر ہے کہ جب وہ خیال مرشد ظاہر ہوا تو اُس کے خیال سے
جان نے اپنا خیال دیکھا یعنی اپنی طرف خیال کیا اور اپنے کو پہچانا یہان سے ایک مضمون
شروع ہوتا ہے کہ جو دور جاکر ختم ہوا ہے اور اُسکے بیچ مین بہت سے امور متعلقات مین سے بیان کردیے گئے ہین
وہ مضمون یہ ہے کہ جب تک انسان کو اپنی معرفت نہین ہوتی اُسوقت تک معرفت حق بھی نہین ہو سکتی بقولے

من عرف نفسہ فقد عرف ربہ اس لیے کہ جب انسان نے اپنے معاصی کی طرف نظر کی تو اُسکی پردہ پوشی اور حلم کی معرفت ہوئی جب اپنے اندر عجز کو سوچا تو اُس کی قدرت اور کبریائی کی طرف نظر گئی علیٰ ہذا تو یہ مسئلہ تو معلوم ہوا کہ جب تک اپنے نفس کی معرفت نہین ہوتی اُسوقت تک معرفت حق نصیب نہین ہوتی لہذا یہان سے اِس مسئلہ کیطرف اشارہ کرکے اُسکا طریقہ بتاتے ہین اور اِس نعمت کے حصول پر شکر کرتے ہین کہ خدا کا شکر ہے کہ خیال یار آیا اور اُسکے آنے سے یہ نفع ہوا کہ اپنی طرف نظر ہوگئی اور اپنی طرف نظر ہونے سے آئندہ حق تعالےٰ کی طرف نظر ہونیکی استعداد معلوم ہوگئی اس لیے کہ من عرف نفسہ فقد عرف ربہ۔ اور خیال یار کے آنے سے اپنی طرف نظر ہونے کے یہ معنی ہین کہ یہ ایک مسئلہ تجربہ سے ثابت ہے کہ اولیاء اللہ کے قرب سے تنبہ ہوتا ہے اپنے حال پر اسیطرح اُنکے خیال سے اللہ یاد آتا ہے خواہ بواسطہ معرفت نفس خواہ بلا واسطہ جیسے کہ حدیث مین آیا ہے کہ اذا رؤا ذکر اللہ یعنی جب اُنپر نظر پڑے تو اللہ یاد آوے پس اِس سے معلوم ہوگیا کہ خیال یار کے آنے سے اپنی طرف توجہ ہوئی جو کہ موصل ہے توجہ الی الحق کی طرف پس اِس قرب مرشد سے اتنا پتہ لگا کہ استعداد اور قابلیت ہمارے اندر ہے کہ واصل الی الحق ہوسکین آگے فرماتے ہین کہ خاک درگاہت دلم را می فریفت الخ۔۔۔

شرح حبیبی

خاک درگاہت دلم را می فریفت ۔ خاک بر وی کو ز خاکت می شکیفت

اب غیبت سے خطاب کی طرف التفات فرماتے ہین اور فرماتے ہین کہ اے یار تیری درگاہ کی خاک میرے دل کو فریفتہ کرتی تھی اُس پر خاک پڑے جو تیری خاک سے جدا رہ کر صبر کرسکے اور تیری خاک در کا طالب و جویان نہ ہو پورا شعر جملہ معترضہ ہے۔ پہلا مصرعہ تو غلبۂ شوق مین ہے جو خیال یار سے پیدا ہوا۔ اور دوسرا بددعا ہے ان لوگون کے لیے جنکو خاک درِ محبوب کی طلب نہ ہو۔ یہان تک طلب حق کی ترغیب اور اِسکے متعلقات کا بیان تھا آگے اِس امر کا بیان ہے کہ وصول الی الحق کے لیے جس طرح طلب کی ضرورت ہے۔ یون ہی حسن ذاتی یعنی قابلیت و استعداد فطری کی بھی ضرورت ہے۔ تاکہ محبوب کیطرف سے جذب ہوسکے جو ملاک وصول ہے چنانچہ فرماتے ہین

شرح شبیری خاک درگاہت الخ۔ یعنی تیرے در کی خاک مجھے اپنی طرف جذب کرتی تھی اور کھینچتی تھی (دوسرے مصرعہ مین دعا کے طور پر فرماتے ہین کہ خدا کرے اُسپر خاک پڑے جو تیری خاک سے صبر کئے بیٹھا ہے یہان التفات ہے غیبت سے خطاب کی طرف یعنی اِسوقت تک تو شیخ کو یار وغیرہ کے لفظ سے تعبیر کرتے رہے اب یہان اُسکو مخاطب کرکے کہتے ہین کہ تیری خاک در میرے دل کو لبھاتی ہے اور جذب کرتی ہے اُس استعداد کی وجہ سے جو پہلے مصرعہ مین معلوم ہوچکی آگے فرماتے ہین کہ گفتم ار خوبم پذیرم این ز او الخ۔

شرح حبیبی

گفتم ار خوبم پذیرم این از و ۔ ور نہ خود خندید بر من زشت رو

یون سوچتا ہون کہ میرے دل مین طلب تو ہے لیکن معلوم نہین کہ مجھ مین وہ خوبی بھی ہے یا نہین جسکی بنا پر اُدھر سے جذب ہوسکے یعنی استعداد فطری - چونکہ مجھے معلوم نہین - اِس لیے کہتا ہون کہ اگر مجھ مین خوبی موجود ہے تو میرے دل کی یہ خواہش اور تمنا سے وصول مقبول یار ہوگی اور مین فائز المرام اور کامیاب ہونگا ورنہ بباعث محرومی زشت رو ابلیس مجھ پر ہنسے گا - یا یون کہو کہ مجھ زشت رو پر محبوب تحقیراً ہنسے گا کہ دیکھو یہ کیا کررہا ہے کہ ایسی قابلیت تو ہے نہین اور ہم تک وصول چاہتا ہے واللہ اعلم -

شرح شبیری گفتم الخ - یعنی مین نے اپنے سے کہا کہ اگر مین خوب ہون تب تو حق سبحانہ تعالے اِس استعداد کو اُس سے یعنی دل سے قبول فرمالیگا - اور اگر ایسا نہین ہے تو پھر خود ابلیس بھی مجھپر ہنسے گا پذیرد کی ضمیر حق سبحانہ تعالے کی طرف ہے اور این کا اشارہ استعداد کی طرف اور از وے سے مراد قلب ہے جو کہ شعر سابق مین مذکور ہے کہ ع خاک درگاہت دلم را میفریفت * تو از و کا حاصل از من ہوا کیونکہ قلب و ذی قلب کے احکام مین تلازم ہے مطلب یہ کہ اگر مین خوب ہون اور اچھا ہون تب تو مجھے امید ہے کہ مین درجہ قبولیت کو پہونچ جاؤنگا اور قبول کرلیا جاؤنگا لہذا حاصل یہ ہوا کہ میری جو یہ فریفتگی ہے اور مجھ کو جو تجھ پر فریفتگی اور تیری طرف کشش ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مجھ مین قابلیت موجود ہے ورنہ یہ کشش کیون ہوتی اسکے بعد اب امتحان کے طور پر دیکھنا صرف اِس قدر ہے کہ آیا یہ قابلیت اصلیہ ہے یا عارضی ہے اور دوسرے مصرعہ مین ابلیس کے ہنسنے سے یہ مراد ہے کہ جب ہم اُسکے لائق نہ ہونگے تو وہ ہنسے گا کہ دیکھئے آپ لائق بنکر تشریف لیچلے ہین - اور یہ مضمون اسطرح دور تک چلا گیا ہے اختتام اِس مضمون کا آگے جاکر ہوا ہے - اب اسی امتحان کو فرماتے ہین کہ چارہ آن باشد کہ خود را بنگریم الخ -

شرح حبیبی

چارہ آن باشد کہ خود را بنگریم	در خور آنیم ما نا در خوریم

جبکہ وصول کے لیے قابلیت کی ضرورت ہے تو طلب کے لیے یہ دیکھ لینا چاہیے کہ ہم محبوب کے قابل بھی ہین یا نہین

شرح شبیری چارہ آن الخ - یعنی اب علاج یہ ہے کہ ہم اپنے کو دیکھین کہ آیا ہم اُس کے لائق ہین یا نہین نا در خوریم یعنی غیر لائقیم مطلب یہ ہوا کہ اب اسکی تدبیر کہ ہماری قابلیت اصلیہ ہے یا عارضی یہ ہے کہ ہم خود اپنے اندر خیال کرین اور سوچین کہ یہ قابلیت کیسی ہے آگے کہتے ہین کہ اِس کے معلوم کرنیکی ضرورت کیون ہے پس فرماتے ہین کہ -

شرح حبیبی

او جمیل ست و یحب للجمال	کے جوان نو گزیند پیرہ زال

اِسے دیکھنے کی اِس لیے ضرورت ہے - کہ محبوب خود جمیل و مجمع خوبیہا ہے اور بحکم الجنس الی الجنس یمیل وہ جمیل ہی کو پسند کرتا ہے پس اگر تو جمیل نہین تو مقبول ہو نہین سکتا - پس سعی لاحاصل ہے - اور اگر جمیل ہے - تو کامیاب ہوگا - دوسرے مصرع مین پہلے مصرع کی تمثیل ہے کہ دیکھو ایک نوجوان بڑھیا کی طرف کیسے رغبت کرے گا -

لیسے ہی محبوب جمیل ہی قبیح کو قبول نہین کرتا۔

خوب خوبی را کند جذب از یقین	طیبات از بہر کہ للطیبین

بات یہ ہی کہ اچھون کے لیے اچھی ہی ہوتی چاہئین اور یہ بات یقینی ہی کہ اچھا اچھی ہی کو اپنی طرف کھینچتا ہے مصرع اول مین اقتباس ہے آیۂ قرآنی الطیبات للطیبین والطیبون للطیبات سے

شرح شبیری او جمیل ست الخ۔ یعنی وہ جمیل ہے اس لیے جمیل ہی کو محبوب رکھتا ہے اور دیکھو نہ کہ جوان آدمی کسی بڑھیا کو کیون قبول کرنے لگا پس وہ جمیل ہوکر بری چیز کو کیون قبول کرنے لگا ہے اور دیکھو طیبات کس کے لیے ہوتی ہین طیبین کے لیے اور خوب تو خوبی ہی کو جذب کیا کرتا ہے نہ کہ زشتی کو۔ مطلب یہ کہ اس دیکھنے کی کہ آیا ہم اسکے لائق ہین یا نہین اور خوب ہین یا نہین اس لیے ضرورت ہے کہ وہ جمیل ہے پھر وہ تابین اگر ہم خوب نہ ہون گے کیون قبول کریگا جس طرح کہ دیکھو ایسی مثال ہے کہ کوئی جوان بڑھیا بوی کو کیون قبول کریگا اور طیبات تو طیبین ہی کے لیے ہوا کرتی ہین اور خوبی کو اچھا ہی کشش کریگا پس اگر ہم برے ہون گے تو ہمکو وہ قبول نہ کریگا اس لیے اس کی معلوم کرنے کی ضرورت ہوئی کہ ہم اس کے لائق بھی ہین اور یہ امتحان محض زیارت بصیرت کے لیے ہے ورنہ طلب خود دلیل استعداد قریب کی ہے جسکا اضلال مقصود ہوتا ہے اسکو طلب ہی نہین عطا ہوتی والذین جاہدوا فینا لنہدینہم سبلنا۔

شرح حبیبی

اوپر بیان کیا تھا۔ کہ جذب مطلوب کے لیے ضرورت ہے طالب کے حسن معنوی اور قابلیت ذاتی کی اور اسکی وجہ بیان کی تھی کہ الجنس الی الجنس یمیل۔ اسی کو مولانا مختلف تمثیلات کے ذریعہ سے ذہن نشین کرنا چاہتے ہین اور فرماتے ہین کہ۔

می کند با جنس سیرای معنوی	در ہر آن چیزی کہ تو ناظر شوی
گرم گرمی را کشید و سرد سرد	در جہان ہر چیز چیزی جذب کرد
باقیان را می کشد اہل رشد	قسم باطل باطلان را می کشد
نوریان مر نوریان را طالب اند	ناریان مر ناریان را جاذب اند
دُرد را ہم تیرگان جاذب شوند	صاف را ہم صافیان طالب شوند
روم را با رومیان افتاد کار	زنگ را ہم زنگیان باشند یار
نور چشم از نور روزن کے شگفت	چشم چون بستی ترا تاسہ گرفت
تا بپیوندد بنور روز زود	تاسۂ تو جذب نور چشم بود

یعنی تو جس چیز کو دیکھے گا۔ یہی پائے گا۔ کہ اپنے جنس کے ساتھ چلتی ہے اور اسی کی طرف مائل ہے عالم مین ہر چیز نے اپنی مجانس) ایک چیز کو جذب کر رکھا ہے۔ گرم ہے۔ تو اُس نے گرم کو کھینچ رکھا ہے۔ اور سرد ہے تو سرد کو۔ باطل باطلون کو کھینچتا ہے اور اہل رشد باقیون کو کھینچتے ہین ناری ناریون کو کھینچتے ہین۔ اور نوری نوریون کو (یا تو ناری سے مراد وہ ہین جنکی ترکیب مین نار کو دخل ہے۔ اور نوری سے مراد ملائکہ وغیرہ ہین۔ یا ناری سے مراد کفار ضلال ہین اور نوری سے مراد مہتدین) صاف لوگ صاف کے طالب ہین اور مکدر و محبوس عالم ناسوت ظلمت کو

کھنچتے ہین زنگی زنگ کے یار ہین اور رومیون کو روم سے کام ہے جب تو آنکھ بند کر لیتا ہے تو تجھے پریشانی لاحق ہوتی ہے کیونکہ نور بصر بدون نور آفتاب کے کب صبر کر سکتا ہے (تو جانتا ہے کہ تیری آنکھ بند کرنے سے باوجودیکہ بظاہر کوئی سبب پریشانی نہین پریشانی کیون ہوتی ہے) اسکا سبب وہی مجانست اور نور بصر کا نور آفتاب کی طرف انجذاب ہے کہ نور بصر نور آفتاب سے بوجہ مجانست کے حتی الامکان جلد ملنا چاہتا ہے اور پردہ چشم بیچ مین حائل ہوکر موجب بُعد ہوگیا ہے۔ یہ راز ہے اس پریشانی کا (چونکہ ایک نور دوسرے نور کی طرف کھنچتا ہے یہی سبب ہے کہ اندھیرے مین نیند جلد آتی ہے بہ نسبت روشنی کے کیونکہ روح ایک جوہر نورانی ہے اسلئے جب روشنی دیکھتی ہے تو اسکی طرف متوجہ ہوتی ہے اور نیند نہین آتی اور جب اندھیرا دیکھتی ہے تو گھبرا کر باطن کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ اور نیند جلد آتی ہے) آگے مولانا اسی سلسلہ مین نصیحت فرماتے ہین اور فرماتے ہین چشم بازار تاسہ گیر دمر ترا۔

شرح شبیری | چونکہ اوپر بیان کیا تھا کہ او جمیل ست الخ۔ آگے اسی کو متفرق مثالون سے ثابت کرتے ہین کہ دیکھو ہر شے اپنے ہمجنس کی طرف کھنچا کرتی ہے اسی وجہ سے مجھے امتحان کی ضرورت ہوئی کہ یہ جذب اصلی ہے یا عارضی پس فرماتے ہین کہ۔

دہر آن الخ۔ یعنی جس چیز کو دیکھو اپنے ہمجنس کی طرف جاتی ہے اور اسی کی طرف میلان کرتی ہے۔ اے معنوی یعنی اے طالب معنی و حقیقت۔

در جہان الخ۔ یعنی جہان مین ہر چیز دوسری کو جو اس کے مناسب ہوتی ہے جذب کرتی ہے۔ دیکھو گرم گرمی کو کھینچتا ہے اور سرد سرد کو۔

قسم باطل الخ۔ یعنی فریق باطل باطلون کو کھینچتا ہے اور جذب کرتا ہے اور باقی لوگون کو یعنی غیر باطل کو اہل رشد اور اہل ہدایت کشش کرتے ہین یعنی جب باطلون کو باطل نے اپنی طرف کھینچ لیا تو لاجرم باقی لوگ تو اہل رشد ہی رہ جاوینگے وہ اپنے ہمجنس کی طرف کھنچین گے۔

ناریان الخ۔ یعنی ناری لوگ تو ناریون اپنے ہمجنس کو جذب کرتے ہین اور نوری نوریون کے طالب ہین۔ ناری سے مراد کفار یا جنات۔ اور نوری سے مراد اہل ایمان یا ملائکہ مطلب وہی کہ ہر شخص اپنے جیسے کا طالب ہے۔

صاف را۔ الخ۔ یعنی جو صاف ہین وہ صاف کے طالب ہین اور جو مکدر ہین وہ تلچھٹ کے جاذب ہین۔

زنگ را۔ الخ۔ یعنی زنگی لوگ زنگیون کے یار ہوتے ہین اور رومی رومیون کے۔ یہان تک کئی مثالین ہمجنس کے جذب کرنے کی دیکر آگے اسپر بطور تفریع کے فرماتے ہین کہ۔

چشم الخ۔ یعنی جب تو آنکھ بند کرے جب تجھے ایک قسم کی گھبراہٹ ہوتی ہے اس لیے کہ نور چشم نور روزن سے کب صبر کر سکتا ہے۔ تاسہ یعنی گھبراہٹ۔ نور روزن سے مراد نور شمس اس لیے کہ اہل تمدن پر جو کہ مساکن مین رہتے ہین وہ اکثر دروازون وغیرہ سے یا روشندانون سے ہی ظاہر ہوتا ہے۔

شگفت۔ مخفف شگفت صبر کرنا۔ مطلب یہ کہ دیکھو کہ جب تم آنکھ بند کر لیتے ہو تو کیسی گھبراہٹ ہوتی ہے اور یہ کیون ہوتی ہے اس لیے کہ نور چشم نور آفتاب سے بسبب دونون کے مجانس ہونے کے کس طرح صبر کر سکتا ہے

و یہ مسئلہ طبی بھی ہے کہ جہان نور شمس ہو وہان اگر آنکھ بند کرلو تو دل گھبراتا ہے اور آنکھ کھولدیئے کو دل چاہتا ہے اور اسی لیے تجربہ ہے کہ اگر چاندنی مین سونا چاہو تو نیند نہین آتی اور اگر اندھیرا کرلو تو بہت جلد نیند آتی ہے اس لیے کہ روح نورانی ہے اگر باہر نور رہتا ہے تو وہ باہر کی طرف متوجہ رہنا چاہتی ہے اور اگر اسکو اس سے روکو تو وہ گھٹتی ہے اور جب اس نور ظاہری کو بند کردو تو وہ باہر کی ظلمت سے گھبرا کر اندر کی طرف متوجہ ہوجاتی ہے پس نیند آجاتی ہے لہذا یہان سے بھی معلوم ہوا کہ ہر شے اپنے ہمجنس کی طرف متوجہ رہتی ہے آگے خود فرماتے ہین کہ۔

تاسہ ۔ الخ ۔ یعنی تمھاری یہ گھبراہٹ اس لیے تھی کہ نور چشم نور روز کو جذب کررہی تھی اور چاہتی تھی کہ نور روز سے جلدی سے ملجاوے لہذا گھبراتی ہے لیکن چونکہ بعض مرتبہ باوجود آنکھون کے کھلا ہونے کے بھی گھبراہٹ ہوتی ہے اور خود بخود دل گھبرایا کرتا ہے آگے اس لیے اسکی وجہ بھی بتلاتے ہین مع ایک فائدہ سلوکیہ کے کہ چشم باز ار تاسہ گیر دم ترا الخ ۔

شرح حبیبی

چشم باز ار تاسہ گیر دم ترا ۔۔۔ دان کہ چشم دل ببستی بر کشا
این تقاضای دو چشم دل شناس ۔۔۔ کو ہمی جوید ضیای بے قیاس
چون فراق آن دو نور بے ثبات ۔۔۔ تاسہ آوردت گشادی چشمہاست
پس فراق آن دو نور پایدار ۔۔۔ تاسہ مے آرد مر آنرا پاس دار

یعنی اگر ایسی حالت مین کہ تیری آنکھین بھی کھلی ہوئی ہون (اور کوئی اور سبب ظاہر بھی پریشانی کا موجب نہ ہو) اور تجھے الجھن ہو ۔ تو سمجھ لے کہ تو نے اپنی چشم باطن کو بند کرلیا ہے یہ الجھن اس کے سبب سے ہے پس تو چشم باطن کو کھول تاکہ اس پریشانی سے نجات پاوے اور تو اسکو چشم باطن کا یہ تقاضا سمجھ کہ انکو نور خارج از وہم و قیاس کی ضرورت ہے کہ جب ان دو ناپائدار نورون یعنی نور چشم و نور آفتاب کی مباعدت اور مفارقت الجھن پیدا کرتی ہے تو تو گھبرا کر آنکھین کھولدیتا ہے پس جب ان دو پائدار نور یعنی نور باطن ۔ و نور عالم غیب کی مفارقت الجھن پیدا کرے تو اسوقت اسکا بھی تو لحاظ رکھ اولا اپنی تشویش دکھلائی تھی پھر اسکا سبب بتلایا ۔ اسکے بعد جملہ معترضہ کے طور پر کچھ نصیحت فرمائی ۔ اب مضمون سابق کی طرف عود کرکے فرماتے ہین اوچو می خواند مرا ہن سنگرم الخ ۔

شرح شبیری چشم باز ار الخ ۔ یعنی اگر باوجود اس چشم ظاہر کے کھلا ہونے کے بھی تجھے گھبراہٹ اور تنگی ہو تو سمجھ لے کہ یہ تنگی چشم دل کے بند ہونیکی وجہ سے ہے لہذا اسکو کھولدے جب کام چلے گا ۔

این تقاضا ے الخ ۔ یعنی اس گھبراہٹ کو دل کی دونون آنکھون کا تقاضا سمجھ کہ وہ بھی اس روشنی کی تلاش مین ہے جو کہ بے حد اور بے قیاس ہے مطلب یہ کہ جب آنکھ کھولے ہوئے پر بھی تملو گھبراہٹ ہو تو سمجھ لو کہ یہ گھبراہٹ اس لیے ہے کہ دل کی دونون آنکھین اپنے ہمجنس یعنی نور بیحد بے قیاس کی یعنی انوار الٰہیہ کی جویان و متلاشی ہین اور دو چشم دل کہنا یا تو دو چشم ظاہر کی مناسبت سے ہے اور یا یہ مراد ہے کہ ایک چشم مین نور کم ہوتا ہے اور دو چشم مین زیادہ پس مراد نور کامل ہوگا اور کامل ہونا نور قلب کا ظاہر ہے اسی لیے وہ نور بے قیاس اور کامل ہی کی تلاش بھی کرتا ہے آگے

پھر اسی پر تفریع فرماتے ہین کہ۔

چون الخ۔ یعنی جب بے ثبات اور فانی نورون کے کہ ایک نور چشم ہے اور دوسرا نور آفتاب ان کی باہمی جدائی اور علحدگی سے تمکو گھبراہٹ پیدا ہوئی اور اسکا تم نے یہ علاج کیا کہ اپنی آنکھین کھول دین تو جب پائدار اور باقی انوار ہین کہ ایک نور قلب ہے دوسرا نور بے قیاس علحدگی ہوگی تو وہ کس طرح گھبراہٹ اور پریشانی پیدا نہ کریگی پس تجھکو چاہیے کہ اسکا پاس رکھے اور اسکا بھی علاج کرے اور اسکا علاج بھی یہی ہے جو کہ چشم ظاہر کی گھبراہٹ کے وقت تو نے کیا ہے یعنی چشم دل کو بھی کھول اور اس نور پائدار یعنی انوار الٰہیہ کے ساتھ مقرون کردے جیسا کہ ع وانکہ چشم دل بہ بستے بر کشا ۔ مین بتلا چکے ہین اب یہان تک تو یہ بیان کیا کہ جن دو چیزون مین مناسبت ہوتی ہے اور وہ دو چیزین آپس مین ہمجنس ہوتی ہین وہ آپس مین ایک دوسرے کوکشش کیا کرتی ہین اس شعر کے جذب سے مجھے بھی معلوم ہوتا ہو کہ مجھ مین قبولیت کی صلاحیت اور استعداد ہو لیکن یہ دیکھنا باقی ہو کہ آیا یہ استعداد اصلی ہو یا عارضی پس فرماتے ہین کہ او چو می خواند مرا من بنگرم الخ۔

شرح حبیبی

او چو مے خواند مرا من بنگرم — لائق جذبم و یا بد پیکرم

گر لطیفے زشت را در پے رسد — تسخرے باشد کہ او بادے کند

کہ بہ بینم نقش خود را اے عجب — تا چہ رنگم ہمچو روزم یا چو شب

نقش جان خویش مے جستم بسے — ہیچ مے ننمود نقشم از کسے

گفتم آخر آئینہ از بہر چیست — تا بہ بیند ہر کسے کو چیست کیست

آئینہ آہن برائے پوستہاست — آئینہ سیمای جان سنگین بہاست

آئینہ جان نیست الا روے یار — روی آن یاری کہ باشد زان دیار

گفتم اے دل آئینہ کل را بجو — رو بہ دریا کار بر ناید ز جو

زین طلب بندہ بکوے تو رسید — درد مریم را بخرما بن کشید

دیدۂ تو چون دلم را دیدہ شد — صد دل نادیدہ غرق دیدہ شد

آئینہ کلی ترا دیدم ابد — دیدم اندر چشم تو من نقش خود

گفتم آخر خویش را من یافتم — در دو چشمش راہ روشن یافتم

گفت وہمت کان خیال تست ہان — ذات خود را از خیال خود بدان

نقش من از چشم تو آواز داد — کہ منم تو تو منی در اتحاد

اندرین چشم منیر بے زوال — از حقائق راہ کے یابد خیال

در دو چشم غیر من تو نقش خود — گر بہ بینی آن خیالے دان و رد

زانکہ سرمہ نیستی در مے کشد — بادہ از تصویر شیطان مے چشد

چشم او خانہ خیال ست و عدم — نیستہا را ہست بیند لاجرم

چشم من چون سرمہ دید از ذوالجلال — خانۂ ہستی ست نے خانہ خیال

یعنی جب مطلوب مجھے اپنی طرف بلاتا ہے تو مین سوچتا ہون کہ معلوم نہین کہ مین اس قابل بھی ہون کہ محبوب مجھے اپنی طرف کھینچے یا نہین پھر خیال کرتا ہون کہ مجھ مین صلاحیت نہوتی تو آخر وہ بلاتا کیون؟ اس مین یہ شبہہ ہوتا ہے کہ بلانا میری قابلیت کی دلیل نہین ہوسکتا کیونکہ اگر کوئی پاکیزہ صورت کسی بدصورت کے پیچھے پھرتا ہے تو اس سے اسکو بنانا۔ اور اسکے ساتھ مسخرہ پن مقصود ہوتا ہے ممکن ہے کہ یہ بلانا بھی اسی قبیل سے ہو پھر متحیر ہو کر تعجب سے فرماتے ہین کہ) غضب کی بات ہے کہ مین خود اپنی صورت کو دیکھتا ہون کہ مین گورا ہون یا کالا (یعنی مجھ مین نور استعداد فطری ہے یا نہین) اور پتہ نہین چلتا آگے فرماتے ہین کہ مین نے اپنی روح کی صورت اصلی اور یہ کہ آیا وہ فطرۃً صلح للجذب ہے یا نہین۔ معلوم کرنے مین بہت کچھ سعی کی مگر کسی سے اسکا کچھ بھی پتہ نہ چلا بالآخر مین نے سوچا کہ آخر آئینہ کس لیے ہے وہ تو محض اس لیے ہے کہ ہر شخص اسمین اپنی صورت دیکھے اور جانے کہ وہ کیا ہے اور کون ہے تم آئینہ سے یہ لوہے کا آئینہ نہ سمجھ جانا کیونکہ اس سے تو صرف رنگ معلوم ہوسکتے ہین۔ اجسام بھی نہین معلوم ہوسکتے۔ چہ جائیکہ روح کی صورت اور صلاحیت فطری۔ بلکہ روح کا آئینہ تو ایک بہت بڑی بیش قیمت چیز ہے تم حیران ہوگے کہ آخر وہ کیا ہے تو ہم تمھین بتائے دیتے ہین سنو آئینہ جان صرف روے یار ہے۔ مگر یہ متعارف یار نہین بلکہ وہ یار جس کا تعلق عالم ملکوت سے ہے اور علائق عالم ناسوت کو یک لخت قطع کرچکا ہے۔ (یعنی مرشد۔ مرشد کو آئینہ اس لیے کہا کہ جس طرح آئینہ سے ظاہری حالت معلوم ہوجاتی ہے یون ہی مرشد کی صحبت سے معرفت ذات وحالت روح حاصل ہوجاتی ہے اسکی وجہ اوپر بھی مذکور ہوچکی ہے اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جب آدمی مرشد کے پاس ہوتا ہے تو اسکے دل مین سکون وطمانینت پیدا ہوتی ہے اور وہ دنیا سے اپنی توجہ ہٹاتا ہے اور خدا کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ یہ علامت ہے اسکی حالت کے محمود ہونے کی۔ اور اگر یہ کیفیات پیدا نہ ہون بلکہ انکی متضاد کیفیتین پیدا ہون تو اسکی دو صورتین ہین یا تو وہ مرشد خود ہی ناقص ہے سو وہ تو محل کلام ہی نہین۔ یا کامل ہے پس اسکی دو صورتین ہین یا تو یہ کہ خاص اسی کی صحبت مین یہ کیفیت پیدا ہوتی اور کاملین کی صحبت مین یہ بات نہین ہوتی۔ اس صورت مین سمجھنا چاہیے کہ اسکی حالت فی نفسہ محمود ہے مگر اس شیخ سے اسے نفع نہ ہوگا۔ دوسرا شیخ تلاش کرنا چاہیے۔ اور اگر ہر شیخ کی صحبت مین یہ ہی کیفیت ہوتی ہے تو سمجھا جائیگا کہ حالت اچھی نہین ہے۔ مگر قابلیت واستعداد بالکل فنا نہین ہوئی۔ ورنہ حد تکلف سے نکل جاتا بلکہ بہت مضمحل اور کمزور ہوگئی ہے کسی طبیب دل حاذق کی طرف رجوع کرنی چاہیے کہ وہ اپنی حذاقت ومہارت سے کسی مناسب تدبیر سے اسکو تقویت پہونچادے) جب مین نے یہ دیکھا کہ یہ کام آئینہ سے نکل سکتا ہے تب مین نے اپنے دل سے کہا کہ آئینہ کل اور مرشد کامل وحاذق تلاش کرنا چاہیے اور دریا پر جانا چاہیے کہ ندی نالون اور ناقصین سے کام نہ چلیگا۔ قصۂ مختصر یہ کہ مجھے اپنی حالت معلوم کرنے کی ضرورت تھی اور مجھے کوئی رستہ نہین ملتا تھا۔ بالآخر مجھے پتہ چلا اور اب یہ غلام اس غرض سے حضور کی خدمت مین حاضر ہوا ہے کہ مجھے میری روح کی کیفیت معلوم ہوجائے اور اصلی بات یہ ہے کہ بیماری ہی طبیب کی طرف رجوع کردینے پر آمادہ کرتی ہے اور بے چینی ہی کسی راحت دہ کی طرف متوجہ ہونے پر مجبور کرتی ہے۔ چنانچہ وہ درد ہی تھا جو مریم کو نخل خرما کیطرف لے گیا۔ آپ کا نور معرفت میرے لیے جو اپنی معرفت کا آلہ بنا ہے تو کیون۔ اس لیے کہ سیکڑون اندھے دل اس نور معرفت مین غرق ہوچکے ہین اور

اس سے منو ہوکر بینا بن گئے ہین۔ اور اِس بنا پر بیماردلون کے معالجہ مین آپ کو مہارت تامہ حاصل ہو چلی ہے آیندہ اشعار کے حل سے پہلے یہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انکی عبارت کو حل کیا جاوے لہذا اولاً بقدر ضرورت حل عبارت کرتے ہین پھر مطالب لکھین گے حل عبارت جاننا چاہیے کہ چشم ظاہر مین محسوسات کی صورتین منطبع ہوتی ہین۔ اور بعض صورتین محسوس بھی ہوتی ہین چنانچہ ذوق کہتا ہے کہ ؎ دیکھ چھوٹون کو ہے اللہ بڑائی دیتا ✢ آسمان آنکھ کے تل مین ہے دکھائی دیتا ✢ اور وہ تصویرین فوٹو کے ذریعہ سے حاصل بھی ہوسکتی ہین اور انکو بڑھا کر دیکھ بھی سکتے ہین جب کہ یہ امر ممہد ہوچکا تو سمجھو۔ کہ مولانا نے شیخ کے قلب روشن کو آنکھ سے تشبیہ دی ہے اور اِس مین اپنی حالت کو منطبع مانا۔ اور اپنی نسبت اُس کے دیکھنے کا ادعا کیا۔ اور اِس صورت کو بزبان حال متکلم بھی مانا۔ علے ہذا القیاس قلب ناقص کو بھی آنکھ مانا اُسمین بھی انطباع صورت حالت اور اُسکی رویت کا ادعا کیا وغیرہ وغیرہ یہ تو محض عنوان تعبیری تھا اور اصل مقصود وہی شیخ کی معرفت کا سبب ادراک بننا وغیرہ وغیرہ ہے اِسکو مدنظر رکھکر دیدم اندر چشم تو من نقش خود سے آخر تک پڑھنا چاہیے۔ تاکہ اُلجھن نہ ہو۔ مگر دردو چشمش مین در کو سببیہ کہنا بہ نسبت ظرفیہ کہنے کے زیادہ اقرب اور بے تکلف ہے از حقائق راہ کے یا بدخیال مین از سببیہ ہے۔ غیاث اللغات مین از کو بمعنی مع بھی لکھا ہے اور اِس مقام پر بے تکلف بھی ہے مگر اسمین شبہ ہے کہ از بمعنی مع ہوتا بھی ہے یا نہین کیونکہ انھون نے جو مثال دی ہے وہ بے محل ہے۔ اور اس سے بمعنی مع ہونا ثابت نہین ہوتا۔ وہ مصرع یہ ہے دل بستگی از سنبل گل پوش تو دارد ✢ کیونکہ یہان از ملابست کے لیے ہے ملابست اور چیز ہے اور معیت اور تیسری توجیہ یہ ہے کہ از بمعنی در ہو جیسا کہ اس مصرع مین ہے ادیم از جہل روزگردد تمام ✢ کما فی غیاث اللغات چوتھی توجیہ یہ ہے کہ از بمعنی عن ہو۔ اور جسطرح عن بدل کے لیے آتا ہے۔ یون ہی یہ بھی ہو۔ مگر اِسکی کوئی سند ہاتھ نہین لگی۔ پانچوین توجیہ یہ کہ از بمعنی مجاوزہ ہو یعنی حقائق کو چھوڑ کر خیال اس آنکھ مین کیسے آسکتا ہے۔ چھٹی توجیہ یہ کہ از حقائق راہ کے یا بدخیال کے معنی یہ ہون۔ خیال حقائق کے راہ یا بد یعنی اِس چشم منیر بے زوال مین اشیاء متحققہ فی نفس الامر و لو فی غیر ہذا المحل کی صورت اختراعیہ کیونکر آسکتی ہے اور وہ آنکھ ان اشیاء کو (کسراب بقیعۃ یحسبہ الظمآن ماءً) ایسے محل مین کیونکر دیکھ سکتی ہے۔ جہان وہ نہین ہین۔ یہ توجیہ بالکل بے تکلف اور صافی عن الغبار معلوم ہوتی ہے۔ جب یہ مضمون ذہن نشین ہوچکا تو اب اصل مطلب سنو۔ مولانا فرماتے ہین کہ۔

جناب شیخ مین تو آپ ہی کا معتقد ہون۔ اور آپ ہی کو کامل سمجھتا ہون کیونکہ مین سب جگہ ٹھوکرین کھا چکا۔ لیکن کسی جگہ مجھے اپنی روح کی کیفیت اور حالت نہ معلوم ہوئی اور مین نہ جان سکا کہ مین کیسا ہون۔ جب ہوئی تو یہان آکر ہوئی اور آپ ہی کے چشم دل مین مجھے اپنی حالت کی صورت نظر آئی اور آپ ہی کے نور معرفت کے سبب مین اپنی حالت پر مطلع ہوا۔ مولانا پر پھر وہم کا غلبہ ہوتا ہے اور ہونا بھی چاہیے۔ کیونکہ مقصود جس قدر اعز ہوتا ہے۔ اور طلب جس قدر شدید ہوتی ہے اُسی قدر زیادہ توہمات اور احتمالات مانعہ عن الوصول مہیب بنکر پریشان کرتے ہین مطلوب مولانا کا اعز ہونا تو ظاہر ہے۔ شدت طلب ان کے کلام سے ظاہر ہے پس ایسی صورت مین وساوس کا ہجوم کچھ مستبعد نہین۔ لیکن ایسے وقت مرشد حاذق کی نہایت شدید ضرورت ہوتی ہے کہ حتی الامکان طالب کو وساوس سے نجات دلاکر یاس سے بچاوے چنانچہ ایک صاحب پر اسی قسم کے وساوس کا ہجوم ہوا حضرت مجدد الملۃ والدین

اطال بقائہ وعم فیضہ سے رجوع کیا حضرت اقدس نے تشفی فرمائی جسکا اثر اتنا ہوا کہ انھون نے تسلیم کیا آپ نے جو کچھ فرمایا ہے اسمین عقلاً تو شبہ کی گنجائش نہین لیکن یہ کہا کہ دل کو اطمینان اور سکون نہین ہوتا۔ حضرت نے فرمایا کہ تمکو اطمینان نہین ہوتا۔ نہ ہو۔ بلا سے ہمین اطمینان ہے کہ تمھاری حالت اچھی ہے۔ طبیب کو اپنے اطمینان کی ضرورت ہے اگر مریض کا اطمینان نہ کر سکے کچھ پروا نہین کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ فرق نہایت لطیف ہوتا ہے جسکو طبیب اپنی حذاقت سے محسوس کرتا ہے مگر مریض کو نہین سمجھا سکتا۔ کیونکہ نہ تو اسمین حذاقت ہے اور نہ اعتدال مزاج۔ پس تم کو اتنا ہی سمجھ لینا کافی ہے کہ ہمین اطمینان ہے الحمد للہ کہ اس سے تسکین ہوگئی (للہ درہ ما ادق نظرہ والطف تدبیرہ) آگے مولانا فرماتے ہین کہ جب مجھے معلوم ہوگیا کہ میری حالت اچھی ہے اور مین لائق جذب محبوب ہون تو میرے وہم نے کہا کہ یہ تو دیکھ لے کہ جو کچھ تجھے معلوم ہوا اور جو صورت تو نے چشم یار مین منطبع دیکھی وہ تیری اختراعی اور کرشمہ بقیعہ تحسبہ الظمآن ماءً ہے یا تیری حالت کا اصلی نقشہ اور سچی تصویر تجکو چاہیے کہ حقیقت واقعیہ اور خیالی واختراعی صورت مین امتیاز کرے جب یہ وہم ہوا تو میری حالت کی وہ تصویر جو چشم شیخ مین منطبع تھی اور جسکو مین نے دیکھا تھا چشم یار سے پکار اٹھی کہ خبردار دھوکا نہ کھانا اور مجھے اختراع متخیلہ نہ سمجھنا مین تیری حالت کا اصلی نقشہ اور سچی تصویر ہون اور تو مجھ سے متحد ہے مین تجھ سے۔ کیونکہ مین اور حالت دونون ایک ہین اور تو اور حالت دونون ایک تجھے تو میرے اختراعی ہونے کا احتمال اور توہم بھی نہ ہونا چاہیے کیونکہ اس پائدار اور روشن چشم مین اشیاء متحققہ فی نفس الامر ولو فی غیر ہذا المحل المخصوص المتعین کی صورت اختراعیہ کیونکر آسکتی ہے۔ خود اس چشم کا اختراع صورت تو درکنار یہان تو اسکی بھی گنجائش نہین کہ کوئی اپنی ہی اختراعی صورت اسمین مشاہدہ کرے یعنی فی الحقیقت تو اس آنکھ مین کوئی صورت نہ ہو اور کوئی شخص اپنی متخیلہ کے اختراع سے سمجھے کہ اسمین فلان صورت منطبع ہے۔ یہ بھی ناممکن ہے بلکہ اگر کسی ناقص کی آنکھ مین تجھے اپنی حالت کی اور صورت نظر آوے تو اسکو اختراعی اور مردود سمجھ کیونکہ جو شخص عالم فانی کے نظارہ مین منہمک ہے وہ تخیلات اور تسویلات شیطانیہ سے بہرہ اندوز ہوتا ہے اسی کی آنکھ مین اختراعی صورتین آتی ہین۔ خواہ خود اسی آنکھ کی اختراعی ہون یا دوسرون کی۔ اور وہی غیر واقعیات کو واقعیات دیکھتا رہتی ہے وہ آنکھ جسمین مین ہون اسکا محل الجواہر نور ذوالجلال ہے۔ جو غیر واقعیت کے وہم وخیال سے بھی مبرا اور متعالی ہے پھر اس آنکھ مین غیر واقعیات اور اختراعیات کو کیا دخل وہ تو سراسر واقعیات ہی کا محل ہے خلاصہ یہ کہ مولانا فرماتے ہین کہ جب تجھے اپنی حالت معلوم ہوئی تو مجھے اسکی غیر واقعیت کا شبہ ہوا۔ مگر شیخ کے نور معرفت نے دستگیری کی اور کچھ ایسی بصیرت پیدا ہوئی کہ خود وہ حالت ہی میرے لیے اپنی واقعیت کی دلیل ہوگئی۔ اور شیخ کے کمال کا اعتقاد اسکا معاون بن گیا۔ چونکہ اوپر غیر واقعیات کو واقعی سمجھنے کا۔ ناقص کی حالت کے بیان مین تذکرہ آچکا ہی تو مولانا آگے بیان فرماتے ہین ا در حقیقت مین تا یکے مو باشد از تو پیش چشم الخ

تا یکے مو باشد از تو پیش چشم	در خیالت گوہرے باشد چو یشم
یشم را آنگہ شناسی از گہر	کز خیال خود کنی کلی عبر

یعنی اوپر معلوم ہوچکا ہے کہ ناقص غیر واقعی چیز ونکو واقعی سمجھتا ہے اب ہم تجھے بتلاتے ہین کہ جب تک تیری آنکھ کے سامنے ایک بال بھی رہیگا اور عالم ناسوت سے تجھے ذرا سا بھی تعلق رہیگا اسوقت تک ادراک واحساس کی غلطی قائم رہیگی اور تو موتی کو یشب سمجھیگا یشب ایک موتی رکھوٹی اور سستی چیز ہین

مین مجھے اسوقت امتیاز ہو سکتا ہے۔ جبکہ تو خیال (اور دیگر قوی مادیہ) سے بالکل گذر جائے اور انکو بالکل بیکار و معطل کر دے

شرح شبیری

او چو می خواند الخ۔ یعنی جب وہ مجھے بلاتا ہے تو اب مین دیکھتا ہون کہ آیا مین اُس کے لائق ہون یا بدشکل و نالائق ہون مطلب یہ کہ جب اُدھر سے کشش ہے تو مجھے اپنے اندر یہ دیکھنا ہے کہ یہ استعداد اصلی ہے یا یون ہی کسی عارض کی وجہ سے یہ کشش ہے اور اس دیکھنے کی اس لیے ضرورت ہے۔

گر لطیفے الخ۔ یعنی اگر کوئی خوبصورت آدمی کسی بدصورت کے پیچھے پھرنے لگے تو یہ ایک مسخرہ پن ہوگا جو کہ وہ حسین اُس زشت رو سے کرتا ہے مطلب یہ کہ اگر مجھ مین استعداد اصلی نہ ہوگی تو مرشد کا جذب ایسا ہی ہوگا جیسا کہ اُس حسین کا اُس زشت رو پر عاشق ہونا پہلے چونکہ اوپر کہا ہے سہ چارہ آن باشد کہ خود را بنگریم الخ یعنی اب علاج کہ ہم اپنے کو دیکھین آگے اُسی مضمون کی طرف عود ہے فرماتے ہین

کہ ببینم الخ۔ یعنی کہ علاج یہی ہے کہ اب مین اپنی حالت اور اپنے نقش کو دیکھون کہ میری حالت دن کی طرح ہے یا رات کی طرح مطلب یہ کہ جب علاج یہی ٹھہرا کہ مین اپنی حالت کو دیکھون تو اب مین نے دیکھنا چاہا کہ آیا میری استعداد صالح ہے یا فاسد ف یہان یہ بھی معلوم کر لو کہ انسان خواہ کسی قدر معاصی کرے اور خواہ کتنا ہی حق سے دور رہے مگر اُسکی استعداد بالکلیہ زائل نہین ہوتی حتیٰ کہ حالت کفر مین بھی استعداد زائل نہین ہوتی ہان اسقدر محجوب ہو جاتی ہے کہ کالعدم ہو جاتی ہے اور اُسکا کوئی اثر ظاہر مین نہین رہتا۔ اور دیکھو تو اگر بالکل معدوم ہو جایا کرتی تو پھر انسان قبول حق کا مکلف ہی کیون رہتا اور یہ عذاب و ثواب ہی کیون ہوتا یہ سب اسی لیے ہے کہ باوجود استعداد ہونے کے اُسکو اپنے معاصی اور نافرمانیون سے اس درجہ کو پہونچا دیا ہے کہ کالعدم ہو گئی خوب سمجھ لو۔ آگے فرماتے ہین کہ۔

نقش جان الخ۔ یعنی اپنی حالت کو مین نے بہت تلاش کیا مگر کسی شخص کے ذریعہ سے اپنی حالت مجکو نظر نہ آئی مطلب یہ کہ مین نے اپنی حالت کو معلوم کرنا چاہا مگر کسی کے ذریعہ سے مین معلوم نہ کر سکا یہ اور معلوم ہو چکا ہے کہ حالت معلوم ہونے مین شیخ کو کیا دخل ہے پس یہ معلوم نہ ہونا دو سبب سے ہوتا ہے کبھی شیخ کے ناقص ہونے سے کبھی کسی خاص شیخ کے ساتھ مناسبت نہ ہونے سے لیکن مقصود حاصل نہ ہونا دونون مین مشترک ہے۔ مقصود صرف اس قدر ہے کہ مجھے کہین اپنی معرفت کیفیت استعداد کی حاصل نہ ہوئی جو کہ شرط نفع سلوک تھی یعنی مجھے یہ نہ معلوم ہو سکا کہ مجھ مین صلاحیت اصلی ہے یا نہین۔ لہذا مین نے یہ سوچا کہ۔

گفتم الخ۔ یعنی پھر مین نے خود کہا کہ آخر آئینہ کس لیے ہے۔ آئینہ تو اسی لیے ہوا کرتا ہے کہ ہر شخص اُس مین یہ دیکھ سکے کہ کون ہے اور کیا ہے مطلب یہ کہ اس مرشد کامل سے فیض قرب حق حاصل کرنے کے لیے جو اس امتحان کی ضرورت ہے کہ میری استعداد صحیح ہے یا فاسد اس امتحان کے لیے کسی ذریعہ خارجیہ کو کیون تلاش کیا جاوے کہ اُس سے تحقیق کر کے پھر مرشد کی طرف متوجہ ہون خود اسی مرشد کو کیون نہ آئینہ بنایا جاوے۔ جیسا آگے شعر آئینہ جان نیست مین معلوم ہوگا اور آئینہ مرشد کو اس لیے کہا ہے کہ جس طرح آئینہ کی محاذاۃ سے بعض حالت جسمانیہ معلوم ہو جاتی ہے اسیطرح مرشد کے پاس بیٹھنے سے بھی اپنی حالت روحانیہ معلوم ہو جاتی ہے کہ آیا استعداد قبول حق قوی و اصلی ہے یا ضعیف و عارضی اس لیے کہ اگر بزرگون کے پاس بیٹھنے سے خدا یاد آوے اور محبت حق زیادہ ہو

ورعالم ناسوت سے بعد ہوا ور قطع تعلق کو دل چاہے تو معلوم ہوتا ہے کہ استعداد باقی ہے ورنہ سمجھے کہ ضعیف ہوگئی اب اسکا
علاج ضروری ہے یہان یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اگر اس شخص کو سب شیوخ اور مقبولین حق کے پاس جانے سے
یہ بات پیش آتی ہے تب تو سمجھے کہ بیشک استعداد ہی کمزور ہوگئی مگر وہ بھی لا علاج نہین مایوسی جائز نہین اور
اگر ایسا ہے کہ کسی خاص شیخ کے پاس رہتے ہوے تو اسکی حالت درست رہتی ہے اور توجہ الی اللہ اور محبت حق
رہتی ہے لیکن اسکے علاوہ دوسرون ... گو وحشت تو نہین ہوتی لیکن وہ حالت بھی قائم نہین رہتی بلکہ توجہ
ناسوت کی طرف رہتی ہے یا یہ کہ کسی ایک شیخ کے پاس وحشت ہوتی ہے اور باقیون سے اُنس اور محبت اور توجہ
بحق ہوتی ہے ان دونون صورتون مین استعداد اور قابلیت موجود ہے مگر یہ سمجھا جاویگا کہ اسکو اول صورت مین
توسوا ے ایک کے اور سب سے اور دوسری صورت مین خاص اُس شخص سے مناسبت نہین ہے اس لیے
اُس سے اسکو فیض نہین پہونچتا لہذا اخیر کی دونون صورتون مین پریشان نہ ہو کیونکہ مذموم حالت نہین ہے۔
ان اول کی صورت مین علاج کی فکر بہت جلد چاہیے ورنہ اگر خدانخواستہ معاصی کے اور حجابات حائل ہو گئے تو
پھر علاج زیادہ مشکل ہوگا گو ممکن ہوگا ف یہ بات پہلے بھی بیان کردی گئی ہے کہ اولیاء اللہ کی صحبت سے خدا یاد
آتا ہے بلکہ اُنکے خیال اور ذکر سے بھی خدا یاد آتا ہے اور اسکے نظائر بہت موجود ہین چنانچہ ایک صاحب حالت
نزع مین تھے اور ہمارے حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کے خادمون مین سے تھے اور اُنکو گاے بھینس وغیرہ
سے نہت ہی محبت تھی اس لیے اُس بیہوشی کے عالم مین وہ اُن ہی گاے بھینسون کی باتین کیا کرتے تھے
کہ اسکو کھولو اور اسکو باندھو وغیرہ وغیرہ چنانچہ اسوقت بھی ایسا ہی ہوا ایسے وقت مین اُنکی یہ حالت دیکھکر لوگ
بہت گھبرائے اور لوگون کو بہت ہی وحشت ہوئی حالانکہ کوئی وحشت کی بات نہ تھی اور اُنکی حالت خدانخواستہ
خراب نہ تھی اس لیے کہ یہ تو ایک ہذیان تھا جو اُنکی زبان سے نکل رہا تھا مگر خیر چونکہ لوگونکو وحشت تھی اس لیے
خیر خواہون کو یہ فکر ہوئی کہ انکا خیال اس طرف سے ہٹانا چاہیے اور کسیطرح انکو متوجہ الی الحق کرین اب یہان
بہت بڑے عاقل کی ضرورت تھی کہ وہ یہ سمجھے کہ اسوقت کونسی بات مفید ہوگی اور کس طرح انکی توجہ اس طرف سے
ہٹائی جاوے خیر وہان بھی ایک صاحب موجود تھے جو کہ عاقل تھے اُنھون نے اُنکے کان مین کہدیا کہ حضرت
حاجی صاحب (قدس سرہ) تشریف لائے ہین معًا وہ کہنے لگے کہ حضرت کے لیے فرش بچھاؤ حضرت کو اچھی طرح
بٹھاؤ وغیرہ وغیرہ بعد اُنکا ذہن حضرت حاجی صاحب کے تلقین کیے ہوے ذکر کی طرف منتقل ہوگیا اور اُنکی
زبان پر ذکر جاری ہوگیا اور اسی مین انتقال ہوگیا۔ اے اللہ ہر مسلمان کا خاتمہ بالخیر فرمائیے (یہان ناظرین
کاتب کے لیے دعاء مغفرت اور اصلاح فرماوین اور یہ کہ حق تعالیٰ اپنی محبت دے آمین ثم آمین) اور اسی قسم
کی بہت سی نظیرین موجود ہین جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کے خیال سے اور ذکر سے انکو دیکھنے سے
ہر طرح خدا یاد آتا ہے لہذا انکی صحبت آئینہ ہوگئی اپنی استعداد کے دیکھنے کی کہ اگر انکے پاس جانے سے انس
ہوتا ہے اور سبق بحق ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ خیر ابھی کچھ باقی ہے ورنہ علاج کرو کہ یہ دق کی طرح تمکو کھا جائیگا اور تمکو خبر بھی ہوگی
اے اللہ سب کو ہدایت فرمایا۔ اب آگے اُس آئینہ کی تعیین اول اجمالاً پھر تفصیلاً کرتے ہین کہ وہ آئینہ گیا ہے
فرماتے ہین کہ۔

آئینہ الخ - یعنی یہ لوہے کا آئینہ تو زنگ کے دیکھنے کے واسطے ہے اور چہرۂ جان کے دیکھنے کے واسطے جو آئینہ ہے وہ تو بڑا بیش قیمت ہے۔ آئینہ اصل لفظ آہینہ ہے یعنی لوہے کا اس لیے کہ اول سکندر نے لوہے کو صیقل کر کے اس قدر صاف کر دیا تھا کہ اُسمین منھ دکھلائی دینے لگتا تھا اور نہ اس سے پہلے کسی کو یہ خبر نہ تھی کہ اپنا چہرہ دیکھنے کی بھی کوئی صورت ہے لہذا اسکو آہینہ کہنے لگے پھر بعد مین کثرت استعمال کی وجہ سے آئینہ ہو گیا۔ مطلب یہ کہ ہم نے جو کہا ہے کہ آخر آئینہ تو اسی لیے ہے کہ اُسمین اپنی حالت کو دیکھین تو یہان کسی کو یہ شبہ نہ ہو جاوے کہ اس سے مراد آئینہ متعارف ہے لہذا فرماتے ہین کہ یہ لوہے کا آئینہ مجکو مقصود نہین ہے اس لیے کہ یہ تو صرف الوان کو دکھلاتا ہے ذی لون کو بھی نہین دکھلا سکتا اس لیے کہ یہ جس قدر صورتین انسان دیکھتا ہے کسی نہ کسی لون مین مستور ہین مثلاً یہ کوئی کہے کہ مین نے زید کو دیکھا اس سے مقصود یہ نہین ہے کہ اُسکی ذات کو دیکھا بلکہ اُسکے رنگ کو جو اُس کے ساتھ درجہ اطلاق مین لازم غیر منفک ہے اُسکو دیکھا اور یہ بات ظاہر ہے پس یہ غیر الوان کے لیے کافی نہین اور مجکو جسکا دیکھنا ہے وہ لون نہین دوسرے مصرعہ مین فرماتے ہین کہ جو آئینہ جان کی حالت دیکھنے کے لیے ہے وہ بہت ہی بیش قیمت ہے اُسکو اور اِسکو کیا مناسبت۔ اب اُس بیش قیمت آئینہ کو تعیین تفصیلی بتلاتے ہین کہ۔

آئینہ الخ - یعنی آئینہ جان کا سوائے روئے یار کے اور کوئی نہین ہے اور یار بھی وہ جو کہ اُس دیار کا ہو۔ یعنی ابتک تو اسی خیال مین رہا کہ کسی اور ذریعہ سے مین اپنی حالت معلوم کر لون جب میری استعداد اور قابلیت معلوم ہو جاوے تب مرشد سے رجوع کرون اور اُسوقت مرشد کے پاس جاؤن لہذا اسکے واسطے بہت مارا پھرا اور بہت سے طرق اِسکے لیے نکالے مگر سارے ناکافی ثابت ہوئے اور کہین دوسری جگہ اپنی حالت معلوم نہوسکی لہذا مین نے یہ سوچا کہ بس اگر آئینہ بھی ہے تو وہی ہے اور مرشد ہی کی خدمت سے استعداد وغیرہ کا سب پتہ چل جاویگا اور در بدر ناصیہ فرسائی سے کوئی حاصل نہین ہے اور اُسی کی صحبت میرے لیے آئینہ ہو جاویگی۔ دوسرے مصرعہ مین فرماتے ہین کہ وہ یار بھی وہ ہو جسکو اُس دیار یعنی عالم غیب سے تعلق ہو اور حق کی طرف اُسکی توجہ ہو اس لیے کہ اگر ایسا نہین ہے تو پھر اُسکی صحبت سے بھی کوئی نفع نہین ہو سکتا آگے بھی اِسی کو فرماتے ہین کہ۔

گفتم الخ - یعنی مین نے یہ کہا کہ اے دل آئینہ کامل کو ڈھونڈھ اور دریا کے پاس جا اس لیے کہ ندی نالون سے کام نہین چلتا مطلب یہ کہ یہ تو متعین ہو گیا کہ اپنی حالت کو آئینہ مین دیکھنا چاہیے اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وہ آئینہ بھی مرشد ہے لہذا فرماتے ہین کہ اب مرشد بھی کامل تلاش کرنا چاہیے اور ناقصین سے حذر چاہیے اس لیے کہ اُن ناقصون سے کام نہین چلتا جب تک کہ وہ خود بھی کامل نہ ہو اس لیے کہ جو راستہ دیکھے ہوئے ہے وہی دوسرون کو راستہ اچھی طرح دکھلا بھی سکتا ہے اور جس نے خود ہی پوری طرح راستہ نہین دیکھا وہ دوسرے کو کیا دکھلاویگا اور اس مصرع کے کلام مین لفظ کل اور کلی دونون بمعنی کامل آتے ہین آگے التفات ہے اس غیبت سے خطاب کی طرف اب تک تو مرشد کو غائب کے صیغہ سے تعبیر کرتے رہے اب اُسکو خطاب کر کے فرماتے ہین زین طلب الخ اور یہ نہ سمجھا جاوے کہ یہ خود مولانا کی حالت ہے اور مولانا ہی اس مثنوی لکھنے کی حالت مین تلاش شیخ مین ہین۔ نہین۔ کیونکہ مولانا تو اِسکے لکھنے کے وقت کامل و مکمل تھے بلکہ فرضی طور پر اپنی طرف منسوب کر کے دوسرون کی حالت جتلانا مقصود ہے۔ پس فرماتے ہین کہ۔

زین طلب الخ۔ یعنی مین اس طلب مین تیرے کوچہ مین آیا ہون اور دیکھو مریم علیہا السلام کو درد ہی نے کھجور کی جڑ مین پہونچا دیا تھا مطلب یہ کہ چونکہ مجھے طلب حق تھی اس لیے اسی طلب مین بندہ آپ کے دروازہ پر حاضر ہوا ہے کہ آپ توجہ فرمادین اور مجھے کامیاب کردین اس لیے کہ ؎ آنان کہ خاک را بنظر کیمیا کنند آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند۔ اور ؎ خسرو غریب است و گدا افتادہ در کوے شما + باشد کہ از بہر خدا سوے غریبان بنگری + اسی طلب اور اسی اُمید مین درِ دولت پہ آپڑا ہون اس لیے کہ دیکھو مریم علیہا السلام کو بھی درد ہی نخل کی طرف کھینچ کر لے گیا تھا تو جب مجھے بھی دردِ طلب ہوا مین بھی خدمت مین حاضر ہوا ہون ؎ بہ بازمان سلطان کہ رساند این دعا را + کہ بہ شکر بادشاہی زنظر مران گدا را + خدا کے لیے اس در سے مجھے محروم نہ فرمانا اور اب تو یہ تمنا ہے کہ ؎ عمر بحرکت نکلنا ہو تیرے کوچہ سے + دم اسی در پہ نکل جاے تمنا ہے یہی + مقصود سے بہت دور چلا گیا مقصود مولانا کا یہ ہے کہ اب آپ کے دروازہ پر حاضر ہوگیا اور یہ طلب ہی مجھے لائی ہے اب آگے بتلاتے ہین کہ مین نے اپنی حالت کس طرح معلوم کی پس فرماتے ہین کہ۔

دیدۂ الخ۔ یعنی جب آپکی آنکھ میرے دل کے لیے آنکھ ہوگئی اور وہ چشم حق بین ہے جسمین سیکڑون دل نادیدہ غرق ہوچکے ہین یعنی مستفیض ہوچکے ہین تو مین نے تم کو آئینہ کلی ہمیشہ کے لیے سمجھ لیا۔ اور مین نے اپنا نقش تمھاری آنکھ مین دیکھا مطلب یہ کہ جب آپکا نور اور آپکی صحبت کا فیض میرے لیے ادراک کا آلہ بن گیا اور مین نے اسی نور مین اپنی حالت دیکھ لی۔ تو مین نے تمکو ہمیشہ کے لیے اپنا رہنما اور اپنے عیوب پر خبر دینے والا سمجھ لیا اور اپنی حالت کو آپکی نور چشم مین دیکھ لیا یعنی جب مجکو آئینہ کی تلاش تھی اور ثابت ہوا کہ آئینہ بھی مرشد ہی ہوتا ہے اور روے یار کے سوا اور کوئی اپنی حالت کے معلوم کرنے کے لیے کافی نہین ہوتا پس چونکہ آپ ان صفات سے موصوف تھے لہذا مین آپ کو مرشد سمجھکر آپ کے درِ دولت پر حاضر ہوا ہون اور اس طلب مین حیران و سرگردان ہوکر آپ تک پہونچا ہون اور اس مدت مین بہت سے ناقصین کے پاس جاچکا ہون مگر ؎ آفاقہا گردیدہ ام مہر بتان ورزیدہ ام + بسیار خوبان دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری + آگے فرماتے ہین کہ۔

گفتم الخ۔ یعنی مین نے کہا کہ آخر مین نے اپنے کو پالیا اور اسکی دونون آنکھون مین راہ روشن اور صاف مجکو مل گئی۔ مطلب یہ کہ جب آپ کا نور باطن میرے لیے آئینہ ہوگیا۔ اور مین نے اپنی حالت کو آپ کے نور کے ذریعہ سے دیکھ لیا تو اب مین نے اپنے سے کہا کہ اب تو مین نے اپنی حالت دیکھ لی اور مین نے آپ کے نور چشم مین راہ ہدایت پالی جس سے کہ ثابت ہوگیا کہ میرے اندر قابلیت ہے اور یہ قول کہ در دو چشمش یہ ایسا ہے جیسے کہا جاوے در نور چراغ اور مراد اس سے شیخ کی نور بصیرت ہے یعنی آپ کے فیضان بصیرت سے کہ وہی سبب ہے ظہور استعداد طالب کا اسکے بعد انکو توہمات وارد ہوے اور یون خیال ہوا کہ یہ جو مین نے سمجھا ہے یہ بھی تو میرا ہی خیال ہے اور ممکن ہے کہ غلط ہو اور گو اس حالت کے بعد کوئی وجہ شبہ کی نہین مگر قاعدہ ہے کہ جب کسی بڑی چیز کی طلب ہوتی ہے تو طبعًا اُس سے مانع ہونیکا احتمال بہت سے امور پر ہوتا ہے کہ شاید یہ بھی مانع ہو۔ پس اسی طرح انکو بھی شبہات اور توہمات ہوے آگے فرماتے ہین کہ۔

گفت وہمم الخ۔ یعنی میرے وہم نے کہا کہ یہ سارے تیرے تخیلات ہین اور تو نے جو اُس نور مین اپنی حالت

دیکھی ہے وہ تیری حقیقی حالت نہین ہے بلکہ ایک خیال ہے کہ مجھ مین استعداد ہے ورنہ حقیقتہً استعداد وغیرہ شاید کچھ نہ ہو اس لیے اپنی ذات کو یعنی اپنی استعداد اصلی کو کہ مشابہ ذاتی کے ہے جسکو ذات سے تعبیر کر دیا اپنے خیال وہمی سے ممتاز کر کے سمجھ جب یہ شبہ ہوا تو اُسکو اِس طرح دفع کیا گیا کہ۔

نقش من الخ۔ یعنی میرے نقش نے تیری آنکھ سے آواز دی کہ مین تو ہون اور تو مین ہے اتحاد کی وجہ سے مطلب یہ کہ جب یہ توہمات میرے اوپر سوار ہوے تو اُسوقت میری اُس حالت نے بزبان حال تیری نور چشم و نور بصیرت کی مدد سے یہ کہا کہ مجکو خیال اور باطل مت سمجھنا اس لیے کہ جو تو ہے وہی مین ہون اور جو مین ہون وہی تو ہے اور مین اور تو تو متحد ہین یعنی مین تیری ذاتی و اصلی حالت ہون اصلی کو ذاتی قرار دیا اور ذاتی کو ذات قرار دیکر اسطرح تعبیر کر دیا کیونکہ تو منی و منم تو کے معنے ہین تو ذات منی و من ذات تو اور مراد یہ ہے کہ من ذاتے تو ہستم یعنی حالت اصلی تو غرض جب دونون متحد ہین تو پھر خیال کس طرح ہو سکتا ہے بلکہ وہ تو بالکل واقعی ہوگا اور اس خیال مین مت پڑ جانا اور مجھ مین یعنی استعداد اصلی کے وجود مین شک مت کرنا ف سالک کو اُسکے بہت احوال مین ایسے ایسے بڑے بڑے توہمات سوار ہوتے ہین اُسوقت اگر کوئی شیخ کامل ملگیا تب تو سنبھل جاتا ہے ورنہ بس خدا اُسوقت ایمان کو بھی سلامت رکھے تو نہایت غنیمت ہے ایک صاحب نے جو کہ ایک دوسرے بزرگ سے بیعت تھی حضرت حکیم الامتہ دام فضلہم کی خدمت مین اپنی بدحالی کے گمان پر کچھ پریشانیان لکھین حضرت نے اُنکا جواب عطا فرما کر تسلی دی اُنھون نے بار بار پوچھا اُسکا جواب ہمیشہ دیا گیا آخر ایک مرتبہ اُنھون نے لکھا کہ مجھے اب تو اُنکی تو مجال نہ رہی اور عقلاً تو کوئی شبہ نہین ہے مگر اطمینان اور تسلی نہین ہوتی کہ یہ بدحالی نہین ہے حضرت نے تحریر فرمایا کہ ہمکو تمھاری تسلی کی ضرورت نہین اس لیے کہ طبیب کو یہ ضرورت نہین کہ وہ مریض کو بھی یقین دلا دے کہ تو اچھا ہو گیا بلکہ اگر طبیب کو خود معلوم ہو جاوے کہ اِسکو افاقہ شروع ہو گیا ہے اور عنقریب صحت پاویگا تو یہ کافی ہے اور بعض مرتبہ اِس قدر لطیف نفع ہوتا ہے کہ جسکو خود مریض محسوس نہین کرتا اور وہ سمجھتا ہے کہ میرا مرض اب تک باقی ہے اور مجھے مطلق بھی افاقہ نہین مگر طبیب خوش ہوتا ہے کہ اب یہ اچھا ہو جاویگا بلکہ بعض اوقات صحت کے بعد بھی مریض کی سمجھ مین نہین آتا اسیطرح چونکہ ہمکو تسلی ہے کہ تمھاری حالت مذموم نہین ہے بس اِس قدر کافی ہے تم کو تسلی دلانے کی ضرورت نہین بس اس سے اُنکی تسلی ہو گئی (وللہ درہ) پس اِسی طرح بزبان حال وہ پکار رہی ہے کہ مین اور تو الگ الگ نہین ہین پس مین تو تیری حقیقی حالت ہون آگے اِسکی وجہ بتاتے ہین کہ اِسکو خیال کیون نہ سمجھنا چاہیے فرماتے ہین کہ۔

اندرین الخ۔ یعنی اِس چشم روشن اور بے زوال مین حقائق کی وجہ سے خیال کہان راہ پا سکتا ہے مطلب یہ کہ چونکہ یہ چشم حقیقت بین ہے اِسمین تو حقائق آتے ہین اور وہ حقائق خیال غلط کو نہین آنے دیتے اِس لیے یہان خیال کا کیا کام اور اسمین غلط کس طرح آسکتا ہے آگے فرماتے ہین کہ۔

در دو چشم الخ۔ یعنی اگر کسی اور کی آنکھ مین تم اپنے نقش کو دیکھو تو اُسکو خیال جانو اور مردود سمجھو مطلب یہ کہ اگر کسی غیر کی نور چشم مین تم اپنی حالت اِسکے خلاف دیکھو کہ جو یہان دیکھی ہے تو اُسکو خیال اور رد سمجھنا کہ وہ باطل ہے یا یہ مطلب ہے کہ اگر اور کہین اپنی حالت کا امتحان کرتے تو اُسکو غلط سمجھنا مضائقہ نہ تھا آگے اُس غیر کو بتلاتے ہین کہ

آنکہ سرمہ الخ۔ یعنی جو شخص نیستی کا سرمہ لگاتا ہے اور شیطان کے تخیل سے بادہ پی رہا ہے اُسکی آنکھ ایک خیال اور عدم یعنی امر غیر واقعی کا گھر ہے کہ وہ بہت سے معدوم اشیاء کو موجود سمجھ لیتا ہے مطلب یہ کہ جو شخص ناسوت مین لگا ہے اور اُسکا تعلق ناسوت سے ہے اور شیطان کی تخیلات مین مبتلا ہے اُسکا ادراک خیالی اور معدوم اشیاء کی طرف رہتا ہے اور وہ بہت سے معدوم کو موجود سمجھ لیتا ہے اور علی العکس اسیطرح جب نظر کا اس سے اتصال ہوگا وہ بھی غلط بین ہوسکتی ہے پس جو تیری حالت وہان دکھلائی دیتی ہے یا دکھلائی دیتی وہ بالکل باطل اور خلاف واقع ہے یا ہوتی آگے اِس کے مقابلہ مین مرشد کی راست نمائی کا بیان فرماتے ہین کہ۔

چشم من الخ۔ یعنی چونکہ میری آنکھ نے حق تعالے کی طرف سے ایک سُرمہ دیکھا ہے اِس لیے یہ تو حقیقت اور ہستی کا گھر ہے اور خیال باطل کا گھر نہین ہے مطلب یہ کہ چونکہ یہ نور جو میرے چشم مین موجود ہے حق تعالیٰ کی طرف سے ہے اِس لیے یہ چشم باطل اور خیال کا محل نہین ہوسکتی۔ بس جو تونے اپنی حالت میرے اندر دیکھی ہے وہ بالکل صحیح اور مطابق واقع کے ہے ف اِس مقام کا خلاصہ اِسکے قبل ایک مختصر عنوان سے خود حضرت مولانا دام ظلہم نے کلید مثنوی دفتر اول ابتداء قصہ طوطی و بازرگان مین ایک مناسبت سے اِس مقام کے مہتم بالشان ہونے کے سبب لکھا تھا اِس مقام پر اُسکا بعینہ نقل کردینا نافع معلوم ہوا وہو ہٰذا بعبارتہ حاصل اس مقام کا یہ ہے کہ مجھکو مرشد کی طرف کشش ہوئی کہ اُن سے فیوض حاصل کرون مگر چونکہ افادہ و استفادہ کے لیے مناسبت شرط ہے اِس لیے یہ تحقیق کرنا ضروری ہوا کہ مین اُنسے فیض لینے کے لائق ہون یا نہین اِس تحقیق کے لیے معیار کی تلاش ہوئی آخر سوچتے سوچتے یون سمجھ مین آیا کہ معیار بھی خود مرشد کی ذات ہی ہے۔ یعنی اُنکی صحبت مین رہ کر اپنی حالت کے تفاوت اور ظہور استعداد کو دیکھنا چاہیے پس مین نے ناقصین سے اعراض کرکے مرشد کامل کی صحبت اختیار کی اور اپنی حالت کی کمی بیشی کو اور استعداد کی قوت و ظہور کو دیکھنا شروع کیا جب اُن کے کمالات کا انعکاس میرے قلب پر ہوا جسکو اِس طرح تعبیر کیا ہے ؎ دیدۂ تو چون دلم را دیدہ شد الی آخر الابیات لعشرۃ یعنی تمھاری آنکھ میرے قلب کی آنکھ بن گئی۔ یعنی تمھاری صفت معرفت و بصیرت میرے قلب پر متجلی ہوئی جس کے فیض و قوت سے سیکڑون قلوب ناقص محو معرفت ہوگئے اُسوقت مین نے اُس آئینہ کاملہ یعنی عکوس فیوض مرشد و ادراک استعداد کو غبار خطرات و وساوس سے صاف کیا یعنی اُن فیوض و ادراک حالت استعداد کو دل مین جگہ دی اور خطرات و وساوس کی نفی کی تو اُس آئینہ مین اپنی حالت منکشف ہوئی وجہ انکشاف کی ظاہر ہے کہ جب اپنے قلب پر فیوض مرشد کے متجلی اور منعکس ہوے اور استعداد کمالات کی مشاہدہ ہوئی تو معلوم ہوا کہ مجھ مین قابلیت انکی ہے اور مرشد سے مناسبت ہے غرض کمالات مرشد کو اِس طریق سے آئینہ قرار دیا تو چشم مرشد مین اپنا نقش دیکھا یعنی مرشد کی صفت معرفت و بصیرت کے انعکاس اور ظہور استعداد مکنون سے اپنی حالت مناسبت کا پتہ چلا اُسوقت مین سمجھا کہ مین نے اپنی حالت مناسبت کی تحقیق کرلی۔ اور مرشد کی صحبت و حضوری مین طریق واضح سلوک کا مل گیا کہ انھین کی تعلیم و تربیت سے مقصود حاصل ہوگا لیکن ساتھ ہی وسوسہ گذرا کہ جن کو تونے فیوض کا عکس سمجھ رکھا ہے اور جسکو تونے استعداد سمجھا ہے شاید یہ تیرے محض خیالات اور اوہام ہون تو معیار تحقیق مناسبت مشتبہ ہوگیا اپنی ذات یعنی ذاتی استعداد و قابلیت کمالات و فیوض اور اوہام و خیالات

مین غور کر کے فرق کرنا ضرور ہے اِس وسوسہ کے ساتھ ہی میرے نقش نے مرشد کی آنکھ مین سے آواز دی یعنی میری حالت واستعداد نے جو کہ حاصل ہوئی تھی عکس کمالات بصیرت ومعرفت مرشد سے مجھ کو متنبہ کیا کہ مین اور تو متحد ہین یعنی مین تیری ذاتی اور واقعی حالت ہون خیال اور وہم کا احتمال نہین کیونکہ اِس چشم منیر مین چونکہ حقائق جاگزین رہتے ہین۔ خیال ووہم کی گنجائش نہین ہے یعنی چونکہ مرشد کامل ہین اور اُن کے فیوض وکمالات بھی قوی ہین اِس لیے اُنکی قوت فیض سے طالب وملازم صحبت کی اصلی حالت ظاہر ہوجاتی ہے احتمال غلطی کا نہین ہے آگے بزبان مرشد کہا جاتا ہے کہ اگر تو اپنا نقش کسی اور کی آنکھ مین دیکھتا تو اُسکو خیال سمجھنا چاہیے تھا یعنی غیر کامل کی صحبت اِسکا معیار نہین ہوسکتی کیونکہ اُسمین نیستی یعنی نقصان کی صفت ہے اِس لیے تصرف شیطانی کا دخل ہوسکتا ہے چونکہ وہ خود خیالات مین مبتلا ہے اُسکے ہم صحبت کے قلب پر بھی اُن خیالات کے انعکاس کا احتمال ہے اور چونکہ مین خود صاحب حقیقت ہون اِس لیے میری صحبت مین بھی حقائق کا ہی انعکاس ہوگا تو اِس طریق مذکور سے اپنی حالت ومناسبت وقابلیت فیوض کی معلوم ہوگئی اور اِسی اعتبار سے مرشد کو اپنا آئینہ فرمایا یہ خلاصہ ہے اُس مقام کا واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب اور شرح حبیبی مین بھی اِسکی ایک توجیہ سہل اور لطیف عنوان سے کی گئی ہے وہ بھی طرب انگیز ہونے کے سبب قابل ملاحظہ ہے لیکن مضمون اسکا اُسکا متحد ہے آگے بتائید شعر بالا آنکہ سرمہ نیستی الخ وشعر چشم ادخانہ خیالست الخ مولانا فرماتے ہین کہ اگر کوئی ذراسی شے بھی چشم کے آگے ہوگی تو وہ بھی مانع ہوتی ہے نظر کو اسیطرح جب نور چشم کے آگے کدورتین ناسوت کی آجاوینگی تو وہ بھی مانع ہونگی اُس نور کے لیے فرماتے ہین کہ تا ملکے الخ۔ یعنی جب تک ایک بال بھی تیری نگاہ کے سامنے رہیگا اُس وقت تک وہ تجھے دیکھنے نہ دیگا اور گوہر تجھے یشب معلوم ہوگا۔ یشم مبدل از یشب۔ ایک پتھر جو فی نفسہ تو قیمتی ہے مگر گوہر سے بہت کم قیمت ہوتا ہے مطلب یہ کہ جسوقت تک ناسوت کی طرف تمھارے اندر کچھ بھی تعلق باقی رہے گا اور تم ایک بال کے برابر بھی اُس طرف توجہ رکھو گے تو تمھارے خیال مین گوہر یشب معلوم ہوگا یعنی حقیقت تمھارے خیال مین باطل اور بے اصل معلوم ہوگی اور تم اُس حجاب کی وجہ سے حقیقت شے کو معلوم نہ کرسکو گے آگے اِسکی تدبیر بتاتے ہین کہ اِس باطل سے کس طرح نجات ہوسکتی ہے فرماتے ہین کہ۔

یشم را الخ۔ یعنی یشم کو گوہر سے جب پہچان سکو گے جب کہ اپنے اِس باطل خیال سے پوری اور کلی طور پر علیحدگی اختیار کروگے مطلب یہ کہ حقیقت کو اُسوقت دیکھ سکو گے جب اِس عالم ناسوت کے تعلق سے کہ خیال زا ہے کلیۃً پرہیز کروگے اور علیحدہ ہوجاؤ گے اُسوقت تم حقیقت شناس ہوسکتے ہو ورنہ اگر ایک بال بھی تمھاری چشم حقیقت بین کے سامنے ہے تو وہ تمکو مانع عن النظر ہوگا آگے اسپر ایک حکایت کی تمہید مین فرماتے ہین کہ یک حکایت بشنو اے گوہر شناس الخ۔

شرح حبیبی

یک حکایت بشنو اے گوہر شناس	تا بدانی تو عیان را از قیاس

سنے ایک حکایت سُن تاکہ تو مشاہدہ اور ظن وتخمین مین امتیاز کرسکے۔ اور تجھے معلوم ہوجاسے کہ ہمارا بیان

ظن و تخمین پر مبنی نہیں بلکہ اسکی بنا مشاہدہ پر ہے۔

ہلال پنداشتن آن شخص خیال را در عہد عمرؓ و تنبیہ نمودن او را

ماہ روزہ گشت در عہد عمرؓ تا ہلال روزہ را گیرند فال	بر سر کوہے دویدند آن نفر آن یکے گفت اے عمر اینک ہلال

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ کے زمانہ میں رمضان آیا کچھ لوگ ہلال رمضان سے مبارک فال لینے کو (اور رمضان کے دیکھنے کو) ایک پہاڑ پر گئے انہیں سے ایک شخص نے کہا امیر المومنین دیکھو۔ وہ رہا چاند۔

چون عمرؓ بر آسمان مہ را ندید ورنہ من بیناترم افلاک را	گفت کاین مہ از خیال تو دمید چون نمی بینم ہلال پاک را

جب امیر المومنین کو (بغور دیکھنے کے بعد بھی) آسمان پر چاند نظر نہ آیا تو فرمایا کہ یہ چاند تو تیرے تخیلہ کا اختراع ہے ورنہ میں (اپنی تیزی نظر کے باعث) آسمانوں کو زیادہ دیکھتا ہوں پھر کیا وجہ ہے کہ مجھے چاند نظر نہیں آتا

گفت تر کن دست بر ابرو بمال چونکہ او تر کرد ابرو مہ ندید	آنگہان تو بر نگر سوے ہلال گفت اے شہ نیست مہ شد ناپدید

اور فرمایا کہ میں ابھی اسکی تصدیق کرائے دیتا ہوں اچھا اپنا ہاتھ تر کر کے ذرا بھون پر پھیر اور پھر چاند کو دیکھ کہ اب بھی دکھلائی دیتا ہے یا نہیں۔ جون ہی اس نے تر ہاتھ سے ابرو کو تر کیا تو چاند نہ دکھلائی دیا کہا امیر المومنین اب تو چاند نہیں نظر آتا۔ وہ تو غائب ہو گیا۔

گفت آرے موے ابرو شد کمان	سوے تو افگند تیرے از گمان

امیر المومنینؓ نے فرمایا بہت ٹھیک ہے بات یہ ہے کہ ابرو کا کوئی بال ٹیڑھا ہو کر بشکل ہلال بن گیا اس نے تمھارے تخیلہ میں چاند کی صورت پیدا کر دی۔ گمان بیان ہے تیر کا۔ چونکہ مصرع اول میں ٹیڑھے بال کو بنا بر شاکلت و مشابہت صوری کمان کہا تھا اس لیے دوسرے مصرع میں گمان کو تیر کہا اور اس خیال کے پیدا کرنے کو تیر افگندن سے تعبیر کیا اس حکایت سے حس مادی کی غلطی ثابت کر کے آگے بطور نتیجہ حکایت پند و نصیحت فرماتے ہیں اور کہتے ہیں

چون یکے موکژ شد از ابروے او۔

شرح شبیری ایک حکایت الخ۔ یعنی اے گوہر شناس تو ایک حکایت سن تاکہ عیان کو قیاسات سے ممتاز کرے مطلب یہ کہ اے طالب ہم تم کو ایک حکایت سناتے ہیں جس سے تمکو معلوم ہو گا کہ حقیقت عینی کیسے کہتے ہیں اور قیاسیات اور تخمینیات کیا ہوتے ہیں اور گوہر شناس اس اعتبار سے کہا یعنی اے طالب گوہر شناسی و حقیقت بینی۔ آگے وہ حکایت بیان فرماتے ہیں۔

ایک شخص کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں خیال کو ہلال سمجھنا اور اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تنبیہ

ماہ روزہ الخ۔ یعنی عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں رمضان کا چاند دیکھنے کے لیے لوگ ایک پہاڑ پر گئے۔
تا ہلال الخ۔ یعنی وہ اس لیے گئے کہ رمضان کے چاند کی فال لیں یعنے اسکو دیکھکر سعادت پر استدلال کریں کہ

اب روزہ سے یہ برکات حاصل ہونگے۔ انہین سے ایک نے کہا کہ اے عمر رضؓ ہلال یہ ہے۔

چون عمر الخ۔ یعنی جب عمر رضی اللہ عنہ نے آسمان پر چاند کو نہ دیکھا تو فرمایا کہ وہ چاند تیرے خیال کی وجہ سے ظاہر ہوگیا تھا

ورنہ من الخ۔ یعنی مین تو تجھ سے زیادہ تیز چشم ہون پھر مین چاند کو کیون نہین دیکھتا۔ یہان کشف مراد لینے کی ضرورت نہین سیدھی بات یہ ہے کہ اُس شخص کی بینائی مین فرق ہوگا اور حضرت عمر رضؓ کی بینائی اُس سے زیادہ ہوگی پس فرماتے ہین کہ میری بینائی تجھ سے اچھی ہے۔ مگر مین پھر بھی چاند کو نہین دیکھتا تو تو نے کس طرح دیکھ لیا معلوم ہوا کہ تجھے بھی اصل چاند نظر نہین آیا۔

گفت الخ۔ یعنی تو ذرا ہاتھ بھگو کر اپنے ابرو پر پھیرے اور پھر دیکھ کہ ہلال کہان ہے۔

چونکہ الخ۔ یعنی جب اُسنے (انکے کہنے سے) ابرو تر کرلی تو اب چاند ندارد ہوگیا تو کہنے لگا کہ یا امیر المومنین اب تو چاند نہ رہا اور وہ تو معدوم ہوگیا پس حضرت عمر رضؓ نے فرمایا کہ

گفت الخ۔ یعنی فرمایا کہ ہان ابرو کا بال کمان کی طرح سامنے آگیا تھا جس نے تیری طرف ایک خیال اور وہم کا تیر پھینکا اور کمان تیر کا تقابل خالی از لطف نہین آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔

چون یکے الخ۔ یعنی اُسکی ابرو کا ایک ہی بال ٹیڑھا ہوگیا تھا تو اس بال نے ایک ماہ نو کی شکل دکھلادی مطلب یہ کہ ایک بال جو کہ بظاہر کوئی حقیقت نہین رکھتا جب ٹیڑھا ہوگیا تو اُس سے بھی حقیقت پوشیدہ ہوگئی اور اسکو خلاف واقع ہلال دکھلائی دینے لگا تو جب ہم سارے ہی کج اور عالم ناسوت کی طرف متوجہ ہونگے تو ہماری کیا حالت ہوگی پھر تو حقیقت بینی ہمسے ممکن ہی نہین اِسی کو فرماتے ہین کہ۔

موے کژ الخ۔ یعنی جب ایک بال کی کجی آسمان کا پردہ بن گئی تو جب سارے اجزا ہی تمھارے کج ہون اُسوقت کیا ہوگا مطلب یہ کہ آسمان جیسی صاف چیز کو دیکھتے ہوے نگاہ کے سامنے صرف ایک بال آگیا تو وہ ایک بال ہی حقیقت بینی سے مانع ہوگیا اور جب تم سارے کے سارے کج ہوگئے اُسوقت تو حقیقت پاس بھی نہین پھٹک سکتی اور اِس راہ سے تو بال بھر علٰحدگی بھی راہ زن ہوجاتی ہے اِسی کو فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

چون یکے مو کژ شد از ابروے او	شکل ماہ نو نمود آن موے او
موی کژ چون پردۂ گردون شود	چون ہمہ اجزات کژ شد چون بود
چون یکے مو کژ شد او را راہ زد	تا بدعوی لاف دیدہ ماہ زد

جب کہ اسکی ابرو کا ایک بال ٹیڑھا ہوگیا تو اِس نے ہلال کی صورت اسکے متخیلہ مین پیدا کردی اب ذرا غور کرو کہ جب ایک ٹیڑھا بال بصر اور آسمان کے درمیان حائل ہوگیا اور بصر کو حقیقت بینی سے مانع ہوگیا۔ تو جبکہ تیرے سارے اجزا ٹیڑھے ہین تو اسکا کیا نتیجہ ہوگا۔ اور کیا تیرے حواس مادیہ ادراک حقائق علے ماہی علیہ فی نفس الامر کیلیے کافی ہوسکتے ہین بالخصوص ایسی حالت میں جبکہ اس کے خلاف ایک دلیل بھی موجود ہے کہ شخص مذکور کو اس کے ایک بال نے ٹیڑھا ہوکر راہ حقیقت بینی سے بیانتک بھٹکایا اور اتنا توی دھوکہ دیا کہ دعوی کے ساتھ رویت ہلال کی

ڈینگ مارنے لگا۔ اور اسکو اپنی غلط بینی کا احتمال تک نہ ہوا۔

راست کن اجزات را از راستان
هم ترازو را ترازو راست کرد
هر که با نا راستان هم سنگ شد

سر مکش ای راست روزان آستان
هم ترازو را ترازو کاست کرد
در کمی افتاد و عقلش دنگ شد

جب کہ تجھے معلوم ہو گیا کہ اجزا رکی ناراستی کا حقیقت بینی پر بُرا اثر پڑتا ہے اس لیے تجھ پر لازم ہے کہ اپنے اجزا کو درست کرے اور اپنے آپ کو بالکل مرضی حق سبحانہ کے مطابق بناوے اور یہ بات بطور خود حاصل نہیں ہو سکتی بلکہ اِس کے لیے ضرورت ہے اُن لوگوں کی جو اپنے آپ کو راست کر چکے ہیں اور مطابق مرضی حق سبحانہ کے بن چکے ہیں۔ اِس کے چند وجوہ ہیں اوّل تو خود صحبت ہی مؤثر ہے دوسرے یہ کہ جو کام کسی نمونہ کو سامنے رکھ کر کیا جاتا ہے۔ اسمین سہولت ہوتی ہے۔ تیسرے یہ کہ اِس راہ مین خطرات اور مہالک بہت ہین جنکو وہ عبور کر چکے اور اُن سے بچنے کی تدابیر جان چکے ہین اور تو ابھی ناواقف اور ناتجربہ کار ہے تیرا ان سے نجات پانا سخت دشوار ہے اِس بنا پر ضروری ہے کہ تو اُنکا آستانہ نہ چھوڑے دیکھ باٹ کو باٹ ہی ٹھیک اور پورا کرتا ہے اور باٹ کو باٹ ہی گھٹاتا ہے یعنی اگر کسی باٹ کو پورے باٹ کے برابر کیا جاوے تو پورا ہوگا اور اگر کم باٹ کے برابر کیا جاوے تو کم ہوگا اِس سے معلوم ہوا کہ نمونہ کو بہت بڑا دخل ہے۔ پس اگر تیرے سامنے بہتر نمونہ ہے تو تو اچھا ہو سکتا ہے اور برا نمونہ ہے تو برا بن جائیگا۔ تو جانتا ہے کہ برے نمونہ کا اثر کیا ہوگا سمجھ لے کہ جو شخص ناقصوں کا قرین بنتا ہے اور ناقصین کی صحبت اختیار کرتا ہے وہ گھاٹے مین رہتا ہے اور اسکی عقل دنگ ہو کر لا یعقلون سبیلا کا مصداق بنجاتا ہے

رو اشدا ء علی الکفار باش
بر سر اغیار چون شمشیر باش
تا ز غیرت از تو یاران نگسلند
آتش اندر زن بگرگان چون سپند

خاک بر دلداری اغیار پاش
ہین مکن روباہ بازی شیر باش
زانکہ آن خاران عدوی آن گلند
زانکہ این گرگان عدوے یوسفند

تجھے معلوم ہو چکا ہے کہ راستی کی ضرورت ہے اور اِس کے لیے ٹھیک نمونہ کی مگر صرف نمونہ کافی نہیں بلکہ تیرے لیے عمل کی بھی ضرورت ہے اور عمل کے لیے ایک ضابطہ کی وہ ضابطہ ہم کسیقدر تفصیل کے ساتھ تجھے بتاتے ہین وہ ضابطہ یہ ہے۔ کہ کفار اور اعداء اللہ کے مقابلہ مین سخت رہ اسکے معنے یہ نہیں کہ خواہ مخواہ لوگون سے لڑتا پھر۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اغیار اور مانع عن التوجہ الی الحق ہون کا ئنا من کان انکی ملاطفت پر خاک ڈال اور انکی خاطر سے دین مین مداہنت مت کر دیکھ ہم پھر کہتے ہین اعداء اللہ کے سر پر شمشیر برہنہ رہ۔ خبردار روباہ بازی اور پالیسی کو اختیار نہ کرنا بلکہ شیر رہنا اور انکی مخالفت سے جو خطرات پیش آویں یا پیش آنے کا احتمال ہو ان سے ہرگز نہ ڈرنا بلکہ نہایت جرأت وہمت وفراخ حوصلگی سے انکو برداشت کرنا۔ لیکن یہ اسوقت ہے جبکہ اُن کی مخالفت کے سوا چارہ نہ ہو۔ اور اگر صاحب مرجائے

اور لاٹھی نہ ٹوٹنے تو سختی کی ضرورت نہیں) تیرے ایسا نہ کرنے مین اندیشہ ہے کہ خود اپنے لوگ تجھے اغیار سے ملتا دیکھ کر جوش غیرت سے تجھ سے قطع تعلق نہ کر بیٹھین۔ کیونکہ کوئی شخص اسکو پسند نہین کرتا کہ اپنا دوست اس کے یا اُس کے دوست کے دشمنون سے اختلاط رکھے چنانچہ حق سبحانہ فرماتے ہین یا ایہا الذین آمنوا لاتتخذوا عدوی و عدوکم اولیاء۔ یعنی اے وہ لوگو جو ایمان لاکر ہمارے محبین مین داخل ہو چکے ہو ہمکو ناپسند ہے کہ تم ہمارے دوست ہوکر ہمارے دشمنون سے یا ہمارے دوستون کے (یعنی خود اپنے) دشمنون سے ملو۔ لہذا تمکو ایسا نہ کرنا چاہیئے اس آیت مین حق سبحانہ نے کفار کو عدو سے تعبیر کرکے ممانعت فرمائی۔ جس سے معلوم ہوا کہ منشاء نہی انکی عداوت ہے پھر اولاً عدو کو اپنی طرف مضاف کیا اور پھر اپنے دوستون کی طرف مضاف کیا جس سے معلوم ہوا کہ ان مین سے ہر ایک مستقل وجہ ہے ممانعت کی گو اول اہم ہے جسکی اہمیت پر تقدیم دلالت کرتی ہے اور عدوی و عدوکم مین جس طرح منشاء نہی کی طرف اشارہ ہے یون ہی امتثال پر تحریض بھی ہے تو حاصل آیت یہ ہوا کہ تم کفار سے مت ملو اور انکو اپنا دوست نہ بناؤ۔ اسکی وجہ اول تو یہ ہے کہ وہ ہمارے دشمن ہین۔ اور تم ہمارے دوست ہین یہ پسند نہین کہ ہمارے دوست ہمارے دشمنون سے ملین پھر تمکو ہماری محبت کا دعوےٰ کرکے ہمارے دشمنون سے ملنا زیبا بھی نہین۔ بڑی وجہ تو یہ ہے مگر اس کے ساتھ ہی ایک وجہ اور بھی ہے اور وہ بھی فی نفسہ ایک مستقل وجہ ہے گو پہلی وجہ کے برابر نہین وہ یہ کہ یہ لوگ تمھارے بھی دشمن ہین اور تم ہمارے دوست ہوا اول تو ہمکو یہ ہی پسند نہین کہ ہمارا دوست اغیار سے ملے پھر اسمین تمھارا ذاتی ضرر بھی ہے قطع نظر اس سے کہ ہمکو پسند ہے یا ناپسند دوسرے مصرع مین دوستون سے قطع تعلق کی وجہ بیان فرماتے ہین کہ ان سے قطع تعلق کا سبب یہ ہے کہ یہ خار ہین اور دشمن ہین اُن کے محبوب حقیقی کے اس لیے وہ ہرگز گوارا نہین کرسکتے کہ تم انکی محبت کا دعویٰ کرکے انکے محبوب کے دشمنون سے تعلق رکھو بس تم ان بھیڑیون کو سیند کی طرح چولھے مین ڈالو۔ کیونکہ جس طرح تمھارے ایسا نہ کرنے مین یہ خطرہ ہے کہ تمھارے دوستون کو ناگوار ہوکر اس کے قطع تعلق کا باعث ہوگا یون ہی اسکی وجہ یہ بھی ہے کہ یہ خود تمھارے محبوب کے بھی دشمن ہین اول تو خود محبوب کا دشمن ہونا ہی کافی وجہ ہے انکی مہاجرت کی اس کے علاوہ اسمین خود تمھارا ذاتی ضرر بھی ہے کہ ملنع وصال محبوب ہین۔ وای ضرر اشد منہ۔ حاصل یہ ہوا کہ اغیار کے ساتھ تعلق رکھنے مین تین خرابیان ہین خود محبوب ناخوش ہوگا۔ دوست قطع تعلق کردین گے۔ وصال سے محروم رہوگے۔ تحذیر من الاغیار کے بعد ایک بہت بڑی کٹھن اور صعب العبور گھاٹی پر تنبیہ فرماتے ہین اور ایک بہت بڑے غول بیابانی سے ہوشیار کرتے ہین جو تمام سے زیادہ خطرناک ہے کیونکہ اور اغیار کی طرف سے نہ تو عموماً اضلال کی سعی ہوتی ہے اور نہ وہ اسکی اتنی تدابیر جانتے ہین برخلاف اس غول بیابانی ابلیس کے علاوہ ازین وہ بھی اسی کے چیلے ہین اس تنبیہ کی ضرورت اس لیے ہے کہ سالک کو اس سے ہر وقت اور لامحالہ سابقہ پڑتا ہے۔

جان بابا گویدت ابلیس ہین	تابدم بفریبدت دیو لعین
اینچنین تلبیس با بابات کرد	آدمی را آن سیہ رخ مات کرد

دیکھو تمام اغیار مین ایک بہت بڑا غیر ہے جو سب سے زیادہ خطرناک ہے اگر تم اس سے بچ جاؤ تو پھر کچھ اندیشہ نہین اور وہ ابلیس ہے دیکھو اس سے بچنا وہ تجھے بیٹا کہتا ہے اور ہر وقت تیری مقتضیات نفس کی مساعدت کر کے اور بظاہر دل خوش کن صورتین دکھلا کر تجھپر اپنا پدر مشفق ہونا ثابت کرنا چاہتا ہے تاکہ اس دھوکے سے یہ غول بیابانی تجھے بھسلا لے۔ اور کچھ تیری ہی ساتھ اسکا یہ برتاؤ نہین بلکہ تیرے باپ آدم علیہ السلام کے ساتھ بھی اس نے اسی قسم کا دھوکا کر کے اور انپر اپنی خیر خواہی و شفقت ثابت کر کے انکو شکست دی تھی اس لیے وہ تیرا پشتینی دشمن ہے۔

بر شطرنج چیست این غراب	تو مبین بازی بچشم نیم خواب
زانکہ فرزین بندہا داند بسے	کو بگیرد در گلویت چون خسے

یہ بھی یاد رکھنا کہ بساط شطرنج پر جو تیرے اور اس کے درمیان بچھی ہوئی ہے یہ سیاہ کوا۔ بڑا چیت ہے اور نہایت ہوشیاری سے چالین چلتا ہے ایسی حالت مین تجھے اونگھتے ہوے بازی کو نہ دیکھنا چاہیے اس لیے کہ تیرا حریف بڑا کھلاڑی ہے اسی فرزین کو قید کر لینے کے ایسے بہت سے داؤن آتے ہین جو تیری سینکے کی طرح گلوگیر ہو کر وبال جان ہو جائین گے اور تجھے اپنے فرزین کو ان پھندون سے نکالنا بہت دشوار ہوگا بس تو اسکو پھنسنے ہی نہ دینا۔ حاصل یہ ہے کہ تمکو شیطان کے ساتھ پالا پڑا ہے تم وصول الی الحق چاہتے ہو وہ مانع ہے۔ لیکن چونکہ اسکو بہت سی تدبیرین ایسی آتی ہین کہ وصول الی الحق سے روک دے اور رات دن وہ اپنے کام مین مشغول ہے تمکو اس سے غافل نہ رہنا چاہیے کیونکہ متنبہ ہو کر بھی اس سے بازی لیجانا ایک اہم کام ہے چہ جائیکہ غافل رہ کر۔ فرزین شطرنج کا ایک نہایت اہم مہرہ ہوتا ہے کیونکہ باقی مہرے یا سیدھے چلتے ہین یا ٹیڑھے یہ دونون چالین چلتا ہے شطرنج بازون کو یہ مہرہ نہایت عزیز ہوتا ہے۔ کہ وہ دو مہرے دیکر بھی اس کو بچا لینا بہتر سمجھتے ہین حتے کہ اسکو بچانے کے لیے اپنے دونون رخ دیدیتے ہین اس کے مقید ہونے سے بازی کو بہت کمزوری لاحق ہو جاتی ہے اور کامیابی کی امید گو کمزور ہو جاتی ہے مگر معدوم نہین ہوتی۔ پس مولانا کے کلام مین ایک نہایت لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ شیطان اس استعداد فطری کو جو کہ اپنی نہایت گرامی قدر ہونے کے باعث فرزین سے مشابہ ہے مغلوب تو کر دیتا ہے مگر فنا نہین کر سکتا اس بنا پر مرتے دم تک آدمی کو یاس نہ ہونی چاہیے اور کسی ایسے استاد کی مدد سے اس عزیز مہرہ کو ان بندشون سے آزاد کرنا چاہیے۔ جو ابلیس کے داؤن پیچ سے پوری واقفیت رکھتا ہو اور انکا توڑ بخوبی جانتا ہو۔

در گلو ماند خس او سالہا	چیست آن خس مہر جاہ و مالہا
مال خس باشد چو ہست او بے ثبات	در گلویت مانع آب حیات
گر برد مالت عدوی پرفنے	رہزنے را بردہ باشد رہزنے

اور شیطانی پھندون کو بوجہ لمنع من الانتفاع بالاشیاء النافعۃ المطلوبۃ ہونے کے اِس خس سے تشبیہ دی تھی جو گلے مین پھنس جائے اور اُنکے لیے گلے مین پھنسنا ثابت کیا تھا جو کہ لوازم مشبہ بہ سے تھا لہٰذا ان اشعار مین خس کو استعارہ کیا ہے ان پھندون کے لیے۔ اور اِس کے لیے لازم یا مناسب مشبہ بہ یعنی گلے مین پھنسا رہنا ثابت کیا ہے۔ اِس کے بعد اِس خس یعنی پھندون کی تفسیر کی ہے حب جاہ و مال سے۔ پس حاصل کلام یہ ہوا کہ یہ شیطانی پھندے برسون تیرے بہیلے وبال جان رہین گے اور تو ان سے نجات نہ پا سکے گا تو جانتا ہے کہ وہ پھندے کیا ہین۔ اچھا تو نہین جانتا۔ تو ہم سے سُن۔ گو اِس مقام پر ہم اِنکی تفصیل نہین کر سکتے۔ مگر ایک گُر بتائے دیتے ہین وہ یہ کہ اصل پھندا اور سب سے بڑا پھندا حب جاہ و حب مال ہے۔ باقی پھندے قریب قریب سب اِسی کی شاخین ہین۔ یہان حب مال کو خس کہا ہے آگے اِسکی وجہ بیان فرماتے ہین۔ جب کہ مال تیرے گلے مین آب حیات شاذ ترنے دے اور تجھے ان نعمتون سے متمتع نہ ہونے دے جو حیات روح کا مدار اور اسکی غذا ہین تو اِسکو تنکا کہنا بالکل درست ہے کیونکہ وہ بھی گلے مین پھنسکر پانی وغیرہ اشیا کو جو حیات جسمانی کا مدار ہین معدہ مین جانے سے روکتا ہے۔ جب یہ ثابت ہوگیا کہ مال ایک خس اور وبال جان اور دشمن زندگانی روح ہے۔ تو اگر کوئی چالاک دشمن تیرا مال لیجاوے تو تجھے ہرگز ملال نہ کرنا چاہیے بلکہ خوش ہونا چاہیے کہ ایک رہزن کو دوسرا رہزن لے اُڑا اور تجھے اس کے ضرر سے بچا دیا۔ اِسپر ایک حکایت یاد آگئی جو ہمارے اِس بیان کی تائید کرتی ہے سنو۔ دزدکے از مارگیرے مار برد الخ۔

شرح شبیری ۱ چون یکے الخ۔ یعنی جب ایک بال کج ہوگیا تو اس نے اُسکی راہ زنی یہانتک کی کہ اُسنے چاند دیکھنے کی شیخی بگھاری۔ مطلب وہی کہ ایک بال بھر کجی نے اُسکی رہزنی کی اور بسبب حقیقت بینی نہ ہونے کے شیخی کرنے لگا کہ ہم نے چاند دیکھا ہے اسیطرح جو شخص عالم ناسوت کی طرف متوجہ ہے اور اِسی کے ساتھ تعلق رکھتا ہے وہ بھی حقیقت بینی سے محروم ہے اگرچہ اپنے کو حقیقت بین بتلاوے جب یہ بات ہے تو ایسے کے پھندے مین مت پھنس جانا کہ گمراہ ہو گے آگے اِسی کجی کو دور کرنے کی تدبیر بتلاتے ہین کہ۔

راست کن الخ۔ یعنی اب اپنے اجزا کو سیدھون سے سیدھا کر اور اے راست رو اِس آستان سے الگ مت ہو مطلب یہ کہ اب اِس اجزا کی کجی کو اسطرح دور کرو کہ راست لوگون اور صالحین کی صحبت اختیار کرو اور اُنکے در سے سرکشی مت کرو خدا کریگا کہ اُنکی برکت سے تم بھی راست ہو جاؤگے اور راست رو کہنا اِس معنی کے اعتبار سے ہے کہ اے طالب راست روی ورنہ اگر وہ راست رو ہے تو پھر اُسمین کجی ہی کہان ہوگی آگے اِسکو (کہ راستون سے راستی حاصل ہو جاوے گی) ایک مثال دیکر فرماتے ہین کہ۔

ہم ترازو الخ۔ یعنی دیکھو ترازو کو ترازو ہی راست اور درست کرتی ہے اور ترازو ہی ترازو کو گھٹا دیتی ہے یہان محشیون نے بہت ہی تکلف کیا ہے اور کہین ترازو سے کچھ مُراد لیا ہے اور کہین کچھ مگر یہان سیدھی اور آسان بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ یون کہا جاوے کہ ترازو سے مراد باٹ ہین اور محل نول کر حال مراد لیا ہے جو شائع ذائع ہے مطلب یہ کہ دیکھو اگر ایک باٹ درست ہو اور دوسرے کو اُس کے برابر کرلو تو یہ دوسرا بھی

درست اور ٹھیک ہوجاویگا۔ اور اگر اول بات کچھ کم ہے تو دوسرے کو بھی کم کردیگا اسیطرح اگر اچھے لوگون کے پاس جاؤگے اور کاملین کی صحبت اختیار کروگے تو ویسے ہوجاؤگے اور اگر برے لوگون اور ناقصین کی صحبت مین ہوگے تو اسیطرح ناقص اور برے رہوگے آگے اسی کو فرماتے ہین کہ۔

ہر کہ با۔ الخ۔ یعنی جو شخص ناراستون کے ساتھ رہا وہ کمی مین پڑگیا اور اسکی عقل دنگ ہوگئی مطلب یہ کہ جو ناقصون مین پھنس گیا وہ ناقص ہی رہا اور اس طریق مین حیران و ششدر ہی رہا اور حقیقت بینی سے محروم۔ جب یہ معلوم ہوگیا کہ ناقصین کی صحبت مضر ہوتی ہے تو فرماتے ہین کہ۔

رو اشداء۔ الخ۔ یعنی اب جاکر اشداء علی الکفار رہ اور اغیار کی دلداری پر خاک ڈال مطلب یہ کہ اب تم کو چاہیے کہ ان لوگون کی طرح رہو جنکی شان ہے اشداء علی الکفار رحماء بینہم اور ان لوگون کی صورتون پر خاک ڈالو اور ان سے قطع تعلق کردو جو کہ غیر اللہ ہین اور یہان بھی غیر سے مراد مقابل عین نہین بلکہ غیر سے مراد بے تعلق ہے جو کہ اللہ سے غافل کرنیوالا ہو خواہ کوئی ہو مال ہو اولاد ہو بیوی ہو کوئی ہو بس اس ایک سے جو تجھے اپنی طرف لگادے اس سے الگ رہ کہ وہی انفع طریق ہے آگے بھی اسی کو فرماتے ہین کہ۔

بر سر الخ۔ یعنی اغیار پر شمشیر کی طرح رہو اور ان سے خبردار حیلہ حوالہ مت کرنا بلکہ شیر کی طرح رہو۔ مطلب یہ کہ جو اغیار ہین ان سے بالکل بے تعلق رہو اور حیلہ وحوالہ اور تملق کی ضرورت نہین ہے بلکہ شیر کی طرح رہو کہ اگر کہین کسی صاف بات کی ضرورت ہو تو وہان حیلہ وحوالہ سے کام لو اور چاہو کہ یہ بھی راضی رہین اسکی کیا ضرورت ہے بلکہ شیرون کی طرح بالکل بہادرانہ طریقہ رکھو کہ جو دلمین ہے صاف کہدو کسی سے ڈرنا کیا ہے اور یہ اسلیے کہ

تا ز غیرت الخ۔ یعنی کہین غیرت کی وجہ سے تمسے یار اور اہل اللہ علیحدہ نہ ہوجاوین اس لیے کہ وہ کانٹے اس گل کے دشمن ہین مطلب یہ کہ جب تم اغیار کی صحبت مین رہوگے اور ان ہی سے تعلق رکھوگے تو جو لوگ تعلق خدا کے ساتھ رکھنے والے ہین وہ تمکو چھوڑ دینگے اس لیے کہ وہ تو پھول کی طرح ہین اور اغیار کانٹے کی طرح ہین تو پھول تو کانٹے سے علیحدہ ہی رہیگا اور اس سے بھاگے گا۔ اسیطرح مجمع اغیار دیکھ کر انکو غیرت ہوگی اور وہ یہ سمجھین گے کہ اب اسکو تعلق مع اللہ باقی نہ رہا لہذا سب اسکو چھوڑ دین گے اور یہ بھی یہی بات کہ جب کسی کو دین سے نکلتے دیکھتے ہین اس سے علیحدگی اور کنارہ کشی کرتے ہین چاہے وہ مولوی ہو یا درویش ہو بلکہ اگر اپنے اقربا کو بھی دیکھے کہ وہ دین سے علیحدہ ہو رہے ہین حتے کہ باپ اپنے بیٹے کو اور بیٹا اپنے باپ کو تو اگر دیندار ہین خدا کی قسم ایک نفرت سی ہوتی ہے اور یون دل چاہتا ہے کہ اب اس سے علیحدہ ہی رہین تو اچھا ہے اس لیے کہ ان کی صحبت مین بیٹھنے سے بین فرق معلوم ہوتا ہے اور یون معلوم ہوتا ہے کہ چارون طرف سے ظلمات نے آگھیرا والعیاذ باللہ خداوند کریم ہر مسلمان کو اس سے بچادے اور اپنی محبت اور اپنے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت عطا فرمادے آمین ثم آمین۔ آگے بھی اسی مضمون کو دوسرے پیرایہ مین بیان کرتے ہین کہ۔

آتش الخ۔ یعنی ان بھیڑیون مین آگ لگادے سپند کی طرح اس لیے کہ یہ یوسف کے دشمن ہین سپند کالا دانہ جسکو آگ مین جلاتے ہین مطلب یہ کہ یہ اغیار جو گرگ کے مانند ہین انمین سپند کی طرح آگ لگادو اور سب سے قطع تعلق کردو اس لیے کہ یہ تو تمھارے دشمن ہین (یوسف سے مراد خود نما لک لیا جاوے تو بہتر ہے)

اور طریق حق سے مانع ہین اور سچ یہ ہے کہ اُس ایک کے سامنے کسی اور طرف توجہ ہو یہ تو بڑے ظلم کی بات ہے
سوا اُسکے نہ کسی سے خوف ہو نہ کسی سے تعلق ہو بس ایک اُسکی طرف توجہ ہو جو کہ اصل مقصود اور
اصل طریق ہے اور یہ مذہب ہونا چاہیے کہ ؎ ہمہ شہر پُر زخوبان منم وخیال ماہی ✤ چہ کنم کہ چشم یکبین نکند
بکس نگاہے ✤ یعنی بس اب تو ایک سے ہی تعلق ہے اور وہی حقیقی خوبصورت اور حسین بھی ہے اگرچہ ساری دنیا
حسینان مجازی سے بھر رہی ہو مگر ہمکو کیا ہمارے حضرت حاجی صاحب قدس سرہ سے ایک مرتبہ مکہ معظمہ
مین کسی نے آکر کہا کہ شریف صاحب آپ سے کچھ مخالفت رکھتے ہین اور کسی قسم کا گزند پہونچا دین تو کچھ عجب نہین
پس حضرت ایک مجلس عام مین فرما رہے تھے کہ ہمکو کسی کی پرواہ نہین کوئی ہو خواہ وہ شریف ہو یا بادشاہ ہم جانتے
ہین کہ ہمکو کوئی بھی حقیقی ضرر نہین پہونچا سکتا اس لیے کہ یہ لوگ جو ضرر بھی پہونچا دین گے وہ جان ہی پر ہوگا اور
جان کا ضرر ضرر نہین جیسا کہ خود قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ جب فرعون نے سحرہ سے کہا کہ مین تم کو
سولی دیدونگا اور تمھارے ہاتھ پاؤن کاٹ ڈالونگا اُسوقت اُنھون نے یہی کہا کہ کوئی حرج نہین اس لیے کہ یہ تو
صرف جان پر ہوگا اور اس کے بعد جو ہمکو فائدہ ہوگا اور جو چیز حاصل ہوگی وہ بہت ہی عزیز اور بہت ہی نفیس
ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالٰے کی طرف چلے جاوین گے اور ہمکو قرب حق حاصل ہوگا۔ پس معلوم ہوا کہ ضرر
جان ضرر ہی نہین ہے بلکہ اسکو اُنھون نے فائدہ کہا کہ ہم خودکشی نہین کر سکتے اگر تو مار ڈالیگا تو ہمکو مقصود یعنی
قرب حق حاصل ہو جاویگا ہان اصل اور حقیقی ضرر اپنے نفس کا ہے اس سے ہر وقت خائف رہنا چاہیے یہ
دشمن بہت قوی ہے اگر خدانخواستہ اس نے کہین قابو پا لیا تو یہ ایمان کو لے ڈوبے گا اور ظاہر ہے کہ ضرر ایمان
اشد ہے ضرر جان سے جسکو ایک جگہ مولانا خود فرماتے ہین ؎ تا توانی دور شو از یار بد ✤ یار بد بدتر بود از
مار بد ✤ مار بد تنہا ہمین بر جان زند ✤ یار بد بر جان و بر ایمان زند ✤ اور حضرت نے یہ بھی فرمایا کہ شاید اُن کا
یہ خیال ہو کہ چونکہ اُنکو کعبہ محبوب ہے اس لیے اُنکو یہان سے نکال دین گے تو اُنکو یہ ضرر ہوگا مگر نہین اسلیے
کہ کعبہ ان پتھرونکا نام نہین ہے بلکہ کعبہ کہتے ہین تجلی اُلوہیت کو اور مدینہ کہتے ہین غلبۂ عبودیت کو تو ہم جہان بھی
ہون گے اور یہ حالت وہان طاری ہوگی وہین ہمارا مکہ ہے اور وہین مدینہ ہے۔ اور اس مجلس مین ایک شخص
تھا جو کہ شریف صاحب کی ناک کا بال سمجھا جاتا تھا اور بہت ہی منھ چڑھا تھا مگر حضرت کو اسکی ذرا پرواہ نہ
تھی اور برابر یہی فرما رہے تھے کہ مجکو کسی کی پرواہ نہین اور مین کسی سے نہین ڈرتا۔ اسیطرح مولانا فرماتے
ہین کہ غیر اللہ سے نہ خوف کی ضرورت ہے نہ اُسکا ضرر ضرر ہے بلکہ ایک معنی کر نفع ہے جیسے اوپر تقریر ہوئی
اب آگے ابلیس اور نفس کے دشمن ہونے کو بتلاتے ہین کہ۔

جان بابا الخ۔ یعنی ابلیس تجکو جان بابا کہتا ہے تاکہ تجھ کو دم دیکر بہلا پھسلا لے۔ جان بابا کہتے ہین فرزند کو
مطلب یہ کہ تجھے پھسلاتا ہے اور کہتا ہے کہ تو تو میرے فرزند کی طرح ہے اور میری جان کی طرح اور ان سے
کوئی شخص فریب کیا نہین کرتا لہٰذا مجھ سے کوئی فریب نہین کرتا ہون اور یہ دیو لعین تجھے دم دے رہا ہے
آگے بھی اسی کو فرماتے ہین کہ۔

این چنین الخ یعنی اسی قسم کی تلبیس اسنے تمھارے باوا سے بھی کی ہے اور آدمی کو بازی مین اس نے

ہرا دیا مطلب یہ کہ اسکی تلبیس اور فریب کچھ نئے نہین ہین بلکہ پہلے تمھارے باوا حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ بھی اِس کمبخت نے ایسا ہی کیا تھا اور آخر دیکھ لو کہ آدمیون کو ہرا ہی دیتا ہے اور یہ کمبخت اِسقدر ہوشیار ہے کہ اس سے بچنا ذرا مشکل ہے اگر تم بھی ہوشیار رہو گے تو ضرور اس سے بچ سکتے ہو ورنہ بہت مشکل ہے اسی کو فرماتے ہین کہ۔

بر سر الخ۔ یعنی یہ کتا اس شطرنج پر بہت ہی ہوشیار ہے تو تم بھی بازی کو نیمخواب آنکھ سے مت دیکھو۔ (نیمخواب سے مراد صرف اُسکی چالاکی اور بدذاتی ہے) مطلب یہ کہ یہ کمبخت ہر وقت تمھاری گھات مین ہے کہ ذرا تم کو غافل پاوے اور فوراً مات دے لہذا تمکو بھی چاہئے کہ اس سے غافل نہ رہو بلکہ اس سے زیادہ چست رہو گے جب تو کام چلے گا ورنہ مات کھاؤ گے اور تمپر قابو پالیگا پھر کچھ نہ ہو سکے گا اس لیے کہ یہ داؤ پیچ خوب جانتا ہے پس فرماتے ہین کہ

زانکہ فرزین الخ۔ یعنی اِس لیے کہ یہ فرزین کی قیدین بہت جانتا ہے تو وہ تنکے کیطرح تمھارا گلا آدبا وے گا (فرزین بند بااضافتہ مقلوبی یعنی بندہاے فرزین) مطلب یہ کہ چونکہ یہ بہت ہی ہوشیار ہے اور اسکی اِس ردو بدل کو شطرنج کی بازی سے تشبیہ دی اِس لیے فرماتے ہین کہ فرزین کو قید کرنے کی وہ بہت سی تدبیرین جانتا ہے اور جب فرزین کو (جو شطرنج مین ایک مہرہ ہوتا ہے اور نائب السلطنت کہلاتا ہے) قید کر لیا تو بس پھر تو میدان اُسکے ہاتھ ہے اور وہ تمکو حقائق وانوار کے حصول سے اِس طرح روکے گا کہ جس طرح گلے مین پھندا الگ جایا کرتا ہے اور پھر کوئی شے حلق سے نیچے اوترہی نہین سکتی اسیطرح جب یہ قابو پالیگا تو تمکو تحصیل انوار وحقائق سے مانع ہوگا اور تمکو متوجہ الی الحق بہت مدت تک نہ ہونے دیگا اسی کو فرماتے ہین کہ۔

در گلو الخ۔ یعنی تمھارے گلے مین اسکا خس سالہا سال تک باقی رہیگا اور وہ خس کیا ہے وہ حب جاہ و حب مال ہے مطلب یہ کہ وہ خس جو گلے مین اٹک جاتا ہے فوراً ہی نکل جاتا ہے مگر اِس کمبخت کا خس کہ وہ مانع عن توجہ الی اللہ ہے بہت مدت تک باقی رہتا ہے اور یہ اُسکو نکلنے ہی نہین دیتا اور وہ خس حب جاہ وحب مال ہے کہ یہ ایسا مرض ہے کہ مدتون کے مجاہدہ وریاضت کے بعد جاتا ہے بلکہ حب جاہ تو جلدی زائل ہو بھی جاتی ہے مگر حب مال تو بڑی مشکل سے نکلتی ہے اِس لیے کہ جب حب مال ہے تو اُسکو کسب کریگا اور اُسمین انہماک ہوگا اور بہت جگہ یہ ہوگا کہ جاہ وعزت کو خاک مین ملانا پڑیگا تب مال حاصل ہوگا لہذا حب جاہ تو اِس طرح بھی نکل گئی مگر حب مال باقی رہتی ہے جو ایک مدت تک مجاہدات وغیرہ سے نکلتی ہے اور بعض مرتبہ جب شیخ دیکھتا ہے کہ کسی کو حب جاہ بھی ہے اور حب مال بھی ہے اور دونون مرض قابل ترک ہین پس اگر ایک مرض سے دوسرے مرض کا علاج ہو جاوے کہ حب جاہ اِس طرح جاتی رہے کہ حب مال مین لگے تو اگرچہ وہ حضرات اِسکی اجازت تو نہین دیتے مگر ہان تسامح فرماتے ہین اور یہی سمجھتے ہین کہ خیر ایک شے تو زائل ہو رہی ہے دوسرے کے لیے کوئی دوسرا علاج تجویز کر دیا جاویگا بس یہان آکر شیخ کامل اور عاقل کی ضرورت ہے کہ وہ یہ سمجھے کہ اِس کے اندر سے رذائل کو کس طرح اور کس تدبیر سے نکالا جاوے اور کس کا علاج کس سے کیا جاوے اگر اِسمین کہین غلطی ہوتی ہے اور کوئی ایسی بات کہدی کہ جس سے دوسرے کو وحشت سوار ہوئی تو بس تو وہ گھبرا کر طریق کو چھوڑ بیٹھے گا۔ یہان یہ بھی سمجھ لو کہ ذکر وشغل

تصفیہ کی مدد کے لیے ہین کہ تصفیہ قلوب جو کہ مجاہدات سے ہو رہا ہے اسمین امداد ہو اور انکی برکت سے جلدی
ہو جاوے ورنہ یہ یاد رکھو کہ اسکو دخل کچھ نہین ہے بعض لوگ جو صرف ذکر و شغل ہی کرتے ہین اور اسکو کافی خیال
کرتے ہین یہ بالکل غلط ہے اسکی تو ایسی مثال ہے کہ جس طرح طبیب مسہل دے اور اسمین مدد کے لیے عرق گاؤزبان
بتا دے اب کوئی احمق صرف عرق گاؤزبان کو کافی سمجھے اور مسہل کا نسخہ نہ پیوے بلکہ صرف عرق ہی پیوے تو اگرچہ
اس عرق سے بھی کچھ نفع ضرور ہوگا کہ ایک آدھ اجابت تو ہو ہی جاویگی مگر وہ بات کہان جو کہ مسہل پینے کے بعد
ہوتی پس اسیطرح اگر صرف ذکر و شغل ہی مین لگا رہا اور دوسری تدابیر سے ازالہ رذائل نہ کیا تو ظاہر ہے کہ ذکر کی
برکت ضرور ہوگی اور اس سے بھی نفع ہوگا مگر وہ تصفیہ جو بعد مجاہدات کے حاصل ہوتا کیا ہو سکتا ہے اور کتب
فن مین دیکھ لو کہ اس کے لیے حضرات نے کیا چیز تجویز کی ہے مثلاً احیاء العلوم کو دیکھ لو کہ کہین ذکر و شغل کی تعلیم کی ہے
یا نہین معلوم ہوا کہ کہین بھی نہین بلکہ جہان کہین ہے تدابیر بتلائی گئی ہین کہ اس طرح کرو تو تم کو یہ فائدہ ہوا اور اسطرح
کرو تو یہ غرض ذکر و شغل صرف مدد کے طور پر ہین اور اصل مین ازالہ رذائل کے لیے تو صرف مجاہدہ ہے جناب مولانا
رحمت اللہ صاحب مرحوم کیرانوی ایک مرتبہ ایک گاؤن مین تشریف لے گئے جہان کہ لوگ شرک و کفر مین مبتلا
تھے مگر زبان سے اپنے کو مسلمان کہتے تھے تو وہان کے ملاجی نے کہا کہ حضرت یہان کے لوگون کو مین بہت روز
سے نصیحت کرتا ہون مگر کوئی مانتا ہی نہین مولانا نے دریافت کیا کہ کیا نصیحت کرتے ہو کہنے لگے کہ مین یہ کہتا ہون
کہ لنگا پہننا چھوڑ دو اسکو کوئی نہین سنتا حضرت نے فرمایا کہ شاید تمھاری عقل جاتی رہی ہے کہ تم اس امر کی تعلیم کو
لے بیٹھے بھائی اول ان کو شرک و کفر سے تو نکالو رفتہ رفتہ یہ بھی چھوٹ جاویگا اس کے بعد مولانا نے دریافت کیا
کہ یہان کا سردار کون ہے معلوم ہوا کہ ایک عورت ہے وہ چودھرائن ہے مولانا نے اسکو بلایا معلوم ہوا کہ وہ
ایک پنڈت کی معتقد ہے بس اب مولانا نے اس سے کوئی گفتگو نہین کی بلکہ اسی کی معرفت اس پنڈت کو
بلایا جب وہ آیا تو مولانا اس کے استقبال کے لیے اٹھ بیٹھے جب اس نے منع کیا تو فرمایا کہ آخر آپ بھی تو اپنے
مذہب کے بزرگ ہین خیر جب وہ بیٹھا تو اس سے دریافت کیا کہ پنڈت جی ہندو مذہب والون کے علاوہ
اور کسی مذہب والے بھی ناجی ہین کہا نہین پھر پوچھا کہ مسلمان سے ہندو بھی ہو سکتا ہے اسکا بھی یہی
جواب کہ نہین اس لیے کہ انکا اصل مذہب یہی ہے پھر دریافت کیا کہ پھر ان مسلمانون کی نجات کی بھی کوئی
صورت ہے اس نے کہا کہ کوئی نہین بس مولانا نے فوراً اس عورت سے کہا کہ لو جی سن لو پنڈت جی تو تمکو دوزخی
کہتے ہین اس لیے کہ اگرچہ یہ لوگ شرک مین مبتلا تھے مگر زبان سے تو مسلمان ہی کہتے تھے اس عورت نے فوراً
اس پنڈت سے کہا کہ کمبخت تو گاؤن سے نکل جا تجھے اس قدر کھلایا پلایا اور پھر بھی تو آج یہ کہنے بیٹھا غرضکہ
اسکو نکالدیا اور اس کے بعد مولانا کیرانوی نے سب کو تجدید ایمان کرائی اور نماز روزہ کی تعلیم کی اور ان ملاجی سے
کہا کہ خبردار جو ایک سال تک ان سے لنگے کا نام بھی لیا غرضکہ جب طبیب کامل ہوتا ہے تو وہ سمجھتا ہے
کہ اس کے لیے یہ نسخہ مفید ہوگا بلکہ طبیب بعض مرتبہ سنکھیا کھانے کو دیدیتا ہے اور اس کو وہ مفید ہوتا ہے اسیطرح
بعض مرتبہ شیخ ایک مرض کو دوسرے کے ازالہ کا سبب دیکھکر یا تو تسلیم کرتا ہے اور یا خود کہدیتا ہے کہ خیر
اس کام کو کرتے رہو اور جانتا ہے کہ جب یہ چھوٹ جاویگا تو اس دوسرے کو بھی دوسری تدابیر سے چھڑا دینگے

پس غرض اس ساری تقریر سے یہ ہے کہ اگر ایسے وقت شیخ کامل ملگیا تب تو فائز المرام ہو ورنہ پھر تو موت ہے اور تنہا ہی تقریر بہت دور چلی گئی مقصود مولانا روم رح کا یہ ہے کہ وہ خس جس کے ذریعہ سے شیطان تمکو حق کیطرف توجہ سے مانع ہوتا ہے حب جاہ وحب مال ہے کہ یہ دونون اس طریق کے رہزن ہین اب آگے ان دونون مین سے مال کی تخصیص کرتے ہین اس لیے کہ اکثر ابتلا اُسی مین ہے اور جہان حب مال ہوگی حب جاہ اکثر نہین ہوگی بس اُسی کو فرماتے ہین کہ

مال خس الخ - یعنی مال جو ایک خس ہے اور بے ثبات ہے اور تمھارے گلے مین آب حیات کے جانے سے مانع ہے مطلب یہ کہ حب مال جبکہ وہ بے ثبات ہی ہے اور تمھارے لیے انوار اور حقائق کی تحصیل سے مانع بھی ہے تو اسکا تو یہ نتیجہ ہونا چاہیے کہ اُسکی محبت تمھارے دلمین ہرگز نہ رہے اور اسکا یہ اثر ہونا چاہیے کہ جسکو آگے بیان کرتے ہین کہ -

گر برد - الخ - یعنی اگر تمھارا مال کوئی چالاک اور پرفن لیجاوے تو (صرف یہ ہوا کہ) ایک رہزن کو دوسرا رہزن لے گیا - مطلب یہ کہ اُسکی بے ثباتی اور مانعیت کا تو یہ اثر ہونا چاہیے کہ اگر کوئی شخص مال کو لے بھی جاوے تو اُسکا غم نہ ہو اس لیے کہ حقیقت اسکی یہ ہے کہ ایک رہزن اور گمراہ کنندہ کو دوسرا رہزن یعنی چور لے گیا تو تمکو خوش ہونا چاہیے - نہ کہ رنجیدہ اور دیکھو اسکی ایسی مثال ہے جیسے کہ اس اگلی حکایت سے ظاہر ہوتا ہے -

شرح حبیبی

دزدیدن دزدے مارے را از مارگیرے وگزیدن مار دزد را و کشتن او را

دزدکے از مارگیرے مار برد
زابلہی آنرا غنیمت مے شمرد

وارہید آن مارگیر از زخم مار
مار کشت آن دزد خود را زار زار

ایک چوٹا کسی سنپیرے کا سانپ (جو پٹاری مین بند تھا) چرا لے گیا - وہ بیوقوف اسکو اپنی حماقت سے مال سمجھتا تھا یہ خبر نہین تھی کہ دشمن جان ہے - اِس چور کے سانپ کو چرا لینے کا یہ نتیجہ ہوا کہ سنپیرا تو سانپ کے زخم سے بچ گیا - مگر چور نے جب بطمع مال اُس پٹاری کو کھولا تو سانپ نے اُسکے کاٹ لیا اور وہ چور مرگیا -

مارگیرش دید و پس بشناختش
گفت از جان مار من پرداختش

در دعا مے خواستے جانم ازو
کش بیابم مار بستانم ازو

شکر حق را کان دعا مردود شد
من زیان پنداشتم آن سود شد

سنپیرے نے چور کو دیکھکر قرائن سے پہچان لیا اور دلمین کہا کہ ہونہ ہو میرے ہی سانپ نے اس کے قفس تن کو طائر روح سے خالی کیا ہے مین تو حق تعالے سے دعا مین درخواست کرتا تھا کہ وہ چور مجھے کہین ملجائے تو مین اپنا سانپ اُس سے لے لون مگر خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میری دعا قبول نہ ہوئی ورنہ مین جان سے جاتا - مین تو سانپ کی چوری کو اپنا نقصان سمجھتا تھا لیکن درحقیقت وہ سراسر نفع ہوگیا پس اب تم سمجھ سکتے ہو کہ جب وہ شے کہ جس کو

تم مال سمجھتے ہو مال نہیں بلکہ مار ہے۔ تو اسکو اگر کوئی دشمن اڑا لیجاوے تو اسمین تمہارا ضرر نہیں بلکہ سراسر نفع ہے اگرچہ تم اس مارگیر کی طرح اپنی ناواقفیت اور غلطی سے نقصان سمجھو چونکہ یہان دعاء مضر کے قبول نہ ہونے کا ذکر تھا اس لیئے مولانا فرماتے ہین پس دعاہا کان زیان ست وہلاک الخ۔

شرح شبیری

حکایت ایک شخص کے سپیرے کے سانپ کو چرا لینے کی اور اُس سانپ کے چور کو کاٹ کر مار ڈالنے کی

وزدکے الخ۔ یعنی ایک چوٹٹا ایک سپیرے کا سانپ لے گیا اور اپنی بیوقوفی سے اُسکو غنیمت سمجھا۔ (شاید سانپ کی ٹوکری لے گیا ہو اور اُسکو یہ سمجھا ہو کہ اسمین کوئی مال ہوگا اور اُسکو غنیمت سمجھا کہ خیر ایک چیز اُٹھا لایا) آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔

وارہید الخ۔ یعنی وہ سپیرا تو اُسکے زخم سے چھوٹ گیا (اس لیے کہ ممکن تھا اُسی کو کاٹ لیتا) اور اُس سانپ نے اپنے چور کو خوب ذلیل کر کرکے مار ڈالا (یعنی اچھی طرح کاٹا حتی کہ وہ مرگیا)

مارگیرش الخ۔ یعنی (جب وہ سپیرا اسکو تلاش کرتا ہوا اُس شخص تک پہونچا) تو اُس نے اُسکو دیکھا (اور آثار سے پہچانا کہ اسی نے چرایا ہے (اس لیے کہ ٹوکری وغیرہ رکھی ہوگی) تو کہنے لگا کہ میرے سانپ نے اِسکو جان سے خالی کردیا یعنی مار ڈالا۔

دردعا الخ۔ یعنی میری (مراد خود) دعا یہ تھی کہ اگر وہ کہین ملجاوے تو مین اُس سے اپنا سانپ لے لون۔ شکر حق الخ۔ یعنی خدا کا شکر ہے کہ وہ دعا قبول نہ ہوئی بلکہ مردود ہوئی اور مین نے اس عدم قبولیت کو نقصان سمجھا تھا مگر وہ میرے لیئے نفع ہوگیا اس لیے کہ ممکن تھا کہ وہ میرے ہی کاٹ لیتا پس اسیطرح سمجھو کہ اگر کوئی تمہارا مال لیجاوے تو غم کرنا کس قدر بیجا ہے اس لیے کہ ایک رہزن کو جو کہ مانع عن طریق حق تھا ایک دوسرا رہزن یعنی چور لے گیا پھر غم کاہے کا آگے مولانا ہر دعا کے قبول نہ ہونیکی حکمت اور وجہ بتلاتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

بس دعاہا کان زیانست وہلاک	از کرم مے نشنود یزدان پاک
مصلحت رادا الٰہ او	کان دعارا باز مے گرداند او
وان دعاگوینده شاکی می شود	سے بر دظن بدو آن بد بود
می نداند کو بلاے خویش خواست	وز کرم حق آن بدونا وردراست

بہت سی دعائین ایسی ہوتی ہین کہ بظاہر تو مفید معلوم ہوتی ہین مگر حقیقت مین موجب زیان وہلاکت ہوتی ہین حق سبحانہ اپنے فضل وکرم سے انکو قبول نہین فرماتے۔ اسکی وجہ استغنا نہین ہوتی بلکہ اسکا اصلی سبب یہ ہوتا ہے کہ حق سبحانہ محض اپنے فضل وکرم سے اپنے خاص خاص بندون کی مصلحتون کا لحاظ رکھتے ہین چونکہ بندہ حقیقت میں

واقف نہین ہوتا اس لیے اسکو اپنے لیے نافع سمجھکر دعا کر بیٹھتا ہے اور حق سبحانہ مصلحت دان ہین اس لیے اس کو مضر سمجھکر رد کر دیتے ہین اور جب دعا قبول نہین ہوتی تو دعا کرنے والا شاکی ہوتا ہے اور خیالات فاسدہ دل مین لاتا ہے حالانکہ قبول نہ کرنا بیجا نہین ہوتا بلکہ اسکی شکایت اور گمان بد نازیبا ہوتا ہے کیونکہ اس بیچارے کو یہ نہین معلوم ہوتا کہ اس نے اپنے لیے ایک مصیبت کی درخواست کی تھی اور حق سبحانہ نے اسپر اپنا فضل کیا کہ اسکی درخواست کو منظور نہ کیا اور جیسا اس نے چاہا تھا ویسا اس کے لیے نہ کیا بس تم کو چاہیے کہ جب ایسی صورت پیش آئے تو سمجھ لو کہ اس کے قبول نہ ہونے مین بھی کوئی مصلحت ہوگی اور پریشان نہ ہو۔ اوپر بیان کیا گیا تھا کہ کبھی آدمی ایک ایسی شے کی درخواست کرتا ہے جو اس کے لیے مضر ہوتی ہے۔ آگے اسی کی تائید ایک حکایت سے کرتے ہین۔

شرح شبیری | بس دعا الخ۔ یعنی بہت سی دعائین ایسی ہوتی ہین کہ وہ سراسر نقصان اور مہلک ہوتی ہین مگر حق تعالے اپنے بیحد لطف و کرم کی وجہ سے اُنکو قبول نہین فرماتے مطلب یہ کہ جس طرح اس سپیرے نے دعا کی تھی کہ مجھے وہ شخص ملجاوے تو مین اس سے اپنا سانپ لیلون اور وہ دعا قبول نہ ہوئی پھر اُس دعا کا نقصان دہ اور مہلک ہونا معلوم ہوا اسیطرح بہت سی ایسی دعائین ہوتی ہین کہ جنکو تم اپنے لیے مصلحت سمجھتے ہو اور یون سمجھتے ہو کہ اگر یہ دعا قبول ہو جاوے تو ہمکو بہت نفع ہوگا اور ہم فائز المرام ہونگے مگر وہ تمہارے لیے بالکل غارت اور تباہ کر دینے والی ہوتی ہین عسیٰ ان تکرھوا شیئا وھو خیر لکم وعسیٰ ان تحبوا شیئا وھو شر لکم۔ بس جس قدر امور ہین اُنکو تفویض کرنا چاہیے ہان دعا کرنا ضرور اس لیے کہ خداوند کریم اس سے خوش ہوتے ہین کہ اُنکا بندہ اُن سے کچھ مانگے اور دیکھو جا بجا تعلیم ہے کہ ہم سے اس طرح مانگو جیسے یہ مانگو اسکی ایسی مثال ہے جس طرح کہ باپ اور بیٹے کی کہ اگر بیٹا اگر باپ کے سامنے مچلے اور ضد کرے کہ ہم فلان کام کرینگے اُسکو اسوقت اُسکا یہ مچلنا اور بظاہر دق کرنا ہی بھلا معلوم ہوتا ہے اب بعض مرتبہ تو اگر وہ شے اُس کے لیے نافع ہوتی ہے یا مضر نہین ہوتی اُسکو اجازت دیدیتا ہے اور اگر دیکھتا ہے کہ یہ امر اس کے لیے مضر ہوگا خواہ دین کو یا دُنیا کو تو اُسکو ہرگز قبول نہین کرتا مگر اُسکو دوسری چیزین دیدیتا اور کہتا ہے کہ بیٹا وہ تمھارے لیے مُضر ہے اور نقصان دہ ہے تم اسکو لے لو بس اسیطرح اللہ تعالے اپنے بندہ کے مانگنے اور دعا کرنے سے بہت ہی خوش ہوتے ہین اور وہ جس شے کے لیے دُعا کر رہا ہے اگر اُس کے لیے وہی مناسب ہے تو اُسکو وہی عنایت فرما دیتے ہین اور اُس دعا کو قبول فرما لیتے ہین ورنہ اسکی جگہ اس کو کوئی اور شے عنایت فرماتے ہین جیسا کہ حدیث مین ہے کہ جو بندہ دعا کرتا ہے وہ مردود نہین ہوتی اس لیے کہ اگر وہ قبول نہ ہوگی تو اسکی جگہ یا تو کوئی بلا جو اسپر آنیوالی تھی ٹل جاویگی یا کوئی اور نفع پہونچ جاویگا بس دعا کرنا تو ضروری ہوا مگر اُسکے نتیجہ کا موافق اپنے خیال کے نہ ہونے سے رنجیدہ نہ ہو کہ یہ برا ہے اس لیے کہ۔

مصلح ست الخ۔ یعنی وہ مُصلح ہے اور مصلحت (عباد) کو جانتا ہے کہ اس دعا کو قبول نہین کرتا مطلب یہ کہ جب وہ اپنے بندون کا خیرخواہ اور مصلحت جاننے والا ہے تو اب وہ جب مصلحت سمجھتا ہے جس دعا کو چاہتا ہے قبول فرما لیتا ہے اور جسکو مصلحت نہین سمجھتا اُسکو رد فرما دیتا ہے پس اس رد ہونے سے غمگین ہونا بہت نادانی ہے

اس لیے کہ تمہاری مصلحت اسوقت اس دعا کے رد ہونے ہی کو مقتضی تھی آگے فرماتے ہین کہ۔

وان دعا الخ - یعنی (جب دعا قبول نہین ہوتی اور وہ خود اس داعی ہی کی مصلحت ہوتی ہے مگر) وہ شکایت کرنے لگتا ہے اور گمان بد لیجاتا ہے حالانکہ وہ گمان ہی خود بد ہوتا ہے (آن بد بود کی ضمیر اگر ظن کی طرف کیجاوے تب تو یہ معنی ہون گے اور اگر شاکی کی طرف لیجاوے تو یہ معنی ہون گے کہ وہ گمان بد کرتا ہے حالانکہ خود ہی بُرا ہوتا ہے) اور دیکھو یہ نہین سمجھتا کہ وہ خود اس چیز کی دعا کر رہا ہے جو اس کے لیے بلاے جان ہو جاویگی۔ مگر چونکہ خداوند کریم اسکی مصلحت کو خوب جانتے اور سمجھتے تھے اس لیے اس دعا کو اس کے حق مین قبول نہین فرماتے بلکہ رد فرما دیتے ہین پس حاصل مقام اور مقصود مولانا کا یہ ہے کہ دیکھو شیطان کے پھندون سے بچتے رہنا کہ اگر کہین اسمین پھنس گئے تو پھر تمکو نکلنا مشکل ہو جاویگا اور اس کے پھندے حب مال حب جاہ ہین انکی محبت دل سے نکال دو کہ حدیث مین بھی ہے حب الدنیا راس کل خطیئۃ - یعنی دنیا کی محبت تمام معاصی کی جڑ ہے لہذا اسی سے بچنا ضروری ہے اور جب اسکی محبت نہ ہوگی تو اس کے جاتے رہنے سے غم بھی نہ ہوگا اور نہ ہونا چاہیے اسلیے کہ اسکی مثال تو بالکل ایسی ہے جیسے ایک رہزن کو دوسرا رہزن لیجاوے جیساکہ پیشتر کی مثال سے معلوم ہوتا ہے اور محبت تو حق تعالی کی ہونی چاہیے اور اسی پر پورا پورا بھروسہ چاہیے اگر وہ کوئی کام تمہاری مرضی کے خلاف بھی کرے تو وہ خلاف مرضی ہونا نہ چاہیے اسلیے کہ وہ تمہاری مصلحتون کو اچھی طرح جانتا ہے اسیطرح جو تمکو مضر ہین وہ انکو بھی خوب جانتا ہے پس شاکی نہ ہونا چاہیے سہ کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند۔ آگے اسی مضمون کو بہت مرتبہ تو ایک بات کو چاہتا ہے اور وہ تیرے لیے مصلحت نہین ہوتی ایک مثال سے بیان کرتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

التماس کردن ہمراہ عیسی علیہ السلام از زندہ کردن استخوانہا

گشت با عیسی یکے ابلہ رفیق	استخوانہا دید در گور عمیق
گفت اے ہمراہ نام آن سنی	کہ بدان تو مردہ زندہ مے کنی
مر مرا آموز تا احسان کنم	استخوانہا را بدان با جان کنم

یعنی ایک احمق حضرت عیسے علیہ السلام کا رفیق سفر ہوا ایک گہرے گڑھے مین اسکو کچھ ہڈیان دکھائی دین اسپر اس نے حضرت عیسے علیہ السلام سے درخواست کی اور کہا اے یار مجھے حق سبحانہ کا وہ نام سکھلا دو جس سے تم مردون کو زندہ کرتا ہے تاکہ مین ایک نیک کام کردون یعنی اس کے ذریعہ سے ان ہڈیون کو جاندار اور زندہ کردون۔

گفت خامش کن کہ آن کار تو نیست	لائق انفاس و گفتار تو نیست
کان نفس خواہد ز باران پاک تر	وز فرشتہ در روش چالاک تر

عمرہا بایست تا دم پاک شد	تا امینِ مخزنِ افلاک شد
خود گرفتی این عصا در دست راست	دست را دستانِ موسیٰ از کجاست

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ چپ رہ یہ تیرا کام نہیں ہے اور تیرے پڑھنے کے لائق نہیں ہے کیونکہ اس کے لیے ایسے دم کی ضرورت ہے جو بارش سے بھی زیادہ پاک ہو اور جس طرح نجاسات جسمانیہ سے پاک ہوتی ہے وہ اُس سے بھی زیادہ نجاسات روحانیہ سے پاک ہو اور ذکر الٰہی مین فرشتون سے بھی زیادہ تیز چلتی ہو اور دم کے پاک ہونے کے لیے عموماً ایک عرصہ دراز کی ضرورت ہے الا ماشاء اللہ تاکہ مجاہدات و ریاضات طویلہ کے بعد پاک ہو کر خزائن عالم ملکوت کا حامل اور امین بن سکے۔ اور اس سے وہ عجائبات ظاہر ہو سکین جو سفلیات کی احاطہ قدرت سے باہر ہین دیکھ لے لاٹھی تو تیرے ہاتھ مین بھی ہے مگر تو اسکو سانپ نہین بنا سکتا کیون محض اس لیے کہ وہ افسون اور تاثیر کہان ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ مین تھی۔ گو اس کے حصول مین کسب کو دخل نہ تھا لیکن مقصود صرف اس قدر ہے کہ طہارت ہونی چاہیے خواہ بفضل بحت ہو یا اسمین کسب کو بھی فی الجملہ دخل ہو۔ (تنبیہ) عمرہا بایست الخ کا مذکورہ بالا مطلب اس بنا پر لکھا گیا ہے۔ کہ بایست اور شد کو بمعنی مستقبل لیا گیا ہے یہان ایک توجیہ اور بھی ہے وہ یہ کہ دم سے مراد۔ دم عیسیٰ علیہ السلام ہو خواہ۔ بعد یا بحذف مضاف الیہ۔ اے دمم۔ اس تقدیر پر معنی یہ ہون گے کہ میرے دم کے پاک ہونے کے لیے ایک عرصۂ دراز کی ضرورت تھی چنانچہ ایک عرصہ دراز تک مجاہدات و ریاضات و ذکر اللہ کے بعد یہ کمال حاصل ہوا الخ۔ مگر اس توجیہ مین یہ خدشہ ہوتا ہے۔ کہ اس عنوان سے معلوم ہوتا ہے کہ آنکی ریاضات اس تاثیر کا سبب اور باعث ہوئی ہین گو موجب نہین حالانکہ یہ انکا ایک معجزہ تھا جسمین اعمال کو دخل نہ تھا نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انکا اعمال انکی طہارت نفس کا سبب بنے ہین مگر امر بالعکس معلوم ہوتا ہے کہ انکی طہارت جبلی ان اعمال و مجاہدات کا سبب ہوئی ہے نہ کہ مجاہدات و ریاضات سبب طہارت لانہم علیہم السلام طاہرون مطہرون من بدو الفطرۃ معصومون من اول الامر۔ وہو فضل محض ولطف صرف من ربہم الکریم لا دخل الکسبہم فیہ اصلاً۔ دوسرا نسخہ اس مقام پر عمرہا بایست کا دم پاک شد ہے اس کے معنی یہ ہین کہ آدم علیہ السلام کے پاک ہونے کے لیے ایک عرصہ دراز کی ضرورت تھی کہ وہ اس عرصہ کے بعد پاک ہو کر امین مخزن افلاک ہوے پھر تمہاری کیا ہستی ہے۔ اسمین یہ خدشہ ہے کہ اوّل تو پیدا ہوتے ہی آدم علیہ السلام امین مخزن افلاک ہو گئے تھے اور اگر زمانہ تخمیر کو بھی لیا جاوے تو وہ بھی صرف چالیس روز تھا (جیسا کہ یاد پڑتا ہے) اور وہان دونون کا برابر ہونا محض احتمال ہے۔ ثانیاً اسمین بھی ان کے کسب کو دخل نہ تھا محض لطف و فضل رب تھا ثالثاً انکی پاکی مین کسب کو دخل نہ تھا ان وجوہ سے وہ توجیہ اقرب معلوم ہوتی ہے جو ترجمہ مین اختیار کی گئی ہے کیونکہ اسمین گو ماضی کو مستقبل کے معنے مین لینا پڑتا ہے مگر معنیً بے تکلف ہے دقّ وضنا نا السید الشریف فی حواشی المطول بقولہ راع جانب المعنی والا احوجک الی تکلفات کثیرۃ۔

گفت اگر من نیستم اسرار خوان	ہم تو برخوان نام را بر استخوان

اسپر اس نے کہا کہ اگر مین ان اسرار کے پڑھنے کے لائق نہین۔ کیونکہ وہ شرائط مفقود ہین جو انکی تاثیر کے لیے لازمی ہین تو خود آپ ہی پڑھ دیجیے۔

گفت عیسیٰ یارب این اسرار چیست	میل این ابلہ درین گفتار چیست
چون غم خود نیست این بیمار را	چون غم جان نیست این مردار را
مردۂ خود را رہا کردست او	مردۂ بیگانہ را جوید رفو

حضرت عیسیٰ نے متعجب ہو کر حق سبحانہ سے دریافت کیا کہ خدایا یہ کیا بھید ہے۔ اور یہ بیوقوف اس قسم کی باتون کی طرف کیون مائل ہے۔ اس بیمار کو اپنی فکر کیون نہین اور یہ مردہ دل اپنی حیات روحانی کی فکر کیون نہین کرتا۔ اسکا دل جو صفات بہیمیہ اور غلبۂ نفس سے مردہ یعنی قریب المرگ اور قریب مسلوب الاستعداد ہو چکا ہے اس کو تو اس نے چھوڑ رکھا ہے اور دوسرے مردہ کی جان و تن مین اتصال چاہتا ہے اور اس کے زندہ ہونے کی باصرار درخواست کرتا ہے۔

گفت حق ادبار اگر ادبار جوست	خار روئیدن جزاے کشت اوست
آنکہ تخم خار کارد در جہان	ہان وہان او را مجو در گلستان
گر گلے گیرد بکف خارے شود	ور سوے یارے رود مارے شود
کیمیاے زہر مارست آن شقی	بر خلاف کیمیاے متقی
ہین مکن بر قول و فعلش اعتمید	کو ندارد میوہ مانند بید

حق سبحانہ نے بذریعۂ وحی ارشاد فرمایا کہ جو بدبخت بدبختی کو ڈھونڈھتا ہے اور ان چیزون کے پیچھے پڑتا ہے جو اس کے لیے مضر ہین تو اسکی کھیتی اور سعی کا ثمرہ خار یعنی نتیجہ بد ہوتا ہے چنانچہ تم کو اسکا نتیجہ عنقریب معلوم ہو جائیگا اور تم جان لوگے کہ اس بدبخت کے سر پر شامت سوار تھی اور اپنے ہاتھون مین خود کلھاڑی مار رہا تھا آگے مولانا نتیجہ حکایت کے طور پر نصیحت فرماتے ہین۔ کہ جو شخص اس دُنیا مین رہکر کانٹون کا بیج بوتا ہے اور اعمال سیئہ مین گرفتار اور مقتضیات نفس کا پابند ہوتا ہے اسکو گلستان مین نہ ڈھونڈھنا۔ اور اس کے لیے ثمرات محمودہ کی توقع نہ رکھنا۔ اسکی حالت تو یہ ہوتی ہے کہ اگر وہ پھول ہاتھ مین لے اور بظاہر کوئی نیک کام کرے تو وہ بھی اس کے لیے بوجہ غرض انسانی کی آمیزش اور عدم خلوص نیت کے خار۔ اور موجب مضرت ہو جاتا ہے۔ اور اگر کسی یار یعنی ولی اللہ کی خدمت مین جاتا ہے۔ تو وہ اس کے لیے مار اور موت روحانی کا سبب بن جاتا ہے کیونکہ اسکو استمداد تو مقصود ہوتا نہین۔ کوئی نفسانی غرض ہوتی ہے اس لیے وہ ان شرائط پر بھی کاربند نہین ہوتا جو استفاضہ کے لیے ضروری ہین لہذا خسران ابدی مین مبتلا ہو جاتا ہے (اس شعر مین لفظ یار کو ہم نے بمعنی مرشد کامل قرار دیا ہے اور اس سے عمل صالح بھی مراد ہو سکتا ہے۔ والاقرب ہو الاول لان الافادۃ خیر من الاعادۃ۔ جس مطلب کو مولانا نے مصرع اول مین اور بر توجیہ ثانی پورے شعر مین ادا فرمایا ہے اسی مضمون کو ایک دوسرے شعر مین بھی دوسرے عنوان سے ادا فرمایا ہے چونکہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ نے اس کے مضمون کو ایک نہایت نفیس دلیل سے ثابت فرمایا ہے لہذا افادۃً للناظرین اسکا حل بھی درج کیا جاتا ہے مولانا فرماتے ہین سه ہرچہ گیرد علتے علت شود * کفر گیرد کاملے ملت شود * یعنی مبتلاے امراض روحانی کے لیے وہ اعمال بھی جو فی نفسہ صالح اور قابل غذاے

روح میں مادۂ فاسدہ کی طرف مستحیل ہوجاتے اور اعمال سیئہ بن جاتے ہیں اور کامل اگر کفر بھی اختیار کرتا ہے تو وہ کفر بھی دین ہوجاتا ہے حضرت حاجی صاحب اسکی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ دیکھو ایمان سے بڑھ کر کوئی عمل صالح نہیں لیکن منافقین بظاہر ایمان لائے تو انکی نسبت حق سبحانہ فرماتے ہیں فی قلوبہم مرض فزادہم اللہ مرضا۔ اور حضرت عمار نے بظاہر کفر اختیار کیا اور کلمۂ کفر زبان سے نکالا تو ظاہری کفر جزو دین بن گیا اور قیامت تک کے لیے قانون مقرر ہوگیا کہ من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان سے کوئی مواخذہ اور بازپرس نہ ہوگی) پس اس بدبخت کی کیمیا تو یہ ہے کہ تریاق بھی زہرمار ہوجاتا ہے اور اعمال صالحہ بھی سیئہ بن جاتے ہیں برخلاف کیمیائے متقی کے وہاں زہرمار بھی تریاق ہوجاتا ہے اور فی الجملہ اعمال سیئہ بھی حسنہ ہوجاتے ہیں۔ جب تو یہ جان چکا تو ہم تجھ سے کہتے ہیں کہ خبردار ایسے کے قول وفعل پر اعتماد نہ کرنا اور ظاہری عمدہ صورت سے دھوکا نہ کھانا۔ وہ افعال واقوال شرارت محمودہ سے بید کی طرح بالکل معرا ہیں چنانچہ ہم تمکو ایک حکایت سناتے ہیں جس سے معلوم ہوکہ ایسے لوگوں کے اقوال وافعال پر بھروسہ کرنیکا کیا نتیجہ ہوتا ہے۔ صوفی مے گشت در دور افق الخ۔

شرح شبیری

گشت الخ۔ یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے ایک بیوقوف ساتھ ہوگیا اور اُسنے ایک گڑھے میں کچھ ہڈیاں دیکھیں (گور عمیق سے مراد یا تو خود قبر ہے تب تو یہ معنی ہونگے کہ کسی قبر میں وہ ہڈیاں گر گئی ہونگی اس لیے کہ وہ تو شیر کی تھیں تو گور میں کس طرح ہوتیں اور اگر گور عمیق سے مراد مطلق گڑھا لیا جاوے جیسا کہ ترجمہ میں لیا گیا ہے تو مراد یہ ہے کہ کسی گڑھے میں کچھ ہڈیاں دیکھیں)

گفت الخ۔ یعنی اُس شخص نے کہا کہ اے ہمراہی (یعنی عیسیٰ علیہ السلام اس لیے کہ وہ بھی اُس کے ہمراہ تھے اور وہ اُن کے ہمراہ تھا) اُس روشن کا نام کہ جس سے تم مردہ کو زندہ کیا کرتے ہو مجھے بھی سکھلا دو تاکہ میں بھی احسان کردں اور ہڈیوں کو اُسکی برکت سے باجان کردوں (نام روشن سے مراد ذات حق تعالے۔ احسان کنم میں اگر احسان کو بمعنی منت لیا جاوے تب تو یہ معنی ہونگے کہ میں اسپر احسان کروں کہ اسکو زندہ کردوں اور اگر احسان سے مراد مطلق فعل حسن ہو تو یہ مراد ہوگی کہ میں بھی ایک اچھا کام کردوں اس لیے کہ ہر شے کا وجود اُس کے عدم سے قوی بہتر ہے تو اسکو ذی الروح کردینا بھی ایک فعل حسن ہوگا) آگے عیسیٰ علیہ السلام اُسکو جواب دیتے ہیں کہ۔

گفت خامش الخ۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ارے خاموش رہ اس لیے کہ یہ تیرا کام نہیں ہے (کیونکہ ہر کام کے لیے کچھ شرائط ہوتے ہیں اور اسکی شرط ہے کہ کلام میں برکت ہو اور یہ ہے نہیں) اور تیرے کلام اور تیرے کلمات تجھے قابل اور لائق نہیں ہے اس لیے کہ وہ نام تو ایسا کلام چاہتا ہے کہ جو بارش سے بھی پاک ہو اور وہ شخص فرشتہ سے بھی (عبادت میں) چست وچالاک ہونا چاہیے (فرشتہ سے چست وچالاک کہنا مبالغہ ہے) مطلب یہ کہ چونکہ شرط ہے برکت دم وکلام وہ تجھ میں معدوم ہے پس اُس پر یہ اثر یعنی مردہ سے زندہ ہونا بھی مرتب نہیں ہوسکتا اور اس کے لیے تو ایک پاک نفس اور ایک اُس شخص کے دم کی ضرورت ہے جو کہ طاعت حق میں چست وچالاک ہو آگے فرماتے ہیں کہ۔

عمرہا الخ۔ یعنی بہت سی عمروں کی (یعنی مدت کی) ضرورت تھی کہ آدم علیہ السلام پاک ہوسے یہانتک کہ مخزن افلاک کے امین ہوسے مطلب یہ کہ برکت نفس کے لیے جو کہ شرط ہے کلام کے مؤثر ہونے میں ایک مدت کے

مجاہدہ اور ریاضت کی ضرورت ہے دیکھو آدم علیہ السلام کو کس قدر مدت کی ضرورت ہوئی اُن میں استعداد پیدا ہوئی اُس کے بعد وہ امین مخزن افلاک ہو سکے اِس لیے کہ اُس کے بعد ہی تو اُنکو کونیات اور الٰہیات کے اسمار وغیرہ تعلیم ہوئے تھے یہان یہ شبہ ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام تو فوراً پیدا ہوئے اور فوراً اُن کو اسمار کی تعلیم ہوئی اور فوراً ہی مسجود ملائکہ ہوئے اور اُس کے بعد ہی دخول جنت ہوا اور پھر متصل ہی اکل حنطہ ہوا تو پھر عمر ہا کہنا صحیح نہ ہوگا اس لیے کہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ آدم علیہ السلام عصر کے وقت پیدا ہوئے تھے اور غروب نہ ہونے پایا تھا کہ جنت سے نکالے گئے تو اسکی توجیہ یا تو یہ کیجاوے کہ یہ باعتبار وہان کے ایام کے ہے کہ ایک دن وہان کا بقدر بڑا ہوتا ہے کہ یہان اُس مدت مین بہت سی عمرین گذر جاوین اور یا یون کہا جاوے کہ چونکہ آدم علیہ السلام کا مادہ تو پہلے سے موجود تھا ہی اور اِس کے متعلق خود حدیث مین تصریح بھی ہے کہ وہ ایک مدت تک اُنکا خمیر ہوتا رہا تو اب یہ معنے ہونگے کہ اُنکے مادہ ہی مین استعداد پیدا ہونا شروع ہوگئی تھی اور اُس کے بعد جب وہ مادہ رہا تو اُس وقت سے اور وقت وجود تک استعداد کامل ہوگئی تھی اور ایک نسخہ تا دم پاک شد ہے اُس بنا پر یہ معنے ہون گے کہ ایک مدت کی ضرورت تھی کہ میرا دم کہ جسکی برکت ہے مردہ کو زندہ کر دینا پاک ہوا اِس لیے کہ انبیاء کی استعداد بھی تو قبل نبوت کامل ہوتی رہتی ہے اور اُنکو بھی ایک مدت تک مجاہدات کرنا پڑتے ہین مقصود یہ کہ یہ کام اُسوقت ہو سکتا ہے کہ عبادات و ریاضات کر کر کے تم اپنے کو اِس قابل بنالو پھر شاید ممکن بھی ہے ورنہ صرف الفاظ کے سیکھنے سے کیا ہوتا ہے آگے ایک اور مثال دیتے ہین کہ۔

خود گرفتی الخ۔ یعنی تو نے خود اِس عصا کو اگر اپنے ہاتھ مین لے بھی لیا مگر موسیٰ علیہ السّلام کے ہاتھ جیسا افسون کہان سے لاؤ گے مطلب یہ کہ تم نے یہ تو سیکھ لیا کہ موسیٰ علیہ السّلام کے ہاتھ مین بھی عصا تھا اِس لیے تم نے بھی ایک عصا لے لیا مگر جو اُن کے ہاتھ مین برکت تھی اور جسکی وجہ سے وہ عصا اژدہا ہو جاتا تھا کہان سے لاؤ گے بس اسیطرح اگر تم نے الفاظ سیکھ بھی لیے مگر وہ برکت جو اُن کو مؤثر بنانے کے لیے درکار ہے کہان سے لاؤ گے کہ اسکی استعداد پیدا کرنیکے لیے ایک مدت کی ضرورت ہے اور وہ بھی جب جبکہ حق تعالےٰ بھی چاہین پس تم کو اِن الفاظ کے سیکھنے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا جب اُس ہمراہی نے یہ سُنا تو آگے کہتا ہے کہ۔

گفت الخ۔ یعنی اُس نے کہا کہ اچھا اگر مین اُن اسرار کا جاننے والا اور پڑھنے والا نہیں ہون (تو نہ سہی مگر آپ تو ہین) لہذا آپ ہی وہ نام پاک اِن ہڈیون پر پڑھ دیجئے کہ یہ زندہ ہو جاوین جب وہ بہت ہی مصر ہوا تو عیسیٰ علیہ السّلام دعا کرنے لگے کہ۔

گفت عیسیٰ الخ۔ یعنی عیسےٰ علیہ السلام جناب باری مین دعا کرنے لگے کہ اے اللہ یہ کیا بھید ہین جو اِس بیوقوف کا میلان اِس بات کی طرف ہے اور اِس بیمار نے اپنے غم کو کیون چھوڑ رکھا ہے اور اِس مردار کو اپنی جان کا غم کیون نہین اور اِس نے اپنے مردہ کو تو چھوڑ رکھا ہے اور دوسرے کے مردہ کو چاہتا ہے کہ اُسمین رفو ہو جاوے یعنی یہ روح کے ساتھ لگجاوے۔ مطلب یہ کہ جب عیسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ اسکا اصرار بہت سی بڑھ رہا ہے اور یہ مانتا ہی نہین تو دعا کرنے لگے کہ یا الٰہی اِسمین کیا بھید ہین اور یہ اِس قدر اصرار کیون کرتا ہے یہان یا تو عیسیٰ علیہ السلام کو معلوم ہو گیا ہو کہ یہ ہڈیان شیر کی ہین اِس لیے فرماتے ہین کہ یہ تو زندہ ہو کر خود

اِسی کو پھاڑ دیگا اور ہلاک کر دیگا پھر اِس کے اصرار مین کیا بھید ہین اور اِس کے لیے کیا مقدر ہے اور یا یہ کہ معلوم نہ ہوا ہو مگر حسرت اِس لیے فرماتے ہین کہ آخر اِس فضول کام مین یہ کیون لگا ہوا ہے اور مجھے دق کر رہا ہے اور یہ شخص خود بیمار ہے اُسکا تو علاج کرتا نہین اور اُسکی تو فکر نہین ہے کہ غافل عن الحق ہے اور خود ہی مردار کیطرح ہوگیا ہے مگر کچھ خیال اور غم نہین ہے اور افسوس اِس نے اپنے کو چھوڑ رکھا ہے اور اپنی اصلی حیات کی طرف متوجہ نہین ہوتا کہ وہ طاعت اور ذکر اللہ ہے اور دوسرون کی فکر مین ہے کہ کسی طرح انمین پیوند حیات لگجاوے اور یہ زندہ ہوجاوین تو آخر اسمین کیا بھید مین آگے حق تعالیٰ کی طرف سے جواب عنایت ہوا کہ۔

گفت حق الخ۔ (یہان ادبار اول مین لفظ صاحب محذوف ہے یعنی صاحب ادبار) یعنی حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر صاحب ادبار بدبختی کو تلاش کرتا ہے (تو کرنے دو) اِس لیے کہ کانٹے اُگنا تو اُس کے بونے کا بدلہ ہے (جیسا بویا ویسا پھل پاویگا) مطلب یہ کہ اگر یہ اصرار کرتا ہے تو تم اِسکے قول کو مان لو اور ان کو زندہ کر دو اِس لیے کہ جب اسکی قسمت مین ہلاک ہونا ہے تو یہ ضرور ہلاک ہوہی جاویگا اور جب اِس نے کانٹے بوئے ہین یعنی اعمال سیئہ کا مرتکب ہوا ہے تو اسکو اُسکی جزا بھی ویسی ہی ملیگی آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔

آنکہ الخ۔ یعنی جو شخص کہ کانٹے بوتا ہے (یعنی اعمال سیئہ کا مرتکب ہوتا ہے) تو اُسکو تم ہرگز ہرگز گلستان مین مت تلاش کرو (یعنی اُسکو اُس جگہ جہان ثمرات محمودہ حاصل ہوتے ہین مت تلاش کرو اِس لیے کہ اُس نے اعمال ہی اِس لائق نہین کئے تو اُنپر ثمرات محمودہ کہان سے حاصل ہونگے آگے فرماتے ہین کہ۔

گر گلے گیرد الخ۔ یعنی اگر یہ شخص پھول بھی لیگا تو وہ بھی خار ہوجاویگا اور اگر کسی یار کی طرف جاویگا تو وہ سانپ ہو جاویگا۔ مطلب یہ کہ اگر وہ کوئی عمل حسن بھی کریگا تو وہ بھی حسن نہ رہیگا اِس لیے کہ اسمین مثلاً ریا کا شائبہ ہو تو وہ عمل حسن کہان رہا بلکہ وہ بھی معصیت ہوگئی اسیطرح ایک دوسرے مقام مین خود مولانا فرماتے ہین ؎ ہرچہ گیرد علتے علت شود ✤ کفر گیرد کاملے ملت شود ✤

اور اِس شعر کی توجیہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ خوب فرماتے تھے کہ ہرچہ عام ہے اعمال حسنہ کو اور ایمان کو سب کو شامل ہے اب اسمین سے ایک فرد کی بابت فرماتے تھے کہ ہرچہ گیرد علتے علت شود مین یہ بھی داخل ہے کہ دیکھو ایمان جو کہ نجات کا ذریعہ ہے اور اسی سے سعادت دارین حاصل ہوتی ہے اِسی کو منافقین نے اختیار کیا اُنکے لیے ایمان بھی ذریعہ ہوگیا زیادتی خسران کا کہ فرمایا جاتا ہے ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار یعنی منافقین نار کے سب سے نیچے کے طبقے مین ہونگے والعیاذ باللہ تو دیکھو لوکہ اِسی ایک شے کو علتی نے اختیار کیا تو کیا حشر ہوا کہ باوجود منجی ہونے کے پھر اُسکے لیے سبب خسران ہوگیا اور دوسرے مصرعہ کو اِس طرح سمجھو کہ دیکھو حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کہ اُنھون نے بظاہر کلمہ کفر کہا تھا جس سے کہ متبادر کفر ہوتا ہے مگر دین ہی داخل دین ہوگیا اور قیامت تک کے لیے مسئلہ ہوگیا کہ اگر اکراہ کے وقت کسی نے زبان سے کلمۂ کفر کہہ دیا تو اُسکا ایمان زائل نہین ہوتا بس دیکھو لوکہ ایک کامل نے کفر اختیار کیا مگر وہ ملت اور دین ہوگیا (و للہ در ماقال) سچ یہ ہے کہ اِس سے اچھی توجیہ ممکن ہی نہین اور اِس شعر کا مصداق اور کوئی امر اِس قدر ظاہر طور پر نہین ہوسکتا اے اللہ حضرت کے فیوض ہم خدام پر فائض فرمائیے اور اُنکی برکت سے حسنات کی توفیق عطا فرمائیے آمین ثم آمین پس معلوم ہوا کہ جو شخص

ملتی ہے اگر وہ دین کی بات بھی اختیار کرے گا تو وہ اُس نکے لیے مہلک اور سبب خسران بنجاویگی آگے بھی اسی مضمون کو فرماتے ہین کہ۔

کیمیائے الخ۔ یعنی اس شقی کی کیمیا بھی سانپ کا زہر ہے بخلاف کیمیائے متقی کے کہ وہ اس کے بالکل خلاف اور برعکس ہے (کیمیا کہتے ہین تبدیل ماہیتہ الی ماہیتہ اُخری کو) لہذا فرماتے ہین کہ اس شقی کے اعمال کی ماہیتہ جب بدلتی ہے تو وہ حسنات سے سیئات ہوجاتے ہین جیسے کہ سانپ کا زہر ہوتا ہے کہ وہ آخر مہلک ہوجاتا ہے بخلاف متقی کے اعمال کے کہ وہ اس کے بالکل خلاف اور برعکس ہوتے ہین اس لیے کہ اگر شقی حسنات بھی کرے گا وہ بھی اسکی نیت کے درست نہ ہونیکی وجہ سے سیئات ہوجاوینگی اور جو متقی ہوگا وہ اگر سیئات کا بھی ارتکاب کرے گا اس کے لیے وہ بھی حسنات ہوجاوینگی جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے آگے فرماتے ہین کہ۔

ہین مکن الخ۔ یعنی ہرگز ایسے شخص کے قول وفعل پر اعتماد مت کرنا اس لیے کہ اس کے اندر میوہ ہی نہین جیسا کہ بید ہوتا ہے (کہ اسمین بھی میوہ نہین ہوتا) مطلب یہ کہ اس شخص کے قول فعل پر ہرگز اعتماد نہ کرنا چاہیے اس لیے کہ اس کے پاس ثمرات محمودہ تو ہین ہی نہین۔ آگے فرماتے ہین کہ اگر اس کے قول پر اعتماد کروگے تو ایسا حال ہوگا کہ جیسا کہ اس حکایت آیندہ مین معلوم ہوتا ہے فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

اندرز کردن صوفی خادم را در تیمار بہیمہ او

صوفیی می گشت در دور افق	تا شبی در خانقاہی شد قنق
یک بہیمہ داشت در آخر بہ بست	او بصدر صفہ با یاران نشست
پس مراقب گشت با یاران خویش	دفتری باشد حضور یار بیش

ایک صوفی سیاحی کرتے پھرتے تھے ایک رات خانقاہ مین مہمان ہوئے اُن کے پاس ایک جانور (گدھا) تھا اسکو تو آخور پر باندھ دیا اور خود یاران جلسہ کے ساتھ مسند صدارت پر جلوہ افروز ہوگئے اور یاران جلسہ کے ساتھ مراقبہ مین مشغول ہوگئے اور ہونا بھی چاہیے تھا کیونکہ اغلب احوال ہین حضور یار ہی ان کا دفتر ہوتا ہے اور وہ یار ہی کی تجلیات کا مشاہدہ ومطالعہ کیا کرتے ہین اور بعض نسخون مین بجاسے بیش کے پیش ہے۔ یعنی حضور یار کا دفتر کے سامنے رہتا ہے۔

شرح شبیری

ایک صوفی کا خادم خانقاہ کو اپنے جانور کی حفاظت کے لیے نصیحت کرنا

صوفی الخ۔ یعنی ایک صوفی سیر وسیاحت کرتا پھرا کرتا تھا یہان تک کہ ایک رات کو ایک خانقاہ مین مہمان

ہو گیا (رفیق لفظ ترکی یعنی مہمان)

بک بہیمہ الخ - یعنی اُس کے پاس ایک جانور تھا اُس کو آخور میں باندھ دیا اور خود یاروں کی جماعت میں صدر پر جا کر بیٹھ گیا (صدر صفۂ یاران سے مراد یہ کہ اُن لوگوں نے جو کوئی جگہ بنا رکھی ہوگی وہاں آپنے تشریف رکھی)

پس مراقب الخ - یعنی پس وہ جا کر مراقب ہو کر بیٹھ گیا اور حضور یار تو ایک بہت بڑا دفتر ہوتا ہے مطلب یہ کہ وہاں صدر پر جا کر یہ صوفی مراقب ہو کر بیٹھ گیا اب آگے مصرعہ ثانی میں انتقال فرماتے ہیں اِس حکایت سے مضمون کی طرف یعنی وہ تو مراقب ہو گیا اور حضور یار کا دفتر تو بہت ہی بڑا ہے اُس کے مطالعہ کے لیے بہت زیادہ مدت کی ضرورت چونکہ مولانا کے دل میں تو ایک ہی چیز بس رہی ہے بس جہاں انکو ذرا سی بات ملی فوراً اُسکی طرف چل دیتے ہیں سے گلستان میں جا کر ہر اک گل کو دیکھا + تیری ہی سی رنگت تیری ہی سی بو ہے + بس اسی بنا پر اُس حکایت کو چھوڑ کر مشاہدہ جمال باری کی طرف متوجہ ہو گئے اور اُسکو بیان کرنے لگے کہ جمال یار کے مطالعہ کا دفتر تو ایک بے نہایت اور بے پایان دفتر ہے اس کے مشاہدہ کے لیے بھی ایک مدت درکار ہے آگے اِس دفتر کی تعیین فرماتے ہیں کہ -

شرح حبیبی

دفترِ صوفی سواد و حرف نیست   جز دلِ اسپید ہمچون برف نیست

زادِ دانشمند آثارِ قلم   زادِ صوفی چیست انوارِ قدم

اور وہ دفتر غلب احوال میں اُن کے پیش نظر کیوں نہ ہو - اِس لیے کہ صوفیوں کا دفتر سیاہی اور حرف تو ہوتا نہیں کہ یہ اِسی میں مصروف رہیں اُنکا دفتر تو صرف قلب روشن ہے جو برف کی طرح سفید ہو اہل علم کا سرمایہ تو حروف و نقوش ہوتے ہیں جو آثار قلم ہیں اور صوفی کا سرمایہ ذات قدسیہ کے انوار اور اُسکی تجلیات ہوتی ہیں (جاننا چاہیے کہ سواد اور سفید کے تقابل میں ایک لطیف اشارہ ہے - دفتر ثانی کی فوقیت پر بہ نسبت اول کے اور آثار قلم اور انوار قدم میں تو گویا کہ تصریح ہے فوقیت کی - اور یہ بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ سالک پر اولاً افعال حق سبحانہ کا ظہور ہوتا ہے اُسکو تجلی افعال کہتے ہیں پھر صفات کا اِسکو تجلی صفات کہتے ہیں اُس کے بعد ذات بحت کا اُسکو تجلی ذات کہتے ہیں انوار قدم سے مراد تجلیات افعال ہیں جیسا کہ اشعار آئندہ سے ظاہر ہوگا نیز یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ اُدھر حضور یار کو دفتر کہا تھا اور یہاں قلب روشن کو اِسکی وجہ یہ ہے کہ دفتر سے مراد ما ینظر فیہ و یلتفت الیہ ہے چونکہ قلب بالتبع مظہر ہوتا ہے اور تجلیات بالذات لہذا دونوں کو دفتر سے تعبیر کرنا درست ہے)

ہمچو صیادے سوے اشکار شد   گام آہو دید و بر آثار شد

چند گاہش گام آہو درخورست   بعد ازان خود نافِ آہو رہبرست

اِس صوفی سالک کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے ایک شکاری شکار کو گیا رستے میں اِس نے ہرن کے نقش قدم دیکھے اور وہ اُنہی پر پڑ لیا - پس اِس شکاری کو کچھ دیر تو ہرن کی کھری کے نشانات کی ضرورت پڑتی ہے اِس کے بعد جب ہرن قریب رہ جاتا ہے تو خود اُسکی ناف کی خوشبو اِس کے لیے رہبر ہو جاتی ہے اور وہ خوشبو کے ذریعہ سے ہرن تک پہنچ جاتا ہے - یوں ہی صوفی سالک کے لیے ابتداءً تجلیات افعال کی ضرورت

ہوتی ہے جب سالک تجلیات افعال کا مشاہدہ کرتا ہے تو فرط شوق قطع منازل الی المطلوب الحقیقی مین مصروف ہوتا ہے اور اسے ماشاء اللہ قطع منازل کرتا رہتا ہے اُس کے بعد ادھر سے جذب ہوتا ہے اور تجلی صفاتی ہوتی ہے اُس کے بعد تجلی ذاتی ہوتی ہو۔ وہو المطلوب۔ پس جاننا چاہیے کہ وصول الی المطلوب کا مدار جذب حق پر ہے اگر اُدھر سے جذب نہ ہو تو محض سلوک موصل الی المطلوب نہین اِسی لیے کسی بزرگ نے فرمایا ہے جذبة ربانیة خیر من عبادة الثقلین ۔ کیون نہ ہو سلوک کا منشا محبیت ہے اور جذب کا محبوبیت ۔ وبین المحبیة والمحبوبیة مهامه لا تطوی۔ سلوک اور جذب مین ایک فرق عظیم الشان یہ ہے کہ سالک کے لیے نفس الامر مین ہر وقت ضلال کا اندیشہ اور خطرہ ہے کیونکہ اسکا مدار اپنی سعی پر ہے اور تخلف سعی باقتضاے نفس یا باغواے شیطان کچھ مستبعد نہین برخلاف مجذوب من الحق کے کہ اس کے لیے نفس الامر مین خطرہ نہین من یہدہ اللہ فلا مضل لہ لیکن خود اسکو مطمئن نہ ہونا چاہیے لان الایمان بین الخوف والرجاء ۔ ولان الضلال بعد الجذب ممکن فی نفسه مقدور للہ عز وجل ابلیس کے باایںہمہ ریاضات شاقہ و مجاہدات طویلہ گمراہ ہوجانیکا سبب یہی بیان کیا جاتا ہے کہ سالک محض تھا جذبۂ ربانیہ اِس سے متعلق نہ ہوا تھا جذب اور سلوک کے فرق کو ایک بزرگ نے نہایت سلیس عنوان سے سمجھایا ہے افادۃً للناظرین لکھا جاتا ہے ۔ کوئی بادشاہ قصر شاہی کے دریچہ سے سیر کر رہا تھا اتفاقاً اُسکی نظر ایک بزرگ پر پڑی تو انکو آواز دی کہ شاہ صاحب ہم کمند ڈالے دیتے ہین اسپر کو آپ تشریف لے آئیے ایک بات دریافت کرنی ہے وہ کمند کے ذریعہ سے چڑھ گئے تو بادشاہ نے دریافت کیا کہ حضرت آپ خدا تک کیسے پہنچے ان بزرگ نے جواب دیا کہ اسیطرح جس طرح تمھارے پاس پہنچا ۔ اگر مین چاہتا کہ تم تک پہنچون تو سر ٹیک مارتا ۔ مگر نہین پہنچ سکتا تھا ۔ تم نے چاہا تو ایک لمحہ مین تمھارے پاس پہنچا ہوا ہون پس اگر مین وصول الی الحق کی سعی کرتا اور اُدھر سے جذب نہ ہوتا تو وصول ناممکن تھا لیکن جب ادھر سے جذب ہوا تو نامحدود مسافت دم بھر مین قطع ہوگئی آگے مضمون ماقبل کا تتمہ ہے ۔

	چونکہ شکر گام کردو رہ برید رفتن یک منزلے بر بوے ناف		لاجرم زان گام در کامے رسید بہتر از صد منزل گام و طواف

یعنی چونکہ اِس شکاری نے نقش سم آہو کا شکر کیا اور اسکی قدر کی ۔ یعنی اسکی مقتضی پر کاربند ہو کر طلب آہو پر کمربستہ ہوا تو اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نقش کی بدولت مقصد اصلی تک پہنچ گیا اور آہو کا شکار کر لیا اگر ایسا نہ کرتا تو محرومی ابدی تھی یون ہی سالک کا فرض ہے کہ اِن انوار قدم اور تجلیات افعال کی نہایت قدر کرے اور ان کو نعمت عظمی اور موہبت کبرے سمجھے ۔ اور قطع منازل الی المطلوب مین جہد بلیغ کرے تاکہ اول وہ بوے ناف اور تجلی صفات تک پہنچے اور وہان سے بجذب مطلوب محبوب تک پہنچ جائے ۔ یاد رکھ کہ نقش آہو اور تجلیات افعال فی نفسہ ایک موہبت کبرےٰ ہو ۔ مگر ان کو بوے ناف اور تجلیات صفات سے کوئی نسبت نہین ۔ کیونکہ نقش آہو اور تجلیات افعال کی بعد اپنی سعی کی ضرورت ہے اور بوے ناف و تجلیات صفات کے بعد ادھر سے جذب ہوتا ہے اور سعی اور جذب مین جو فرق ہے ۔ ظاہر ہے ۔ اِس لیے بوے ناف پر ایک منزل چلنا نقش پر سو منزل چلنے سے کہین بہتر ہے کیونکہ اول تو نقش پر چلنے مین مانع سعی پیش آنے کا اندیشہ ہے برخلاف بوے ناف پر جانے کے دوسرے جبکہ نقش پر چل رہا ہے

تو طالب ہے اور جب کہ بوسے ذات پر جا رہا ہے تو مطلوب - واین الطالب من المطلوب ؎ سیر زاہد ہر مہے
تا پیشگاہ ✤ سیر عارف ہر دمے تا تخت شاہ ✤

آن دمے کو مطلع مہتابہاست ✤ بہر عارف فتحت ابوابہاست

سالک اور مجذوب مین یہ فرق ہے کہ سالک جب تک سالک رہتا ہے ہر مہینہ فناو قصر شاہی ہی مین رہتا ہے اور مجذوب من الحق ہر لحظہ اور ہر آن تخت شاہی تک پہونچتا ہے۔ پہلے فرمایا تھا کہ دفتر صوفی دل سفید ہجو برف ہے اب اسکی طرف رجوع فرماتے مین اور کہتے ہین جو دل انوار حق سبحانہ کی محلیت کے باعث سزاوار دن ماہتابون کا مطلع بن چکا ہے۔ عارف کے لیے فتح ابواب جنان معارف کا سبب ہے۔ اور اسمین نظر کرنے سے اسکو وہ معارف حاصل ہوتے ہین جنکی نسبت کہنا مناسب ہے۔ لاعین رأت ولا اذن سمعت۔ ولا خطر علی قلب بشر

با تو دیوارست و با ایشان درست ✤ با تو سنگ و با عزیزان گوہرست
آنچہ تو در آئینہ بینی عیان ✤ پیر اندر خشت بیند بیش ازان
پیر ایشانند کاین عالم نبود ✤ جان ایشان بود در دریاے جود
پیش زین تن عمرہا بگذاشتند ✤ پیشتر از کشت بر برداشتند
پیشتر از نقش جان پذرفتہ اند ✤ پیشتر از بحر درہا سفتہ اند

اے عامی محجوب وہ دل تیرے لیے مثل دیوار کے ہے اور جس طرح دیوار مانع دخول اور رائی و مرئی کے درمیان حائل ہوتی ہے۔ یون ہی تو اسکو حائل بین الرائی والمرئی ولمانع من دخول معارف وانوار حق سمجھتا ہے اسی لیے تو ایسے لوگون کی وقعت وقدر نہین کرتا۔ بلکہ انکی تحقیر کرتا ہے اور ہمارے مہربان اہل اللہ کے لیے وہ مثل دروازے کے ہے جس طرح دروازہ محل دخول وذریعہ ابصار ہوتا ہے یون ہی وہ قلب محل دخول معارف الہیہ اور ذریعہ رویت انوار حق ہے انکی تو یہ حالت ہے کہ جن اشیار کا تو آئینہ عالم مین بعد اس کے طیاری اور تحقق بالفعل کے معائنہ کرتا ہے وہ انکو اسمین اسوقت بھی دیکھتے تھے۔ جبکہ وہ صیقل ہوکر مکمل بھی نہ ہوا تھا۔ اور مرتبہ استعدادی مین تھا یعنی جن حقائق کا تو بعد تکون عالم اسمین ادراک واحساس کرتا ہے وہ لوگ ان کا ادراک اسمین اس کے تکون سے پہلے کرتے تھے (اور یہ امر کچھ مستبعد نہین کیونکہ عالم ارواح مین ارواح کا نفس ادراک تو نفس سے ثابت ہے پس اگر یہی تفاوت جو بعد تعلق بدن ارواح مین مشاہدہ ومعائن ہے قبل از تعلق با لجسد بھی ہو تو کیا بعید ہے جب یہ مسلم ہو چکا تو جس طرح وہ اب ان حقائق کا ادراک کرتے ہین جو تمکو فی الحال مدرک نہین - بلکہ ممکن ہے کہ دوسرے وقت مدرک ہون یون ہی اگر اسوقت مین بھی وہ ان اشیار کا ادراک کرتی ہون جو تمکو اسوقت مدرک نہ تھین۔ بلکہ ممکن الادراک تھین۔ اور جنکا ادراک تم کو بعد تعلق بدن ہوا ہے تو کچھ تعجب کی بات نہین) اور یہ پیر تو وہ لوگ ہین کہ جب یہ عالم موجود اور متحقق بالفعل نہ تھا اس وقت بھی انکی روح حق سبحانہ کے دریاے جود مین غرق تھی۔ اور معارف الٰہیہ وکونیہ کے موتی رول رہی تھی انھون نے تعلق بالاجساد سے پیشتر ایک زمانہ دراز گذارا ہے جسمین وہ معارف الٰہیہ وکونیہ سے متمتع رہے ہین - حالانکہ اسوقت تک انھون نے کوئی عمل نہین کیا تھا بلکہ جو کچھ انھون نے حاصل کیا وہ محض عنایت وفضل ایزدی تھا اسی بنا پر یہ کہنا ٹھیک ہے کہ انھون نے کھیتی سے

پہلے جہل حاصل کرلیا ان حضرات کو اجسام کے تعلق سے پہلے حیوۃ (روحانی) حاصل ہو چکی ہے حالانکہ عام طور پر حیات (جسمانی) جسم کے بعد حاصل ہوتی ہے اور یہ لوگ بحر عالم اجسام کے تحقق بالفعل سے بھی پیشتر اس کے موتی پرو چکے اور کام میں لا چکے ہیں یعنی اس کے حقائق و اسرار سے آگاہی حاصل کر چکے ہیں اگلے اشعار میں بھی اسی مضمون کا تتمہ ہے۔

مشورت کردن خدای تعالی با فرشتگان در ایجاد خلق

مشورت می رفت در ایجاد خلق
جان شان در بحر قدرت تا بحلق

چون ملائک مانع آن می شدند
بر ملائک خفیه خنبک می زدند

مطلع بر نقش هر که هست شد
پیش ازان کین گل پابست شد

پیشتر ز افلاک کیوان دیده اند
پیشتر از دانها نان دیده اند

بی دماغ و دل پر از فکرت بدند
بی سپاه و جنگ بر نصرت زدند

آن عیان نسبت بایشان فکرت ست
ورنه خود نسبت بدوران رویت ست

فکرت از ماضی و مستقبل بود
چون ازین دو رست مشکل حل بود

دیده چون بی کیف هر باکیف را
دیده پیش از کان صحیح و زیف را

پیشتر از خلقت انگورها
خورده میها و نموده شورها

در تموز گرم می بینند دی
در شعاع شمس می بینند فی

در دل انگور می را دیده اند
در فنای محض شی را دیده اند

آسمان در دور ایشان جرعه نوش
آفتاب از جودشان زربفت پوش

یعنی جس وقت حق سبحانہ باقتضائے مصلحت باوجود علم کامل کے فرشتوں سے تخلیق آدم کے بارہ میں انکی رائے دریافت کر رہے تھے یہ لوگ اسوقت بھی بحر قدرت الٰہی میں ڈوبے ہوئے عجائبات قدرت کا مشاہدہ کر رہے تھے اور جب فرشتے بوجہ مصالح تخلیق پر مطلع نہ ہوتے اور مفاسد سے آگاہ ہونے کے اپنی رائے تخلیق آدم کے خلاف ظاہر کرتے تھے تو اسوقت یہ لوگ علم مصالح کی بنا پر فرشتوں کے اس فعل پر دوستانہ اور بعنوان بے تکلفی تالیاں بجا رہے تھے اور ہنس رہے تھے (یعنی ان کی اس ناواقفیت اور غلط رائے پر تعجب کر رہے تھے اور خنبک می زدند عنوان تعبیر ہے۔ معنی حقیقی مقصود نہیں سو اس تعبیر میں جو ایہام گستاخی اور اہانت کا تھا اسکو ہم نے ترجمہ سے دفع کر دیا فتامل) جو چیز ہست ہوئی یعنی جس کے لیے ہستی اور وجود مقدر ہو چکا ہے اسکی ہستی اور تعلق بالجسد سے پہلے اس سے واقف تھے یاد رکھنا چاہیے کہ ان عنوانات سے انکا علم محیط مقصود نہیں ہوتا بلکہ تکثیر منظور ہوتی ہے ورنہ ادلہ شرعیہ کے معارض ہو جائیں گے۔) انھوں نے وجود افلاک سے پہلے کیوان یعنی زحل کو اور دانوں سے پہلے روٹی کو دیکھ لیا تھا حالانکہ تعلق بالجسد سے پیشتر نہ انکے لیے دل تھا نہ دماغ جو کہ آلات ادراک ہیں لیکن وہ اسوقت بھی اشیاء کو سوچ رہے تھے اور حالانکہ ان کے پاس نہ شیطان سے لڑنے کے لیے فوج تھی

اور نہ شیطان سے لڑائی تھی مگر وہ اس وقت بھی منصور و مظفر تھے اور شیطان کی کوئی ہستی نہ سمجھتے تھے ان کے لیے

ان عبادی لیس لک علیہم سلطان کا خلعت تیار ہو چکا تھا (اس میں بیان ہے انکی کمال قوت علمیہ کا) جو کچھ حقائق و معارف انپر اسوقت منکشف تھے۔ ان کو انکے لحاظ سے فکرت کہنا مناسب ہے لیکن محجوبین کے لحاظ سے اسکو رویت کہنا مناسب ہے۔ اِس لیے کہ فکرت امر ماضی و مستقبل کی بابت ہوتی ہے اور جب کوئی شے ماضی و مستقبل سے دور اور معائن و مشاہد ہو تو فکرت کیسی۔ پس چونکہ وہ علم واقعات آیندہ کا تھا اِس لیے ان کے لحاظ سے فکرت تھا۔ رہے محجوبین انکے لحاظ سے رویت تھا کیونکہ ان کو ویسا علم بعد وجود بھی حاصل نہیں۔ وہ لوگ بے کیف اور مجردات کو بھی اسیطرح دیکھتے تھے جس طرح باکیف اور مادیات کو۔ اور کان کا وجود بھی نہ تھا مگر وہ کھری کھوٹی معدنیات کو دیکھ رہے تھے۔ انگوروں کی خلقت سے پہلے شرابیں پی چکے تھے اور شور مچا رہے تھے (یعنی تکلیف سے پیشتر شراب محبت الٰہی سے مست اور مخمور ہو چکے تھے) صرف یہ ہی نہیں انکے وجود یا ان کے مادہ اور ظرف سے پہلے ہی انکا مشاہدہ کر رہے تھے بلکہ ان کے ضد کے وجود کی حالت میں بھی انکو دیکھتے تھے۔ چنانچہ ماہ تموز میں جو گرمیوں کا مہینہ ہوتا ہے جاڑے کے مہینے دے کو دیکھتے تھے اور دھوپ میں سایہ کا معائنہ کر رہے تھے۔ حالانکہ انگور میں بالفعل شیرہ ہوتا ہے مگر وہ اسمیں شراب دیکھ رہے تھے اور عدم سابق میں وجود کا مشاہدہ کر رہے تھے یہانتک ان کے کمال علمی و عملی کا بیان ختم ہو گیا۔ آگے اِنکا فیض بیان فرماتے ہیں آسمان کو انہی کے دور ساغر میں سے ایک گھونٹ ملا ہے کہ چکر میں ہے (یعنی اِسکا وجود اور اِسکا چکر انہیں کی بدولت ہے اور دور ایشان۔ اور جرعہ نوش۔ بمناسبت دور فلک استعمال کئے گئے ہیں) اور آفتاب کو یہ جگ مگ کرتا ہوا خلعت زربفت یعنی چمک دمک انہیں کی سخاوت کا نتیجہ ہے (یعنی وہ ہی اِس کے سبب ہیں لہذا گویا انہیں کا دیا ہوا ہے۔) شرح ابیات آیندہ کے لیے کچھ تمہیداً ضروری معلوم ہوتی ہے کیونکہ وہ مدار ہے حل ابیات کا۔ سو جاننا چاہیے کہ مولانا کو ارواح اولیا کے متعلق چار باتیں بیان کرنی ہیں اول کمال قوت علمیہ و عملیہ دوم اِنکا باعث و سبب ایجاد عالم ہونا سوم اِنکا متحد الحقیقت ہونا چہارم انکا متحد فی الصفۃ ہونا۔ اِنمیں سے اول و چہارم ان کے ساتھ مخصوص ہیں اور دوم و سوم غیر مخصوص دو کو اوپر بیان کر چکے اور دو کا بیان کرنا باقی ہے۔ ان کا بیان ابیات آیندہ میں کرتے ہیں۔ انکے بیان سے قبل ایک تمہید کی ضرورت ہے سو جاننا چاہیے کہ لفظ حقیقت کے بارہ میں اہل تصوف کی اصطلاح اہل معقول سے جداگانہ ہے انکی اصطلاح میں حقیقت ظاہر کو کہتے ہیں اور صورت و مرآۃ مظہر کو۔ مثلاً آئینہ میں کوئی شخص اپنی صورت دیکھتا ہے تو وہ شخص خود ظاہر اور حقیقت کہلائیگا اور آئینہ صورت و مظہر و مرآۃ وغیرہ۔ جب یہ تمہید معلوم ہو چکی تو اب سنو کہ عالم کے اندر جس قدر چیزیں ہیں وہ انواع و اشخاص میں منقسم ہیں اور ہر نوع کے لیے کچھ آثار مختصہ ہوتے ہیں جو دوسرے نوع میں نہیں ہوتے مثلاً پانی کی خاصیات جدا ہیں اور آگ کی الگ مٹی کی الگ۔ ہوا کی الگ علیٰ ہذا القیاس اور اُن آثار مختصہ کا ایک مصدر اور منشا ہوتا ہے فلاسفہ اِسکو صورت نوعیہ کہتے ہیں اور صوفیہ اُسکو روح کہتے ہیں پس ہر نوع کی روح کے اشخاص اُس نوع کے افراد و اشخاص سے متعلق ہو کر ان کے آثار مختصہ کا مصدر ہوتے ہیں مثلاً جمادات کے لیے ایک نوع روح ہے جسکا اثر حفظ ترکیب ہے تو اِس نوع روح کے

افراد اشخاص جمادات سے وابستہ ہوکر انکی ترکیب خاصہ کی حفاظت کرین گے۔ علیٰ ہذا نباتات کے لیے ایک نوع روح ہے جسکا اثر تغذیہ وتنمیہ ہے اُس کے افراد۔ اشخاص نباتات سے متعلق ہوکر مفید تغذیہ وتنمیہ مخصوص ہونگے یون ہی حیوانات کے لیے ایک نوع روح ہے جسکا کام ہے۔ تولید مثل واحساس وادراک الی حد معین اسکے افراد افراد حیوانات سے متعلق ہوکر ان کامون کو سرانجام دین گے۔ علیٰ ہذا القیاس انسان کے لیے ایک نوع روح ہے جسکا اثر ہے ادراک حقائق کونیہ ومعارف واسرار الٰہیہ وغیرہ۔ اِس کے اشخاص خاصہ اشخاص وافراد انسانی سے متعلق ہوکر اُس کام کو انجام دین گے یہ بھی معلوم ہوچکا تو اب جاننا چاہیے کہ ان تمام ارواح کے علاوہ ایک روح اور ہے جسکو روح اعظم اور نفس کلی کہتے ہین وہی روح صادر اول ہے حق سبحانہ سے اور مربی ہے اِن تمام ارواح جزئیہ کی۔ اور ارواح جزئیہ اسی کے فیض سے مستفیض اور اسی کے محکوم وتابع ہین۔ لیکن یہ تربیت اضطراری ہے نہ کہ اختیاری بلکہ ایسی ہے جیسے تربیت شمس الاشجار والاثمار۔ اور تربیت مار للاشجار۔ اِس لیے اِسکے لیے علم باحوال المربیات والاشجار وتفاصیل تربیت ضرور نہین چونکہ ارواح جزئیہ اُس کے آثار کا مظہر ہین۔ اور روح اعظم اپنے آثار کے لحاظ سے انمین ظاہر۔ اس لیے روح اعظم کو ارواح جزئیہ کی حقیقت اور ارواح جزئیہ کو اِسکے مظاہر اور مرایا کہا جاتا ہے اور ارواح جزئیہ انسانیہ کو بوجہ ارواح اعظم کے مظہر اتم ہونے کے ارواح زجاجیہ۔ اور روح اعظم کو بظہورہ فی الارواح الانسانیہ الی الوجہ الاکمل روح سراجی کہتے ہین چونکہ اوپر معلوم ہوچکا ہے کہ انکی اصطلاح مین ظاہر فی المظاہر کو انکی حقیقت کہتے ہین اور یہ بھی معلوم ہوچکا کہ روح اعظم تمام ارواح مین اپنے آثار کے لحاظ سے ظاہر ہے اور ارواح جزئیہ عالم اِس کے مظاہر مختلفہ۔ تو یہ کہنا صحیح ہے کہ تمام عالم کی حقیقت ایک ہے اور انھین مین ارواح اہل اللہ بھی ہین۔ لہٰذا ارواح اہل اللہ کا متحد فی الحقیقت ہونا ثابت ہوگیا۔ اہل اللہ کے متحد فی الحقیقۃ ہونے کی ایک دوسری توجیہ بھی ہے جو اس مقام کے مناسب نہین کیونکہ ابیات آیندہ مین اُسکو خال سے تعبیر کرنا اس سے آبی ہے۔ وہ توجیہ یہ ہے کہ حق سبحانہ کو حقیقت ارواح بمعنی ظاہر فیہا مانا جائے اور باقی تقریر وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔ جب کہ یہ معلوم ہوگیا کہ حقیقت ارواح روح اعظم ہے تو اب یہ بتلا دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ روح اعظم کیا ہے۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ روح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے کیونکہ صوفیہ کرام روح اعظم کو صادر اول اور مظہر اکمل واتم حق سبحانہ کا مانتے ہین اور یہ دونون باتین کسی اور شی مین پائی نہین جاتین کیونکہ حدیث شریف مین آیا ہے۔ اول ما خلق اللہ نوری۔ اور جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا مظہر اتم واکمل ہونا خود مسلمات مین سے ہے لہٰذا ضرور ہے کہ دونون کا مصداق ایک ہو۔ اور یہ ہی منشا ہے۔ ہمارے زمانہ کے مدعیان تصوف کی ضلال واضلال کا۔ کیونکہ جب انھون نے روح اعظم کو مربی ارواح عالم جانا تو اول غلطی یہ کی کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو رب العالمین کہنا شروع کر دیا اور نحو تربیت سے واقف نہ ہوسے۔ اگر اسی نوع کی تربیت کی بنا پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو رب العالمین کہنا جائز ہو تو آفتاب کو رب الاثمار وغیرہ اور پانی کو رب النبات وغیرہ کہنا بھی جائز ہوگا۔ اِس بنا پر تمام عالم ارباب سے پر ہو جاویگا ارباب متفرقون خیر ام اللہ الواحد القہار۔ اور یہ فرق کہ پانی وغیرہ تو بہ تربیت روح آن جناب سرور کائنات علیہ التحیات والصلوات مربی ہین نہ بالذات اِس لیے اُن کو ارباب کہنا جائز نہین تو ہم کہین گے کہ روح

آنحضرت تربیت رب العالمین جل مجدہٗ مربی ہے نہ بالذات۔ اس لیے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی رب العالمین کہنا درست نہیں۔ اور دوسری غلطی یہ کی کہ تربیت کو اختیاری سمجھکر آپ کے لیے علم محیط ثابت کیا اور یہ بناء فاسد علی الفاسد ہے۔ کما اوضحناہ فیما سلف۔ ہان یہ تربیت فی نفسہ ایک نعمتِ عظمیٰ و موہبت کبریٰ اور منقبت علیا مختصہ آن جناب ہے جسمین کوئی ممکن آپ کا شریک نہیں۔ والحمد للہ علے ذلک اِس مقام پر ایک اور غلطی یہ کرتے ہین کہ روح اعظم حقیقت محمدیہ کو سمجھتے ہین حالانکہ ہر دو جدا گانہ ہین روح اعظم وہ روح ہے جسکا تعلق بلا واسطہ جسد اطہر سرور کائنات علیہ افضل الصلوات سے ہے اور مخلوق و ممکن ہے۔ اور حقیقت محمدیہ مرتبہ ثانیہ ہے مراتب وجوب مین سے یعنی صفات کا مرتبہ اجمالی جسکو مرتبہ علم بھی کہتے ہین وہ واجب ہے نہ کہ ممکن و مخلوق چونکہ یہ مرتبہ مربی ہے روح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا اِس لیے اِس کو حقیقت محمدیہ کہا جاتا ہے۔ ان تمام غلطیون کا منشاء علوم شرعیہ و اصطلاحات صوفیہ سے ناواقفیت ہے یہ تو اہل اللہ کے متحد الحقیقۃ ہونے کی تفصیل تھی اب ان کے متحد فی الصفۃ ہونے کا بیان سُنو وہ صفت جسمین سب متحد ہین وہ صفت اہتدا اور اپنے کو مرضیات حق سبحانہ کے تابع کر دینا مقتضیات نفس پر خاک ڈالنا۔ تقرب الی اللہ مین ساعی ہوتا ہے۔ چونکہ تفارق و تصادم تخالف و تناقض پیدا ہوتا ہے۔ تزاحم اغراض سے جو کہ اہل اللہ مین مفقود ہے اِس لیے وہ سب متحد و متفق ہین۔ اور جن لوگون پر بہیمیت اور سبعیت کا غلبہ ہے ان کے اغراض مین تخالف ہے۔ لہٰذا ان مین تشتت۔ و تفرق۔ تباغض۔ و تحاسد۔ تمزق۔ و تنازع موجود ہے اور اتحاد و اتفاق مفقود۔ جب یہ تمہید گوش گذار ہو چکی تو اب حل کتاب سُنو۔

چون ازیشان مجتمع بینی دو یار	هم یکے باشند هم سی صد هزار
بر مثال موجہا اعداد شان	در عدد آوردہ باشد بادشان
مفترق شد آفتاب جانہا	در درونِ روزنِ ابدانہا
چون نظر بر قرص داری خود یکیست	آن کہ شد محجوب ابدان در شکیست

یعنی جب انمین سے چند شخصون کو باہم دیکھو تو سمجھ لو کہ وہ سب ایک بھی ہین اور متعدد بھی ایک تو حقیقت اور ظاہر کے لحاظ سے ہین اور متعدد تشخصات اور صور کے ذریعہ سے انکی مثال قریب قریب ایسی ہے جیسے کہ ایک دریا ہو جسکو طوفان باد نے متلاطم کر رکھا ہو اور اِس وجہ سے اِس کے اندر سیکڑون موجین پیدا ہو گئی ہون۔ بس جس طرح یہ موجین اپنی حقیقت کے لحاظ سے ایک ہین۔ کیونکہ سب کی حقیقت پانی ہے۔ اور تشخصات و تشکلات کے ذریعہ سے جدا۔ یون ہی ان اہل اللہ کو سمجھو۔ (مگر انمین اور موجون مین اتنا فرق ہے کہ پانی موجون کے لیے جس طرح حقیقت باصطلاح صوفیہ ہے۔ یون ہی باصطلاح اہل معقول ہے لیکن روح اعظم اہل اللہ کے لیے باصطلاح صوفیہ حقیقت ہے نہ باصطلاح ارباب معقول) ان کے اتحاد حقیقت کی تفصیل یہ ہے کہ انکی ارواح مین آفتاب (روح اعظم) ان کے ابدان مختلفہ سے جو بمنزلہ سوراخون کے ہین جلوہ گر ہو کر متعدد محسوس ہوتا ہے اور حقیقت مین ایک ہے جیسے کہ آفتاب ظاہری مختلف سوراخون مین جلوہ گر ہو کر متعدد محسوس ہوتا ہے اور جب ذات شمس پر نظر کرو تو ایک ہی ہے اسی طرح ان کو حقیقت مین تو باور کر سکتا ہے۔ مگر جن لوگونکو تعداد ابدان نے حقیقت بینی سے روک دیا ہے وہ تو شک ہی مین رہین گے

اور نہیں تو کہ بھلا یہ اشخاص سب جنکے تشخصات جدا تشکلات علیحدہ - افعال و مقتضیات ممتاز و احد کیونکر ہو سکتے ہیں

تفرقہ در روح حیوانی بود ‌‌ ‌ نفس واحد روح انسانی بود
چونکہ حق رش علیہم نورہ ‌ مفترق ہرگز نگردد نور او
روح انسانی کنفس واحدست ‌ روح حیوانی سفال جامدست

جسطرح یہ لوگ متحد بحقیقۃ ہین یون ہی مقصد اور مطمح نظر بھی اِنکا ایک ہی ہے کیونکہ سب طالب حق اور اپنے کو مرضیات حق سبحانہ کے تابع کرنے والے اور مہتدین کامل ہین اس لیے اِنمین تدافع و تمانع بھی نہین - کیونکہ تدافع اور تمانع تفرق - اور تشعب خاصہ ہے سبعیت اور بہیمیت کا اور سبعیت او بہیمیت خاصہ ہے روح حیوانی کا - روح انسانی اِن صفات ذمیمہ سے مبرا ہے اِس بنا پر تفرقہ کا مدار روح حیوانی ہوئی ہے - پس جن پر روح حیوانی کا غلبہ ہوگا انھین مین تدافع اور تمانع حقیقی وہین ہو سکتا ہے اور جن پر روح انسانی غالب ہے وہ سب حقیقۃً متفق ہون گے اِنمین تشعب و تفرق حقیقی و تباین نہ ہوگا - اہل اللہ مین تفرق و تشتت کیونکر ہو سکتا ہے جبکہ حق سبحانہ نے انپر اپنا نور چھڑکا ہے اور اُن کو اسکا کافی حصہ پہونچا ہے اور یہ لوگ اِس کے اثر سے متاثر ہو چکے ہین - اور جب کہ حق سبحانہ کا نور تاثیرات متضادہ و متخالفہ نہین رکھتا بلکہ صرف ایک صفت ہدایت رکھتا ہے اسمین اشارہ ہے ایک حدیث شریف کی طرف جسکا مضمون یہ ہے کہ حق سبحانہ نے ارواح کو جمع کرکے اِنپر اپنا نور چھڑکا - من اصابہ فقد اہتدی - ومن اخطأہ ضل) ہماری تقریر بالا سے یہ شبہ بھی دفع ہوگیا کہ رش نور اگر مقتضی ہے عدم اختلاف کو تو چاہیے کہ اہل حق مین اختلاف نہ ہو - حالانکہ اختلاف مشاہد ہے کیونکہ اہل حق مین دو قسم کا اختلاف ہے - ایک للہ - دوسرا للنفس - اول تو اختلاف حقیقی ہی نہین بلکہ محض صوری ہے اِسکی نفی مقصود ہی نہین دوسرا اختلاف اختلاف حقیقی ہے لیکن اِسکا منشا روح حیوانی ہے اب اگر وہ نسبت اتحاد کے بہت کم ہے تو نظر کرنے کے قابل ہے اور اگر زیادہ ہے تو اِسکا منشا غلبہ روح حیوانی اور روح انسانی کی کمزوری اور نور کا کم پہونچنا ہے - پس رش نور تو عدم اختلاف ہی کو مقتضی ہے لیکن جس قدر پہنچے گا اُتنا ہی اتحاد پیدا کریگا -) پس ثابت ہوا کہ تمام ارواح انسانیہ گویا کہ ایک ہی ہین اور یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ روح حیوانی بالکل بے قدر و بے حقیقت مثل سفال جامد ہے -

عقل جزو از رمز این آگاہ نیست ‌ واقف این سر بجز اللہ نیست
عقل را خود با چنین سودا چہ کار ‌ کر مادر زاد با سرنا چہ کار

عقل ناقص اِس حقیقت کی واقفیت کے لیے کافی نہین کیونکہ انکو ایسی قوت عطا نہین کی گئی ہے کہ وہ بطور خود اور اشیاء کی طرح اِس کا بھی ادراک کرلے بلکہ اِس کے علم کو حق تعالےٰ نے اپنے لیے رکھا ہے پس اپنے خاص خاص بندون کو اِس سے سرفراز فرماتے ہین خود عقل کو اِس متاع بے بہا سے کیا واسطہ - کہ اِسکو تو اِس کے ادراک کی قوت تفویض ہی نہین کی گئی - اِس بنا پر وہ حقیقت کی نسبت سے ایسی ہے جیسے پیدایشی بہرا - شہنائی کے لحاظ سے - اور پیدایشی بہرے کو شہنائی سے کیا کام - تو اِسی طرح عقل کو بھی اِس حقیقت سے کوئی تعلق نہین -

یکزمان بگذار اے ہمرہ ملال — تا بگویم وصف خالے زان جمال
در بیان ناید جمالِ خالِ او — ہر دو عالم چیست عکسِ خالِ او
چونکہ من از خالِ خوبش دم زنم — نطق میخواہد کہ بشگافد تنم
ہمچو مورے اندرین خرمن خوشم — تا فزون از خویش بارے میکشم
کے گذارد آنکہ رشکِ روشنی ست — تا بگویم آنچہ فرض و گفتنی ست
بحر کف پیش آرد و سدے کند — جر کند وز بعد جر مدے کند

اوپر روح اعظم کا تذکرہ کیا جو کہ جمال حق سبحانہ کے لیے بوجہ مظہر اتم ہونے کے بمنزلہ خال کے تھی۔ اس کے ذکر سے مولانا کا ساغر لذت لبریز ہوتا ہے اور جوش مستی مین فرماتے ہین شعر ۵ زبان پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا + کہ میرے نطق نے بوسے میرے دہن کے لیے + اے رفیق تو ذرا اکتا نا نہین۔ مین بجمال محبوب حقیقی کے خال اور مظہر روح اعظم کی کچھ صفت بیان کرون۔ بیان کے لیے الفاظ نہین ملتے تو پریشان ہو کر فرماتے ہین اُس کے اوصاف تو احاطہ بیان سے باہر ہین مین بیان کیونکر کرون مختصر اور ناکافی بیان یہ ہے کہ دونون عالم اس خال کا عکس ہین۔ اور سب اس کے فیض سے مستفیض اور اسی کے باعث موجود ہین جب کہ مین اپنی استطاعت کے موافق اس کے خال خوب کے اوصاف بیان کرنا چاہتا ہون تو میری گویائی راہ زبان کو ناکافی سمجھکر میرے جسم کو پھوڑ کر نکلنا چاہتی ہے گو مجھ مین اس خال کے پورے اوصاف کے بیان کرنے کی قدرت نہین۔ مگر جس قدر ہے اتنی ہی سے خوش ہون کہ اپنی بساط سے زیادہ بوجھ اُٹھائے ہوے ہون۔ ورنہ مین تو اس کے قابل بھی نہ تھا۔ پس میری مثال ایسی ہے جیسے ایک چیونٹی کہ خرمن مین سے ایک دانہ کھینچ لاتی ہو اور سمجھتی ہو کہ مین تمام خرمن کو نہ اُٹھا سکی مگر پھر بھی اپنی حیثیت سے زیادہ اُٹھا لائی اول تو مجھے اس خال کے پورے طور پر اوصاف بیان کرنے پر قدرت ہی نہین مگر جس قدر بیان کرسکتا ہون اور کرنا چاہیے اُسکو بھی مفصل نہین بیان کرسکتا کیونکہ رشک روشنی (یعنی حق سبحانہ) کے خلاف مرضی ہونے کا خیال مانع ہے (حق سبحانہ کو رشک روشنی اور روح اعظم کو خال کہتے مین ایک لطیف نکتہ ہے وہ یہ کہ وجود مشابہ ہے نور سے۔ لکونہما مقتضیین للظہور۔ اور عدم فنا مشابہ ہین ظلمت اور تاریکی سے لاقتضائہما الخفاء۔ پس حق سبحانہ جو وجود بحت ہین جن مین شائبہ عدم کبھی نہین اُنکو استعارۃً روشنی بلکہ رشک روشنی کہا۔ کہ عام روشنیون مین وہ ظہور اور اسکے لیے وہ وجود کہا۔ جو حق سبحانہ کے لیے ہے۔ اور روح اعظم کہ فی حد ذاتہ ممکن اور ہالک لذات ہے اُس کو فی ذاتہ تاریک اور سیاہ مانا۔ لیکن چونکہ صرف مظلم اور تاریک ہی نہ تھی بلکہ جمال رشک روشنی سے کافی طور پہ بہرہ اندوز اور اسکا مظہر اتم تھی اس لیے اُس کو خال کہا کہ خال فی نفسہ سیاہ اور تاریک ہوتا ہے مگر حسن محبوب اسکو زیور جمال سے متجلی اور نور حسن سے متجلی کردیتا ہے) اس لیے میری ایسی مثال ہے جیسے دریا بہتا ہو۔ اور خس و خاشاک کو کھینچکر اپنے سامنے روک قائم کردے جو کہ اُس کو بہنے سے روکدے۔ پس جیسے وہ اول خس و خاشاک کو کھینچکر لاتا ہے اور پھر ان کو اپنے سامنے پھیلاتا ہے اور وہ خس و خاشاک اس کو روانی سے روک دیتے ہین یون ہی اولاً میری طبیعت کا دریا اظہار حقائق و اسرار کے لیے جوش مارتا ہے مگر پھر وہی ایک مانع کو پیدا

کر دیتا ہے جو کہ اسکو روانی سے روک دیتا ہے یعنی حق سبحانہ کی ناخوشی (کما ھو الظاہر من کہ گرد آنکہ رشک روشنی ست اور سامع کی طبیعت کا قصہ کی طرف مائل ہونا (کما ھو الظاہر من قولہ این زمان بشنو چہ مانع شد مگر الخ) ان دو باتوں کا خیال پیدا ہوتا ہے اُس سے طبیعت رُک جاتی ہے۔

شرح شبیری دفتر صوفی الخ۔ یعنی فرماتے ہیں کہ صوفی کا دفتر مثل علماء ظاہر کے سیاہی اور حروف نہیں ہوتا بلکہ اُسکا دفتر تو بجز دل سفید مانند برف کے اور کچھ نہیں ہے۔ یعنی صوفی تو اُس دفتر میں جس میں کہ حروف ہوتے ہیں مطالعہ نہیں کرتے بلکہ اُنکا دفتر اور ملتفت الیہ تو اُنکا دل ہے جو کہ انوار کی وجہ سے برف کی طرح سفید ہو رہا ہے یہاں یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ اوپر تو کہا تھا کہ اُنکا ملتفت الیہ صرف حضور یار ہوتا ہے اور وہ اُسی طرف لگے رہتے ہیں اور یہاں کہتے ہیں کہ اُنکا ملتفت الیہ سوائے قلب کے اور کچھ نہیں ہوتا تو بظاہر ان دونوں صورتوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے مگر تعارض نہیں ہے اس لیے کہ حضور یار جب حاصل ہوگا اور جب یار کی طرف توجہ ہوگی وہ بواسطہ دل کے ہی ہوگی لہذا قلب ملتفت الیہ بالعرض ہوا اور حضور یار ملتفت الیہ بالذات ہوا تو معنی یہ ہوگئے کہ صوفی تو بواسطہ قلب کے حضور یار ہی میں مشغول اور اُسی طرف ملتفت رہتے ہیں آگے بھی اسی کو فرماتے ہیں کہ زاد دانشمند الخ۔ یعنی دانشمند اور عالم ظاہر کا سرمایہ تو یہی قلم کے آثار ہیں جو کہ وہ لکھتا ہے اور صوفی کا سرمایہ انوار قدیم ہیں مطلب یہ کہ صوفی اور عارف کا التفات تو اُس ذات قدیم کے انوار کی طرف رہتا ہے اور علماء کا التفات اور اُنکی توجہ کتب وغیرہ میں رہتی ہے جیسا کہ ظاہر ہے اب یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ انوار قدم سے مراد تجلیات افعالی ہیں اس لیے کہ سالک کو اسی طرح معرفت حاصل ہوتی ہے کہ اول اُسکو تجلیات افعالی منکشف ہوتی ہیں اُن کے دیکھنے کے بعد اُن کے ذریعہ سے ذات و صفات کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے پس یہاں انوار قدم سے مراد تجلیات قدیمہ نہیں ہیں اس لیے کہ افعال باری تعالےٰ تو سب حادث ہیں صرف ذات و صفات قدیم ہیں بلکہ معنی یہ ہیں کہ ذات قدیم کے انوار اور سلوک کی یہی ترتیب ہے کہ اول سالک کو تجلیات افعالی کا ظہور ہوتا ہے پھر ان کے ذریعہ سے تجلیات ذاتی و صفاتی منکشف ہوتی ہیں اور اسی ترتیب کو مولانا خود اگلے شعر میں فرماتے ہیں کہ۔

ہمچو صیادے الخ۔ یعنی جیسے ایک شکاری کسی شکار کے پیچھے گیا اور (مثلاً) ہرن کے آثار دیکھکر اُنپر چلنا شروع کیا تھوڑی دیر تک تو یہ نشان قدم اُس کے کام آوینگے اُس کے بعد خود نافہ ہرن اُس کا رہبر بن جاویگا مطلب یہ کہ صوفی کا سرمایہ انوار قدم کا ہونا اس طرح سمجھو کہ جیسے کوئی شکاری ہرن کے پیچھے گیا اور اسکے نشان قدم دیکھتا چلا گیا اور یہ نشان قدم اُس ہرن کے افعال ہیں صفات یا ذات تو نہیں مگر یہی نشان قدم اُس کی ذات کی بھی معرفت کرا دینگے اور ایک وقت میں اُس تک لیجاکر کھڑا کرینگے اسیطرح اول سالک کو تجلیات افعالی کا ظہور ہوتا ہے اُس کے بعد اُنکی مدد سے ذات و صفات کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے مگر یہ نشان قدم پر چلنا اُس کو تھوڑی ہی دور تک لائق ہے اُس کے لیے یہی مناسب ہے کہ کچھ دور تک تو ان آثار کو دیکھتا ہوا چلا جاوے اُس کے بعد تو اُس کے نافہ کی خوشبو خود اُسکو اپنی طرف بلائیگی اور وہ خوشبو خود بتلا دیگی کہ اے طالب وہ ذات جسکی تو تلاش میں ہے یہاں موجود ہے یہاں مولانا نے

فن ہکے ایک مسئلہ کی طرف اشارہ کردیا کہ سلوک بغیر جذب کے کافی نہین ہوتا تفصیل اسکی یہ ہے کہ جب سالک راہ طے کرتاہے تو اول اسکو تجلیات ہوتی ہین اُس کے بعد باری تعالےٰ کی طرف جذب ہوتاہے اور وہ اسکو اپنی طرف کھینچے ہین تب تو اسکو وصول الی اللہ میسر ہوتاہے پس جیساکہ اِس ہرن کے نافہ کی خوشبو کچھ دیر بعد اُس طالب کو اپنے صاحب کے وجود پر مطلع کردیتی ہے اسیطرح یہ تجلیات افعالی ذات وصفات کی معرفت کے لیے آلہ اور سبب ہوجاتی ہین اور جب انسان عمل کرتا رہتاہے تو اُس کو اکثر جذب ہو ہی جاتاہے ورنہ بغیر جذب کے تو واصل ہو ہی نہین سکتا اسکی ایسی مثال ہے کہ جس طرح ایک بزرگ جارہے تھے اور سامنے ایک بادشاہ کسی غرفہ وغیرہ مین بیٹھے تھے ان کو دیکھنے کا بہت اشتیاق تھا جب دیکھا تو پکارا کہ حضرت بہت روز سے آپ سے ملنے کا اشتیاق تھا آج بعد مدت کے یہ دولت نصیب ہوئی ہے اب اگر دروازہ کی طرف کو آپ آوین گے تو بہت ہی چکر پڑیگا اس لیے کہ قلعہ وغیرہ تو بہت دور مین ہوتے ہین لہذا مین کمند ڈالتا ہون آپ اُسیر کو تشریف لے آوین غرضکہ اُس نے کمند ڈالی اور اسکو انھون نے پکڑلیا بادشاہ نے اُن کو کھینچ لیا جب وہ آگئے تو اُس نے کہا کہ حضرت مجھے بہت روز سے اسمین اشکال ہے کہ آپ واصل الی الحق کس طرح ہوے اور خدا تک کس طرح پہونچے انھون نے بہت ہی عمدہ جواب دیا کہنے لگے کہ اِس طرح پہونچا جس طرح کہ تم تک پہونچا اس لیے کہ اگر مین آنا چاہتا تو نہین معلوم کس قدر موانع ہوتے کہین دربان روکتے کہین کچھ کہین کچھ اور جب آپ نے بلانا چاہا تو فوراً کمند ڈال دی اور کھینچ لیا۔ پس اگر اُس طرف سے جذب نہ ہو تو پھر کوئی سالک بھی واصل نہین ہوسکتا اور یہی وجہ ہے کہ شیطان نے اِس قدر عبادت کی اور پھر بھی مردود ہوا اِس لیے کہ سالک محض تھا اور اسکو جذب نہ ہوا تھا پس صرف سلوک کام نہ آیا اور دیکھو اگر اُس طرف سے جذب ہوچکا ہوتا تو وہ کیا یہ کہہ سکتا تھا کہ اسجد لمن خلقت طینا اُسکی تو حالت اگر جذب ہوجاتا تو یہ ہوتی کہ ارشاد کو بجان ودل بجالاتا پھر اپنی ہستی کو ہستی نہ سمجھتا اور یہ نہ کہتا کہ خلقتنی من نار وخلقتہ من طین اور عادت اللہ یون جاری ہے کہ جو مجذوب ہوجاتاہے اور جسکو اُس طرف سے جذب ہوجاتاہے پھر وہ گمراہ نہین ہوتا۔ ہان خود اُس کو ہر وقت اور ہر گھڑی یہ خوف رہنا چاہیے کہ شاید مین مردود ہوجاؤن اور اِس جذب کی بابت حدیث مین آیاہے وکذلک الایمان اذا خالط بشاشتہ القلوب۔ یعنی ایمان اور اعمال صالحہ قلب مین اُترکر جاوین اور جگہ پکڑجاوین اور جب تک یہ نہین ہوتا اُسوقت تک وہ شخص واصل ہی نہین ہوا پس مقصود یہ ہوا کہ اول سالک کو تجلیات افعالی کا ظہور ہوتاہے اُس کے بعد اُن کے واسطہ سے تجلیات ذاتی وصفاتی کی معرفت ہوتی ہے پھر اُس طرف سے جذب ہوتاہے اُس وقت کامل اور واصل الی الحق ہوتاہے آگے بھی یہی فرماتے ہین کہ۔

چون شکر الخ۔ یعنی جب اُس نے اُس نشان قدم کی قدر کی اور اُسی کے ذریعہ سے راستہ طے کیا تو آخرکار اُس نشان قدم کے ذریعہ سے مقصد کو پہونچ گیا مطلب یہ کہ جب اُن تجلیات افعالی کے ظہور کے وقت یہ راستہ کو طے کرتا رہا اور ٹھہرا نہین بلکہ تلاش مطلوب مین چلتا ہی رہا تو آخرکار ایک دن جذب ہو ہی گیا اور فائز المرام ہو ہی گیا آگے فرماتے ہین کہ۔

رفتن الخ - یعنی تیرا ایک منزل نافہ کی بو پر چلنا تیری سو منزلون سے بہتر ہوگا جو صرف نشان قدم پر چلنا ہوگا اور صرف طواف ہی ہوگا مطلب یہ کہ جذب کے ساتھ ایک منزل کا طے کرنا زیادہ نافع اور بہتر ہوگا بغیر جذب کے سلوک محض سے سو منزلین طے کرنے سے کسی بزرگ کا قول ہے جذبۃ من جذبات الرحمٰن خیر من عبادۃ الثقلین یعنی اگر اُس طرف سے ایک جذبہ بھی ہوجاوے تو پھر جو قرب اور جو مقصود اُسمین حاصل ہوگا وہ ثقلین کی اُس عبادت سے جو بغیر جذب ہو بہتر و انفع و ارفع ہے اور یہ تو بہت موٹی بات ہے اس لیے کہ اول صورت مین تو اس طرف سے طلب اور شان محبیت کی ہے اور صورت ثانیہ یعنی جذب کی صورت مین اُس طرف طلب ہے اور شان محبوبیت کی ہے تو جب وہ چاہین گے تو ایک دم مین واصل کرلین گے اور اگر صرف یہی چاہے گا تو سر مارتا پھرا کرے کبھی بھی وصل سے بہرہ ور نہین ہوسکتا - لہذا معلوم ہوا کہ جذب من الحق ہی اصل ہے آگے بھی اسی مضمون کو بیان فرماتے ہین کہ -

سیر زاہد الخ - یعنی زاہد کی پہونچ تو ہر مہینہ مین پیش گاہ تک ہوتی ہے اور عارف کی پہونچ ہر دم تخت شاہی ہوتی ہے (زاہد سے مراد سالک غیر مجذوب اور عارف سے مراد مجذوب پیشگاہ کہتے ہین اُس دروازہ وغیرہ کو جہان سے بادشاہ سامنے ہو) مطلب یہ کہ سالک بغیر جذب کے تو ایک مدت دراز مین کہین پیشگاہ تک پہونچ سکے گا یعنی بہت سے بہت ایک مدت مین قرب اور تجلیات اور انوار کو دیکھ لیگا مگر وہ شخص جو کہ مجذوب ہے ہر دم اور ہر گھڑی واصل ہوتا ہے اور تخت شاہی تک پہونچتا ہے اس لیے کہ جب انھون نے چاہا بہت ہی تھوڑی مدت مین بہت جلد واصل ہوگیا پس معلوم ہوا کہ بغیر جذب من الحق کے کوئی واصل نہین ہوسکتا اب آگے اُس پہلے شعر دفتر صوفی سواد و حرف نیست الخ کے مضمون کی طرف رجوع کرتے ہین فرماتے ہین کہ -

آن دلے الخ - یعنی وہ دل جو کہ ماہتابون کا مطلع ہے اور عارف کے واسطے فتحت ابوابہا کا مصداق ہے مطلب یہ کہ وہ دل سفید وہ دل ہے کہ مہتابون اور تجلیات الٰہیہ کا مطلع ہے اور عارف کے لیے تو یہ ابواب جنت کے کھلنے کا سبب ہے اس لیے کہ جو عارف ہوگا وہ اعمال صالحہ کریگا لہذا اُس کے لیے جنت کے دروازہ کھل جاوین گے اسیطرح جب وہ اُس قلب کے ذریعہ سے باری تعالےٰ کی طرف متوجہ اور ملتفت ہوگا تو اُس کے لیے جنت معارف کے دروازہ کھل جاوین گے اب آگے اُس قلب کا باعتبار استعداد کے متفاوت ہونا فرماتے ہین کہ -

با تو الخ - یعنی تیرے پاس تو وہ ایک دیوار کی طرح ہے اور اُن کے پاس ایک موتی کی طرح ہے اور تیرے پاس تو پتھر ہے اور اُن عزیزون اور عارفون کے نزدیک گوہر ہے مطلب یہ کہ یہ قلب تیرے پاس تو ایسا ہے کہ جس طرح دیوار ہوتی ہے اس لیے کہ تو اُس سے کام ہی نہین لیتا اور عارفون کے پاس ایسا ہے جیسا کہ موتی ہوتا ہے اپنی درخشانی مین یعنی قلب عارف منور ہوتا ہے بانوار الٰہیہ اس لیے وہ مثل دُر کے ہے اور چونکہ قلب عامی بالکل بے نور اور بیکار ہوتا ہے اس لیے مثل دیوار کے ہے آگے پھر اسی تفاوت کو بیان فرماتے ہین کہ -

آنچہ تو الخ - یعنی جو چیز کہ تم آئینہ مین بالکل عیاناً اور ظاہر طور پر دیکھ رہے ہو پیر اور عارف اُسکو اینٹ مین اس سے پہلے سے دیکھ رہا تھا آئینہ کو آئینہ بعد صیقل کہتے ہین اور مراد عالم بعد تکون اور قبل صیقل اُسکو خشت

کہتے ہیں اور مراد عالم قبل تکون) مطلب یہ کہ تم جو کچھ اس وقت اس عالم میں مخلوقات وغیرہ دیکھ رہے ہو اور اپنے قلب سے بعد صیقل کے ان کو دیکھ کر حق تعالےٰ کی معرفت کر رہے ہو تو جو عارف ہوتے ہیں وہ ان اشیا سے پہلے ہی قبل تکون سے معرفت حاصل کرتے تھے۔ پس جس طرح ارواح میں تفاوت ہوتا ہے اسیطرح بعد اُن کے ظہور کے اُنکی استعداد میں بھی تفاوت ہوتا یہاں صرف یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ یہ تکوینیات قبل از تکون ارواح کے سامنے حاضر تھیں اور اُس کے ذریعہ سے ان کو معرفت ہوتی تھی تو اس سے کوئی محذور لازم نہیں آتا بلکہ یہ بات ممکن ہے کہ بعض ارواح کو اُن کے ذریعہ سے معرفت حاصل ہوتی ہے اور یہاں یہ شبہ بھی نہیں ہو سکتا کہ اگر اُن کے وہ اشیاء وہاں پیش نظر تھیں تو یہاں آکر وہ یاد کیوں نہیں اور اُنکا ذہول کیوں ہوا اس لیے کہ دیکھو جس طرح ازل میں تمام ارواح کو جمع کر کے اللہ تعالےٰ نے اقرار ربوبیت لیا تھا اور سب نے اقرار کر لیا تھا لیکن اس وقت کسی کو بھی یاد نہیں الا ماشاء اللہ سوا اگر ایک آدھے کو کسی کو یاد بھی ہوا جیسے کہ بعض بزرگوں کی حکایتوں سے معلوم ہوتا ہے تو اُس سے کلیہ نہیں بن سکتا پس فرماتے ہیں کہ جو چیز کہ ان کونیات میں تم اب بعد قلب کی صفائی دیکھتے ہو اُسکے ذریعہ سے معرفت حاصل کرتے ہو جو لوگ کہ عارف ہیں وہ اللہ تعالےٰ کے یہاں حالت روح ہونے میں بھی مشاہدہ کرتے تھے اور اس کے ذریعہ سے معرفت ہوتی تھی آگے فرماتے ہیں کہ۔

پیر ایشانند الخ۔ یعنی وہ وہ بوڑھے (اور عارف ہیں) کہ جب یہ عالم بھی نہ تھا مگر اُنکی جان دریائے جود (یعنی معرفت) میں تھی مطلب یہ کہ اُنکو قبل تکون بھی انکے ذریعہ سے معرفت ہوئی تھی اور اس عالم کی پیدائش سے پہلے بھی وہ دریائے معرفت میں تھے آگے بھی یہی مضمون ہے فرماتے ہیں کہ۔

پیش ازین الخ۔ یعنی وہ اس بدن سے پہلے بہت سی عمریں گذار چکے ہیں اور اس کھیتی سے قبل ہی پھل اُٹھا چکے ہیں مطلب یہ کہ اس بدن میں آنے سے پہلے ہی اُنھوں نے بہت بڑی مدت معرفت ہی میں گذار دی ہے اور عمل کرنے سے پہلے ہی وہ پھل پا چکے ہیں اس لیے کہ اعمال تو اس عالم میں آنے کے بعد ہوئے ہیں اور اُن کی معرفت پہلے سے اسیطرح تھی لہذا اس عمل کی کھیتی سے پہلے ہی وہ پھل اُٹھا چکے ہیں آگے فرماتے ہیں کہ

پیشتر الخ۔ یعنی (وہ ایسے لوگ ہیں کہ) نقش سے پہلے ہی جان کو قبول کر چکے ہیں اور بحر کے ہونے سے پہلے ہی موتی پرو چکے ہیں (نقش سے مراد تعلق بالجسد بحر سے مراد عالم کہ دریائے معارف ہے) مطلب یہ کہ وہ تعلق بالجسد سے پہلے ہی جان کو قبول کر چکے ہیں یعنی معرفت حاصل کر چکے ہیں اور دریا کی پیدائش سے قبل ہی وہ موتی حاصل کر چکے ہیں اور موتی سے نفع ہوتا ہے اُس کا لڑی میں پرونا اور ان کونیات کا نفع یہ ہے کہ انکے معرفت حاصل ہو بس وہ اس عالم میں آنے سے پہلے ہی معرفت حق حاصل کر چکے ہیں۔

مولانا کو اس مقام پر روح کے چند احکام خاصہ و عامہ بیان کرنا مقصود ہے۔ خاصہ تو وہ جو کہ خاص اہل اللہ کاملین کے ساتھ مختص ہیں اور عام وہ جو کہ اُن کے علاوہ اور دوسروں میں بھی پائے جاتے ہیں اوپر سے بھی یہی مضمون آرہا ہے اور آگے بھی اسی مضمون کو بیان فرماتے ہیں اور یہاں تک جو بیان ہوا ہے وہ تو احوال و احکام خاصہ تھے اور آگے بھی احوال خاصہ ہی بیان فرماتے ہیں اُس کے بعد بعض وہ احکام بھی بتلا دینگے جو کہ عام ہیں ارواح کاملین و غیر کاملین پر۔ ان پہلے اشعار کا ماحصل تو یہی تھا کہ ارواح

کاملین کو قبل تعلق بالجسد بھی معرفت حاصل ہوتی ہے بلکہ کونیات کا علم اور اُنکی معرفت قبل اُن کے تکون کے ہوتی ہے اور یہ مسئلہ کشفی ہے جسکی کوئی دلیل بجز کشف کے نہیں ہے کہ ان حضرات کو یہ بات مکشوف ہوئی کہ قبل تعلق بالجسد بھی معرفت ہوتی ہے اور معرفت کا ہونا تو خود نصوص سے ثابت ہوتا ہے اِس لیے کہ دیکھئے اقرار ربوبیت ارواح ہی سے لیا گیا ہے اور اُن کو اسوقت اِس خاص امر کی معرفت تھی پھر حدیث مین ہے کہ الارواح جنود مجندۃ الخ یعنی ارواح ایک لشکر کے لشکر ہین اب اُنمین سے جن مین وہان اُلفت اور مناسبت تھی اُنمین یہان آکر بھی الفت اور مناسبت ہے اور جنمین وہان تناکر تھا اور مناسبت نہ تھی اُنمین یہان بھی تناکر ہی رہتا ہے پس اِس قدر تو معلوم ہوا کہ بعض علوم و معارف ارواح کو وہان بھی حاصل تھی اور اِس عالم مین آکر اِنکا اثر بھی مرتب ہوا تو اگر یہ حضرات اپنے کشف اور مشاہدہ سے کسی دیگر معارف کے حصول کے بھی مقر ہین تو کیا حرج ہے اور مان لینے مین کیا محذور ہے کہ خداوند کریم نے ان کو وہان کونیات کے تکون سے پہلے ہی معرفت عطا فرمادی تھی لہذا ایک حکم تو یہ ہوا کہ روح کو قبل از تعلق بالجسد ہی معرفت اشیاء تھی اِسکو پہلے بیان فرما آئے ہین اور آگے بھی اسی کو فرماتے ہین

خداوند تعالےٰ کا مشورہ کرنا فرشتوں سے مخلوق کو پیدا کرنے مین

مشورت میرفت الخ۔ یعنی مشورہ جاری تھا مخلوق کے پیدا کرنے کے بارہ مین اور یہ حضرات قدرت کے دریا مین حلق تک غرق تھے۔ مطلب یہ کہ ابھی مخلوق کی پیدائش کا مشورہ ہی تھا (اور مشورہ کہدینا باعتبار ظاہر کے ہے ورنہ خداوند کریم کو مشورہ کی کیا ضرورت تھی) اور ابھی تک انسان پیدا بھی نہ ہوا تھا مگر جو کاملین ہین انمین اُسوقت بھی استعداد موجود تھی اور اُسوقت بھی آثار قدرت کے مشاہدہ مین از سرتا پا غرق تھے اور اُسوقت بھی انکو مشاہدہ اور معرفت حاصل تھی تو جب انکو اُسوقت بھی معرفت حاصل تھی اور وہ مشاہدہ کر رہے تھے تو ضرور ہے کہ انکو اِس مشورہ کی بھی خبر ہوگی اور اُن کو یہ بھی اطلاع ہوگی کہ ہمارے ایجاد کا مشورہ ہو رہا ہے اور فرشتے یہ جواب دے رہے ہین اِسی کو فرماتے ہین کہ۔

چون ملائک الخ۔ یعنی جب ملائک اِس ایجاد کے مانع ہوئے تو ملائکہ پر تال بجاتے تھے (ٹھنک تالی بجانا) مطلب یہ کہ جب اُن کو معرفت قبل تکون ہی تھی تو جو مشورہ ہو رہا تھا اِس کو وہ سب دیکھ رہے تھے اور جب ملائکہ نے عرض کیا اتجعل فیہا من یفسد فیہا اور اِس عرض سے یہی مطلب تھا کہ اُنکو پیدا نہ کیا جاوے تو چونکہ ان حضرات کو معرفت تھی یہ اُنپر ہنستے تھے کہ یہ فضول دخل در معقولات دیتے ہین اور انکو اِس سے کیا مطلب یہ تو ہونیوالی بات ہے یہان یہ شبہ نہ ہو کہ یہان فرشتون کی شان مین ایک گستاخی معلوم ہوتی ہے کہ اُن کو اِس امر کی اطلاع نہ تھی اور اُنپر یہ لوگ ہنس رہے تھے دوسرے اوپر کے شعر مین اللہ تعالےٰ کے لیے مشورہ کو ثابت کرتے ہین بات یہ ہے کہ اول تو صفات انسانی صفات ملائکہ سے افضل و اشرف ہین دوسرے یہ کہ اِس حالت مین چونکہ مولانا اولیاء اللہ کی معرفت اور حقیقت کو بیان فرمارہے ہین اِس لیے اُن کو ایک جوش مین کہدیا اور اِسی حالت مین یہ بھی کہدیا کہ ابھی مشورہ ہی تھا کہ اُن کو خبر تھی جس کو ایک جگہ خود بھی فرماتے ہین کہ ؎ گفتگوئے عاشقان در امر رب ٭ جوشش عشق ست نے ترک ادب ٭ حاصل یہ ہوا کہ کاملین کی معرفت وجود اشیاء سے پہلے اور خود اُن کے تعلق بالجسد سے بھی پہلے سے تھی آگے اِس کو پھر صاف طور سے فرماتے ہین کہ۔

مطلع بر نقش الخ یعنی وہ ہر اُس شخص کی حالت پر مطلع تھے جو کہ ہست ہوا اس سے پہلے یہ نقش مٹی میں پابند ہوا مطلب وہی کہ ہر شے کے ہست ہونے کے قبل اور تعلق بالجسد سے پہلے اُن کو اُسکی معرفت تھی یہاں یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ اِس سے اُن کے علم کا محیط ہونا لازم آتا ہے اِس لیے کہ یہاں مولانا کو یہ مقصود نہین ہے اور مقصود ہو بھی کیسے سکتا ہے جب کہ اور دلائل سے یہ امر منتفی ہے بلکہ مقصود صرف اِس قدر ہے کہ اُن کو علم بقدر ضرورت تھا آگے بھی اِسی کو فرماتے ہین کہ۔

پیشتر ز افلاک الخ یعنی افلاک سے پہلے کیوان کو دیکھ چکے ہین اور دانون سے پہلے روٹی کو دیکھ لیا ہے یعنی ابھی متبوع موجود ہی نہین ہوا اور اُس کے توابع کو دیکھ لیا مثلاً آسمان ابھی پیدا بھی نہین ہوا اور ستارے جو کہ اُسکے تابع تھے اُنکی معرفت ہوئی اور دانون سے پہلے روٹی کو پہچان لیا اور یہان یہ مراد نہین کہ افلاک سے پہلے کواکب کو دیکھ لیا یعنی افلاک کو نہین دیکھا نہین بلکہ مراد یہ ہے کہ افلاک کا علم تو ہوا مگر یہ کچھ ایسا بعید نہین ہے بلکہ بعید یہ ہے کہ افلاک کے تکون سے قبل ہی کواکب کی معرفت ہوگئی پھر فرماتے ہین کہ۔

بے دماغ و دل الخ یعنی بے دل و دماغ کے فکر سے پر تھے اور بے سپاہ و جنگ کے مدبر آمادہ تھے۔ (فکر سے مراد علم ہے) مطلب یہ کہ بغیر دل و دماغ کے جو کہ آلہ ہین ادراک علوم کا اُن کو علوم و فکر موجود تھے اور بغیر آلات اور اسباب کے اُنکو علوم حاصل تھے یہ تو اُن کی قوت علمیہ کا بیان تھا آگے اُنکی قوت عملیہ کا بیان ہے کہ وہ باوجود اس کے کہ اُن کے پاس شیاطین کو دفع کرنے کے اسباب موجود نہ تھے مگر پھر بھی منصور علی الشیطان تھے اور وہ جانتے تھے کہ ہم پر اُسکا قابو چل ہی نہین سکتا جیسا کہ قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے فرماتے ہین لیس لک علیھم سلطان۔ پس اُنکو اس سے قبل سے یقین تھا اور معرفت تھی آگے بھی اِسی کو فرماتے ہین کہ

آن عیان نسبت الخ یعنی یہ معائنہ اُنکی نسبت تو فکر ہے۔ مگر جو لوگ دور ہین اُنکی نسبت رویت ہے۔ مطلب یہ کہ اِس معائنہ اشیاء کو اُن اولیاء اللہ کی نسبت سے فکر کہدیا اِس لیے کہ اُن کو جو اور علوم حاصل ہوے ہین اُن کے مقابلہ مین یہ کچھ بھی نہین اور بالکل ہیچ ہین۔ ہان جو لوگ دور ہین اور جنکو معرفت نہین اُنکی نسبت سے یہ مثل رویت کے ہے کہ اُن کو یہی حاصل ہو جاتا بہت غنیمت ہے آگے بھی اِسی کی تشریح فرماتے ہین کہ۔

فکرت از ماضی الخ یعنی تیرا فکر تو ماضی اور مستقبل سے ہوتا ہے اور جب ان سے دور ہوگیا تو بس مشکل حل ہوگئی مطلب یہ کہ فکر تو اسی طرح ہوتا ہے کہ یا تو کسی زمانہ ماضی کے کام کو سوچا جاوے یا مستقبل کے۔ اور جہان ماضی اور مستقبل ہی نہ ہو بلکہ سب اشیاء مشاہد اور معائن ہون تو پھر اُن کو فکر کیون ہوگی اِس لیے کہ جب اِن قید ماضی و مستقبل سے نکل گئے بس مشکل حل ہوگئی یہان فکر سے مراد فکر متعارف ہے یعنی اُن کو سوچنے کی ضرورت نہین ہے اور اوپر فکر سے مراد یہ تھا کہ چونکہ اُن کے علوم ان سے بہت عالی ہین اس لیے انکو فکر کہدیا آگے بھی اسی کو فرماتے ہین کہ۔

دیدہ چون الخ یعنی وہ بے کیف اور بے باکیف کو دیکھے ہوے ہین اور کان سے پہلے ہی کھوٹے کھرے کو دیکھ چکے ہین مطلب یہ کہ جس طرح وہ مادیات کو دیکھتے ہین اور اُسکا مشاہدہ کرتے ہین اُسی طرح مجردات کو بھی

دیکھتے ہین اُن کے نزدیک دونون برابر ہین اور وہ معدن سے پہلے ہی پہچان لیتے ہین کہ یہ کھرا ہے اور یہ کھوٹا ہے بظاہر تو معدن سے نکلنے کے بعد ہی کھرا کھوٹا معلوم ہوتا ہے مگر یہ اِس سے بھی پہلے معلوم کر لیتے ہین آگے فرماتے ہین کہ۔

پیشتر از خلقت الخ۔ یعنی انگور کے پیدا ہونے سے پہلے ہی شراب کو پی رکھا ہے اور اُسکی وجہ سے شور کر رہے ہین یعنی شراب تو بعد شیرہ نکلنے کے بنتی ہے مگر وہ لوگ اُسکو خود انگور ہی مین دیکھے ہوے ہوتے ہین اور یہان تک معرفت ہوتی ہے کہ اُسکا اثر بھی ہوتا ہے اور وہ اُسکی وجہ سے شور کرتے ہین یعنی اُس معرفت کے وقت اُنکو بیحد سرور ہوتا ہے اور اُنپر احوال طاری ہوتے ہین۔

در تموز گرم الخ۔ یعنی تموز کے مہینہ مین جوکہ گرم ہوتا ہے وہ ماہ دے کو دیکھتے ہین (یعنی سردی کا بھی مشاہدہ کرتے ہین) اور شعاع شمس مین بھی سایہ کو دیکھتے ہین (حالانکہ سایہ بعد شعاع کے ہوتا ہے مگر وہ وقت شعاع اور روشنی مین دیکھتے ہین اِس لیے کہ اُن کے سامنے تو موجودات اور معدومات سب بقدر ضرورت منکشف ہوتے ہین۔ لہذا جس وقت گرمی کا وجود ہے اُسوقت بھی وہ سردی کا معائنہ کر رہے ہین تموز کہتے ہین گرمیون کے ایک مہینہ کو اور دے جاڑے کے مہینہ کو)

در دل انگور الخ۔ یعنی انگور کے اندر وہ ابھی سے مے کو دیکھ رہے ہین (حالانکہ اُسمین فی الحال شیرہ ہوتا ہے اور بعد ایک مدت کے وہ شراب بنتی ہے مگر وہ ابھی سے اُسمین شراب ہی کو دیکھ رہے ہین) اور عدم محض کی حالت مین وہ شے کو دیکھ رہے ہین یعنی جس وقت کہ کسی شے کو ابھی عدم ہے اُسکی معرفت بھی اُنکو حاصل ہے یہان عدم سے مراد عدم سابق ہے عدم لاحق مراد نہین یعنی یہ مراد نہین کہ وہ شے بعد وجود کے معدوم ہوئی بلکہ مطلب یہ کہ اُسکو ابھی وجود حاصل ہی نہین ہوا اور وہ اُسکا مشاہدہ کر رہے ہین حاصل ان مضامین کا یہ ہوا کہ اولیاء اللہ کو معرفت مین اسباب کی ضرورت نہین ہوتی بلکہ اُن کو اسباب کے وجود سے قبل ہی ہر شے کی معرفت ہو جاتی ہے۔ مولانا کو یہان تک روح اولیاء کا حال معرفت اور علم بتلانا مقصود تھا اب آگے اُنکا فیض اور اُن کے وجود کا دوسری اشیاء کے لیے موجب برکت ہونا بتلاتے ہین جوکہ روح کے احکام مین سے دوسرا حکم ہے اور یہ حکم عام ہے کاملین اور غیر کاملین سب کی ارواح مین پایا جاتا ہے۔

آسمان در دور الخ۔ یعنی آسمان بھی اُنکے زمانہ مین جرعہ نوش ہے اور آفتاب کو بھی اُنکی سخاوت سے یہ لباس زربفت ملا ہے مطلب یہ کہ آسمان کا وجود بھی صرف ان ہی کے لیے ہے اور اُس کو قیام ان ہی کی برکت سے ہے اور آفتاب کو جو ایک لباس زربفت حاصل ہوا جسکی وجہ سے وہ اِس قدر منور اور دلفریب ہے وہ ارواح ہی کی برکت اور فیض کا اثر ہے۔ اور یہ امر خود نص سے ثابت ہے فرماتے ہین کہ ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعًا پس معلوم ہوا کہ اصل مقصود تو پیدائش انسان ہے اُس کے قیام اور آرام کے لیے یہ سب اشیاء ہین اب اُنمین سے جو اولیاء اللہ ہین اُنکا فیض اور اُنکی برکت کی وجہ سے خود اُنکو قیام بھی ہے ورنہ اگر وہ نہون اور صرف کفار ہی کفار رہ جاوین تو یہ سب غارت ہو جاوے جیسا کہ قیامت کو ہوگا اب آیندہ اشعار کے سمجھنے کے لیے ایک تمہید کی ضرورت ہے سو جاننا چاہیے کہ مولانا کو ارواح کے متعلق چار حکم بیان کرنا مقصود ہین

اول تو انکا کمال علمی وعملی۔ دوئم انکا عالم کی ایجاد کا سبب ہونا سوم سب کا متحد الحقیقت ہونا چہارم متحدفی الصفت
ہونا ان چارون مین سے دوئم وسوئم تو احکام عامہ ہین اور اول وچہارم مخصوص ہین ارواح اولیاء اللہ کے ساتھ۔
ان چار مین سے دو کو تو اوپر بیان کر دیا ہے اور وہ ذو انکا کمال علمی وعملی اور انکا سبب ایجاد عالم ہوتا ہے
آگے دو باقی کا بیان ہے اُن کے سمجھنے کے لیے اِس تمہید کی ضرورت ہے سو یون سمجھو کہ لفظ حقیقت کے معنی
اصطلاح صوفیہ مین اور ہین اور اصطلاح اہل معقول مین دوسرے ہین صوفیہ کے یہان حقیقت ظاہر کو کہتے ہین اور
مظہر کو صورت ومرآۃ سے تعبیر کرتے ہین مثلاً کوئی آئینہ مین اپنی صورت دیکھتا ہے تو اِس شخص کو تو ظاہر اور
حقیقت کہین گے اور آئینہ صورت ومظہر کہلائیگا۔ اب یون سمجھو کہ عالم مین جس قدر اشیا ہین وہ سب انواع
واشخاص مین منقسم ہین اور ہر نوع کے لیے کچھ آثار مختصہ ہین جو دوسرے مین نہین ہین اور اِن آثار کا ایک مصدر
ہوتا ہے جہان سے کہ یہ سب پیدا ہوتے ہین فلاسفہ تو اُس کو صورت نوعیہ کہتے ہین اور صوفیہ اُس کو روح کہتے
ہین کہ ہر ہر نوع کی روح کے آثار اُس کے افراد واشخاص سے متعلق ہو کر ان کے مشخصہ آثار کا مصدر ہوتے ہین۔
تو مثلاً جمادات کے لیے ایک نوع روح ہے جسکا اثر حفظ ترکیب ہے پس یہ اپنے افراد ومشخصات کے ساتھ
ملکر اُنکی ترکیب کی حفاظت کرین گے اُس کے بعد ایک روح نباتات کے لیے ہے اُسکا اثر تنمیہ وتغذیہ ہے
مع حفظ ترکیب کے اُس کے بعد ایک نوع روح حیوانات کے لیے ہے اُسکا اثر احساس وادراک وغیرہ ہے
مع حفظ ترکیب وتنمیہ وتغذیہ کے پھر ایک نوع روح انسان مین ہے جسکا اثر ادراک حقائق کونیہ واسرار الٰہیہ ہے
مع مذکورین کے اب یون سمجھو کہ ان سب کے علاوہ ایک اور روح ہے جس کو روح اعظم کہتے ہین اور اُسی کو
نفس کلی بھی کہتے ہین اور وہی حق تعالےٰ سے صادر اولی ہے اور دیگر ارواح کے لیے بھی مربی ہے اور ارواح جزئیہ
اِسی کے فیض سے مستفیض ہین اور اِسی کے تابع ہین لیکن یہ تربیت اضطراری ہے اختیاری نہین جس سے
کہ یہ لازم ہو کہ اُس کو تربیت کے لیے علم احوال جزئیات بھی ضروری ہے اِسکی ایسی مثال ہے جیسے کہ شمس سے
تربیت ہوتی درختون کی اور پھلون کی یا پانی سے درختون کی تربیت ہوتی ہے مگر اُس کو اِس کے متعلق بھی
اطلاع نہین ہوتی اسیطرح روح اعظم کے لیے یہ ضروری نہین کہ اُسکو تربیت کے لیے علم کلی ہو لہذا چونکہ ارواح جزئیہ
اور اُس کے آثار کا مظہر ہین اور روح اعظم اُن مین اپنے آثار کے لحاظ سے ظاہر ہے۔ روح اعظم کو ارواح جزئیہ
کی حقیقت اور دیگر ارواح کو اُسکا مظہر کہا جاتا ہے اور چونکہ ارواح جزئیہ انسانی کو ارواح زجاجی بھی کہتے ہین
اِس لیے کہ یہ روح اعظم کی مظہر اتم ہین اور چونکہ روح اعظم ان کے اندر بوجہ اتم ظہور کرتی ہے اِس لیے اُسکو
روح سراجی کہتے ہین جب معلوم ہو گیا کہ اِن کی اصطلاح مین حقیقت ظاہر کو کہتے ہین اور یہ بھی معلوم ہوا کہ روح اعظم
اپنے آثار کے اعتبار سے دیگر ارواح مین ظاہر ہے اور وہ سب اِس کے مظاہر ہین تو اب یہ کہنا بالکل صحیح
ہے کہ تمام عالم کی حقیقت ایک ہے اور جب ان ہی مین ارواح اولیا بھی ہین تو یہ بھی صحیح ہے کہ تمام اولیاء اللہ
کی حقیقت ایک ہے اور وہ روح اعظم ہے اب یہ بھی سمجھ لو کہ وہ روح اعظم کیا ہے غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ
روح اعظم حضور سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی روح ہے اِس لیے کہ صوفیہ روح اعظم کو صادر اول اور مظہر اتم
مانتے ہین اور یہ بات کسی اور شے مین پائی نہین جاتی اِس لیے کہ حدیث مین ہے اول ماخلق اللہ نوری اور حضور کا

صلے اللہ علیہ وسلم کا مظہر اتم و اکمل ہونا مسلمات سے ہے لہذا ان دونوں کا مصداق ایک ہونا ضروری ہوا اور یہی منشا رہے ہمارے زمانہ کے صوفیہ کے ضلال و ضلال کا اس لیے کہ جب روح اعظم کو دیکھا کہ تمام عالم کی مربی یہی ہے اور وہ ہے روح حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی لہذا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو رب العالمین کہنے لگے اور یہ نہ سمجھا کہ یہ تربیت کس قسم کی ہے اس لیے کہ اگر اسی قسم کی تربیت کی بنا پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو رب العالمین کہنا صحیح ہے تو آفتاب کو رب الاثمار اور پانی کو رب الاشجار کہنا بھی صحیح ہوگا والعیاذ باللہ پھر کیا ہے اگر اسی تربیت کا اعتبار کرو تو پھر تو تمام عالم ارباب سے بھر جاویگا نعوذ باللہ من ذلک۔ اب اگر یہ کہا جاوے کہ پانی وغیرہ تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی روح سے تربیت پاکر پھر مربی ہیں۔ بالذات نہیں ہیں تو ہم کہیں گے کہ روح حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی بھی اللہ تعالی جل شانہ سے تربیت پاکر مربی ہوتی ہے بالذات یہ بھی مربی نہیں ہے۔ پھر یہ غلطی کی کہ تربیت کو اختیاری سمجھکر آپکے لیے علم محیط ثابت کرنے لگے حالانکہ خود تربیت ہی اختیاری نہیں بلکہ اضطراری ہے جیسا کہ پہلے بیان کر چکے ہیں ہاں یہ تربیت خود ایک بہت بڑا انعام اور عظیم الشان شرف ہے کہ سوائے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اور دوسرا کوئی ممکن بھی اس سے مشرف نہ ہوا والحمد للہ علے ذلک اور یہاں ایک اور غلطی یہ کرتے ہیں کہ روح اعظم حقیقت محمدیہ کو سمجھتے ہیں حالانکہ دونوں بالکل علحدہ ہیں اس لیے کہ روح اعظم وہ روح ہے جسکا تعلق بلا واسطہ جسد اطہر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ہے اور وہ مخلوق اور ممکن ہے اور حقیقت محمدیہ مراتب وجوب میں سے دوسرا مرتبہ ہے یعنی صفات کے اجمال کا مرتبہ ہے جس کو علم بھی کہتے ہیں اور وہ واجب ہے نہ ممکن و مخلوق اور چونکہ یہ مرتبہ مربی ہے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کا اس لیے اس کو حقیقت محمدیہ کہتے ہیں یہ ساری غلطیاں اصطلاحات صوفیہ کو نہ جاننے کی وجہ سے ہوتی ہیں پس معلوم ہوا کہ روح اولیاء اللہ متحد فی الحقیقۃ ہے اب متحد فی الصفۃ ہونیکا بیان سنو جو کہ ارواح کے احوال و احکام میں سے چوتھا حکم تھا۔ یوں سمجھو کہ وہ صفت جس میں کہ سب متفق ہیں اہتدا ہے یعنی سب کا ہدایت پر ہونا اور اپنی مرضیات کو حق کے تابع کر دینا ہے اور چونکہ اختلاف تو تخالف اغراض سے پیدا ہوتا ہے کہ زید کی اور غرض ہے اور عمر کی اور لہذا آپس میں اختلاف پیدا ہو گیا اور جب غرض سب کی ایک ہی ہوگی تو ہرگز ہرگز اختلاف پیدا نہ ہوگا لہذا یہ حضرات متحد فی الصفۃ بھی ہوے اب اگلے اشعار میں اُن دو احکام باقیہ کا بیان ہے اول اولیاء اللہ کی روح کا متحد فی الحقیقۃ ہونا بیان فرماتے ہیں کہ۔

چون از ایشان الخ۔ یعنی جب ان میں سے چند شخصوں کو مجتمع دیکھو تو یوں سمجھو کہ وہ ایک بھی ہیں اور متعدد بھی ہیں اس لیے کہ وہ باعتبار حقیقت کے تو متحد ہیں اور باعتبار تشخصات کے اور صور کے متعدد ہیں جیسا کہ اوپر معلوم ہوا آگے اسکو ایک مثال سے بتاتے ہیں کہ۔

پر مثال موجہا الخ۔ یعنی پانی کی موج کی طرح اُن کے اعداد ہیں جن کو کہ ہوا نے متعدد کر دیا ہو اور بظاہر وہ متعدد معلوم ہوتی ہیں مگر اصلی حقیقت ایک ہوتی ہے اور وہ پانی ہے اسیطرح ارواح اولیاء اللہ بھی متحد فی الحقیقۃ ہوتے ہیں اور بظاہر باعتبار تشخصات متعدد اور مختلف ہوتے ہیں لیکن فرق صرف اس قدر ہے کہ پانی تو حقیقت امواج باصطلاح اہل معقول ہے اور یہاں متحد باصطلاح صوفیہ ہیں نہ باعتبار روح

اہل معقول آگے ایک دوسری مثال سے سمجھاتے ہین ۔

مفترق شد الخ یعنی آفتاب جان اِن ابدان کے روزنون مین مفترق اور متعدد ہوگیا ہے ورنہ اگر اُس قرص خورشید پر نظر کرو تو وہ ایک ہی ہے اور جو شخص کہ اِس تعدد کو دیکھنے لگا اور اسمین پھنس گیا وہ شک مین پڑگیا مطلب یہ کہ روح اعظم جو فیض پہونچانے مین اور مربی ہونے مین مثل آفتاب کے ہے ابدان مین آکر متعدد معلوم ہوتی ہے جسطرح کہ آفتاب مختلف سوراخون سے ظاہر ہوتا ہے اور انمین کسی کی شکل کیسی ہوتی ہے اور دوسری اِس کے خلاف ہوتی ہے حالانکہ اگر اُس آفتاب کی ٹکیا کو دیکھو تو وہ ایک ہی ہے اسیطرح وہ روح اعظم تو ایک ہے مگر بظاہر یہ تعدد معلوم ہوتا ہے اور جو شخص کہ اِس تعدد ابدان کی طرف چلا اور اُسکو حقیقت بینی حاصل نہ ہوئی وہ شک مین پڑگیا کہ بھلا جب ان تشخصات مین تعدد ہے تو یہ کیسے ایک ہوسکتے ہین پس اُسکو یہ بات حقیقت بینی سے روک دیتی ہے یہانتک تو روح کا متحد فی الحقیقۃ ہونا بیان کیا ہے آگے اُسکا متحد فی الصفۃ ہونا بیان فرماتے ہین کہ ۔

تفرقہ در روح الخ ۔ یعنی تفرقہ اور تعدد تو روح حیوانی مین ہوتا ہے اور روح انسانی تو نفس واحد ہوتی ہے ۔ یہان سے متحد فی الصفۃ ہونے کو بیان فرماتے ہین کہ تعدد اور تفرقہ تو روح حیوانی مین ہوتا ہے اِس لیے کہ اُن مین بہیمیت اور سبعیت بڑھی ہوتی ہے اور اُن کے اغراض ایک دوسرے سے بالکل مختلف اور مغائر ہوتے ہین اِس لیے اُن مین تعدد فی الصفات ہوجاتا ہے ورنہ روح انسانی کے (اور وہ اولیاء اللہ کی روح ہے) اغراض ور اُنکے صفات تو ایک دوسرے کے مغائر ہوتی ہی نہین جیساکہ اوپر تمہید مین بیان کیا گیا ہے اور اِس اتحاد کو اگر اتفاق کہا جاوے تو انسب ہے آگے اِس اتفاق کا راز بتلاتے ہین کہ ۔

چونکہ حق الخ ۔ یعنی چونکہ حق تعالے نے اُن پر اپنا نور چھڑک دیا ہے (اِس لیے وہ مفترق نہین ہین کیونکہ) نور حق تو مفترق اور متعدد نہین ہوا کرتا اور یہ اشارہ ہے اُسکی طرف جو کہ حدیث مین ہے کہ ان اللہ تعالے خلق الخلق فی ظلمۃ فرش علیہم من نورہ فمن اصاب من ذلک النور فقد اہتدی ومن اخطأ فقد ضل یعنی خداوند تعالیٰ نے اول مخلوق کو ایک ظلمت مین پیدا کیا اُس کے بعد اپنا نور اُنپر چھڑکا جسکو وہ نور پہونچ گیا وہ تو مہتدی ہوگیا اور جسکو نہ پہونچا وہ ہی گمراہ ہوگیا ۔) مطلب یہ ہوا کہ چونکہ اولیاء اللہ کی ارواح جسقدر ہین سب کو وہ نور پہونچا ہے اور اُسی وجہ سے یہ مہتدی ہین پس انمین افتراق نہین ہے اِس لیے کہ نور خداوندی بھی نہین مفترق اور متعدد ہوا کرتا ہے لہذا سب اولیاء اللہ ایک ہی صفت پر ہین اور وہ صفت اہتداء ہے آگے اِسکا فیصلہ فرماتے ہین کہ ۔

روح انسانی الخ ۔ یعنی روح انسانی تو مثل ایک نفس واحد کے ہے اور روح حیوانی مثل سفال جام کے ہے (یہان یہ نہین کہا کہ روح انسانی نفس واحد ہے بلکہ یون کہا کہ مثل نفس واحد کے ہے جس سے معلوم ہوگیا کہ حقیقت واحد ہونا باصطلاح ارباب معقول مراد نہین ہے بلکہ باصطلاح صوفیہ مراد ہے پس فرماتے ہین کہ بوجہ اولیاء اللہ کی اغراض کے متحد ہونے کے اُن کی ارواح مثل ایک نفس کے ہین کہ جو نفس واحد ہوتا ہے اُس کے اغراض بھی آپس مین جدا نہین ہوتے اور روح حیوانی ایک بیکار شے ہے اِس لیے کہ اُسمین بہیمیت اور سبعیت کا غلبہ ہے جو مانع عن الحق ہے ۔) یہانتک احوال بیان کرکے آگے فرماتے ہین کہ انکو سمجھنے کے لیے یہ عقل جزوی کافی نہین ہے بلکہ اُن حضرات سے تعلق ہونا ضروری ہے فرماتے ہین کہ ۔

عقل جزو الخ۔ یعنی عقل جزوی ان رموز سے آگاہ نہین ہے اور ان اسرار سے سوائے اللہ کے کوئی واقف نہین ہے پس جو شخص کہ علم الٰہی سے متجلی ہوگا اور اُسمین یہ علوم متجلی ہون گے وہی واقف ہوسکتا ہے اس کے علاوہ یہ عقل جزوی جسمین کہ سبعیت اور بہیمیت غالب ہے واقف نہین ہوسکتی آگے اسکو ایک مثال سے ثابت کر کے بتلاتے ہین کہ۔

عقل را الخ۔ یعنی عقل کو اس خیال سے کیا کام اور جو مادر زاد بہرا ہو اُسکو شہنائی سے کیا کام دُسرنا کہتے ہین شہنائی کو مطلب یہ کہ عقل جزوی کو اس خیال سے کیا کام اور وہ یہان تک اور اُسکی حقیقت تک کہان پہونچ سکتی ہے اسکی ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی شخص مادرزاد بہرا ہو تو اُسکو شہنائی کی آواز سے کیا کام اُسکو تو کچھ بھی سنائی نہ دیگا۔ اگرچہ فی الحقیقۃ کیسی ہی دلفریب ہو اسیطرح اگرچہ یہ علوم و معارف حقیقۃً تو کس قدر عالی ہین مگر جسے احساس ہی نہ ہو اور جسکی اُن تک رسائی ہی نہ ہو اُسکو کیا خبر کہ ان مین کیا سرود اور کیا بات ہے اگلے شعر مین مخاطب کو پھر متوجہ کرتے ہین اور کہتے ہین کہ ابھی اکتا مت۔ اس لیے کہ یون قاعدہ ہے کہ اگر مخاطب کسی مضمون کے سننے سے گھبرا جاتا ہے تو متکلم پھر اُس مضمون کو بیان بھی نہین کر سکتا بلکہ اُسکی طبیعت بھی رُک جاتی ہے اس لیے فرماتے ہین کہ۔

یکزمان بگذار الخ۔ یعنی اے مخاطب تھوڑی دیر کو ملال چھوڑ دے اور اکتا یا مت جا (ابھی مین نے کہا ہی کیا ہے) اب مین اُس کے جمال مین سے ایک خال کا وصف بیان کرون جو کہ اُس کے جمال کے سامنے کچھ حقیقت نہین رکھتا اور وہ خال روح اعظم ہے اس لیے کہ جمال حق کی مظہر ہے جیسا کہ خال سے حسن ظاہر ہوتا ہے آگے اُس کے جمال کی حالت کے بیان سے عاجز ہونا ظاہر فرماتے ہین کہ۔

در بیان الخ۔ یعنی اُس کے جمال کی حالت تو بیان مین آ ہی نہین سکتی اس لیکہ دونون عالم کیا ہین اُس کے خال کا عکس ہین جب دونون عالم اُس کے خال کے عکس ہوے تو اُس کے حسن کی حالت کس طرح بیان ہوسکتی ہے اور خال کا جمال ہونا اس طرح کہ خال سے مراد روح اعظم جیسا کہ بیان ہوا اور روح اعظم کا عکس دوجہان ہونا ظاہر ہے کہ سب اُسی کے مظاہر اور اُسی سے تربیت پا رہے ہین اور وہی سب کی مربی ہے۔ آگے یہ بیان کرتے کرتے جو اُنپر ایک حالت طاری ہوئی ہے اُسکو بیان فرماتے ہین کہ۔

چونکہ من الخ۔ یعنی جب مین اُس کے خال خوب کی کیفیت اور اُس کے حالات بیان کرتا ہون (تو بوجہ جوش کے اور مضامین کی آمد کے) میرا کلام یون چاہتا ہے کہ میرے بدن کو پھاڑ دے اور وہ حقائق و معارف اس قلب مین سما نہین سکتے۔ آگے حق تعالےٰ کے اوصاف کا غیر محدود ہونا اور اُن کے بیان سے اپنا عجز بیان فرماتے کہ۔

ہمچو مورے الخ۔ یعنی مین اس خرمن مین ایک چیونٹی کی طرح ہون کہ اپنی ہمت سے زیادہ بوجھ کھینچ رہا ہون مطلب یہ کہ اس خرمن حقائق و معارف مین میری مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک چیونٹی کہ اگرچہ وہ سارے خرمن کو اُٹھا کر لیجا نہین سکتی مگر خوش ہوتی ہے کہ خیر اسمین سے جس قدر مجھ سے اُٹھ سکے گا بلکہ اُس سے بھی زیادہ لیجا سکتی ہون اسیطرح وہ حقائق و معارف مجھ سے کہان بیان ہوسکتے تھے مگر خیر اُنمین سے جو بیان کرتا ہون

وہ بھی اپنی طاقت وہمت سے باہر ہوتے ہین آگے فرماتے ہین کہ اگرچہ مین انہین سے کسیقدر بیان کرنا چاہتا ہون
مگر حق تعالیٰ نے مجھے روکتے ہین اور عرض کرنے کی مجال نہین ہوتی پس فرماتے ہین کہ۔
نے گذارد الخ۔ یعنی وہ ذات جوکہ رشک روشنی ہے مجھے کہان اجازت دیتی ہے کہ مین اُن باتون کو ظاہر کرسکون
اور بیان کرسکون جو میرے دلمین ہین مراد یہ کہ اللہ تعالیٰ ہمکو حقائق کا علم دیتے ہین مگر ساتھ ہی ممانعت بھی فرماتے
ہین کہ دیکھو یہ ظاہر نہ ہونے پاوین اور مجھے کہنے نہین دیتے آگے اسکی تشریح فرماتے ہین کہ۔
بحر کف الخ۔ یعنی جس طرح سمندر موجون کے سامنے جھاگ ڈالدیتا ہے اور اُسکی وجہ سے موجون کی روانی رُک
جاتی ہے اور ایک دیوار کی طرح ہو جاتی ہے اور کبھی وہ دریا موجون کو بڑھاتا ہے اور کبھی گھٹاتا ہے اسیطرح
خداوند تعالیٰ ان اسرار ومضامین کی روانی کے وقت مجھے روک دیتے ہین اور کہنے نہین دیتے۔ دوسرے مصرع
مین جزر کند وز بعد جزر مدے کند کے معنے یہ ہین کہ کبھی اِس طرح کرتا ہے کہ امواج کو گھٹا دیتا ہے اور کبھی بڑھا دیتا ہے
اِسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کبھی اسکا عکس ہوتا ہے کہ کبھی موجین اول بڑھتی ہین پھر گھٹتی ہین بس مقصود صرف
یہ ہوا کہ گاہے چنین گاہے چنان پس یہان صورت ثانیہ مراد ہے کہ اول بڑھاتے ہین اور پھر گھٹاتے ہین یعنی
اول تو اسرار وحقائق کا علم دیتے ہین اور وہ اس قدر جوش زن ہوتا ہے کہ جسم کو پھاڑ کر نکلنا چاہتا ہے مگر پھر
اُن کے اظہار سے روک دیتے ہین ۱۲ جزر کہتے ہین کسی شے کا اپنی طرف کھینچنا اور مد کہتے ہین اُسی کو دوسری مرتبہ
ڈھیل دیدینا اور آگے کی طرف بڑھا دینا بس مطلب حل ہوگیا۔ کہ ایک معنے تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے
روک اور ممانعت ہے آگے فرماتے ہین کہ کہین یہ مت سمجھنا کہ موانع اُدھر سے ہی ہین نہین بلکہ تمھاری طرف سے
بھی کچھ موانع ہین فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

بستہ شدن تقریر معنی حکایت بہ سبب میل مستمعان باستماع ظاہر

این زمان بشنو چہ مانع شد مگر	مستمع را رفت دل جاے دگر
خاطرش شد سوے صوفی قنق	اندران سودا فرو شد تا عنق
لازم آمد باز رفتن زین مقال	سوے آن افسانہ بہر وصف حال
صوفی صورت مپندار اے عزیز	ہمچو طفلان تا کے از جوز و مویز
جسم ما جوز و مویز ست اے پسر	گر تو مردی زین دو چیز اندر گذر
ور تو اندر نگذری اکرام حق	بگذراند مر ترا از نہ طبق

اب سن کہ میری اِس گفتگو کے قطع کرنے کا کیا سبب ہوا غالبًا سننے والے کا دل دوسری طرف متوجہ ہو گیا
ہوگا یہ ضرور نہین کہ اِس وقت کوئی سننے والا موجود ہو۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہان تک پہنچکر مولانا کو خیال آگیا کہ مین
اِس قصہ کو چھوڑ کر بہت دور نکل گیا جو شخص مثنوی دیکھیگا وہ اُکتا جائیگا اور اسکا دل ضرور قصہ صوفی کی طرف

مائل ہوگا یہ خیال کرکے اِس قصہ کی طرف رجوع کیا اور اِسکا سبب بیان کیا) مین کہون کیا تیرا دل تو قصہ صوفی کی طرف ہے اور سراسر اِسی خیال مین ڈوبا ہوا ہے اِس بنا پر مجھے ضرور ہے کہ مین اِس گفتگو سے اِس قصہ کی طرف رجوع کرون تم صوفی سے ظاہری صوفی نہ سمجھنا بلکہ حقیقی صوفی سمجھنا یہان سے مذمت میل الی الصورۃ بیان فرماتے ہین۔ آخر تو کب تک پابند صورت رہیگا اور لڑکون کی طرح جوز و مویز سے خوش ہوگا۔ ہمارا جسم تو جوز و مویز کی طرح نادانون کے دل کو لبھانے والا ہے تجھے چاہیے کہ اِس جوز و مویز کو چھوڑ اور حقیقت تک پہنچ اگر تو سعی کریگا اور اپنی سعی سے منزل مقصود تک نہ پہنچ سکیگا۔ تو حضرت سبحانہ تیری دستگیری فرمائین گے اور اپنے فضل سے تجھے عالم ناسوت سے اوپر پہونچا دین گے یعنی سلوک سے مطلوب تک نہ پہونچوگے (اور ہرگز نہ پہونچوگے) تو حق سبحانہ کی طرف سے جذب ہوگا اور وہ جذب منزل مقصود تک پہونچا دیگا۔ مذمت میل الی الصورۃ بیان فرماکر پھر قصہ کی طرف رجوع فرماتے ہین اور کہتے ہین بشنو اکنون صورت افسانہ را۔

شرح شبیری

حکایت معنی کی تقریر کا بستہ ہوجانا اِس وجہ سے کہ سامعین کی توجہ ظاہری حکایت کی طرف ہے

این زمان الخ ۔ یعنی اِس وقت سُنو کہ کیا مانع ہوا ہے (اور بیان اسرار سے ہم کیون رک گئے) اِس لیے کہ سننے والے کا دل دوسری طرف ہوگیا اور یہ قاعدہ ہے کہ اگر متکلم یہ سمجھے کہ مخاطب میرے کلام کی طرف متوجہ نہین ہے تو اسکی تقریر بند ہوجاتی ہے اور زبان چلتی نہین اسیطرح مولانا فرماتے ہین اور اگرچہ اِس وقت جبکہ مولانا مثنوی لکھ رہے ہین کوئی سامع موجود نہین ہے مگر مصنف کو یہ خیال آجاتا ہی کہ اب شاید سامعین اُکتا گئے ہونگے تحریر سے روک دیتا ہے پس یہی سبب یہان ہوا کہ مولانا کو یہ خیال ہوا کہ شاید اب اِن حقائق کے سننے سے لوگ گھبرا گئے ہون لہذا دوسرا مضمون شروع کرنا چاہتے ہین اب اُس اُکتانے کا سبب فرماتے ہین کہ۔

خاطرش شد الخ ۔ یعنی اُسکا دل اُس مہمان صوفی کی طرف مائل ہوگیا اور اُسی خیال مین گردن تک غرق ہوگیا۔ مطلب یہ کہ چونکہ سامعین کو یہ خیال ہوا کہ اُس صوفی مہمان کی حکایت تو چھوڑدی اور یہ کیا بیان کرنے لگے اور اُس کے یاد آنے سے اُس طرف توجہ ہوگئی اور اُن معانی کے بیان سے گھبرا گئے۔ لہذا اب اُس طرف توجہ ضروری ہوئی اِسی کو فرماتے ہین کہ۔

لازم آمد الخ ۔ یعنی اب لازم ہوا کہ اِس گفتگو سے باز رہین اور اُس افسانہ کے بیان کی طرف متوجہ ہون آگے ایک مضمون ارشادی کی طرف انتقال ہے کہ اِس صوفی کے قصہ سے تم یہ صوفی ظاہر کو مت سمجھ لینا اِسی کو فرماتے ہین۔

صوفی صورت الخ ۔ یعنی تم صوفی صورت کو مت سمجھنا اور بچون طرح کب تک جوز و مویز سے کھیلوگے۔ مطلب یہ کہ اِس حکایت کو صرف افسانہ ہی مت سمجھنا بلکہ اِس کے معانی کی طرف خیال کرنا کہ جسطرح اِسنے

اپنے خادم پر اعتماد کیا اور وہ نا اہل اعتماد کے قابل نہ تھا تو اس نے نقصان اُٹھایا اسیطرح تم بھی کہین ناقصین کے پھندے مین پھنس کر نقصان مت اُٹھانا اور اس حکایت سے سمجھ لو کہ ناقص پر اعتماد کافی نہین ہے آگے بھی یہی مضمون ہے کہ۔

جسم ما جوز الخ۔ یعنی یہ ہمارا جسم جوز و مویز ہے اے لڑکے (یعنی طالب مبتدی) اگر تو مرد ہے تو ان دونون چیزون سے (یعنی جسم و صورت سے) گذر جا (علٰحدہ ہو جا اور اسمین مت پھنس) چونکہ یہان ان دونون سے علٰحدگی اختیار کرنے کو کہا ہے اس لیے آگے فرماتے ہین کہ۔

ور تو اندر الخ۔ یعنی اگر تو نہ گذر سکیگا تو اکرام حق تجھے تو آسان سے گذار دیگا مطلب یہ کہ تم اپنی طرف سے کوشش کرو اور ان چیزون سے علٰحدگی اختیار کرو اور اس کوشش مین ہو پھر اگر تم وہانتک پہونچ سکوگے تو اُسکے بعد تو جذب من اللہ ہو جاویگا اور تم واصل الی الحق ہو جاؤگے پس مقصود یہ ہے کہ کام کرتے رہو اُسکے بعد وہانتک پہونچا دینا حق تعالٰی کا کام ہے آگے اُسی قصہ کی طرف رجوع کرتے ہین اور فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

التزام کردن خادم تیمار بہیمہ را و تخلف نمودن

بشنو اکنون صورت افسانہ را	لیک ہین از کہ جدا کن دانہ را
حلقۂ آن صوفیان مستفید	چونکہ در وجد و طرب آخر رسید
خوان بیاوردند بہر میہمان	از بہیمہ یاد آورد آن زمان
گفت خادم را کہ در آخر برو	راست کن بہر بہیمہ کاہ و جو

اچھا اب صورت واقعہ سُن لیکن دیکھ بھس مین سے غلہ جُدا کر لینا اور صرف قصہ پر نظر نہ رکھنا بلکہ اس سے نصیحت حاصل کرنا جب ان صوفیون کا حلقہ حال قال مین ختم ہوا تو مہمان کے لیے کھانا لایا گیا اب صوفی صاحب کو اپنا گدھا بھی یاد آیا اور خادم سے کہا بھائی آخور پر جاؤ اور گدھے کے لیے گھانس اور جو کا انتظام کر دو۔

گفت لاحول این چہ افزون گفتن است	از قدیم این کارہا کار من است
گفت تر کن آب خوش را از نخست	کان خر پیر است و دندانہاش سست
گفت لاحول این چہ میگوئی مہا	از من آموزند این ترتیبہا
گفت پالانش فرو نہ پیش پیش	داروی منبل بنہ بر پشت ریش
گفت لاحول آخر ای حکمت گذار	جنس تو مہمانم آید صد ہزار
جملہ راضی رفتہ اند از پیش ما	ہست مہمان جان ما و خویش ما

اس نے کہا لاحول ولا قوۃ آپ کے فرمانے کی ضرورت کیا ہے یہ تو میرے ہمیشہ کے کام ہین انہین مجھے کسی کے بتانے کی ضرورت نہین۔ صوفی صاحب نے فرمایا میان ذرا اس کے جو کو پیشتر سے بھگو دینا کیونکہ بیچارہ گدھا

بڈھا ہے اور دانت کمزور ہین خادم نے جواب دیا سرکار یہ آپ کیا فرماتے ہین ان باتون کو تو لوگون کو مجھ سے سیکھنا چاہیے نہ کہ مجھے سکھایا جاوے صوفی صاحب نے فرمایا میان پہلے پہل اسکا پالان اتار دینا اور زخمی کمر پر مرہم منبل (نام دوا) لگا دینا خادم نے جواب دیا لاحول ولا قوۃ اِس حکمت کو جانے دیجیے کچھ آپ میرے یہان نئے مہمان نہین آئے آپ سے ہزارون میرے یہان مہمان ہوتے ہین اور سب کے سب ہمارے یہان سے خوش گئے کیونکہ مہمان کو تو ہم جان کے برابر اور اپنا عزیز سمجھتے ہین۔

گفت آبش ده و لیکن شیر گرم	گفت لاحول از توام بگرفت شرم
گفت اندر جو تو کمتر کاه کن	گفت لاحول این سخن کوتاه کن
گفت جائش را بروب از سنگ و پشک	ور بود تر ریز بروے خاک خشک
گفت لاحول اے پدر لاحول کن	با رسول اہل کمتر گو سخن

صوفی صاحب نے کہا میان اِسے پانی بھی پلا دینا مگر نیم گرم تاکہ ٹھنڈا پانی اِس کے دانتون کو ضرر نہ پہنچائے اِس نے جواب دیا لاحول ولا قوۃ مجھے تو آپ سے شرم آتی ہے کہ اِس قدر سمجھا چکا ہون اور آپ کی سمجھ مین نہین آتا۔ صوفی صاحب نے کہا میان جو مین تھوڑا سا بھُس بھی ملا دینا۔ اُس نے جواب دیا لاحول ولا قوۃ اِس گفتگو کو مختصر کیجیے۔ صوفی صاحب نے کہا اسکی جگہ کو بھی ذرا ڈھیلون اور لید وغیرہ سے صاف کر دینا اور اگر جگہ تر ہو تو اُسپر سوکھی مٹی ڈال دینا اِس نے جواب دیا اے قبلہ لاحول پڑھیے لاحول۔ لائق قاصد (مراد کار کن) کو ہرگز زیادہ ہدایات نہین کرنی چاہئین۔

گفت بستان شانہ پشتِ خر بخار	گفت لاحول اے پدر شرمے بدار
گفت دم افسار را کوته به بند	تا ز غلطیدن نیفتد او به بند
گفت لاحول اے پدر چندین منال	بہر خر چندین مرو اندر جوال
گفت بر پشتش فکن جل زود تر	زانکه شب سرماست ای کان ہنر
گفت لاحول اے پدر چندین مگو	استخوان در شیر نبود تو مجو
من ز تو استاترم در فن خود	میہمان آید مرا از نیک و بد
لائق ہر میہمان خدمت کنم	من ز خدمت چون گل و چون سوسنم

صوفی صاحب نے فرمایا بھائی ذرا گدھے کی کمر پر کھریرا بھی پھیر دینا اِس نے کہا لاحول ولا قوۃ قبلہ کعبہ تو شرم کیجیے کہ آپ مجھے کس وقت سے دق کر رہے ہین صوفی صاحب نے فرمایا اُسکی پچھاڑی بھی ذرا چھوٹی رکھنا تاکہ لوٹنے سے اِسمین پھنس نہ جائے اُس نے کہا لاحول ولا قوۃ آپ اتنا رونا نہ روئیے اور ایک گدھے کے لیے اتنے پریشان نہ ہوجیے صوفی صاحب نے فرمایا کہ اُسپر جھول ذرا جلدی سے ڈال دینا کیونکہ جاڑے کی رات ہے اِس نے کہا لاحول ولا قوۃ اے قبلہ اِس قدر فرمانے کی ضرورت نہین آپ فضول حرکت کیون کرتے ہین مین آپ سے زیادہ اپنے فن مین ماہر ہون میرے یہان اچھے برے ہر قسم کے میہمان آتے ہین اور مین ہر ایک کی خدمت اُسکی حیثیت کے موافق کرتا ہون اور مین محض خدمت ہی کے سبب سے گل و سوسن

کی طرح سب کو محبوب ہو۔

خادم این گفت و میان بربست چست	گفت رفتم کاه و جو آرم نخست
رفت وز آخر نکرد او هیچ یاد	خواب خرگوشی بر آن صوفی فتاد
رفت خادم جانب اوباش چند	کرد بر اندرز صوفی ریشخند
صوفی از ره مانده بود و شب دراز	خوابها میدید با چشم فراز
کان خرش در چنگ گرگی مانده بود	پارها از پشت و رانش می ربود
گفت لاحول این چه مالیخولیاست	ای عجب آن خادم مشفق کجاست

خادم یہ کہکر تیار ہوا اور کہا اچھا مین جاکر بھس اور جو لے آؤن پھر یہ سب کام کرونگا۔ یہ کہکر چلدیا اور آخور کو بالکل بھول گیا۔ ادھر صوفی صاحب خادم کے بھروسہ پر مطمئن ہوکر سو گئے۔ ادھر تو صوفی صاحب کی یہ حالت تھی کہ وہ مطمئن ہوکر سو رہے تھے اُدھر خادم کی یہ حالت کہ چند آوارہ لوگ جو اس کے یار دوست تھے اُن کے جلسہ مین پہنچ گیا اور صوفی صاحب کی ہدایتون کا مضحکہ اڑانے لگا۔ صوفی صاحب کا بدن رستے کی تکان سے چور چور تھا ہی۔ اور رات بھی لمبی اس لیے گہری نیند مین سو رہے تھے اور آنکھین بند کیے خواب مین دیکھ رہے تھے کہ ناگہان ایک بھیڑیے کے پنجے مین پھنس گیا ہے اور بھیڑیا اس کے ٹکڑے اڑا رہا ہے۔ کبھی کمر کا ٹکڑا لیجاتا ہے کبھی ران کا۔ علی ہذا القیاس صوفی صاحب خواب ہی مین فرماتے ہین لاحول ولا قوۃ یہ کیا خلل دماغ ہے جب کہ خادم نگران ہے تو کہین ایسا ہو سکتا ہے پھر دل مین اس واقعہ کی صحت کا وسوسہ پیدا ہوتا ہے تو فرماتے ہین ارے غضب خادم شفیق کیا ہوا جو بھیڑیا گدھے کی یہ گت بنا رہا ہے۔

باز میدید آن خرش در راه رو	گه بچاهی می فتاد و گه بگو
گونه گون میدید ناخوش واقعه	فاتحه میخواند با القارعه
گفت چاره چیست یاران جسته اند	رفته اند و جمله درها بسته اند
باز میگفت ای عجب آن خادمک	نه که با ما گشت با نان و نمک
من نکردم با وی الا لطف و لین	او چرا با من کند برعکس کین
هر عداوت را سبب باید سند	ورنه جنسیت وفا تلقین کند

پھر دیکھتے تھے کہ ناگہان گدھا رستہ چلنے مین کبھی کنوئین مین گرتا ہے کبھی کھائی مین غرض یون ہی ناگوار واقعات دیکھتے تھے اور دفع مصیبت کے لیے کبھی الحمد پڑھتے کبھی القارعہ۔ کبھی فرماتے تھے کیا تدبیر کرون سب لوگ تھکے ماندے اپنے اپنے حجرون مین دروازے بند کیے سو رہے ہین کسی کو اٹھا بھی نہین سکتا پھر کہتے تھے تعجب ہے کہ خادم بھی نہین جس نے ہمارے ساتھ کھانا کھایا تھا مین تو اس کے ساتھ ملاطفت اور نرمی ہی برتی ہے وہ میرے ساتھ اُلٹی دشمنی کیون کرتا ہے۔ ہر عداوت کو کسی سبب پر مبنی ہونا چاہیے ورنہ ہمجنس ہوتا تو وفا ہی سکھلاتا ہے۔

باز میگفت آدمی با لطف و جود	کی بر آن ابلیس جوری کرده بود
آدمی مر مار و کژدم را چه کرد	که همی خواهند او را مرگ و درد

گرگ را خود خاصیت بدریدن ست — کاین حسد در خلق آخر روشن ست
باز می گفت این گمان بد خطاست — بر برادر این چنین ظنم چراست
باز گفتی حزم سوء الظن تست — هر که بد ظن نیست کے ماند درست

پھر کہتے تھے کہ عداوت کے لیے سبب کیا ضرور ہے۔ کہ مہربان کریم آدم علیہ السّلام نے شیطان پر کب کوئی زیادتی کی تھی کہ اُس کے معاوضہ میں شیطان نے اُن سے عداوت کی۔ آدمی نے سانپ بچھو کا کیا بگاڑا ہے کہ وہ سب کی موت اور تکلیف چاہتے ہیں بھیڑیے کے پھاڑنے کی عادت ہی ہے بلکہ اس قسم کا حسد تمام مخلوق میں ظاہر ہے پھر کہتے تھے کہ یہ بدگمانی بیجا بات ہے بھائی کی نسبت اس قسم کا گمان کیوں ہے پھر کہتے تیری بدگمانی ہی حزم و احتیاط ہے جو شخص بدظن نہ ہو کب محفوظ رہ سکتا ہے یعنی احتیاط اسی میں ہے کہ ہر شخص سے اس طرح معاملہ کیا جاوے جس طرح بدگمانی کی حالت میں کیا جاتا ہے لیکن بلاوجہ اعتقاد برائی کسی کی نسبت نہ ہو جاوے فلا تعارض بین قول الشیخ سه نگهه ہمیشه آن شوخ در کیسه دار + که داند همه خلق را کیسه بر + و بین قوله سه هر کرا جامه پارسا بینی + پارسا دان و نیک مرد انگار

صوفی اندر وسوسه وان خر چنان — که چنان بادا جزاے دشمنان
آن خر مسکین میان خاک و سنگ — کژ شده پالان دریده پالهنگ
کشته از ره جمله شب بے علف — گاه در جان کندن و گه در تلف
خر همه شب ذکر گویان کاے اله — جو رها کردم کم از یک مشت کاه
با زبان حال میگفت اے شیوخ — رحمتے که سوختم زین خام شوخ

صوفی صاحب تو ابھی اُدھیڑبن میں غلطان پیچان رہے اُدھر گدھے کی وہ بُری حالت تھی کہ خدا ایسی حالت دشمنوں کو نصیب کرے۔ بیچارہ گدھا مٹی اور پتھروں میں لوٹتا تھا پالان لوٹنے سے ٹیڑھا ہو گیا تھا باگ ڈور ٹوٹ پھوٹ گئی تھی رستے کا مارا ہوا تھا رات بھر بے چارہ کے گذاری کبھی جان کنی کی حالت میں تھا کبھی یہ حالت ہوتی تھی کہ اب مرا۔ رات بھر یوں ہی دعائیں مانگتا رہا کہ الٰہی میں نے جو چھوڑ دے تھوڑا سا بھُس ملجاوے اور زبانِ حال سے کہہ رہا تھا کہ اے مشایخ تھیں میرے حال پر رحم کرو اس بے شرم ناتجربہ کار مالک سے تو میری جان جل بھن کر کوئلہ ہو گئی کہ خود خبر نہیں لی۔ اور خبر گیری سپرد کی تو ایسے نالائق کے۔

آنچه آن خر دید از رنج و عذاب — مرغ خاکی بیند اندر سیل آب
پس به پهلو گشت آن شب تا سحر — آن خر بیچاره از جوع البقر
ناله مے کرد از فراق کاه و جو — مستمند از اشتیاق کاه و جو
همچنین در محنت و دور درد و سوز — نالها مے کرد از شب تا بروز

جو تکالیف گدھے نے برداشت کیں ویسی تکلیفیں خشکی کے جانور کو پانی میں ہوسکتی ہیں گدھا بیچارہ تمام رات صبح تک شدت گرسنگی سے کروٹیں بدلتا رہا کبھی بھُس و جو کے نہ ملنے سے چلاتا تھا کبھی بھُس اور جو کے اشتیاق میں رنجیدہ ہوتا تھا غرض محنت و تکلیف اور جلن کے سبب شام سے صبح تک چلاتا رہا۔

روز شد خادم بیامد بامداد — زود پالان جست بر پشتش نهاد
خر فروشانه دو سه زخمش بزد — کرد با خر آنچه با سگ مے سزد

خر جہندہ گشت از تیزی نیش | کو زبان تا خر بگوید حال خویش

صبح ہوئی تو خادم صاحب تشریف لائے پالان ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر ٹوٹا گدھے پر کس دیا خر فروشوں کی طرح دو تین ڈنڈے بھی رسید کئے اور گدھے کے ساتھ وہ برتاؤ کیا جو کتے کے ساتھ ہونا چاہیے۔ گدھا بیچارہ ڈنڈوں کے صدمہ سے کودنے لگا مگر زبان کہاں تھی جو اپنی حالت کہتا کہ رات بھر تو فقیری یہ گت بنائی اب مرے پر سو دُرے یہ کہ پالان کس کر سفر کی زحمت میں پھنسایا جاتا ہے اور اوپر سے ڈنڈے بھی لگائے جاتے ہیں۔

گمان بردن کاروانیان کہ مگر بہیمۂ صوفی رنجور ست

چونکہ صوفی بر نشست و شد روان | او در افتادن گرفت آن خر زمان
ہر زمانش خلق بر مے داشتند | جملہ رنجورش ہمی پنداشتند
این یکے گوشش ہمی پیچید سخت | وان دگر در زیر کامش جست لخت
وان دگر در نعل او مے جست سنگ | وان دگر در چشم او مے دید رنگ
باز مے گفتند اے شیخ این چیست | دے ہمی گفتی کہ شکر این خر قوی ست
گفت آن خر کو بشب لاحول خورد | جز بدین شیوہ نتاند راہ برد
چونکہ قوت خر بشب لاحول بود | شب مسبح بود در روز اندر سجود

غرض جبکہ صوفی صاحب اسپر سوار ہو کر چلدئے تو رستہ میں وہ گدھا دم بدم گرنے لگا لوگ ہر مرتبہ اسکو اٹھاتے تھے اور سمجھتے تھے کہ بیچارہ بیمار ہے کوئی اٹھانے کے لیے اس کے زور سے کان مروڑتا کوئی اس کے پاؤں کے نیچے کنکری وغیرہ تلاش کرتا کوئی اس کے نعل کے اندر کنکری وغیرہ دیکھتا کوئی آنکھ کا رنگ دیکھتا غرض یوں ہی ہر ایک اسکی وجہ دریافت کرنے میں مشغول تھا۔ جب کوئی وجہ نہ معلوم ہوتی تو طنز سے شیخ سے کہتا کہ حضور تو کل رات فرماتے تھے کہ خدا کا شکر ہے کہ یہ گدھا بہت مضبوط ہے۔ آج اسے کیا ہوا یہ گر گر کیوں پڑتا ہے۔ صوفی صاحب نے فرمایا کہ صاحبو جس گدھے نے رات بھر لاحول کے سوا کچھ نہ کھایا ہو وہ تو رستہ یوں ہی قطع کریگا۔ چونکہ اس بیچارے نے رات بھر لاحول کھائی ہے اس لیے رات بھر اس نے تسبیح پڑھی اور صبح کو سجدہ میں مشغول ہے۔

شرح شبیری | بشنو اکنون۔ الخ۔ یعنی اب اس افسانہ کی صورت سن لو مگر دیکھو دانہ کو خس و خاشاک سے علٰحدہ کر کے مطلب یہ کہ لو اب اس حکایت کو سن لو مگر یہ سمجھ لو کہ اسمیں جو معنے ہیں اور مثل دانہ کے ہیں ان کو خس و خاشاک صورت سے علٰحدہ کر کے دیکھنا اور یہی مت سمجھنا کہ اس سے مقصود صرف بیان افسانہ ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ جس طرح اس صوفی نے اعتماد نااہل پر کیا تم بھی کہیں ایسا ہی مت کرنا آگے اس صوفی کی حکایت کا تتمہ ہے فرماتے ہیں کہ:

ذمہ داری کر لینا خادم کا خبر داری بہیمہ کی اور پھر اسکی خبر داری نہ کرنا

حلقۂ آن الخ۔ یعنی جب ان صوفیوں کا جو کہ مستفید من الحق تھے (خواہ وہ استفادہ سچا ہو یا جھوٹا حلقہ

حالت وجد وطرب مین ختم اور تمام ہوگیا تو وہ لوگ اِس صوفی مہمان کے لیے کھانا لائے اُس وقت اِس صوفی مہمان کو اپنا جانور بھی یاد آیا تو کہنے لگا کہ۔

گفت خادم را الخ۔ یعنی خادم (خانقاہ) سے کہنے لگا کہ آخور مین جاکر ذرا اُس جانور کے لیے گھانس دانہ درست کر دو۔

گفت لاحول الخ۔ یعنی خادم نے کہا کہ لاحول ولاقوۃ یہ کیا فضول بات آپ نے کہی میرا تو یہ قدیمی کام ہے مطلب یہ کہ اِس سے خوب واقف ہون بتلانے کی ضرورت نہین۔

گفت ترکن الخ۔ یعنی اُس صوفی نے کہا کہ اُسکا دانہ پہلے سے بھگو دینا اِس لیے کہ وہ گدھا بوڑھا ہے اور دانت کمزور ہین۔

گفت لاحول الخ۔ یعنی خادم نے کہا کہ لاحول ولاقوۃ آپ یہ کیا فرمارہے ہین اِس کام کو تو لوگ مجھ سے سیکھتے ہین یعنی فن خدمت سے خوب واقف ہون۔

گفت پالانش الخ۔ یعنی اُس صوفی نے کہا کہ پہلے پہل اُسکا پالان اوتار لیجو اور زخم کی دوا اُسکی زخمی کمر پر لگا دیجو مبل ایک گھاس کا نام ہے جو زخم پر لگایا جاتا ہے۔

گفت لاحول الخ۔ یعنی خادم نے کہا کہ لاحول ولاقوۃ آخر اِس حکمت آموزی کو چھوڑیے تم جیسے مہمان ہمارے یہان لاکھون آتے ہین اور سب کے سب ہمسے راضی ہی جاتے ہین اور مہمان تو ہماری جان ہے ہمارا عزیز ہے

گفت آبش الخ۔ یعنی اُس صوفی نے کہا کہ اُسکو پانی بھی پلا دینا مگر ذرا نیگرم ہو تو خادم نے کہا لاحول لاقوۃ مجھے تو آپ کے اصرار سے شرم بھی آنے لگی۔

گفت اندر جو الخ۔ صوفی نے کہا کہ اُس کے دانہ مین تھوڑا گھاس بھی ڈال دینا خادم نے کہا کہ لاحول ولاقوۃ اس بات کو چھوڑیے اور کم کیجئے۔

گفت جایش الخ۔ صوفی نے کہا کہ ذرا اُسکی جگہ جھاڑو دیکر پتھر اور سنگین وغیرہ سے صاف کر دینا اور اگر جگہ تر ہو تو اُسپر تھوڑی خشک مٹی ڈال دینا۔

گفت لاحول الخ۔ خادم نے کہا کہ لاحول ولاقوۃ اے قبلہ لاحول پڑھیے اور سمجھدار قاصد سے کم بات کیجیے اس لیے کہ وہ خود جانتا ہے۔ رسول اہل موصوف صفت۔

گفت بستان الخ۔ صوفی نے کہا کہ کھریرا لیکر گدھے کی کمر مین کھجلا دینا۔ خادم بولا کہ لاحول ولاقوۃ قبلہ خدا تو شرم کیجیے کہ کیا کیا فضولیات بک رہے ہو۔

گفت دُم الخ۔ صوفی نے کہا اُسکی پچھاڑی ذرا تنگ ہی باندھ دیجو تاکہ لوٹنے کے وقت اسمین اُلجھ نہ جاوے۔

گفت لاحول الخ۔ خادم بولا کہ لاحول ولاقوۃ قبلہ اتنا نہ روئیے (یعنی اِس قدر پریشان نہ ہو جئے) اور ایک گدھے کے واسطے اِس قدر خفامت ہو جئے۔ درجوال رفتن محاورہ ہے یعنی خفا شدن۔

گفت بر پشتش الخ۔ صوفی نے کہا کہ اُس کے اوپر جھول بھی جلدی ہی ڈال دینا اِس لیے کہ سردی کی لات اسے مہز مند۔

گفت لاحول الخ ۔ خادم نے کہا کہ لاحول ولا قوۃ اے قبلہ اِس قدر نہ فرمائیے دیکھئے تو دودھ مین ہڈی کہان ہوتی ہے لہذا تم مت ڈھونڈو مطلب یہ کہ فضول کام مت کرو۔

من ز تو اُستا ترم الخ ۔ اور خادم ہی نے یہ کہا کہ مین اپنے فن مین تم سے زیادہ اُستاد ہون اور یہان تو مہمان اچھے بڑے سب طرح کے آتے ہین مین ہر ایک مہمان کے لائق اور مناسب خدمت کرتا ہون اور مین اِس خدمت کی وجہ سے مثل گل اور سوسن کے محبوب ہوگیا ہون یا یون کہا جاوے کہ مین خدمت سے اِس طرح کھلتا اور خوش ہوتا ہون کہ جس طرح پھول ہوتا ہے اور سوسن ہوتی ہے۔

خادم این گفت الخ ۔ خادم نے یہ کہکر اپنی کمر چست کس لی اور کہنے لگا کہ اب مین پہلے گھاس و انہیں لاؤن

رفت وازآخر الخ ۔ یعنی وہ خادم صاحب وہان سے تشریف لے گئے اور آخور کی طرف رُخ بھی نہ کیا اور اُسے مطلق یاد نہ کیا یہان صوفی صاحب بے فکر ہوکر خوب آرام سے سو رہے مطلب یہ کہ اُس صوفی سے تو سب وعدہ کرلیا اور کیا کچھ بھی نہین بلکہ۔

رفت خادم الخ ۔ یعنی وہ خادم وہان سے چل کر چند اوباش لوگون کے پاس گیا اور صوفی کی اِن نصیحتون پر مسخرہ پن کرنا شروع کیا۔

صوفی از رہ ماندہ الخ ۔ یعنی صوفی راستہ کا تھکا ہوا تھا اور رات بھی خوب لمبی تو اُس نے خواب دیکھنا شروع کین آنکھین بند کیے ہوے فراز کھلے ہوے کے اور بند کے دونون معنی مین آتا ہے مطلب یہ کہ جب وہ سوگیا تو اُسکو خوابین نظر آنے لگین۔

کان خرش الخ ۔ صوفی نے یہ خواب دیکھا کہ اُسکا گدھا ایک بھیڑیے کے چنگل مین ہے اور وہ کبھی اُسکی کمر سے ایک ٹکڑہ گوشت کا لے بھاگتا ہے اور کبھی ران سے مطلب یہ کہ خوب گت بن رہی ہے۔

گفت لاحول الخ ۔ یعنی وہ صوفی خواب مین کہنے لگا کہ لاحول ولا قوۃ یہ کیا مالیخولیا اور پراگندہ خیالات ہین اور تعجب کی بات ہے کہ وہ خادم مشفق کہان ہے یعنی اگر وہ ہوتا تو اِس بیچارے کی یہ گت کیون بنتی۔

باز میدید الخ ۔ پھر دیکھا کہ اُسکا گدھا راستہ چلنے مین کبھی کنوین مین گرتا ہے اور کبھی گڈھے مین گرتا ہے مطلب یہ کہ بیچارے کی بُری گت بن رہی ہے در راہ روی سے مراد در راہروی ہے یعنی راہ چلنے مین اِسکی یہ حالت تھی۔

گونہ گون الخ ۔ یعنی قسم قسم کے ناگوار واقعات دیکھ رہا تھا اُسکی وجہ سے کبھی سورۂ فاتحہ پڑھتا تھا اور کبھی القارعہ عاملون کے یہان یہ دونون سورتین دفع بلا کے لیے ہین لہذا مولانا نے بھی بنا بر مشہور لکھ دیا۔

گفت چارہ چیست الخ ۔ (اب اصل صوفی صاحب کی آنکھ کھلی) تو کہنے لگا کہ اب علاج ہی کیا ہوسکتا ہے اِس لیے کہ سب یار تو تھکے ماندے ہین اور سب (اپنے اپنے حجرہ مین) چلے گئے ہین اور دروازہ بند کرلیا ہے مطلب یہ کہ جب اُن حضرت کی آنکھ کھلی تو اُس خواب کا قلب پر کچھ اثر ہوا لیکن کہنے لگے کہ آخر علاج ہی کیا ہوسکتا ہے خانقاہ مین ایک ہو کا عالم ہے سب لوگ اپنے اپنے حجرون مین تھکے ماندے بیٹھے ہین کس کو جگاؤن کہ اُسکی خبر لے۔ پھر اِس توہم کو دفع کرتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ۔

باز میگفت الخ ۔ پھر کہنے لگا کہ تعجب کی بات ہے کہ وہ خادم کیا ہمارے ساتھ ہم نان ونمک نہ ہوا تھا۔

مطلب یہ کہ اُس بدگمانی سے واپس ہو کر کہتا ہے کہ اُس خادم نے جب ہمارے ساتھ روٹی کھائی ہے تو وہ
ایسی بیوفائی نہین کرسکتا کہ اُس جانور کی خبر نہ لیتا۔ نے کہ باا الخ استفہام تقریری۔
من نکردم الخ۔ یعنی مین نے اُس کے ساتھ مہربانی اور نرمی ہی کی ہے پھر وہ میرے ساتھ اُسکے بالعکس
کینہ کیون کرتا الخ سے کہ۔
ہر عداوت را الخ۔ یعنی ہر عداوت کا کوئی سبب ہوتا ہے ورنہ ہمجنس ہونا تو وفا کی تعلیم کرتا ہے اور یہ تو وفا
کرنے کو مقتضی ہے مگر پھر وہم سوار ہوا اور کہنے لگا کہ۔
باز می گفت الخ۔ پھر کہنے لگا کہ (منسیت تو بیشک وفا کی تعلیم کرتی ہے مگر) دیکھو کہ آدم علیہ السلام نے باوجود
اِس لطف وکرم کے ابلیس لعین پر کیا ظلم کیا تھا کہ وہ اُن کا دشمن ہوگیا اِسی کو دوسری مثال سے بیان کرتا ہے اور
دل کو سمجھاتا ہے۔
آدمی مر مار را الخ۔ یعنی دیکھو سانپ بچھو کا آدمی نے کیا بگاڑا ہے کہ یہ اسکا مرنا اور اُسکی تکلیف چاہتے ہین پھر ایک
اور مثال دیتا ہے کہ۔
گرگ را خود الخ۔ یعنی بھیڑیے کی خاصیت پھاڑ ڈالنا ہے اور یہ حسد روشن ہے اور اِسکو سب جانتے ہین
حالانکہ انسان نے اُسکا کچھ بھی نقصان نہین کیا بس معلوم ہوا کہ بعض مرتبہ بے سبب بھی دشمنی ہوا کرتی ہے اور
یہ شبہ ہوگیا کہ اگرچہ مین نے اُس خادم کے ساتھ کوئی بات ایسی نہین کی جس سے کہ وہ میرا دشمن ہوتا مگر ممکن ہے
کہ بے سبب کے بھی دشمن ہوگیا ہو لیکن پھر اِس وہم کو دفع کرتا ہے۔
باز می گفت الخ۔ یعنی پھر یہ کہنے لگا کہ یہ بدگمانی کرنا بُری بات ہے اور بھلا بھائی پر یہ گمان میرا کیون ہے اور
کس لیے ہے مطلب یہ کہ یہ بدگمانی بھائی پر نہ ہونی چاہیے پھر اسمین وہم پیدا ہوتا تھا اور کہتا تھا۔
باز گفتے الخ۔ یعنی پھر کہنے لگتا کہ یہ میرا سوءظن نہین ہے بلکہ یہ تو دور اندیشی ہے اِس لیے کہ جو دور اندیش نہین ہے
وہ درست کب رہ سکتا ہے حزم سوءالظن سے اشارہ ہے ایک حدیث کی طرف وہ یہ ہے الحزم سوءالظن
یعنی دور اندیشی کی بات یہ ہے کہ ہر شخص سے بدگمان رہے یہان یہ سمجھ لو کہ حدیث مین دوسری جگہ مسلمان پر
بلا قرینہ کے بدگمانی کرنے سے ممانعت آئی ہے اور یہان بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص پر بدگمانی کرنی چاہیے
تو اِسکو یون سمجھو کہ ایک تو سوءالظن عملاً ہے یعنی عمل اِس طرح ہو کہ جس سے سوءظن معلوم ہو لیکن قلبی پر بدگمانی نکرے
دوسرے یہ کہ دلمین بدگمانی ہے اور بلا کسی قرینہ اور دلیل کے کسی کو متہم کرے۔ سو صورت اول تو جائز ہے اور
حدیث مین یہی معنے ہین کہ عملاً سب کی طرف سے بدگمان رہے تاکہ اپنی چیز کی اچھی طرح حفاظت کرسکے اور
دوسری صورت ممنوع ہے کہ بلا کسی قرینہ قویہ کے کسی کو متہم کرے پس یہ صوفی کہنے لگا کہ اِس طرح رہنا جس سے
کہ بدگمانی مترشح ہوتی ہے وہ دور اندیشی اور اپنی چیز کی حفاظت ہے لہذا اگر مجھے اُسپر اِس قسم کے گمان ہین
تو کوئی تعجب نہین ہے آگے اُس بیچارے گدھے کی واقعات بیان کرتے ہین کہ اُس بیچارے پہ کیا گذری فرماتے ہین کہ۔
صوفی اندر الخ۔ یعنی صوفی تو ان وساوس مین مبتلا تھا اور وہ گدھا اِسی حالت مین تھا کہ بس دشمن کی بھی یہی
حالت ہو یعنے اُسکا بُرا حال تھا۔

آن خر مسکین الخ - یعنی وہ بیچارہ گدہا خاک اور پتھرون مین پڑا ہوا تھا اور اُس کا پالان بھی ٹیڑھا ہوگیا تھا اور زیر بند بھی پھٹ گیا تھا اور -

کشتہ رہ الخ - یعنی راستہ کا تھکا ہوا ساری رات کا بے گھاس دانہ کبھی اُس کو جان کنی ہوتی تھی اور کبھی مرنے کو ہوتا تھا -

خر ہمہ شب الخ - یعنی وہ گدہا رات بھر یہ دعا کررہا تھا کہ یا الٰہی مین نے جو (یعنی دانہ) چھوڑا مجھے ایک مٹھی گھاس ہی مل جاوے -

با زبان حال الخ - یعنی بزبان حال وہ گدہا کہہ رہا تھا کہ اے شیوخ (خانقاہ) رحم فرمائیے کہ اس بد معاش (صوفی) کی وجہ سے مین جل گیا اور مجھپر یہ مصیبتین پڑین آگے مولانا اس گدھے کے مطالب کی ایک مثال دیتے ہین کہ

آنچہ این الخ - یعنی اس بیچارے گدھے پر جو رنج و عذاب گذر رہا تھا اُسکی ایسی مثال تھی جس طرح کہ اگر خشکی کے جانور کو پانی مین ڈال دو تو اُسکی حالت ہوتی ہے آگے پھر اُسی کی حالت کو بیان فرماتے ہین کہ -

پس بہ پہلو الخ - یعنی وہ تمام رات صبح تک اس بیچارے گدھے کو جوع البقر کی وجہ سے کروٹین بدلتے گذری جوع البقر اور جوع الکلب وغیرہ امراض ہوتے ہین جس مین بھوک بہت لگتی ہے مطلب یہ کہ بھوک کے مارے کروٹین بدلتے ہی گذری اور نیند نہ آئی -

نالہ میکرد الخ - یعنی وہ گدھا گھاس دانہ کے نہ ملنے کی وجہ سے روتا تھا اور گھاس دانہ کے اشتیاق مین غمگین تھا -

ہمچنین در محنت الخ - یعنی اسیطرح اس مصیبت اور درد اور جلن مین رات بھر نالہ و فریاد کیا صبح تک -

روز شد خادم الخ - یعنی دن ہوا تو صبح ہی وہ خادم صاحب تشریف لائے اور جلدی سے پالان ڈھونڈھکر اسکی پشت پر رکھدیا یعنی صوفی صاحب کی سواری کے لیے طیار کردیا -

خر فروشانہ الخ - یعنی خر فروشون کی طرح اُس کے دو تین زخم لگائے اور جو کتے کے ساتھ کرنا چاہیے اُس (گدھے) نے اس گدھے کے ساتھ کیا مطلب یہ کہ جس طرح گدھے بیچنے والے جانور کی تیزی دکھلانے کو مار کر بھگاتے ہین اسیطرح اس نے بھی بہت ہی بے دردی سے اُسکو مارنا شروع کیا تاکہ معلوم ہو کہ خوب کھاکر مضبوط ہوگیا ہے -

خر جہندہ الخ - یعنی وہ گدھا اُس زخم کی وجہ سے کودنے پھاندنے لگا اور بیچارا زبان کہان سے لاوے کہ اپنا حال بیان کرے کہ مجھپر یہ گذری غرضکہ اُس خادم نے اس بیچارہ کو اچھی طرح بھوکا پیاسا مارا اور اب صوفی صاحب سوار ہوکر تشریف لے چلتے ہین ذرا دیکھیے کیا گت بنتی ہے -

صوفی کے جانور کو قافلہ والون کا بیمار سمجھنا

چونکہ صوفی الخ - یعنی جب کہ وہ صوفی صاحب (صبح کو) اُس پر بیٹھکر روانہ ہوے تو وہ گدھا منھ کے بل گرنے لگا -

ہر زمانش الخ - یعنی ہر وقت اُسکو لوگ اُٹھاتے تھے اور سب کے سب اُسکو بیمار سمجھتے تھے -

آن یکے الخ - یعنی کوئی اُسکا کان خوب زور سے ملتا تھا (تاکہ تیز چلے) اور کوئی اُس کے قدم مین زخم ڈھونڈھتا تھا

کہ شاید اُس زخم کی وجہ سے نہ چل سکتا ہو۔

وان دگر در الخ ۔ یعنی کوئی اُس کے نعل مین کنکر ڈھونڈھتا تھا (کہ شاید اُسکی تکلیف سے نہ چل سکتا ہو) اور کوئی اُسکی آنکھ کی رنگت دیکھتا تھا اس لیے کہ گھوڑون گدھون کی بیماری آنکھ ہی سے معلوم ہوتی ہے تو وہ بھی اسلیے آنکھ دیکھتا تھا کہ شاید کچھ بیمار ہو۔

باز می گفتند الخ ۔ یعنی (جب کہ ان باتون مین کچھ نہ پایا تو) کہتے تھے اجی حضرت شیخ صاحب اسکا گرنا پڑنا کس سبب سے ہے اور حالانکہ آپ کل فرماتے تھے کہ خدا کا شکر ہے کہ گدھا خوب قوی ہے اور خوب چلتا ہے مطلب یہ کہ کل تو یہ تعریفین تھین اور آج اسکی یہ حالت ہے یا این شورا شوری یا این بے نمکی آگئے اس صوفی نے خوب جواب دیا کہنے لگا۔

گفت آن خر الخ ۔ یعنی وہ صوفی کہنے لگا کہ جس گدھے نے رات بھر لاحول کھائی ہو وہ تو بجز اس طریقہ کے اور کسیطرح چل ہی نہین سکتا اس لیے کہ۔

چونکہ قوت الخ ۔ یعنی چونکہ گدھے کا کھانا رات بھر لاحول ہی رہا ہے لہذا رات بھر تسبیح خوان رہا اور اب سجدہ کر رہا ہے یعنی رات بھر آنتون نے قل ہو اللہ پڑھی اب سجدہ کر رہی ہین کہ گر گر پڑتی ہین اب آگے مولانا اس صوفی کی حکایت سے انتقال فرماتے ہین ایک مضمون ارشادی کی طرف کہ جس طرح اس صوفی نے نااہل پر اعتماد کر کے اور اُسکی باتون سے دھوکا کھایا کہین تم بھی نہ پھنس جانا اسی کو فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

چون ندارد کس غم تو ممتحن	خویش کار خویش باید ساختن
آدمی خوارند اغلب مردمان	از سلام علیک شان کم جو امان
خانۂ دیو است دلہای ہمہ	کم پذیر از دیو مردم دمدمہ
از دم دیو آنکہ او لاحول خورد	ہمچو آن خر در سر آید در نبرد
ہر کہ در دنیا خورد تلبیس دیو	وز عدوے دوست رو تعظیم و ریو
در رہ اسلام و بر پول صراط	در سر آید ہمچو آن خر در خباط
عشوہ ہاے یار بد منیوش ہین	دام بین ایمن مرو تو در زمین
صد ہزار ابلیس لاحول آر بین	آدما ابلیس را در مار بین
دم دہد گوید ترا اے جان دوست	تا چو قصابے کشد از دوست پوست
دم دہد تا پوستت بیرون کشد	واے آن کز دشمنان افیون چشد
سر نہد بر پاے تو قصاب وار	دم دہد تا خونت ریزد زار زار
ہمچو شیران صید خود را خویش کن	ترک عشوہ اجنبی و خویش کن
ہمچو خادم دان مراعات خسان	بیکسی بہتر ز عشوہ ناکسان

در زمین مردمان خانہ مکن — کار خود کن کار بیگانہ مکن
کیست بیگانہ تن خاکی تو — کز برائے اوست غمناکی تو
تا تو تن را چرب و شیرین میدہی — جوہر جان را نہ بینی فربہی
گر میان مشک تن را جا شود — روز مردن گند او پیدا شود
مشک را بر تن مزن بر دل بمال — مشک چہ بود نام پاک ذوالجلال
آن منافق مشک بر تن می نہد — روح را در قعر گلخن می نہد
بر زبان نام حق و بر جان او — گندہا از کفر بے ایمان او
ذکر با او ہمچو سبزہ گلخن ست — بر سر مبرز گل ست و سوسن ست
آن نبات آنجا یقین عاریت ست — جای آن گل مجلس ست و عشرت ست
طیبات آمد برائے طیبین — مر خبیثین را خبیثات ست ہین

اے مبتلائے آزمایش۔ اور اے مکلف جب کسی کو تیری فکر نہین تو تجھے اپنا کام خود کرنا چاہیے لوگونکی تو یہ حالت ہے کہ اُنمین اکثر آدم خوار و ضرر رسان ہین پھر ان سے انتفاع کی کیا توقع ہو سکتی ہے تجھے تو ان کے سلام علیک سے بھی بچنا چاہیے نہین معلوم اُسمین بھی کیا راز ہے سب کے دلون مین شیطان گھسا ہوا ہے اور اِس نے ان کو اپنا گھر بنا لیا ہے ان شیطان آدمیون کے فریب مین نہ آنا جسنے فریب شیطانی سے لاحول کھائی اور اسپر اطمینان کر لیا تو وہ اِس گدھے کی طرح اپنے اور شیطان کے معرکہ اور مقابلہ مین سر کے ہی بل گرا اور شکست ہی کھائی کبھی کامیاب نہ ہوا اور جس شخص نے دنیا مین شیطان سے دھوکھا کھایا اور اپنے اِس دوست نما دشمن کی مکارانہ تعظیم اور دوسرے مکرون سے مغالطہ مین پڑا وہ راہ اسلام اور پل صراط پر اِس گدھے کی طرح اپنی بے ڈھنگی چال کی بدولت ضرور سر کے بل گریگا پس اپنے اِس بُرے دوست کی فریب آمیز باتین نہ سُننا اور زمین مین بے کھٹکے نہ چلنا۔ اے آدمی دیکھ تو سہی دُنیا مین لاکھون ابلیس ہین جو اِس خادم کی طرح لاحول پڑھ پڑھ کر فریب دیتے ہین اور یاد رکھ کہ ایسی جگہ بھی تجھے شیطان ملیگا جہان وہم وگمان بھی نہ ہو چنانچہ حضرت آدمؑ کو بہکانے کے لیے سانپ کے اندر حلول کر کے جنت تک پہونچا تھا (مولانا نے اِسی مضمون کی طرف آدم۔ ابلیس را در مار بین سے اشارہ کیا ہے) یہ تجھے جان دوست کہکر پکارتا اور میٹھی میٹھی باتین کرتا ہے تجھے دھوکھا دیتا ہے تاکہ تجھے ہلاک کر دے جسطرح قصائی گائے کو فریب دیکر اور قدمون مین گر گر آتا ہے۔ اور اُسکی کھال نکال لیتا ہے یہ بھی اسیطرح تجھے فریب دیتا ہے تاکہ تیری کھال نکالے اور تجھے موت روحانی مین مبتلا کرے۔ ہائے افسوس اِن لوگونکی حالت پر جو دشمنون کے ہاتھ افیون کھا کر بیہوش ہو جاتے ہین اور اِنکو اپنا کام کر گذرنے کا موقع دیتے ہین یعنی وہ لوگ جو شیطان کے فریب مین آکر عقل کھو بیٹھتے ہین جس سے اِس کو اپنی مقصد برآری کا پورا موقع ہاتھ آجاتا ہے شیطان کی تو بالکل ایسی حالت ہے (جیسا کہ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہین) جیسے قصائی کہ وہ فریب دیکر تیرا خون بہانا اور موت روحانی مین مبتلا کرنا چاہتا ہے جب تجھے معلوم ہو گیا کہ شیطان کی یہ حالت ہے

اور اکثر آدمیون مین شیطان حلول کیے ہوے ہے تو بس تو کسی پر اعتماد نہ کر اور شیر کی طرح اپنا شکار خود کر اور اپنون اور پرایون کی نازبرداری چھوڑ ان نااہلون اور کمینون کی مراعات کو ایسا ہی سمجھ جیسے اس خادم کی مراعات۔ اور سمجھ لے کہ نااہلون کی نازبرداری سے عدم استعانت ہی بہتر ہے ہم پھر کہتے ہین کہ دوسرون کی زمین مین گھر نہ بنا۔ اور ان پر اعتماد نہ کر۔ بس اپنا کام کیے جا دوسرون کی فکر مین کبھی مت پڑ اور جس طرح دوسرون سے کام لینا چھوڑا ہے یون ہی دوسرون کے کامون مین مشغول بھی مت ہو جس سے تیرے کامون مین خلل پڑے۔ اور جبکہ دوسرون کا کام اپنا ہی کام ہو تو وہ اس ممانعت مین داخل ہی نہین جیسے ارشاد وہدایت وغیرہ امور جو امور من اللہ مین) عام بیگانون کو تو تو جانتا ہے ایک خاص بیگانہ کو بھی ہم تجھے بتائے دیتے ہین تو جانتا ہے وہ بیگانہ کون ہے وہ تیرا تن خاکی ہے جس کے لیے تو ہمیشہ مغموم رہتا ہے پس تو جبتک اس کے کام مین مصروف رہیگا اور اسکو چرب و شیرین لقمے کھلائیگا تیری روح مین قوت اور موٹائی پیدا نہین ہوسکتی یاد رکھ کہ جسم کی فکر تو بالکل ہی بے سود ہے اس لیے کہ اگر مشک کے انبار مین بھی اسکو رکھدیا جاوے تب بھی مرتے ہی اس مین بدبو آنے لگے گی لہذا بدن مین مشک بسانا بالکل بے سود ہے پس تو بدن مین مشک نہ لگا بلکہ دل پر مل دل پر لگانے کا مشک یہ متعارف مشک نہین بلکہ وہ مشک حق سبحانہ کا نام پاک ہے۔ منافق حقیقی یا اعم من الحقیقی والتشبیہ بہ بدن مین تو مشک لگاتا ہے مگر روح کو دوزخ مین جھونکتا ہے یعنی زبان پر تو خدا کا نام ہے لیکن اسکی روح مین اس کے کفر یا بے ایمان حقیقی یا اعم منہ رد من التشبیہ بہ کی سینون نجاستین اور گندگیان بھری ہوئی ہین اس کے اور اس کے ذکر کی ایسی مثال ہے جیسے گھوڑے پر سبزہ اور پیخانہ کی جگہ پر گل و سوسن دہان وہ سبزہ یقیناً عاریت اور عارضی ہے ورنہ اصلی جگہ اسکی مجلس عیش وطرب ہے اس لیے کہ اچھی چیزین اچھون کے لیے ہین اور بری بُرون کے لیے۔ یہان چونکہ نفرت دوئی اور بدباطنی کی مذمت کی تھی آگے بعض اخلاق ذمیمہ سے روکتے ہین جن سے باطن مین برائی پیدا ہوتی ہے۔ اور کینہ کی تخصیص مزید شناعت کی بنا پر ہے۔

کین مدار آنہا کہ از کین گمرہند	گورشان پہلوے کین داران نہند
اصل کینہ دوزخ ست و کین تو	جزو آن کل ست و خصم دین تو
چون تو جزو دوزخی ہان گوشدار	جزو سوے کل خود گیرد قرار
در تو جزو جنتی اے نامدار	عیش تو باشد چو جنت پایدار
تلخ با تلخان یقین ملحق شود	کے دم باطل قرین حق شود

کینہ نہ رکھنا کیونکہ جن کو کینہ نے راہ راست سے بھٹکا دیا ہے انکی قبر کینہ دارون کے برابر بنائی جائیگی یعنی عالم برزخ مین ان کو مقارنت و مرافقت ایسے ہی لوگون سے ہوگی اس لیے کہ وہی ان کے ہم مشرب ہین ایک وجہ تو اسکی برائی کی یہ تھی دوسری وجہ یہ ہے کہ نفس کینہ یعنی مرتبہ حقیقت کلیہ مین جو کہ اپنی افراد کے اعتبار سے مثل جڑ کے ہے مآل کے لحاظ سے دوزخ ہے اور تیرا کینہ بھی اسی کل کی ایک شاخ اور اسی کلی کا ایک فرد ہے جسکو تشبیہاً کل و جزو کہدیا لہذا تیرا کینہ دوزخ کی شاخ اور جزو دوزخ ہوگا۔ تیسری وجہ

خرابی کی یہ ہے کہ وہ تیرے دین کا دشمن ہے پس جبکہ یہ معلوم ہو گیا کہ تیرا کینہ نفس کینہ کا جزو اور اُسکی ایک شاخ اور اِس کلی کا ایک فرد ہے اور نفس کینہ دوزخ ہے تو اگر تو اِس کینہ کا ملازم ہوگا تو تو بھی بمنزلہ جزو دوزخ کے ہوگا اور یہ مُن رکھ کہ جزو اپنے کل ہی مین جاکے ٹھیرتا ہے تو اِس سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگر تو کینہ کا ملازم ہوگا اور اُسکو اپنے سے جُدا نہ کریگا تو تیرا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور جبکہ کینہ اور اِسی تقریر سے جزو دوزخ قرار پایا تو جو شخص کینہ ور نہین لامحالہ جزو جنت ہوگا پس اگر تو جزو جنت ہے تو تیری مزیدار زندگی جنت کی طرح پائدار ہوگی اور تو دنیا مین بھی راحت مین رہیگا۔ لعدم الموذی اور آخرت مین بھی چین سے رہے گا۔ یہ جو ہم نے کہا ہے کہ گورشان پہلوے کین داران نہند۔ اِسکی وجہ یہ ہے کہ الجنس یمیل الی الجنس عام قاعدہ ہے۔ اور تلخ یقیناً تلخون ہی کے ساتھ ملحق ہوتا ہے۔ اور باطل بات باطل ہی کے ساتھ میل کھاتی ہے حق بات کے ساتھ اُسکا لگاؤ نہین ہوتا تو لازم ہے کہ کینہ دار بھی کینہ دارون ہی کے ساتھ ہون (تنبیہ) اصل کینہ دوزخ ست کی دو توجیہین ہوسکتی ہین اول یہ کہ اصل سے مراد مرجع ہو اور دوسری یہ کہ اصل کینہ سے مراد نفس کینہ ہو اور اصل کی اضافت کینہ کی طرف بیانیہ من قبیل لجین الماء ہو۔ اور دوزخ اِسپر مبالغہ محمول ہو یلحاظ مآل ہوگی اور مولانا کا اصل کینہ کو دوزخ کہکر کینہ کو اُس کل کا جزو کہنا۔ اور پھر مخاطب کو اُسکی صفت غیر منفکہ کی وجہ سے جزو دوزخ کہنا توجیہ ثانی کا مؤید ہے۔

اے برادر تو ہمین اندیشۂ	مابقی تو استخوان و ریشۂ
گر گلست اندیشہ تو گلشنی	ور بود خارے تو ہیمہ گلخنی
گر گلابی بر سر و جیبت زنند	ور تو چون بولی برونت افگنند
طبلہا در پیش عطاران بہ بین	جنس را با جنس خود کردہ قرین
تو بہائی جوز تا جنسان بجند	صحبت ناجنس گورست و لحد
جنسہا با جنسہا آمیختہ	زین تجانس زینتے انگیختہ
گر در آمیزند عود و شکرش	برگزیند یک یک از ہمہ گرش

چونکہ ہم نے اوپر اصلاح اعمال کی طرف تیری توجہ منعطف کی ہے اور افعال اختیاریہ کا صدور موقوف ہے عزم پر اور عزم کا تحقق موقوف ہے ادراک فعل پر جسکو ہم فکر کہتے ہین اِس لیے ہم کہتے ہین کہ تو سراپا فکر ہے کیونکہ اصل الاصول فکر ہی ہے۔ اور باقی سب اُس کے توابع اور ممد و معاون بمنزلہ ہڈی اور گوشت وغیرہ کے ہین پس لازم ہے کہ تو اُسکی اصلاح کرے اور تیرا فکر محمود ہو۔ اِس لیے کہ اگر تیرا فکر گل کی طرح خوبی و حسن معنوی رکھتا ہوگا تو تو اس کو اپنے اندر رکھنے کے سبب گلشن کی طرح محبوب اور مرغوب ہوگا۔ اور اگر وہ خار کی طرح نامرغوب ہے تو تو اِسکے اشتمال کے سبب گلخن دوزخ کا ایندھن ہوگا اور اگر تو خوبی و حسن اندیشہ کے سبب گلاب ہے تو خوبان تجھے سر مین اور گریبان مین لگائین گے یعنی نیک لوگ تیری قدر و منزلت کرین گے اور اگر تو گندگی اندیشہ کے باعث پیشاب ہے تو وہ تجھے باہر پھینکدین گے اور تیری کچھ عزت و وقعت نہ کرین گے چونکہ خیال کے حسن و قبح مین صحبت کو بھی بہت بڑا دخل ہے اِس لیے صحبت

نیک کی ترغیب دیتے ہین اور صحبت بد سے تحذیر کرتے ہین اور فرماتے ہین یاد رکھ کہ ہر چیز کے لیے ایک محل مناسب ہوتا ہے اور وہ پہلوے مجانس ہے عطار کے ڈبون کو دیکھ کہ متناسب اشیاء کے ڈبے پاس پاس ہوتے ہین لہذا تو کوشش کر کے ناجنسون کی صحبت سے نکل۔ اس لیے کہ صحبت ناجنس باعث ہلاکت ہے جب ایک جنس اپنی ہمجنس کے ساتھ ملتی ہے تو اس تجانس سے ایک زینت پیدا ہوتی ہے اور وہ چیزین ایک جگہ اچھی معلوم ہوتی ہین اور جب ایک ناجنس دوسری ناجنس کے قرین ہوتی ہے تو اس سے ایک ناگوار صورت پیدا ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ جب کسی عطار کی دوکان مین عود و شکر ملجاتے ہین تو وہ ایک کو دوسرے سے الگ کرتا ہے اور ایک جا نہین رہنے دیتا۔

طبلہا بشکست و جانہا ریختند ۔ نیک و بد با ہمدگر آمیختند
حق فرستاد انبیا را بہر این ۔ تا جدا گردد ز ایشان کفر و دین
حق فرستاد انبیا را با ورق ۔ تا گزید این دانہا را بر طبق
مومن و کافر مسلمان و جہود ۔ پیش ازیشان جملہ یکسان مینمود
پیش ازیشان ما ہمہ یکسان بدیم ۔ کس نداستی کہ ما نیک و بدیم
بود نقد و قلب در عالم روان ۔ چون جہان شب بود ما چون شبروان
تا برآمد آفتاب انبیاء ۔ گفت اے غش دور شو صافی بیا

ایک ناجنس کو دوسرے ناجنس سے جدا کرنا کچھ عطار وغیرہ ہی کے ساتھ مخصوص نہین بلکہ حق سبحانہ بھی یہی کرتے ہین کیونکہ جب ارواح کے ڈبے ٹوٹے۔ اور عالم ارواح سے جہان وہ اپنے مجانس کے ساتھ اقتران رکھتی تھین جدا ہو کر عالم اجسام مین آئین اور خلط ملط ہو گئین تو حق سبحانہ نے انبیاء کو بھیجا کہ انہین سے کفار اور مومنین کو باہم ایک دوسرے سے جدا کر دو۔ اور انبیا کو کتابین دیکر بھیجنے کا یہ مقصد تھا کہ بہ شرف ذاتی یعنی مومنین جو اپنی ناجنس یا ور کفار مین خلط ملط ہو گئے ہین ان کو چن کر طبق مین الگ رکھدو اور انکو شرف امتیاز بخشو۔ چنانچہ انہون نے ایسا ہی کیا کہ لوگون کو حق کی دعوت دی کچھ لوگون نے اسکو قبول کیا اور کچھ نے رد۔ اس طرح ہر دو فریق جدا جدا ہو گئے۔ ورنہ اس سے پیشتر مومن و کافر مسلمان اور یہودی سب یکسان دکھائی دیتے تھے اور ہم سب یکسان تھے کسی کو معلوم نہ تھا کہ ہم نیک ہین یا بد۔ عالم مین کھرے کھوٹے کا یکسان چلن تھا۔ اور عالم رات کی طرح تاریک تھا اور ہم رات مین چلنے والون کی طرح اٹکل پچو چل رہے تھے حتیٰ کہ انبیاء کا آفتاب طلوع ہوا۔ اور اس نے کھرے کو قبول کر لیا اور کھوٹے کو پھینکدیا یعنی مومنین کو شرف ملازمت بخشا۔ اور کفار کو مردود و مطرود کیا۔

چشم داند فرق کردن رنگ را ۔ چشم داند لعل را و سنگ را
چشم داند گوہر و خاشاک را ۔ چشم را زان می خلد خاشاکہا
دشمن روز اند این قلابگان ۔ عاشق روز اند این زرہاے کان
زانکہ روزست آئینہ تعریف او ۔ تا ببیند اشرفے تشریف او

انبیار مومن وکافر مین کیونکر تمیز کرتے اور نا اہلون کے ہاتھ سے اذیت کیون نہ اُٹھاتے حالانکہ وہ انسانون مین بمنزلہ چشم ہین اور چشم کا کام رنگون مین امتیاز کرنا ہے چشم ہی پتھر اور لعل مین فرق کرتی ہے چشم ہی موتی اور خاشاک مین تمیز کرتی ہے یہی وجہ ہے کہ آنکھ مین خس و خاشاک پڑ کر اسکو ایذا دیتے ہین کیونکہ وہ اسکی قدر گھٹانے والی ہے اسیطرح یہ عیار لوگ جو کھوٹے سکے چلانے کے عادی ہین آفتاب انبیار کے دشمن ہین کیونکہ وہ انکی قلعی کھولتا ہے اور یہ کان کے سونے (یعنی مومن لوگ) اُس آفتاب کے عاشق ہین اس لیے کہ وہ انکی قدر بڑھاتا ہے اور انکی تعریف کا آئینہ ہے تاکہ اس سے اشرف و اعلے کو اپنا علو مرتبت معلوم ہوتا ہے۔

حق قیامت را لقب زان روز کرد ۔ روز بنماید جمال سرخ و زرد

پس حقیقت روز سر اولیاست ۔ روز پیش ماہ شان چون سایہاست

عکس راز مرد حق دانید روز ۔ عکس ستاریش شام چشم دوز

زان سبب فرمود یزدان والضحے ۔ والضحے نور ضمیر مصطفی

قول دیگر کاین ضحے را خواست دوست ۔ از برای آنکہ این ہم عکس اوست

ورنہ بر فانی قسم خوردن خطاست ۔ خود فنا چہ لائق گفت خداست

از خلیلے لا احب الآفلین ۔ پس فنا چون خواست رب العالمین

لا احب الآفلین گفت آن خلیل ۔ کے فنا خواہد ازین رب جلیل

باز واللیل ست ستاری او ۔ وین تن خاکی زنگاری او

حق سبحانہ نے اسی سبب سے قیامت کو یوم کہا ہے جس کے متعارف معنی روز اور دن ہین کہ روز جس طرح سرخ و زرد کی حالت ظاہر کر دیتا ہے یون ہی وہ سرخرویون اور زردرویون کو ایک دوسرے سے کامل طور پر جدا کر دیگا اور ظاہر کر دیگا کہ کون سرخ رو ہے اور کون زرد رو۔ جب یہ حالت روز متعارف کی ہے تو تو اندازہ کر سکتا ہے کہ اصل روز کی کیا حالت ہوگی اصل روز کیا ہے باطن اولیار۔ اور روز متعارف اُس روز کا مظہر ہے اور وہ روز اس کے لیے حقیقت اور ظاہر۔ اس روز کو ان کے روز سے کیا نسبت یہ تو انکی چاندنی رات کے مقابلہ مین بھی ایسا ہے جیسا نور کے مقابلہ مین سایہ۔ ایک سایہ نہین بلکہ بہت سے سایون کا مجموعہ تم کو یاد رکھنا چاہیے کہ روز متعارف کی روشنی اور شب تاریک کی تاریکی اپنی ذاتی نہین بلکہ اولیاراللہ کے اندر دو باتین ہین ایک نور باطن دوسری شان ستاری جسکا مقتضی ہے خفا جو مناسب ہے ظلمت کے اور جسکا مظہر ہی حجاب ظلمانی جسم پس ان انکے نور باطن کا عکس اور اسکا مظہر ہے اور رات اوس حجاب ظلمانی جسم کا عکس اور اوسکا مظہر ہے یہی وجہ ہے کہ حق سبحانہ نے ضحے کی قسم کھائی ہے کیونکہ ضحی سے مراد نور قلب مصطفے علیہ التحیۃ والثناہے اور مفسرین جو ضحی سے ضحی متعارف مراد حق سمجھتے ہین ایک درجہ مین یہ بھی صحیح ہے اس صورت سے کہ اسکو مقسم بہ اس لحاظ سے کہا جاوے کہ وہ عکس نور ضمیر مصطفے ہے۔ ورنہ من حیث الذات وہ فانی ہے اور فانی من حیث الذات تو اس قابل بھی نہین کہ حق سبحانہ کے کلام مین واقع ہو چہ جائیکہ مقسم بہ ہو کیونکہ مقسم بہ کو محبوب اور عزیز ہونا چاہیے حالانکہ خلیل فرماتے ہین لا احب الآفلین تو رب جلیل احب الآفلین کیونکر فرما سکتے ہین۔ اور ضحی سے ضحی فانی

من حیث الذات کیسے مراد لے سکتے ہین جب کہ خلیل رب جلیل آفلین کو محبوب اور عزیز نہین رکھتے تو رب جلیل آفلین کو ہرگز عزیز نہین رکھ سکتے۔ اور ضحیٰ سے فانی من حیث الذات ہرگز مراد نہین لے سکتے۔ چونکہ اوپر تم کو بتایا گیا ہے کہ رات مین تاریکی اولیاء اللہ کے حجاب ظلمانی سے آئی ہے یہی وجہ ہے واللیل مین لیل سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ستاری یا بدن ان کا تن خاکی زنگاری مراد ہے جو مظہر ہے انکی شان ستاری کا جسکا مقتضی خفا ہے جو مناسب ہے ظلمت کے۔

آفتابش چون برآمد زان فلک	با شب تن گفت ہین ما ودعک
وصل پیدا گشت از عین بلا	زان حلاوت شد عبارت ما قلی

آفتابش مین ضمیر شین راجع ہے ضمیر مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کی طرف۔ آفتاب سے مراد ذات حق سبحانہ ہے جو منور ضمیر ہے اور فلک سے مراد فلک الوہیت ہے برآمدن آفتاب ذات حق از فلک الوہیت کنایہ ہے تربیت ضمیر کی طرف متوجہ ہونے سے۔ با شب تن گفت مین تن کو ما ودعک کا مخاطب بنانے مین نکتہ یہ ہے کہ اصل باعث اس خطاب کا تن ہی ہے کیونکہ جب جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے روح وغیرہ کی بابت دریافت کیا گیا تو آپ نے وعدہ فرمالیا کہ مین کل جواب دونگا اور انشاء اللہ سے ذہول ہوگیا۔ اسپر پندرہ روز تک وحی بند رہی کفار نے فقرے کسنے شروع کئے۔ ربّ محمد ودع محمدا۔ رب محمد قلی محمدا۔ آپ کو سخت ملال ہوا تسکین وتشفی کے لیے یہ آیت نازل ہوئی۔ والضحیٰ واللیل اذا سجیٰ ما ودعک ربک وما قلیٰ الخ پس منشاء اس آیت کا ذہول ہے جو کہ تعلق رکھتا ہے قوائے جسمانیہ سے۔ لہذا مورد عتاب ہونے کا توہم جسم ہی پر ہوسکتا ہے کہ وہی منشاء زلت ہے اس لیے اسی کو مخاطب بناکر فرمایا گیا ما ودعک ربک وما قلی۔ اور اصل مقصد ان اشعار کا دفع کرنا ہے اس شبہ کا جو ماسبق سے پیدا ہوا تھا یعنی یہ کہ جب جسم ظلمانی ہے تو اسکو حق سے بعد ہوگا اسکو یون دفع فرماتے ہین کہ جب اس ضمیر کا روشن کرنے والا آفتاب (یعنی ذات حق سبحانہ) سماء ربوبیت سے جلوہ گر ہوا۔ اور تربیت کی جانب متوجہ ہوا۔ تو جسم ظلمانی سے فرمایا کہ ضمیر روشن مصطفیٰ کی قسم اور اے جسم کاللیل تیری قسم ہمنے تجھے چھوڑا نہین۔ اور تجھ سے ہمین مخالفت نہین کیونکہ تو گو تاریک ہے مگر ضمیر مصطفےٰ سے تعلق رکھتا ہے اور انکی شان ستاری کا مظہر ہے لہذا خود بلائے ہجر ہی سے وصل پیدا ہوگیا اور اسی حلاوت وصل پر ما قلی اور اسکا ماقبل ما ودعک دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ جب تودیع وقلی کی نفی کی گئی تو اتصال وعلاقہ خود ثابت ہوگیا۔

ہر عبارت خود نشان حالتی ست	حال چون دست وعبارت آلتی ست
آلت زرگر بدست کفش گر	ہمچو دانہ کشت کردہ ریگ در
والت اسکاف پیش کفش گر	پیش سگ کہ استخوان در پیش خر
بود انا الحق در لب منصور نور	بود انا اللہ در لب فرعون زور
شد عصا اندر کف موسے گوا	شد عصا اندر کف ساحر ہبا
این سبب عیسیٰ بدان ہمراہ خود	درنیاموزید آن اسم صمد
کو نداند نقص بر آلت نہد	سنگ بر گل زن تو آتش کے جہد

دست و آلت ہمچو سنگ و آہن ست | جفت باید جفت شرط زادن ست

ماوَدعک ربک وما قلیٰ وصل پر دال کیون نہ ہوگا حالانکہ ہر عبارت اپنے مناسب ایک حالت اور ایک مقصد پر دلالت کرتی ہے (پھر یہ تو حق سبحانہ کی عبارت ہے) اور عبارت اور حال کی مثال ایسی ہے جیسے ہاتھ اور آلہ جس طرح آلہ ہاتھ کو بتلاتا ہے کہ ہاتھ کدّ ہے لکڑیان چیرنے والا ہے یا زیور بنانے والا وغیرہ وغیرہ۔ یون ہی عبارت بھی اپنے مناسب حال پر دلالت کرتی ہے جیسے ماوَدعک وما قلیٰ وصل پر۔ لہذا آلہ کو ہاتھ کے مناسب اور عبارت کو حال کے مطابق ہونا چاہیے۔ ورنہ ہر دو بے جوڑ۔ اور بے تکے ہونگے چنانچہ سُنار کا اوزار موچی کے ہاتھ مین۔ یون ہی بے جوڑ اور غیر مفید ہے جیسے ریت مین غلہ بونا اور موچی کے اوزار کسان کے ہاتھ مین یون ہی نامناسب۔ اور بے تکے ہین جیسے کُتے کے سامنے گھانس اور گدھے کے سامنے ہڈی۔ کچھ آلت دست یا عبارت ہی کی تخصیص نہین۔ بلکہ ہر چیز اپنے مناسب اور موافق کے ساتھ زیب دیتی ہے دیکھو منصور نے بھی انا الحق کہا اور فرعون نے بھی مگر منصور کے لیے باعث نور ہوا۔ کیونکہ مقام فنا پہنچ کر اور اپنی ہستی کو مٹا کر کہا تھا اور فرعون کے لیے جھوٹ ہوگیا۔ کیونکہ اس نے اپنی ہستی کو قائم رکھکر اور حق سبحانہ کی نفی کے لیے کہا تھا۔ نیز دیکھو لاٹھی حضرت موسےٰ کے ہاتھ مین بھی تھی اور ساحر کے ہاتھ مین بھی۔ مگر حضرت موسےٰ کے ہاتھ مین دلیل نبوت ہوئی اور ساحر کے ہاتھ مین بیکار اور لاشے محض۔ چونکہ ہر چیز اپنا مناسب اور موافق طلب کرتی ہے اسی لیے حضرت عیسےٰ نے اپنے ہمراہی کو اسم اعظم نہ بتلایا کہ اُس کے مناسب نہ تھا اِس لیے کہ اُس کو بتلانے سے وہ اسم اسکو وہ کام تو دیتا نہین جو حضرت عیسےٰ کو دیتا تھا لہذا وہ اسکو اسم کا نقص بتلاتا حالانکہ یہ اسم کا قصور نہین بلکہ خود اسی مین شرط فاعلیت مفقود ہے مثلاً اگر کوئی پتھر کو گارے پر مارے تو آگ نہ نکلے گی کیونکہ محض اِس لیے کہ منفعل قابل نہین پس جب عدم قابلیت منفعل مانع ظہور اثر تاثیر ہے تو عدم قابلیت فاعلیت بالاولےٰ مانع ہوگی۔ پس ہاتھ اور آلہ مین باہم ایسا ہی تناسب ہونا چاہیے جیسے پتھر اور لوہے مین۔ اور جوڑ کی ضرورت ہے کیونکہ جب تک جوڑا (بیوی) نہ ہو بچہ پیدا نہین ہوسکتا اسیطرح اگر پتھر ہے اور اسکا جوڑ لوہا نہین بلکہ گارا ہے تو آگ نہین نکل سکتی یون ہی اگر آلہ ہے مگر استعمال کرنیوالا کامل نہین تو آلہ کام نہ دیگا۔

آنکہ بے جفت و بے آلت یکے ست | در عدد شک ست و آن یک بے شکے ست

آنکہ دو گفت و سہ گفت و بیش ازین | متفق باشند در واحد یقین

احولی چون دفع شد یکسان شوند | آن دو سہ گویان یکے گویان شوند

گر یکے گوئی تو در میدان او | گرد بر مے گرد از چوگان او

گوے آنگہ راست بے نقصان شود | کو ز دست زخم شہ رقصان شود

گوش دار اے احول اینہا را بہوش | داروے دیدہ بکش از راہ گوش

پس کلام پاک در دلہاے کور | مے نیاید مے رود تا اصل نور

وان فسون دیو در دلہاے کژ | مے رود چون کفش کژ در پاے کژ

سب کے افعال کے نتائج کے حصول کے لیے ضرورت ہے جوڑہ اور آلہ کی لیکن جس کے لیے ضرورت نہین

وہ صرف ایک ذات ہے ایک ہے اس لیے کہا کہ ایک تو تیقن ہے اور تعدد مین شک ہے کیونکہ جو لوگ دو یا تین یا اس سے زیادہ اُس کے قائل ہین وہ سب ہمارے ساتھ ایک پر متفق ہین اور اپنی احولی سے ایک کو دو یا تین سمجھتے ہین اگر وہ احولی دفع ہو جائے تو سب یکسان ہو جائین وہ دو یا تین ماننے والے بھی وحدانیت کے قائل ہو جائین۔ اے مخاطب گو تو وحدانیت کا قائل ہے اور اِس لیے حق پر بھی ہے مگر صرف وحدانیت کے دعوے پہ اکتفا نہ کرتا کیونکہ حقیقت اعتقاد وحدانیت یہ ہے کہ تو اُس کے میدان مین اُس کے چوگان حکم سے گیند کی طرح گھومے اور ہمہ تن اسکا مطیع ومنقاد ہو جب تک تجھ مین یہ کیفیت نہ پیدا ہو گی تو ناقص رہے گا کیونکہ تو واقع مین چوگان حکم خدا کے لیے مثل گیند کے ہے اور گیند اُسی وقت ٹھیک اور نقصان سے پاک ہوتی ہے جبکہ بادشاہ کی ضرب کے سامنے جس طرح وہ چاہے اُس طرح ناچے۔ اے احول ان باتون کو خوب کان کھول کر سُن لے اور دیدہ قلب کی دوکان کی راہ سے جذب کر یعنی ہمارے نصائح تیرے دیدۂ قلب بیمار کے لیے کحل الجواہر ہین اِن کو غور سے سُن۔ اور دل مین جگہ دے کہ یہ تیرے دیدۂ بصیرت کو روشن کرینگی۔ اگر تو ایسا نہ کرے تو کچھ تعجب کی بات نہین کیونکہ کلام پاک اندھے دلون مین داخل نہین ہوتا اور ان مین اثر نہین کرتا بلکہ وہ اُن دلون مین داخل ہوتا ہے جن مین نور موجود ہے ہان شیطانی باتین ان ٹیڑھے دلون مین گھر کرتی ہین کیونکہ اِن کو اِن سے مناسبت ہے کہ یہ بھی ٹیڑھی ہین وہ بھی ٹیڑھے پس انکی اور اُنکی ایسی مثال ہوئی جیسے ٹیڑھی جوتی اور ٹیڑھا پاؤن کہ باہمی تناسب کے باعث وہ جوتی اُس پاؤن مین آجاتی ہے اور عدم تناسب کے باعث سیدھی جوتی نہین آسکتی۔

گرچہ حکمت را بہ تکرار آوری	چون تو نا اہلے شود از تو بری
گرچہ بنویسی نشانش مے کنی	ورچہ لافے بیانش می کنی
او ز تو رو در کشد اے پر ستیز	بندہا را بگسلد وز تو گریز
ورنخوانی و بہ بیند سوز تو	علم باشد مرغ دست آموز تو
او نپاید پیش ہر ناوستا	ہمچو باز شہ بجانہ روستا

چونکہ ہر چیز کا میلان اپنی مناسب کی طرف ہوتا ہے اِس لیے اگر تو حکمت کو بار بار سیکھے یا دکرے تو بھی وہ تیرے پاس نہ ٹھہریگی اور تجھ سے دور بھاگے گی اگر تو اسکا اہل نہین ہم پھر کہتے ہین کہ اگرچہ تو حکمت کو لکھے لوٹ کرے اور موتچھو کن پرتا ؤ دیکر اُسکو بیان کرے لیکن وہ تجھ سے اعراض ہی کریگی اور بھاگنے کے لیے رسی توڑ جائیگی۔ رہا تو بھاگنے کا یہ مطلب ہے کہ اُسکو آئیگی ہی نہین اگر آ گئی تو جلد زائل ہو جائیگی یا یہ کہ بوجہ اُسکے غیر مؤثر ہونے کے تیرے لیے اسکا عدم و وجود برابر ہو گا اور وہ بحالت حصول ایسی ہو گی گویا کہ نہین ہے بلکہ بھاگ گئی) اور اگر تو پڑھے نہین مگر تیرے اندر سوز اور اہلیت ہو تو علم تجھ سے مانوس اور تیرے ہاتھ پر پلا ہوا جانور رہے یعنی تیرے قابو مین ہے کیونکہ اس صورت مین تجھے علم لدنی حاصل ہو گا۔ ہم پھر کہتے ہین کہ علم نااہل کے پاس نہین ٹھہرتا کیونکہ وہ محبوب حق سبحانہ اور بازشہ کی مثل ہے اور بازشہ دیہاتی کے گھر کیون رہنے لگا اول تو جائیگا ہی نہین اور اگر کسی وجہ سے چلا گیا تو رہیگا نہین۔

یافتن شاه باز خویش را در خانهٔ کمپیر و مبتلا شدن

علم آن باز ست کو از شه گریخت — سوے آن کمپیر کو می آرد بیخت
تا کہ تتماجے پزد اولاد را — دید آن باز خوش خوش زاد را
پایکش بست و پرش کوتاه کرد — ناخنش ببرید و قوتش کاه کرد
گفت نا اہلان نکردندت بساز — پر فزود از حد و ناخن شد دراز
دست ہر نا اہل بیمارت کند — سوے مادر آکہ تیمارت کند

پس اس علم کو جو نااہلون کو حاصل ہوتا ہے تم اس باز کی مثل سمجھو جو بادشہ سے بھاگ کر اس بڑھیا کے پاس آیا تھا جو اپنے بچون کے لیے حریرہ پکانے کے واسطے آٹا چھان رہی تھی اسکا واقعہ یہ ہے کہ اس بڑھیا نے اس عمدہ اور پاکیزہ نسل باز کو دیکھا تو اسکو پکڑ لیا اور پکڑ کر اس کے پاؤن مین ڈورہ وغیرہ باندھ دیا اور پر کاٹ کر چھوٹے کر دیے ۔ ناخن سب تراش ڈالے کھانے کیلیے دوب سامنے ڈالدی اور کہا کہ نااہلون نے تجھ سے موافقت نہ کی اور تیرے ساتھ اچھا سلوک نہ کیا اس لیے تیرے پر بھی بڑھ گئے اور ناخن بھی بڑے بڑے ہوگئے اگر تو ایسے ہی نااہلون کے پاس رہتا تو ان کے ہاتھ سے تو ضرور بیمار ہوجاتا تو نے بہت اچھا کیا کہ اپنی مادر شفقہ کے پاس چلا آیا مین تیری غمخواری کرونگی اور تیری آسایش کا خیال رکھونگی بس جس طرح بڑھیا کے پاس اس باز کی گت بنی یون ہی نااہلون کے پاس علم کی بنتی ہے ۔ اس واقعہ سے جس طرح مضمون ماسبق کی تائید ہوتی ہے یون ہی اس سے ایک اور نتیجہ بھی نکلتا ہے جسکو مولانا آگے بیان فرماتے ہین ۔

مہر جاہل را چنین دان اے رفیق — کژ رود جاہل ہمیشہ در طریق
جاہل ار با تو نماید ہمدلی — عاقبت زخمت زند از جاہلی

یعنی جو جاہل اور نادان کی محبت کو بھی بڑھیا ہی کی محبت کے مثل سمجھ کیونکہ جاہل ہمیشہ ٹیڑھا چلتا ہے پس اگر جاہل تیرے ساتھ ہمدردی کرے تو سمجھ لینا کہ انجام کار یہ تجھے اپنی نادانی سے کوئی صدمہ ضرور پہونچائے گا ۔

روز شہ در جستجو بیگاه شد — سوے آن کمپیر و آن خرگاه شد
دید ناگہ باز را در دود و گرد — شہ برو بگریست زار و نوحہ کرد

غرض کہ بادشاہ کو ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے ناوقت ہوگیا بالآخر اس بڑھیا اور اس کے ٹھکانے کی طرف چلا جب وہان پہونچا تو کیا دیکھتا ہے کہ باز دھوئین اور گرد مین بیٹھا ہوا ہے ۔ یہ دیکھکر بادشاہ اسکی حالت پر گریہ وزاری کرنے لگا ۔

گفت ہر چند این جزاے کار تست — کہ نباشی در وفاے ما درست
چون کنی از خلد در دوزخ قرار — غافل از لا یستوی اصحاب نار
این سزاے آنکہ از شاه خبیر — خیره بگریزد بخانہ گنده پیر

(تنبیہ) گفت ہر چند الخ مین جواب ہر چند بقرینۂ بیت سابق محذوف ہے فقط بادشاہ نے باز کو اس خستہ حالت مین دیکھکر اس سے کہا کہ گو تیری اس حرکت کی کہ تو ہماری وفا مین ثابت قدم نہ رہا سزا تو یہ ہی تھی کہ تجھپر رحم نہ کیا جاتا مگر ہماری شفقت و رحمت بیکران کا تقاضا ہے کہ پھر تجھے اپنے پاس رکھنا چاہتے ہین تجھے اتنی بھی سمجھ نہ ہوئی کہ جنت (ہمارے قصر معلے) کو چھوڑکر دوزخ (اس بڑھیا کے گھر) کو اپنا ٹھکانا بنایا اور لایستوی اصحاب النار و اصحاب الجنۃ کو بالکل بھول گیا جو اپنی ہر بات کی خبر رکھنے والے اور ہر قسم کی راحت پہونچانے والے بادشاہ کے پاس سے محض بلا وجہ اور باغیانہ بڑھیا کے گھر بھاگ جائے اسکی یہی سزا ہے جو تجھے ملی۔

گندہ پیر جاہل این دنیا دنی ست   ہر کہ مائل شد بدو خوار و غبی ست
ہست دنیا جاہل و جاہل پرست   عاقل آن باشد کزین جاہل برست
ہر کہ با جاہل بود ہمراز باز   آن رسد با او کہ با آن شاہباز

اب نتیجہ حکایت کے طور پر نصیحت فرماتے ہین کہ دنیا دنی کو جاہل بڑھیا سمجھو۔ پس جو شخص اپنے قصر شاہ حقیقی کو چھوڑکر اس دنیا دنی کی طرف مائل ہوگا وہ اس باز کی طرح ذلیل اور کودن ہوگا کہ اس نے جنت اطاعت کی قدر نہ کی اور دوزخ معاصی مین پھنس گیا۔ اور لایستوی اصحاب النار و اصحاب الجنۃ کو یک لخت فراموش کردیا۔ چونکہ دنیا خود بھی جاہل اور حق ناشناس ہے اور جاہلون اور حق ناشناسون ہی کی قدر بھی کرتی ہے اس لیے عاقل وہی ہے جس نے اس جاہل کے دام سے رہائی پائی کیونکہ جو شخص جاہل کا ہمراز و دمساز ہوگا اس کا آخر مین وہی حشر ہوگا جو اس شہباز کا ہوا تھا بن جبکہ اس نے اسکو پیشتر ہی سمجھ لیا تو یہ اسکی عقل کی دلیل ہے۔

باز مے مالید پر بر دست شاہ   بے زبان میگفت من کردم گناہ
پس کجا نالد کجا زارد لئیم   گر تو نپذیری بجز نیک اے کریم
لطف شہ جان را جنایت جو کند   زانکہ شہ ہر زشت را نیکو کند

نصیحت سن چکے تو پھر اصل قصہ سنو وہ باز بادشاہ کے ہاتھ پر بیٹھا ہوا تملق والحاح کے طور پر اپنے پر بادشاہ کے ہاتھ پر مل رہا تھا اور گو زبان نہ تھی مگر بزبان حال کہہ رہا تھا کہ اے شاہ واقعی مجھ سے قصور ہوا اور مین نادم ہون آپ مجھے قبول فرمایئے۔ اور میرا قصور معاف کردیجئے کیونکہ اگر آپ نیکون ہی کو قبول کرین اور جن سے کوئی لغزش ہوگئی باوجود ندامت اور معذرت کے بھی آپ انکو قبول نہ فرماوین تو پھر ہم سے نالائقون کا کہان ٹھکانا ہے اور وہ کہان جاکر روئین اور کس جگہ زاری کرین ان کے لیے تو آپ کے در کے سوا کوئی ٹھکانا ہی نہین۔ میری غلطی کی وجہ یہ تھی کہ بادشاہ سلامت کے الطاف خسروانہ نے ارتکاب جرائم پر دلیر کردیا تھا کیونکہ حضور ہماری ہر برائی کو نظر انداز فرماتے ہین جس سے وہ بوجہ عدم مواخذہ کے مثل نیکی کے ہوجاتی ہے پس اصل وجہ یہ تھی اس قصور کی۔

رو مکن زشتے کہ نیکیہائے ما   زشت آید پیش آن زیبائے ما
خدمت خود را سزا پنداشتے   تو لوائے جرم ازان افراشتے

چون ترا ذکر و دعا دستور شد	زان دعا کردن دلت مغرور شد
هم سخن دیدی تو خود را با خدا	اے بسا کس زین گمان افتد جدا
گرچه با تو شه نشیند بر زمین	خویشتن بشناس و نیکوتر نشین

تجھے معلوم ہوگیا کہ باز کی اِس غلطی کا باعث اسکی وہ جرأت تھی جو بادشاہ کے اِسکی لغزشون کو نظر انداز کرنیسے پیدا ہوئی تھی پس تجکو چاہیے کہ حق تعالٰے کے عفو و درگذر سے مغرور ہوکر جرائم پر دلیر نہ ہو جائے برائی پر جرأت تو درکنار تجھیر لازم ہے کہ اپنی طاعت پر بھی مغرور نہ ہو کیونکہ تو جس قدر بھی طاعت کریگا لامحالہ وہ طاعت حق سبحانہ تعالٰی کی قدر عالی سے کم ہوگی لہذا وہ طاعت بوجہ کما ینبغی نہ ہونے کے زشت ہوگی۔ تیری جرأت علی الجرائم کی وجہ عفو حق تو ہے ہی لیکن بڑی وجہ یہ ہے کہ تو نے اپنی خدمت کو مناسب سمجھا۔ اور جب ذکر حق اور دعا تیرا معمول ہوگیا تو اس دعا کرنے سے تیرا دل مغرور ہوگیا اور غلطی مین پڑگیا اور تو اپنے کو خدا سے ہم سخن سمجھ بیٹھا۔ ارے بہت سے لوگ اس گمان باطل سے حق سے جدا ہوگئے ہین کیونکہ اول تو یہ خود بری بات ہے کہ عجب و خود بینی ہے۔ دوسرے جب آدمی ایسا سمجھنے لگتا ہے تو وہ بدین خیال کسی معصیت مین مبتلا ہوجاتا ہے کہ نیکیان غالب ہین تو ایک گناہ کیا ضرر پہنچائیگا اور وہ معصیت کسی دوسری معصیت کیطرف مفضی ہوجاتی ہے وہلم جرا۔ اور بالآخر وہ مردود بارگاہ ہوجاتا ہے یا ایک ہی معصیت خذلان کا باعث ہوجاتی ہے (نعوذ باللہ منہ ونسالہ العصمۃ والتوفیق) دیکھ اپنی غلطیون پر مواخذہ نہ ہونے پر اور اپنی ناقص طاعت پر جو ایک درجہ مین معصیت ہے کبھی مغرور نہ ہونا کیونکہ اگر بادشاہ ذرہ نوازی کرے اور تیرے برابر زمین پر بیٹھ جائے تو تجھے اپنی حیثیت ملحوظ رہنی چاہیئے اور خوب سنبھل کر بیٹھنا چاہیے اور اسکی اس ذرہ نوازی سے مغرور ہوکر گستاخ نہ ہونا چاہیے۔

باز گفت اے شہ پشیمان می شوم	توبہ کردم نو مسلمان مے شوم

باز کہتا تھا کہ اے بادشاہ مین قصور پر نادم ہون اور اب توبہ کرتا ہون کہ پھر ایسا نہ کرونگا اور از سر نو طاعت کا عہد کرتا ہون۔

آنکہ تو مستش کنی و شیر گیر	گر ز مستی کژ رود عذرش پذیر
گرچہ ناخن رفت گر باشی مرا	بر کنم من پرچم خورشید را
ور چہ پرم رفت چون بنوازیم	چرخ بازی کم کند در بازیم
گر کمر بخشیم کُہ را بر کنم	در دہی کلکے علمہا بشکنم
آخر از پشہ نہ کم باشد تنم	ملک نمرودی بہ پر برہم زنم
در ضعیفی تو مرا بابیل گیر	ہر یکے خصمے مرا چون پیل گیر
قدر فندق افگنم بندق حریق	بندقم در فعل صد چون منجنیق
گرچہ سنگم ہست مقدار نخود	لیک در ہیجا نہ سر ماند نہ خود
موسے آمد در وغا بایک عصاش	زد بران فرعون و بر شمشیرہاش

ہر رسوئے یک تنہ کان ور زدست	بر ہمہ آفاق تنہا بر زدست
نوح چون شمشیر در خواہید از و	موج طوفان گرد حق شمشیر او

اوپر باز کے بادشاہ سے معذرت کرنے کو بیان کیا تھا یہاں اپنے کو حق سبحانہ کا عاصی باز قرار دیکر اپنے شہنشاہ حقیقی سے معذرت اور مناجات فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے شہنشاہ حقیقی مین گو عاصی ہون لیکن مجھے تیرے الطاف فراوان اور رحمت بیکران اور بے انتہا چشم پوشی نے مغرور کر دیا اور اس بنا پر مین حقیقت معصیت کو پیش نظر نہ رکھ سکا۔ پس بوجہ عدم تمیز بین النفع والضرر کے مین کبھی مثل مست اور کبھی مثل نیم مست کے ہوگیا چونکہ مین تیری شان رحیمی اور عفو پر بھولا ہوا تھا اس لیئے مجھ سے خطائیں ہوگئیں پس اے اللہ تو میرا عذر قبول فرما اور مجھ پر رحم کر۔ گو معصیت کے سبب میری استعداد ناقص ہوگئی اور اس نے میرے قوی محرکہ الی الطاعات کو مضمحل کر دیا لیکن مین بالکل ناکارہ نہیں ہوا گو میرے ناخن جلتے رہے اور قوی محرکہ الی الطاعات خراب ہوگئیں لیکن اگر تو میرا ہو جاوے اور تیری توفیق اور امداد میری مساعد ہو تو مین اب بھی پرچم آفتاب کو اکھیڑ سکتا ہون یعنی اس پر تصرف کر سکتا ہون اور گو میرے پر جلتے رہے یعنی میری وہ قوتین خراب ہوگئیں جن سے مین عروج روحانی کرتا لیکن اگر تیری نوازش ہو تو میری سرعت حرکت اور گردش کے مقابلہ مین فلک بھی کیا گردش کر سکتا ہے اور اگر تو مجھے اپنی خدمتگاری کا پٹکا عنایت کرے تو اب بھی پہاڑ کو اکھیڑ سکتا ہون اور مشکل سے مشکل طاعت کو انجام دے سکتا ہون اور اگر تو مجھے قلم عنایت کرے تو صرف قلم سے فوجون کے جھنڈون کو توڑ سکتا ہون (توضیح اسکی یہ ہے کہ ملازمین شاہی دو قسم کے ہوتے ہین ایک اہل قلم۔ دوم اہل شمشیر اہل شمشیر کو فوجون کو شکست دینے کی سلطنت کی طرف سے پوری قوت حاصل ہوتی ہے اور اہل قلم کو پوری قوت نہین ہوتی لیکن وہ بادشاہ کی ملازمت مین ہوتے ہین اور ان کو بادشاہ کی حمایت حاصل ہوتی ہے جب یہ معلوم ہو چکا تو اب سمجھو کہ مولانا فرماتے ہین کہ اے اللہ اگر تو مجھے اپنی ملازمت مین لے لے اور اپنی حمایت مین داخل کر لے تو مین صرف اسی حمایت اور تعلق کی بنا پر لشکر شیطانی کو شکست دے سکتا ہون اور مجھے کسی آلہ کی ضرورت نہیں) اے اللہ مین کیسا ہی گیا گذرا سہی مگر پھر بھی مچھر سے تو کم نہیں مین تیری حمایت کے بھروسہ پر ایک بیاد معمولی قوت سے نمرود نفس و شیطان کی باجبروت سلطنت کو تلپٹ کر سکتا ہون یہ بھی سہی کہ مین کمزوری مین ابابیل ہون اور میرا دشمن نفس و شیطان قوت مین ہاتھی ہے لیکن مین فندق کے برابر توڑ کر نکل جانیوالی گولیان پھینکونگا اور میری ہر گولی سو قلعہ شکن گولیون کا کام کریگی اگرچہ میری گولی چنے کے برابر ہے اور قوت مزاحمت بہت کمزور ہے لیکن جنگ با نفس و شیطان مین نہ حریف کے پاس سر رہیگا نہ خود۔ سب کا صفایا ہو جاویگا اور دشمن کو کامل شکست ہوگی۔ صاحبو مین نے جو کچھ کہا ہے یہ واقعی امر ہے لفاظی نہین واقعی حمایت خداوندی مین یہی قوت ہے اور اسی امداد اور حمایت کی صورت مین مجھ سے ان باتون کا صدور کچھ بھی مستبعد نہین بلکہ اسکی نظیرین موجود ہین دیکھو موسیٰ علیہ السلام فرعون کے مقابلہ مین ایک لاٹھی ہی تو لیکر آئے تھے اور ان کے پاس کیا تھا لیکن چونکہ حمایت خداوندی شامل حال تھی اس لیئے

اسی سے اُس کو نہس نہس کردیا اور اسکی تلواروں کا بھی ستیاناس کردیا نیز جس ایک رسول نے تمام عالم کا مقابلہ کیا ہے آخر اُس نے تمام عالم پر اکیلے ہی تو حملہ کیا ہے۔ اور دیکھو نوح علیہ السلام نے جب حق سبحانہ سے دشمنوں کے مقابلہ کے لیے تلوار مانگی تھی تو حق سبحانہ نے موج طوفان ہی کو توان کے لیے تلوار بنا دیا تھا اور جو پانی کہ مادہ حیات ہے اُسی کو تو آلہ ممات بنا دیا تھا جب یہ واقعات موجود ہین تو اگر اُسکی حمایت سے مجھ سے بھی مذکورہ بالا کارنامے ظہور مین آئین تو کیا بعید ہے۔

شرح شبیری چون ندارد الخ۔ یعنی اے مبتلا جب کوئی تیرا غم نہین کھاتا تو تجھے اپنا کام خود کرنا چاہیے
آدمی خوارند الخ۔ یعنی اکثر لوگ آدمی خوار ہوتے ہین تم انکو سلام علیک سے بہت کم اُمن ڈھونڈو مطلب یہ کہ بہت سے آدمی ایسے ہوتے ہین کہ وہ دوسرے کو نقصان پہونچاتے ہین لہذا تم اُنکے چرب زبانی اور عمدہ عمدہ باتونکی دھوکے مین مت آجانا اور اُن سے ہمیشہ بچتے رہنا ورنہ نا اہلون کے ہاتھ مین پڑکر تم بھی اسیطرح پچھتاؤگے آگے بھی اسی مضمون کو فرماتے ہین کہ
خانہ دیو ست الخ۔ یعنی سب کا دل دیو کے مانند ہوتا ہے تو تم اِن شیاطین الانس سے دھوکا مت کھانا ہم نے کہدیا باعتبار اغلب کے ہے یعنی اِن آدمیون سے جو دراصل دیو کی طرح ہین دھوکے مین مت پڑنا اور نا اہلون کی صحبت سے ہمیشہ پرہیز رہنا مقصود یہی ہے کہ نا اہلون کی صحبت سے بچاتے ہین اور فرماتے ہین کہ۔
از دم دیو الخ۔ یعنی اُس دیو سے جس نے دھوکا کھایا وہ اُس گدھے کی طرح مقابلہ کے وقت سر کے بل گریگا۔ مطلب یہ کہ جن لوگون نے نا اہلون سے دھوکا کھایا اور اُنکی عمدہ عمدہ باتون کے پھندے مین پھنس گئے وہ اسیطرح قیامت کے روز گرین گے۔ لاحول خوردن کنایہ ہوگیا ہے دھوکا کھانے سے اِس لیے کہ اُس خادم نے لاحول کہہ کہہ کر اُسکو دھوکا دیا پس کنایہ ہوگیا دھوکا کھانے سے۔
ہر کہ در دنیا الخ۔ یعنی جو شخص دنیا مین شیطان سے دھوکا کھاوے اور اُس دشمن سے جو کہ دوست کی طرح ہو تعظیم اور تکریم سے دھوکا کھاوے تو اُسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ دنیا اور عقبیٰ دونون مین سر کے بل اُس گدھے کی طرح گرے گا مطلب یہ کہ جو شخص اپنے معتقدین کو دیکھکر (کہ ہمارے معتقد بہت ہین اِس لیے ہم ضرور کچھ ہونگے ورنہ یہ اتنے لوگ کیون معتقد ہوتے) دھوکا کھاوے اور اپنے آپ کو کچھ سمجھنے لگے نتیجہ یہ ہوگا کہ قیامت کے دن بھی اور دنیا مین بھی ہلاک ہوگا آگے پھر فرماتے ہین کہ۔
عشوہا ے الخ۔ یعنی یار بد کی دھوکے کی باتین مت سنو اور ذرا جال دیکھکر چلو اور بالکل نڈر ہو کر راہ مت طے کرو اس لیے کہ۔
صد ہزار ال الخ۔ یعنی لاکھون شیطانون کو تم دھوکا دینے والے سمجھو اور اسے آدمی شیطان کو اور اُسکی تلبیسات کو اس طرح سمجھو کہ جس طرح سانپ ہوتا ہے کہ بظاہر کس قدر خوشنما اور خوبصورت ہوتا ہے مگر اصل مین دیکھئے تو کس قدر زہریلا اور مہلک ہوتا ہے بس اسیطرح یہ ابلیس تم کو بھلاتا ہے مگر درحقیقت بہت ہی ضرر رسان اور ہلاک کرنیوالا ہے اِسی کو فرماتے ہین کہ۔
دم دہد الخ۔ یعنی وہ شیطان دم دیتا ہے کہ اے میری جان اور میرے دوست (اور یہ اس لیے کہتا ہے کہ) تاکہ قصاب کی طرح تجھے دوست بناکر تیری کھال کھینچے اور اس لیے کہ۔

دم دہد تا پوستت الخ۔ یعنی وہ اس لیے دم دیتا ہے تاکہ تیری کھال کھینچے اور اُس شخص کی حالت پر بڑا افسوس ہے کہ دشمنون کے ہاتھ سے افیون کھائے اس لیے کہ وہ دشمن تو اس لیے افیون کھلاتے ہین کہ یہ نشہ مین ہوجاویگا اور ہم اس پر قابو پالینگے بس مطلب یہ کہ شیطان تمھارے ساتھ اس لیے تلبیسات کرتا ہے تاکہ تمکو پھانس لے اور خوب قابو پالے بس اس سے بچنا چاہیے اور اس کی اس عاجزی اور چاپلوسی سے بچنا ضروری ہے اس لیے کہ۔

سر نہد الخ۔ یعنی یہ قصاب کی طرح تمھارے سامنے عاجزی کرتا ہے اور اس لیے دم دیتا ہے تاکہ تمھارا خون اچھی طرح گرادے مطلب یہ کہ جس طرح قصاب جانور کی خدمت کرتا ہے اور اُسکو خوب فربہ کرکے پھر ذبح کرڈالتا ہے اسیطرح یہ بھی چاپلوسی کرتا ہے تاکہ ایک دن تمکو ہلاک کردے لہذا ان سے بچنا چاہیے اور نااہلون کی صحبت مین نہ رہنا چاہیے فرماتے ہین کہ۔

ہمچو شیر ے الخ۔ یعنی شیر کی طرح اپنا شکار خود کرو اور اپنون اور اجنبیون کی چاپلوسی کو چھوڑو مطلب یہ کہ جو کام کرو اپنی ہمت سے کرو اور دوسرون کے اعتقاد کی وجہ سے اپنے مقبول ہونے پر کیون استدلال کرتے ہو خود اپنی حالت کیون نہین دیکھتے کہ کس قدر خراب ہو رہی ہے پھر جب حالت تو اس قدر خراب ہے اور پھر بھی دوسرون کے کہنے پر اعتماد ہے تو یہ ایسی مثال ہے کہ گھر سے آیا ہے معتبر نائی لہذا ان نااہلون کی تعریف سے اترا ؤ مت اسی کو فرماتے ہین کہ۔

ہمچو خادم الخ۔ یعنی ان نااہلون کی خوشامد کی ایسی ہی مثال ہے جیسا کہ وہ خادم تھا کہ اُس نے اُن صوفی صاحب کی خوشامد کرکے خوب گت بنائی پس تنہا رہنا نااہلون کی خوشامد مین پھنسنے سے بہتر ہے۔

در زمین الخ۔ یعنی دوسرون کی زمین مین گھر مت بناؤ (مطلب یہ کہ دوسرون کے بھروسہ پر اپنے کام کو مت چھوڑو) اور اپنے کام کو خود کرو ورنہ پچھتاؤ گے یہان تک تو ممانعت اس سے تھی کہ کسی سے تعلق استعانت کا مت رکھو اور اپنے کام کو دوسرون پر مت ڈالو اب آگے اعانت سے بھی منع فرماتے ہین کہ نہ کسی کی اعانت کرو اور نہ کسی سے استعانت کرو لہذا اعانت کی ممانعت کو اس لفظ سے شروع فرماتے ہین کہ کار بیگانہ مکن یعنی اپنا کام خود کرو جو کہ خلاصہ ہے عدم استعانت کا اور دوسرون کا کام بھی مت کرو جو کہ خلاصہ ہے اعانت کا حاصل یہ ہے کہ ان لوگون سے تعلق ہی مت رکھو نہ اعانت کا نہ استعانت کا آگے بھی دور تک یہی مضمون ہے فرماتے ہین کہ۔

کیست بیگانہ الخ۔ یعنی بیگانہ کوئی اور نہین ہے بلکہ خود تیرا یہ تن خاکی ہے (اور اسی مین لگکر تجھکو خدا سے غفلت ہوتی ہے) اور اسی کی وجہ سے یہ تیری ساری غمناکی اور مصیبتین ہین آگے فرماتے ہین کہ۔

تا تو تن را الخ۔ یعنی جب تک تم اس تن خاکی کو چرب و شیرین دیتے رہوگے (اور اسی کی پرورش اور تزئین مین لگے رہوگے اس وقت تک) تم جوہر جان کی فربہی نہین دیکھ سکتے (یعنی تمکو ترقی الی الحق حاصل نہین ہوسکتی بلکہ اسی مین لگے رہوگے آگے اس بدن کی حقیقت بتاتے ہین اور اس سے مقصود اس کے تزئین وغیرہ کا لاحاصل ہونا ظاہر فرماتے ہین کہ۔

گر میان مشک الخ۔ یعنی اگر مشک کے اندر بھی اس بدن کو جگہ ملے (اور تم اس کو سر سے پانون تک مشک مین لپیٹ دو تو آخر کار یہ انجام ہوگا) کہ مرنے کے دن اسکی گندگی اور ناپاکی ساری ظاہر ہو جاویگی لہذا بدن کو مشک مین بسانا یعنی اسکی اس قدر خدمت کرنا بالکل فضول ہے اسی کو فرماتے ہین کہ۔
مشک را الخ۔ یعنی مشک کو بدن پر مت لگاؤ بلکہ دل پر ملو (لیکن چونکہ مشک ظاہری تو کس طرح دل پر ملی جاوے اس لیے بتلاتے ہین کہ) مشک کیا ہے اور ہم کس کو مشک کہتے ہین وہ اس ذات پاک ذوالجلال والاکرام کا نام ہے یعنی اس کے نام کو صرف زبان ہی سے مت لو بلکہ اس کا اثر دل پر بھی ہو تب کام دیسکتا ہے اور جو شخص کہ صرف زبان ہی سے اس نام پاک کو لیتا ہے اسکی ایسی مثال ہے کہ جیسے۔
آن منافق الخ۔ یعنی وہ منافق کہ اس مشک کو یعنی اس نام پاک کو صرف زبان ہی سے لیتا ہے اور صرف زبان ہی تک رکھتا ہے مگر دل مین اس کا کوئی اثر نہین ہوتا تو وہ اپنی روح کو بھاڑ کے گڑھے مین یعنی دوزخ مین ڈالتا ہے اور زبان سے نام لینے کے یہ معنے ہین کہ منافقین جب مسلمانون سے ملتے تھے تو کہا کرتے تھے کہ آمنا۔ لہذا یہ زبان سے خدا کا نام لیتا ہے اس لیے کہ زبان سے کہتے تھے اور دل مین ان کے اسکا کچھ بھی اثر نہ ہوتا تھا اور روح کے قعر گلخن مین ڈالنے سے یہ مراد ہے کہ جس کو اللہ تعالے فرماتے ہین ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار۔ پس معلوم ہوا کہ یہ جسم ظاہری کے بناؤ سنگار مین لگ جانا بھی اس طرف سے بیگانگی ہے اور یہ تم کو نہ چاہیے اس لیے کہ جسم کی حقیقت ہی کیا ہے جس کو کہ تم اس قدر پرورش کرتے ہو اور جو چیز کہ اصل ہے یعنی روح اس کو چھوڑ رکھا ہے ارے ظالم جس روز یہ روح نہ ہوگی اس دن یہ بدن بالکل بیکار ہوگا اور آج جو یہ بناؤ سنگار اچھا معلوم ہوتا ہے اسکی وجہ بھی وہی وجود روح ہے پس اصل مین تو اسکی خبر لینا چاہیے آگے پھر اس منافق کی زبانی نام حق لینے کی مثال دیتے ہین کہ۔
بر زبان نام الخ۔ یعنی اسکی زبان پر تو خداوند ذوالجلال کا نام پاک ہے اور اندر اس کے کفر کی وجہ سے گندگیان بھر رہی ہین اور یہان کفر بے ایمان کہنے سے یہ مراد ہے کہ وہ کفر جو کہ بے ایمانی کے ساتھ ہو اور ایمان کا مقابل ہے اور وہ مراد نہین جو کہ خود کفر کے مقابل ہو اس لیے کہ کفر مین ہی تو مراتب ہوتے ہین بعض کفر دون کفر ہوتا ہے پس مراد یہ کہ خالص کفر کی وجہ سے اس کے اندر تو گندگیان بھر رہی ہین اور زبان سے نام حق لیتا ہے پس ہرگز کار آمد نہین ہے اور اسکی ایسی مثال ہے۔
ذکر با او الخ۔ یعنی ان گندگیون کے ساتھ ذکر زبانی ایسا ہے کہ جس طرح بھاڑ پر سبزہ ہوتا ہے اور جس طرح پاخانہ کی کوڑی پر گل وسوسن اُگ آوین کہ یقیناً یہ نباتات ان مقامات پر عاریۃً ہین ورنہ ان کی اصل جگہ تو مجالس ہین اور محافل عشرت ہین پس اسیطرح یہ صرف زبانی ذکر اور خدا کی یاد ایسی ہی ہے اور یہ بھی ناپائدار ہے اور اسکا جب تک قلب پر اثر نہ ہو کار آمد نہین ہوسکتی بس اس جسم کی تزئین اور تحسین کو چھوڑو اور روح کی تزئین مین لگو جو کہ اصل ہے آگے اسی پر تفریع فرماتے ہین کہ۔
طیبات آمد الخ۔ یعنی طیبات تو طیبین کے لیے ہوتی ہین اور خبیثات خبیثین کے لیے پس انوار اور رحمۃ الٰہیہ جو طیبہ ہے اگر تم طیب ہوگئے تو تم کو ملیگی ورنہ وہ خبیثین کے پاس نہین آیا کرتی خوب سمجھ لو اور ان بیگانون کو

چھوڑو اور اصل مقصود رضاء حق کو اختیار کرو۔

چونکہ اوپر کے شعر سے کیست بیگانہ تن خاکی تو الخ سے یہان تک اس امر کو بیان کیا تھا کہ بدن کی تزئین اور تحسین مین مت لگو کہ خواہشات نفسانی اسی مین انہماک سے پیدا ہوتی ہین جو کہ مانع طریق اور مضر ہین اب آگے بھی اُن ہی کو بیان فرماتے ہین کہ اس بدن کی پرورش سے خصائل ذمیمہ پیدا ہوتے ہین پس فرماتے ہین کہ۔

کین مدار آنہا الخ۔ یعنی کینہ مت رکھو کہ جو لوگ کینہ سے گمراہ ہوے ہین اُنکی قبر کینہ ورون کے پاس رکھین گے گور سے مراد برزخ ہے مطلب یہ کہ کینہ ایک بہت بُری شے ہے اس لیے اس سے بچنا کیونکہ اگر تم کینہ رکھو گے تو برزخ مین تم کو کینہ ورون کے پاس رکھا جاویگا اور جو عذاب وغیرہ اُن کے لیے ہوگا وہ ہی تمھارے لیے بھی ہوگا اور کینہ کی تخصیص بیان مین اس لیے کی کہ یہ بہت ہی مہتم بالشان ہے اور اس مین اکثر مبتلا ہوتے ہین پس اسی کو بیان فرما دیا آگے اسکو ایک تشبیہ دیکر بتلاتے ہین فرماتے ہین کہ۔

اصل کینہ الخ۔ یعنی کینہ کی اصل دوزخ ہے اور تمھارا کینہ بھی اُسی کل کا ایک جزو ہے اور تمھارے دین کا دشمن ہے یہان اصل کینہ دوزخ ست سے مراد یہ نہین کہ کینہ دوزخ سے پیدا ہوتا ہے اور اسکی اصل دوزخ ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ جس طرح اصل متبوع ہوتی ہے اور اسکی فروع اُس کے تابع ہوتے ہین اور قاعدہ ہے کہ فرع اپنی اصل کی طرف جایا کرتی ہے یہین مثال دیکر فرماتے ہین کہ جسطرح اصل کی طرف اوسکی فرع رجوع کیا کرتی ہین اسیطرح تمھارا کینہ بھی دوزخ کی طرف رجوع کریگا اور دوزخ کی طرف کھینچ کو لیجاویگا کین تو جزو وآن کل ست سے اسکی دلیل بتلاتے ہین کہ دیکھو تو جب قاعدہ ہی کہ اصل کی طرف فرع رجوع کرتی ہی اور تمھارا کینہ اوس کل کی فرع ہی لہذا یہ بھی تمکو دوزخ کی طرف لیجاویگا اس سے بچنا ضروری ہے اور دوسری وجہ اس سے بچنے کی یہ ہے کہ تمھارے دین کا دشمن ہی پھر تو اس سے بچنا بہت ہی ضرور ہوا آگے اسی مضمون کو صاف کرکے بیان فرماتے ہین اور ایک تفریع کے طور پر فرماتے ہین کہ۔

چون تو جزو الخ۔ یعنی جب تم جزو دوزخ ہو تو ذرا ہوش سے کام لو اس لیے کہ (قاعدہ ہے کہ) جزو اپنے کل کی طرف رجوع کرتا ہے اور اُسکا قرارگاہ وہی ہوتا ہے مطلب یہ کہ اگر تم مین اخلاق ذمیمہ مثل کینہ وغیرہ کے ہین اور یہ اشیاء ہین جزو دوزخ یعنی سبب دوزخ مین جانے کا تو ذرا ہوش سنبھالو اس لیے کہ جزو تو کل کی طرف راجع ہوا کرتا ہے پس یہ اخلاق بھی تم کو دوزخ کی طرف لیجاوین گے اور اگر ایسا نہین ہے تو فرماتے ہین کہ۔

ور تو جزو الخ۔ یعنی اگر تو جزو جنت ہے اے نامدار تو تیرا عیش جنت کی طرح پائدار اور قائم ہوگا۔ جزو جنت ہونے سے یہ مراد ہے کہ اگر تمھارے اعمال جنت کے قابل ہین اور اعمال حسن ہین تو تمھاری عیش دائمی ہوگی یا ابدی ہوگی جس طرح کہ جنت دائمی اور ابدی ہے اس لیے کہ ارواح ازلی تو نہین ہین مگر ابدی ہین اگرچہ بعض لوگ ایک لمحہ کے لیے ان کی فنا کے قائل ہوے ہین تا کہ آیت کل شئی ہالک الا وجہہ کے معنی درست ہو جاوین لیکن پھر بھی وہ فنا معتد بہ نہ ہوگی اور اگر ان کو ابدی مان بھی لیا جاوے تب بھی اس آیت سے معارضہ لازم نہین آتا اس لیے کہ استحالہ تو ازلی ماننے مین ہے نہ کہ ابدی ماننے مین پس مقصود مولانا کا یہ ہوا کہ اعمال سیئہ کو ترک کرنا چاہیے اور اعمال حسنہ کا ارتکاب چاہیے اس لیے کہ اعمال سیئہ تو دوزخ کی طرف راجع ہوتے ہین اور اعمال حسنہ جنت کی طرف۔ آگے یا تو اسی پر تفریع کہا جاوے یا دلیل کہا جاوے فرماتے ہین کہ۔

تلخ با تلخان الخ یعنی تلخ تلخون کے ساتھ یقیناً ملحق ہوتا ہے اور دم باطل حق کے ساتھ کب ہو سکتا ہے مطلب یہ کہ اوپر جو ہم نے بیان کیا ہے کہ اعمال سیئہ دوزخ کی طرف راجع ہوتے ہیں اور اعمال حسنہ جنت کیطرف تو اسکی دلیل یہ ہے کہ دیکھو ہر چیز اپنے مجانس کی طرف جاتی ہے تلخ تلخون کے ساتھ ملحق ہوتا ہے پس اعمال سیئہ دوزخ کی طرف راجع ہون گے اور دیکھو تو حق بات باطل کے ساتھ کس طرح ہو سکتی ہے لہذا معلوم ہوا کہ جیسے اعمال ہون گے ویسا ہی اس پر اثر مرتب ہوگا اور اگر اسکو تفریع کہا جاوے تو یہ معنی ہون گے کہ اعمال سیئہ دوزخ کی طرف راجع ہون گے اور حسنہ جنت کی طرف جس طرح کہ دیکھو تلخ تلخون کے ساتھ ملتے ہین اور بات بھی تو یہی ہے کہ باطل کے ساتھ حق کس طرح ہو سکتا ہے پس معلوم ہوگیا کہ ہر جنس اپنی دوسری جنس کی طرف رجوع ہوتی ہے اب یہان جو کہا ہے کہ جیسے اعمال ہون گے ویسی ہی اُسپر جزا ہوگی آگے اِن اعمال کے درست ہونے کی تدبیر تبلاتے ہین۔

اے برادر الخ۔ یعنی اے بھائی تو تو اندیشہ اور فکر ہی ہے اور باقی تو ہڈیان اور گوشت پوست مین یہان یون سمجھو کہ ہر فعل اختیاری سے قبل اُسکا عزم اور ارادہ ہوتا ہے اور ارادہ سے پہلے اُسکی فکر اور سوچ کہ اِس کام کو کرنا چاہیے یا نہ کرنا چاہیے پس فرماتے ہین کہ اے بھائی یعنی اے طالب تم تو صرف فکر ہو اور سوچ ہو اور تمھارے اندر اصل شئی اور معتدبہ چیز تو یہ فکر ہے اور سوچ ہے۔ ورنہ ویسے تو تم گوشت ہڈیان رگین وغیرہ ہو جو کہ دیگر حیوانات کے اندر بھی موجود ہین پس تم کو جو شرف ہے وہ تو صرف اِس فکر کی وجہ سے ہے کہ تم فکر کر سکتے ہو اور ہر کام سے پہلے سوچ سکتے ہو لہذا اگر تم اِس فکر اور اِس سوچ کو درست کر لو گے کہ جب تم سوچا کرو تو افعال حسنہ ہی کو سوچا کرو تو تمھارے اعمال بھی درست ہو جاوین اور وہ اعمال جنت ہو جاوینگے اور یہان خود ذات انسان کو اندیشہ کہنا مبالغہ ہے ورنہ اصل مین تو انسان اندیشہ اور فکر والا ہے اور فکر اسمین پائی جاتی ہے پس مقصود یہ ہوا کہ تم تو ایسے ہو جیسے کہ سراپا فکر ہی ہو اور اِس ترکیب کی ایسی مثال ہے جیسا کہ قرآن شریف مین ہے ان ھو الا ذکریٰ للعالمین۔ تو دیکھو کہ قرآن شریف پر ذکریٰ کا اطلاق کیا گیا ہے حالانکہ قرآن شریف کی ذات ذکریٰ نہین ہے بلکہ اُس کے اندر ذکریٰ ہے پس اسیطرح یہان بھی فرمادیا آگے اِس اندیشہ کی تفصیل فرماتے ہین کہ۔

گر گل ست الخ۔ یعنی اگر تیرا فکر اور اندیشہ گل ہے یعنی اعمال حسنہ مین تو تو گلشن ہے اور اگر وہ فکر اور اندیشہ خار ہو تو پھر تو گلخن کا ایندھن ہے مطلب یہ کہ اگر تمھاری قوت فکریہ اعمال حسنہ مین ہے اور تم انکو سوچتے ہو تو تم ایسے جیسا کہ گل کے لیے گلشن محل ہوتا ہے اسیطرح تم بھی اُن کے محل ہو جاؤ گے اور وہ اعمال تم کو جنت کی طرف لیجاوین گے اور اگر وہ فکر خار ہے یعنی اعمال سیئہ مین تو پھر تم گلخن کا ایندھن ہو یعنی دوزخ کا ایندھن ہو جیسے کہ خود قرآن شریف مین ہے وقودھا الناس والحجارہ پس مقصود یہ ہوا کہ اگر اعمال سیئہ مین تو جزا دوزخ ہے اور اگر حسنہ ہین تو جزا جنت ہے آگے بھی اسی کو مؤکد فرماتے ہین کہ۔

گر گلابے الخ۔ یعنی اگر تم گلاب کی طرح ہو تو تم کو سر اور گریبان پر لگا دین گے اور اگر پیشاب کی طرح ہو تو باہر پھینک دین گے مطلب یہ کہ اگر تیرا اندیشہ اور فکر اعمال صالحہ حسنہ مین ہے تو اہل اللہ تیری قدر کرین گے

ورنہ تھوڑا اچھا جائینگے اور اگر تمھارے اعمال خراب اور سیئہ ہین تو تم کو دور پھینک دینگے اور اپنے سے علیحدہ کردینگے لہذا تم ایسا فکر مت کرو جس سے کہ اعمال سیئہ ناشی ہون بلکہ فکر بھی اعمال حسنہ ہی کا ہونا چاہیے تاکہ اس سے جزا بھی حسن ہی ملے آگے ایک مثال سے سمجھاتے ہین کہ۔

طبلہا در پیش الخ۔ یعنی دیکھو قرابے عطارون کے سامنے دیکھو کہ ہر جنس کو اسکی دوسری ہمجنس کے ساتھ رکھا ہے مطلب یہ کہ دیکھو جس طرح وہ ان اپنے اپنے مجانس کے پاس ہر چیز ہے عرق عرق ایک جگہ ہین اور شربت شربت ایک جگہ پس اگر تمھارے اعمال سیئہ ہین تو وہ دوزخ کے اندر لیجاوینگے ورنہ جنت مین پس جب ایسا ہے تو تم صحبت ناجنس سے بچو اسی کو فرماتے ہین کہ۔

تو رہائی جو الخ۔ یعنی تو ناجنسون سے کوشش کرکے علیحدگی ڈھونڈو۔ اس لیے کہ ناجنس کی صحبت تو گورا اور لحد ہے یعنی قلب کے لیے گور و لحد ہے اسلیے کہ اعمال سیئہ سے تو قلب مردہ ہوجاتا ہے اور یہ مضمون خود حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حدیث مین ہے المرء مع من احب دوسری حدیث مین ہے المرء علی دین خلیلہ۔ پس معلوم ہوا کہ جیسے لوگون اور جیسے اعمال سے مجانست اور میل ہوگا یہ شخص بھی ویسا ہی ہوجاوے گا آگے پھر اس مثال عطار کی طرف رجوع فرماتے ہین کہ۔

جنسہا با جنسہا الخ۔ یعنی اس عطار نے جو ہر جنس کو اپنے دوسرے مجانس سے ملا رکھا ہے تو اس تجانس سے کیسی زینت کر رکھی ہے اور اس سے کیسی زینت حاصل ہوئی ہے پس اسیطرح اگر ہم بھی اعمال صالحہ کی طرف اپنی فکر کو لیجاوینگے تو اس سے زینت اور فلاح حاصل ہوگی جو کہ جنت ہی آگے پھر اسی کی تاکید کے طور پر لاتے ہین کہ۔

گر در آمیزند الخ۔ یعنی اگر اسکا عود اور شکر کوئی ملا دوے تو وہ عطار ہر ہر چیز الگ الگ کریگا مطلب یہ کہ دیکھو اگر اسکی اشیاء آپس مین کوئی گڈمڈ کردے اور بالکل دو غیر جنس کو آپس مین ملا دوے تو وہ ان کو چن کر علیحدہ علیحدہ کریگا پس اسیطرح اللہ تعالے نے انسان کو بھی ہر ایک کے مجانس کے ساتھ رکھا تھا جیسا کہ حدیث مین ہے کہ اللہ تعالے نے کچھ ارواح ایک طرف کین اور فرمایا کہ ہولاء للجنۃ ولا ابالی اور پھر دوسرے ارواح دوسری طرف کین اور فرمایا ہولاء للنار ولا ابالی۔ پس معلوم ہوا کہ درجہ استعداد مین سب علیحدہ علیحدہ تھے اور ہر جنس دوسری جنس سے ممتاز تھی اور اہل جنت ایک جگہ تھے اور اہل نار دوسری جگہ مگر دنیا مین آکر سب مل جل گئے اور آپس مین وہ امتیاز جو اصل استعداد مین تھا باقی نہ رہا پس اسی کو فرماتے ہین کہ۔

طبلہا بشکست الخ۔ یعنی قرابے ٹوٹ گئے اور جانین گر گئین اور اچھے برے سب ایک دوسرے مین مخلوط ہوگئے مطلب یہ کہ جس طرح قرابے ٹوٹ جانے سے سب اشیاء مل جاتی ہین اور آپس مین امتیاز باقی نہین رہتا اسیطرح ارواح جب عالم ارواح مین تھین تو سب مین امتیاز تھا مگر عالم اجسام مین آکر ایک دوسرے سے خلط ملط ہوگئین اور سب نیک و بد مل گئے اور کچھ بھی امتیاز نہ رہا پس اب ضرورت ہوئی کہ کوئی ایسا ہو جو کہ اس خلط کو رفع کرے اور پھر اس امتیاز کو جو کہ عالم ارواح مین درجہ استعداد مین تھا ظاہر کردے پس فرماتے ہین کہ۔

حق فرستاد الخ۔ یعنی اللہ تعالے نے انبیاء علیہم السلام کو اس کے لیے بھیجا تاکہ کفر و دین سب الگ ہوجاوین

اور سب مین امتیاز رہے مطلب یہ کہ ہر چیز کو اپنے ہمجنس کے ساتھ ملاتا کچھ عطار وغیرہ کا کام ہی نہین ہے بلکہ خداوند کریم نے بھی ارواح کو اپنی اپنی مجانس شے کے ساتھ ملایا تھا مگر چونکہ وہ استعداد جو کہ ہر مجانس اپنے دوسرے کے ساتھ رہنا چاہتا تھا دنیا مین آکر اور اس عالم اجسام مین آکر مفقود ہوگئی اس لیے اللہ تعالے نے اس کے اظہار کے لیے انبیا کو بھیجا تاکہ وہ آکر ہر ہر جنس کو علحدہ علحدہ فرمادین آگے فرماتے ہین کہ۔

حق فرستاد انبیا الخ۔ یعنی حق تعالیٰ نے انبیا کو بھیجا اور ساتھ مین اُن کے ساتھ مصاحف بھی اُتارے یہانتک کہ انھون نے ان دانون کو ایک طبق مین چن دیا یعنی سب کو ایک دوسرے سے متمیز کردیا اس لیے کہ جنھے اُن انبیا اور اُن مصاحف کو مانا وہ حق پر ہوگئے اور جنھون نے اُنکی تکذیب کی وہ گمراہ ہوے پس مہتدی اور ضال سب الگ الگ جداس ہوگئین اور ان انبیا کی تشریف آوری سے پہلے سب گڈمڈ اور خلط ملط تھے اسی کو فرماتے ہین کہ۔

مومن و کافر الخ۔ یعنی مومن اور کافر اور مسلمان اور یہودی انبیا سے پہلے سب یکسان تھے اور آپس مین کوئی امتیاز اور فرق نہ تھا اور یہ مضمون قرآن شریعت مین بھی ہے فرماتے ہین کہ کان الناس امۃ واحدۃ فبعث اللہ النبیین مبشرین ومنذرین یعنی پہلے تو آدمی سب امۃ واحدہ اور ایک ہی جنس کے تھے پھر اللہ تعالےٰ نے انبیا کو ڈرانے والے اور بشارت دینے والے بھیجا پس جنھون نے اطاعت کی وہ مطیع اور منقاد اور مومن اور مسلمان ہوگئے اور جنھون نے تکذیب کی وہ نافرمان اور سرکش اور کافر اور گمراہ ہوگئے۔ آگے بھی اسی کو فرماتے ہین کہ۔

پیش از ایشان الخ۔ یعنی حضرات انبیاء علیہم السلام کی تشریف آوری سے پہلے ہم سب یکسان ہی معلوم ہوتے تھے اور کوئی شخص یہ نہ جانتا تھا کہ ہم نیک ہین یا بد ہین۔

بود نقد الخ۔ یعنی کھوٹا اور کھرا عالم مین سب چلتا تھا اور جہان رات کی طرح تھا اور ہم رات کو چلنے والون کی طرح تھے مطلب یہ کہ جس طرح رات کو اندھیری مین کھوٹا اور کھرا سکہ سب چل جاتا ہے اور کسی کو امتیاز نہین ہوتا کہ ان مین کون کھرا ہے اور کون کھوٹا اسیطرح انبیاء کے آنے سے پہلے عالم مین ایک ظلمت طاری تھی کہ جسمین نیک و بد کا امتیاز نہ تھا اور سب آدمی یکسان ہی معلوم ہوتے تھے اور ایسی حالت تھی کہ جس طرح رات کو چلنے والے ہوتے ہین کہ اُن کو راستہ کا پتہ تو چلتا نہین ہے پس اٹکل پچو جس طرف کو منھ اُٹھا شتر بے مہار کی طرح چلے جاتے ہین اسیطرح اس ظلمت مین کسی کو راستہ حق تو معلوم نہ تھا کہ اُسپر چلتا بلکہ اپنی سمجھ سے جس کو اچھا سمجھتے اُس کو اچھا کہتے اور جس کو بُرا سمجھتے اُسکو بُرا کہتے اس لیے کہ پہلے اگر عقل سے ادراک نیک و بد ہو بھی سکتا ہو تو صرف اس قدر کہ اخلاق کی حالت معلوم ہو جاویگی جو کہ اعمال کے سامنے معتد بہ نہین ہین اگر اعمال خراب اور اخلاق بہت اچھے ہین تو وہ اخلاق کسی کام کے نہین ہین بلکہ اخلاق مع اعمال حسنہ ہون تب ٹھیک ہو سکتا ہے اور اعمال قبل بعثت انبیاء معلوم نہ تھے اس لیے بالکل شب روون کی سی حالت تھی اور اسی ظلمت مین سب کام کر رہے تھے کہ۔

تا برآمد آفتاب الخ۔ یعنی یہانتک کہ آفتاب انبیاء علیہم السلام نے طلوع کیا اور اُس نے کہا کہ اے کھوٹ

دور ہو جاوے اور سلے صافی تو آ مطلب یہ کہ جس طرح آفتاب کے نکلنے سے ہر نیک و بد اور ہر کھوٹے کھرے مین امتیاز ہو جاتا ہے اسیطرح جب انبیا علیہم السّلام جو امتیاز دینے مین مثل آفتاب کے تھے تشریف لائے تو گمراہون کو مہتدین سے علیحدہ کر دیا اور سب کو ممتاز کر دیا آگے فرماتے ہین کہ۔

چشم داند الخ۔ یعنی آنکھ ہی رنگ مین فرق کرنا جانتی ہے اور آنکھ ہی لعل اور سنگ کو متمیز کر سکتی ہے اور آنکھ ہی گوہر و خاشاک مین امتیاز کرتی ہے اسی لیے خاشاک آنکھ مین زیادہ چبھتے ہین کیونکہ اُسکو دونون مین فرق معلوم ہوتا ہے پس خاشاک اُسمین زیادہ کھٹکتے ہین مطلب یہ کہ اُس ظلمت مین سب لوگ مثل اندھون کے تھے جب انبیا علیہم السّلام تشریف لائے جب سب کی آنکھ کھلی اور اُس وقت نیک و بد مین امتیاز ہو سکا اور چونکہ انبیا علیہم السّلام کہ مثل چشم کے تھے نیک و بد کو خوب جانتے تھے اس لیے اُنکی نظر مین وہ بہت ہی بُرے معلوم ہوتے تھے اور بہت ہی کھٹکتے تھے پس جب کہ سب کھرا کھوٹا ظاہر ہونے لگا تو جو لوگ کھوٹ چلانے والے تھے یعنی جن مین استعداد اعمال سیئہ کی تھی اُن کو بہت ہی رنج ہوا کہ افسوس اب ہمارا کھوٹ نہ چلیگا اور جو لوگ کھرے چلانے والے تھے یعنی استعداد حسنہ رکھتے تھے وہ خوب خوش ہوئے کہ اب ہماری قدر ہوگی اسی کو فرماتے ہین کہ۔

دشمن روز اند الخ۔ یعنی جو لوگ کھوٹے ہین یہ تو اُس روز کے (یعنی انبیا علیہم السّلام کے) دشمن ہوگئے کہ اب ہماری وہ گمراہی نہ چل سکے گی اور جو خالص معدن کے سونا تھے یعنی اُنکی استعداد اچھی تھی وہ اسپر سو جان سے عاشق ہوگئے کہ الحمد للہ اب امتیاز دینے والا آگیا ہے اور اب ہماری قدر ہوگی آگے اسی کو فرماتے ہین کہ۔

زانکہ روز ست الخ۔ یعنی نیک آدمیون کو اس لیے خوشی ہوئی کہ یہ روز اُنکی تعریف اور اُن کے اظہار کے آئینہ تھے اور اُنھون نے یہ سمجھا کہ اب کوئی اشرف اور کوئی بھلا آدمی ہماری قدر اور منزلت کو جانیگا۔ مولانا کے کلام مین کہین علوم ہوتے ہین اور کہین کشفیات کو بیان فرماتے ہین اسیطرح کہین کچھ نکات بھی بیان فرمایا کرتے ہین پس اس مضمون پر کہ دن امتیاز دینے والا ہوتا ہے آگے ایک نکتہ بیان فرماتے ہین کہ۔

حق قیامت را الخ۔ یعنی اسی لیے کہ روز ممیز ہوتا ہے اللہ تعالےٰ نے قیامت کو بھی روز کہا (جیسا کہ جا بجا قرآن شریف مین یوم الساعۃ وغیرہ آیا ہے) اور یہ اس لیے کہ جس طرح دن ممیز ہوتا ہے اور سب چیزون کو آپسمین تمیز دیدیتا ہے اسیطرح قیامت مین ہر شے اپنے دوسرے سے ممتاز اور علیحدہ ہو جاویگی اب آگے صاف طور پر اس روز کی تعیین کرتے ہین کہ۔

پس حقیقت الخ۔ یعنی اُس روز کی حقیقت اولیا اللہ کا باطن ہے اور یہ ظاہری روز اُن کے چاند کے سامنے سایہ کی طرح ہے بیان اولیا سے مراد عام لیا جاوے یعنی مقبولین خدا تاکہ انبیا علیہم السّلام بھی اُنمین داخل ہو جاوین پس مطلب یہ ہوا کہ یہ تو معلوم ہے کہ حقیقت صوفیہ کی اصطلاح مین ظاہر کو کہتے ہین اور صورت کہتے ہین مظاہر کو اور یہ بھی معلوم ہے کہ جس قدر کونیات ہین وہ سب علیحدہ علیحدہ اسماء کے مظاہر ہین اور ظاہر اور حقیقت اُنکی وہ اسماء ہین اور اِن سب کونیات مین جامع بلکہ اجمع انسان ہے کہ اسمین اکثر اسماء کا ظہور ہوتا ہے پھر اُنمین سے جو مقبول اور مقرب الی اللہ ہین وہ بدرجہ اتم و اکمل جامع ہین اور یہ بھی

معلوم ہے کہ جس قدر کائنات ہین وہ ساری انسان کے لیے ہین اور خلقت انسان مقصود بالذات ہے پھر اِس انسان مین سے بھی خلقت حضور رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم مقصود اعظم ہے۔ پس اب یون سمجھو کہ مولانا فرماتے ہین کہ اُس روز کی حقیقت جو ممیز ہے نیک و بد مین وہ مقربین حق کا (جسمین کہ انبیا بھی ہین) باطن ہے کہ وہ اسم جو کہ ممیز ہے اور جسکی شان فرق بین الحق والباطل ہے اُن حضرات کے باطن مین ظاہر ہے اور اُس اسم الٰہی کی تجلی اور ظہور کی وجہ سے اُن حضرات کے قلوب اِس درجہ کو پہونچے ہین کہ وہ ممیز ہوگئے ہین اور یہ روز ظاہری اُنکی اُس تجلی اور اُس ظہور کے سامنے سایہ کی طرح ہے اِس لیے کہ ظاہر ہے کہ یہ تجلی جو اُن حضرات کے قلوب سے متعلق ہے کامل اور اکمل ہے اور جو تجلی کہ اِس نہار ظاہری پر ہے وہ تبعًا اور ناقص ہے آگے فرماتے ہین کہ۔

عکس ستاری الخ۔ یعنی مردان حق کے باطن کی تجلی کے عکس کو روز سمجھو اور اُن کی ستاری اور پوشیدگی کے عکس کو شام سمجھو مطلب یہ کہ جو اسم کہ اولیاء اللہ کے قلوب مین متجلی ہوکر حالت بسط پیدا کرتا ہے اور پھر اُنکے قلوب کی تجلی کا یہ عکس ہے کہ روز ظاہری پیدا ہوتا ہے اور وہ اسم الٰہی کہ جو اُن پر حالۃ قبض کو مسلط کردیتا ہے اُسکا عکس شب ظاہری اور شام ظاہری کو سمجھو اور حدیث مین آیا ہے وباسم الذی وضعتہ علی النہار فاستنار وباسم الذی وضعتہ علی اللیل فاظلم۔ پس معلوم ہوا کہ بعض اسماء ایسے ہین کہ جن کی تجلی سے اور اُن کے اثر سے روز و شب پیدا ہوتے ہین اور چونکہ پہلے معلوم ہوچکا ہے کہ کل کونیات تابع ہین انسان کے اور انسان مقصود بالذات ہے اور اسمین اُن اسماء کا ظہور اور اُنکی تجلی بدرجہ اکمل واجمع ہوتی ہے پس اب ظاہر ہے کہ اُن اسماء کے اثر نے اُن حضرات کے قلوب پر حالت قبض و بسط پیدا کی اور پھر اُن کا عکس پڑکر یہ ظاہری کو رات دن پیدا ہوگئے اور چونکہ یہ بھی معلوم ہوچکا کہ انسان مین بھی پھر کامل تجلی حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر ہوتی ہے اِس لیے آگے فرماتے ہین کہ۔

زان سبب فرمود الخ۔ یعنی اِسی سبب سے اللہ تعالٰی نے والضحیٰ فرمایا اور والضحیٰ نور ہے قلب مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا مطلب یہ کہ قرآن شریف مین جو اللہ تعالٰی نے ضحیٰ کی قسم کھائی تو اِس سے مراد وہی روز اور وہی تجلی ہے اور یہ حضور مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کا قلب مبارک ہے آگے دوسری توجیہ اہل ظاہر کی بیان کرکے فرماتے ہین کہ اِس سے بھی ہمارا مقصود حاصل ہے اور یہ مولانا کی عادت کے خلاف ہے کہ توجیہات مختلفہ کو بیان فرمادین مگر یہان چونکہ اُس سے بھی مقصود حاصل ہوتا تھا اِس لیے اُسکو بیان فرمایا کہ۔

قول دیگر الخ۔ یعنی ایک دوسرے قول کے مطابق یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے اِسی ظاہری نہار کا قصد کیا ہے اور اِسی کی قسم کھائی ہے تو یہ بھی اِس لیے کہ یہ نہار ظاہری بھی اُسی نور قلب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا عکس ہے یعنی اہل ظاہر مفسرین تو یہی کہتے ہین کہ قسم اِس نہار ظاہر کی کھائی ہے پس فرماتے ہین کہ اِسکی قسم بھی اِس لیے کھائی کہ یہ اُس تجلی کا عکس ہے آگے اِسکی دلیل لاتے ہین کہ اِس نہار ظاہری کی قسم کیون نہین ہوسکتی اور کہان سے معلوم ہوا کہ اِسسے مقصود نور ضمیر مصطفےٰ ہی ہے پس فرماتے ہین کہ۔

ورنہ بر فانی الخ۔ یعنی اگر یہ مراد نہ ہوتا تو فانی کی قسم کھانا خود خلاف اولیٰ ہے اور فانی شے اللہ تعالٰی کے کلام کے لائق کہان سے ہوسکتی ہے خطا کے معنے یہان خلاف اولیٰ کے ہین یعنی چونکہ یہ نہار ظاہری تو فانی ہے

اس لیے اللہ تعالیٰ کا اسکی قسم کھانا خلاف اولیٰ ہے پس ضرور ہوا کہ اس قسم سے مراد وہی نور ضمیر مصطفےٰ لیا جاوے دوسری یہ بات ہے کہ قرآن شریف مین جہان کہین قسم ہے وہ مقسم کے مناسب ہے اور اسکو حضرت حکیم الامتہ دام فیضھم نے اپنی تفسیر مین لکھا ہے کہ قرآن شریف مین قسم اپنے مقسم کے مناسب ہے پس اس کے اعتبار سے بھی اگر اس سے مراد نور ضمیر حضور صلے اللہ علیہ وسلم لیا جاوے تو بھی مناسب ہے اس لیے کہ اس قسم کے بعد حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہی کا ذکر ہے پس یہ بھی اسی کے مناسب ہو تو بہتر ہے آگے اسی شعر کی تائید مین فرماتے ہین کہ۔

از خلیلے الخ۔ یعنی حضرت خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام تو لا احب الآفلین (مین پوشیدہ اور فنا ہونے والون کو محبوب نہین رکھتا) فرمادین تو پھر رب العالمین کس طرح فانی شئے کا قصد قسم مین کرتے اور دیکھو تو حضرت خلیل اللہ علیہ السلام تو لا احب الآفلین کہین تو اللہ تعالےٰ فانی شئے کو کس طرح کہا ہین گے۔ پس مقصود مولانا کا یہ ہے کہ اس قسم سے مراد وہی نور ضمیر مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم ہے اور یہ نہار فانی نہین ہے اور اس کو دلیل سے ثابت کر دیا اور تاکیدون سے مؤکد کر دیا یہان تک تو ع عکس را از مردِ حق دانید روز + کو ثابت کیا ہے آگے دوسرا مصرع ع عکس ستاریش شام چشم دوز + کو ثابت کرتے ہین فرماتے ہین کہ۔

باز والیل است الخ۔ پھر واللیل سے مراد اُنکی ستاری ہے اور وہ اُن کا تن زنگاری ہے یعنی والضحےٰ کے آگے واللیل ہے تو اس سے مراد حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے اور اُن کی پوشیدگی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد مبارک ہے جو قلب مبارک کو مثل زنگار پوشیدہ کیے ہوے تھا پس معلوم ہوا کہ والضحےٰ سے مراد وہ نور ضمیر صلے اللہ علیہ وسلم ہے اور اُسکا عکس یہ نہار ظاہری ہے اور واللیل سے مراد حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ستاری اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا جسد مبارک جو ساتر ہے قلب کا مراد ہے اور اس عکس کا یہ ظاہری لیل ہے اور بعض بزرگون نے لکھا ہے کہ اسم باسط کا اثر اور اُسکی تجلی تو قلب پر بسط کرتی ہے اور اسی سے یہ نہار ظاہری ہوتا ہے اور یا قابض کی تجلی قلب پر قبض پیدا کرتی ہے اور اسی سے لیل ظاہری پیدا ہوتی ہے۔

چونکہ اوپر والضحےٰ کی تفسیر مولانا نے نور ضمیر مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم سے کی ہے اور واللیل کی تفسیر حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے تن خاکی سے کی ہے اور اُس تن کو زنگاری کہا ہے جس سے کہ یہ شبہ ہوتا ہے کہ جسد مبارک حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کا منور نہین بلکہ محجوب ہے اس لیے آگے اس شبہ کا جواب بطور دفع دخل مقدر کے دیتے ہین جسکا حاصل یہ ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا جسد مبارک بھی محجوب نہین ہے اس لیے کہ اسکو تعلق اور تلبس ہے اُس ضمیر سے جو کہ منور ہے پس اب اس مضمون کو اس طرح تعبیر فرماتے ہین کہ۔

آفتابش الخ۔ یعنی جب اُس ضمیر کے آفتاب نے اُس آسمان سے طلوع کیا تو شب تن سے کہا کہ ما ودعک (یعنی نہین چھوڑا تجھکو) یہان یون سمجھو کہ اول درجہ ہے الوہیت کا جس کے معنے ہین جامع جمیع صفات آگے کل صفات اُسکی تفصیل ہین پس اُن صفات مین سے ایک صفت ہے ربوبیت اب مطلب یہ ہوا کہ جب اُس ضمیر کے آفتاب نے کہ وہ حق تعالےٰ شانہ ہین اس لیے کہ وہ ضمیر تو اُن ہی سے روشن ہے اور اُن ہی سے انوار حاصل کر رہی ہے (فلک سے) یعنی مرتبہ الوہیت سے کہ جامع جمیع صفات ہے (طلوع کیا) یعنی مرتبہ

ربوبیت میں ظہور کیا اور حضور مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی تربیت فرمانے کے لیے (تو اُس وقت حضور صلی اللہ علیہ
وسلم کے جسد مبارک سے فرمایا ماودعک) مقصود مولانا کا یہ ہے کہ یہاں ماودعک کا خطاب جسد خاکی کو ہے حضور
صلے اللہ علیہ وسلم کے تو جب اُسکو خطاب ماودعک ربک وما قلی کا ہوا تو وہ کس طرح محجوب ہو سکتا ہے اور چونکہ
اِسکی شان نزول میں ایک قول یہ بھی ہے کہ یہود نے روح کے متعلق کچھ سوال کیا تھا تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا تھا کہ کل کو جواب دونگا اور اسکے ساتھ انشاء اللہ نہیں کہا تو اِسکی وجہ سے بہت روز تک وحی منقطع
رہی تھی اور کفار کہتے تھے کہ اللہ تعالے نے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو چھوڑ دیا اُن سے ناراض ہو گئے اِسپر یہ آیت
نازل ہوئی تو چونکہ ترک انشاء اللہ ذہول کی وجہ سے ہوا اور ذہول ہوتا ہے اِس جسد کے مقتضیات کے غلبہ سے
اِس لیے مولانا فرماتے ہیں کہ یہ خطاب جسد مبارک حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہی کو ہے پس مقصود یہ ہوا کہ جسد خاکی
حضور مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کا بھی محجوب نہیں ہے بلکہ وہ بھی منور ہے جیسا کہ خطاب سے معلوم ہوتا ہے
اور یہ نہ کہا جاوے کہ اچھا اگر یہ بھی مان لیا جاوے کہ جسد مبارک محجوب نہیں ہے مگر پھر بھی حضور صلے اللہ علیہ وسلم
کے لیے ذہول تو تسلیم کرنا پڑیگا اور یہ تو کہا جاویگا کہ آپ کو ذہول ہوا تو بات یہ ہے کہ ذہول وہ مذموم ہے کہ جسمیں
کوئی مصلحت نہ ہو اور جسمیں کوئی مصلحت ہو وہ مذموم نہیں ہے پس یہاں تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم میں اولیاء اللہ کو
کہ جن کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے کوئی نسبت نہیں اِس سے بہت سے منافع ہوتے ہیں مثلاً عجب کا علاج ہی
وغیرہ وغیرہ پس چونکہ یہاں مصلحت تھی اِس لیے یہ ذہول مذموم نہیں ہے آگے اِسکو خود مولانا بیان فرماتے ہیں کہ

وصل پیدا گشت الخ۔ یعنی اِس عین بلا میں وصل حاصل ہو گیا اور اُس حلاوت سے معبر ما قلی ہو گیا۔
مطلب یہ کہ یہ جو ایک ابتلا تھا کہ کچھ روز تک وحی بند رہی اِس سے ایک وصل حاصل ہو گیا اور ایک حلاوت
اور لُطف حاصل ہوا جسکی تعبیر الفاظ ماودعک ربک وما قلی کر رہے ہیں ورنہ اگر وہ ذہول نہ ہوتا اور یہ ابتلا نہ ہوتا
تو پھر ان الفاظ سے خطاب کہاں ہو سکتا تھا لہذا اِس آزمائش اور ابتلا میں یہ بھی حاصل ہوا اور اِسکی ایسی مثال
ہے کہ جس طرح بنو سلمہ اور بنو حارثہ نے غزوۂ احد میں کچھ تاخیر کی تھی اُسپر آیت اذ ہمت طائفتان ان تفشلا واللہ
ولیہما نازل ہوئی تھی تو وہ اِسکو بیان فرما کر کہتے ہیں کہ ہم یہ نہیں چاہتے کہ ہم اُحد میں شریک ہوتے اور یہ آیت
نازل نہ ہوتی بلکہ ہم اِس وقت خوش ہیں اِس لیے کہ اِس وقت اللہ تعالے نے ہمارے لیے یہ بھی فرمایا کہ
واللہ ولیہما اگر ہم تاخیر نہ کرتے تو یہ کہاں فرماتے پس اِسیطرح اگرچہ ایک بظاہر ابتلا تھا مگر در اصل اُسمیں ایک لطف
اور مزہ ہے اور اِس لطف کو الفاظ ماودعک ربک وما قلی سے تعبیر کر رہے ہیں آگے اِس مضمون کی طرف انتقال
فرماتے ہیں کہ ہر عبارت اپنے مدلول پر دال ہوتی ہے اور ہر عبارت سے اُس کے مناسب شئے پر دلالت
ہوتی ہے فرماتے ہیں کہ۔

ہر عبارت الخ۔ یعنی ہر عبارت ایک حالت پر دال ہے اور حال ہاتھ کے مانند ہے اور عبارت آلہ ہے۔
مطلب یہ کہ جس طرح ہاتھ میں کسی آلہ کا ہونا دلالت کرتا ہے اُس ہاتھ پر اور اُس ہاتھ کو بتلاتا ہے کہ کس کا ہے
مثلاً اگر ایک ہاتھ میں لوہار کے آلات ہیں تو یہ آلات دلالت کرتے ہیں اِس امر پر کہ یہ ہاتھ لوہار کا ہے علیٰ ہذا
پس اِسیطرح سمجھو کہ حالت کی تو ایسی مثال ہے جیسے کہ ہاتھ ہوتا ہے اور عبارت کی مثال ایسی ہے جیسے کہ

آلہ ہوتا ہے کہ وہ آلہ اُس ہاتھ پر دلالت کرتا ہے اسیطرح ہر عبارت اپنے مدلول پر اور حالت پر دلالت کرتی ہے اور جس عبارت کی جو مناسب حالت ہوتی ہے اُسی کی دلالت کرتی ہے آگے اِسکو بیان فرماتے ہین کہ ہر شے اپنے محل مین اچھی معلوم ہوتی ہے فرماتے ہین کہ۔

آلت زرگر الخ۔ یعنی سونار کے آلات اگر کسی موچی کے پاس ہون تو اُنکی ایسی مثال ہے جیسے کہ دانہ ریگ مین بویا جاوے کہ وہ بالکل بے محل ہوگا اور اُسپر کوئی اثر مرتب نہ ہوگا نہ وہ جمے گا نہ کچھ پس اسیطرح آلات زرگر کفش دوز کے سامنے بے محل اور فضول ہین اور فضول بھی بلحاظ بے محل ہونیکی وجہ سے ہین آگے دوسری مثال ہے کہ۔

والت اسکاف الخ یعنی اور آلات موچی کے کسان کے سامنے بالکل ایسی مثال رکھتے ہین کہ کُتے کے سامنے گھانس ہو اور گدھے کے سامنے ہڈیان ہون یعنی یہ بھی بے جوڑ اور بے محل ہونے کی وجہ سے بالکل فضول اور بے سود مین آگے ایک اور مثال دیتے ہین کہ۔

بود انا الحق الخ۔ یعنی منصور نے انا الحق کہا تو وہ اُن کے لیے نور ہو گیا اور فرعون نے انا اللہ کہا تو وہ اُسکے لیے دروغ ہو گیا۔ مطلب یہ کہ چونکہ منصور کی ایک ایسی حالت تھی کہ جس پر انا الحق اور انا اللہ کہنا پھبتا تھا اس لیے وہ بر محل ہونے کی وجہ سے نور ہو گیا اور چونکہ وہ حالت فرعون پر نہ تھی اس لیے اُس کے لیے وہ الفاظ ہلاک اور جھوٹ ہو گئے یہان ایک حکایت مناسب مقام یاد آئی وہ یہ کہ ایک بزرگ نے اللہ تعالےٰ سے ایک حالت ناز مین یہ پوچھا کہ یا الہ العالمین وہی کلمہ منصور نے کہا تو وہ مقبول بارگاہ ہوئے اور وہی کلمہ فرعون نے کہا تو وہ مردود بارگاہ ہوا ارشاد ہوا کہ اسکی وجہ یہ کہ منصور نے جو انا الحق کہا تھا تو اس لیے کہ اپنی ہستی کو مٹا دے اور ہمکو ثابت کرے اور فرعون نے جو کہا تھا وہ اِس لیے کہ ہمکو مٹا دے اور اپنی ہستی کو ثابت کرے پس اِس لیے منصور مقبول ہوئے اور فرعون مردود ہوا اور یہان مولانا کو مقصود منصور کی مدح نہین ہے اِس لیے کہ اُنکی یہ حالت حالت کمال نہ تھی بلکہ صرف اِس قدر مقصود ہے کہ چونکہ منصور کی وہ حالت اِس قابل تھی کہ اُن سے یہ کلمہ نکلے اور وہ حالت اِس کی محل تھی اِس لیے یہ تو بر محل ہونے کی وجہ سے مقبول ہو گیا اور وہ فرعون کے لیے بے محل تھا اِس لیے وہ مردود ہو گیا آگے ایک اور مثال دیتے ہین کہ۔

شد عصا الخ۔ یعنی عصا موسیٰ علیہ السلام ہاتھ مین تو اُنکی رسالت پر گواہ بنا اور جادوگرون کے ہاتھ مین ایک فضول اور واہیات شئے ہو گئی کہ اگرچہ بظاہر وہ بھی ویسے ہی بن گئے مگر بے سود اِس لیے عصائے موسیٰ نے سب کو نگل لیا اور وہ ہباءً منثورا ہو گئے آگے اِسپر متفرع کرتے ہین۔

زین سبب الخ۔ یعنی اِسی سبب سے عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے ہمراہی کو وہ اسم اللہ تعالےٰ کا نہ سکھلایا کہ خود تو جانے گا نہین اور آلہ پر نقص رکھے گا کہ اثر مرتب نہ ہونا آلہ کی خرابی سے ہے اور دیکھا گر چقماق کو مٹی پر مارو تو آگ کہان نکلتی ہے مطلب یہ کہ چونکہ اُس ہمراہی عیسےٰ علیہ السلام مین اُس اسم کے سیکھنے کی قابلیت ہی نہ تھی اور وہ اسم اِس کے مناسب نہ تھا اِس لیے اُنھون نے اُسکو نہ سکھلایا۔ (جیسا کہ حکایت گذشتہ سے معلوم ہوتا ہے) اور اِس لیے نہ سکھلایا کہ وہ جانتے تھے کہ یہ اِسکا محل نہین ہے اور بے محل ہونے کی وجہ سے جب اثر مرتب نہ ہوگا تو اپنی تو خبر نہ لیگا کہ اثر مرتب نہ ہونا یہ اِس لیے ہے کہ مجھ مین ہی قابلیت نہین ہے۔ بلکہ یون کہنے لگے گا کہ اس اسم ہی

خرابی ہے جو اس پر اثر مرتب نہین ہوتا اور اس بے محل ہونے کی ایسی مثال ہے کہ اگر تم پتھر کو دوسرے پتھر سے مارو تو اُن سے آگ پیدا ہوتی ہو لیکن اگر اُس پتھر کو گارے پر مارو تو ہرگز آگ نہ نکلے گی بس اسیطرح ہر چیز بے محل ہونے کی وجہ سے بیکار اور فضول ہوتی ہے آگے اسی کو فرماتے ہین کہ۔

دست و آلت الخ۔ یعنی ہاتھ اور آلہ کی ایسی مثال ہے جیسے کہ پتھر اور آہن ہوتا ہے اور جفت ہونا چاہیے اس لیے کہ پیدا ہونے کے لیے جفت ہوناشرط ہے یعنی دست و آلات کی ایسی مثال ہے کہ جیسے پتھر اور لوہا کہ دونوں آپس مین مناسب ہین اور دونون کے ... مگر ان سے اثر مرتب ہوتا ہے پس اسیطرح آلات اگر ہاتھ کے مناسب ہون گے تو اثر مرتب ہوگا اس لیے کہ اثر کے پیدا ہونے کے لیے مناسب قابل اور فاعل کی ضرور ی ہے اگر قابل اور فاعل مناسب نہ ہون گے تو یہ اثر مرتب نہین ہو سکتا پس معلوم ہوا کہ ہر چیز مین تناسب قابل و فاعل کی ضرورت ہے لیکن ایک وہ ذات ہے کہ جسکو ان آلات ظاہری کی ضرورت نہین اب یہان سے مولانا توحید کے مضمون کو بیان کرتے ہین فرماتے ہین کہ۔

آنکہ بے جفت است الخ۔ یعنی وہ ذات کہ جسکو تناسب کی اور آلات کی ضرورت نہین ہے وہ ایک ہی ہے اور اگرچہ عدد مین شک ہوا ہے مگر ایک اُن سب مین بے شک ہے مطلب یہ کہ اللہ تعالے کے عدد مین اختلاف کیا ہے اور کسی نے دو کہا کسی نے تین کہا کسی نے زیادہ مگر یہ سارے کے سارے ایک پر تو متفق ہین اس لیے کہ جو لوگ دو کہتے ہین وہ بھی ایک کے تو قائل ہین کیونکہ دو کے ضمن مین ایک پایا جاتا ہے اور اسیطرح اور زیادہ کے ضمن مین بھی ایک تو پایا جاتا ہے پس ایک تو سب کا متفق علیہ ہوا اب اور زاید جو کہتے ہین اُس کے لیے اُن کو ضرورت ہوگی کہ دلیل لاوین اور ثابت کرین اور ہمکو ضرورت نہین کہ دلیل لاوین اس لیے کہ جو ہم کہتے ہین اُس کے وہ خود ہی قائل ہین اور اُس کو وہ بھی مانتے ہین آگے اسی مضمون کو صاف طور پر فرماتے ہین کہ۔

آنکہ دو گفت الخ۔ یعنی جو لوگ دو کے قائل ہین اور جو تین کے اور اس سے بھی زیادہ کے وہ ایک پر تو یقیناً متفق ہین آگے اُن کے اس اختلاف کی وجہ بیان فرماتے ہین کہ۔

احولی چون الخ۔ یعنی یہ اختلاف صرف احولی کی وجہ سے ہے اور جب یہ احولی جاتی رہے گی تو سب یکسان ہو جاوینگے اور دو تین کہنے والے سب ایک کے قائل ہو جاوینگے اور ساری حقیقت کھل جاویگی ورنہ احولی قیامت کو دور ہوگی یہانتک تو غیر موحدین سے خطاب تھا آگے موحدین کو خطاب ہے کہ جسطرح تم توحید کو مانتے ہو وہ توحید کامل نہین موحد کامل تو وہ ہے جسکی یہ شان ہو کہ۔

گر یکے الخ۔ یعنی اگر تم ایک کہتے ہو تو اُس کے میدان مین اُس کے بلے سے اُس کے گرد گھومو مطلب یہ کہ اگر تم موحد ہو تو اُسکی تو یہ شان ہونی چاہیے کہ جس طرف کو مرضی حق لیجاوے اُسی طرف کو چلو جس طرح کہ گیند بلے کے تابع ہوتی ہے اسیطرح تم بھی اُسکی مرضی کے تابع ہو جاؤ اُسوقت موحد کامل ہوگے اس لیے کہ۔

گوی آنکہ الخ۔ یعنی وہ گیند درست اور ٹھیک ہوگی کہ جو بادشاہ کی ضرب سے ناچے گی اور جس طرف کو ضرب پڑیگی اُسیطرف کو چلے گی اُسکو کہا جاویگا کہ یہ گیند درست چل رہی ہے پس اسیطرح اگر تم مرضی حق کے تابع ہو جاؤ گے اور جس طرف کو اُسکی مرضی ہوگی تم چلو گے اُس وقت کہا جاویگا کہ تم درست اور ٹھیک ہو۔ آگے اِس پیا

تنبیہ فرماتے ہین کہ۔
گوش دار اے الخ۔ یعنی اے احول (جسکو کہ اس وقت اپنی بینائی خراب ہونے کی وجہ سے ایک کے دو دکھلائی دیتے ہین) اس بات کو ذرا کان لگا کر ہوش سے سُن لے اور کان کے ذریعہ سے آنکھ مین دوا لگا لے مطلب یہ کہ اصل مقصود بصیرت کا درست ہونا ہے لیکن چونکہ اس بات کے سُننے سے بصیرت حاصل ہوتی ہے اور بصیرت کا سبب ہے اسکا سننا لہذا ایسا ہو گیا کہ جس طرح آنکھ کی دوا کان کی طرف سے لگائی جاوے پس تم اسکو سن لو اور اسپر عمل کرو اور احولی کا علاج کرو پھر تمکو بھی ایک ایک ہی نظر آویگا آگے تفریع ہے اس مضمون پر جو کہ اوپر بیان کیا ہے کہ ہر شے اپنے مناسب محل مین اچھی طرح جمتی ہے ورنہ بیکار ہوتی ہے لہذا فرماتے ہین کہ۔
پس کلام پاک الخ۔ یعنی (چونکہ ہر شے اپنے محل مین مناسب ہوتی ہے اس لیے) کلام پاک اعمیٰ قلوب مین بھی نہین آتے بلکہ وہ اصل نور کی طرف چلے جاتے ہین یعنی اللہ تعالے کی طرف اس لیے کہ اگرچہ اُن کو کوئی نہ سُنے مگر وہ کلام پاک تو مقبول ہوگا۔ الیہ یصعد الکلم الطیب کی دلیل سے معلوم ہوا کہ کلام پاک اُسکی طرف لوٹ جاتے ہین اور اندھے قلوب مین نہین آتے اس لیے کہ یہ قلوب ان کا محل نہین ہین ہان جن امور کے یہ محل ہین وہ امور انھین خوب جمتے ہین پس فرماتے ہین کہ۔
وان فسون الخ۔ یعنی اور وہ شیطان کا فسون اور شیطان کی کج باتین اُس کے قلب مین خوب جمتی ہین جیسے کہ ٹیڑھے پاؤن ٹیڑھا جوتا خوب آتا ہے مطلب یہ کہ چونکہ یہ قلوب کلمات طیبہ کا محل تو ہوتے نہین اس لیے وہ تو انمین آتے نہین ہان فسون گری شیاطین کی ان مین خوب جمتی ہے اس لیے کہ دیکھو اہل عرب جو کہ فصاحت او بلاغت کے نقاد اور اُس کے جاننے والے تھے کہ یہ فصیح ہے اور یہ غیر فصیح ہے مگر چونکہ بعض کے قلوب مین کجی تھی اس لیے قرآن شریف پر جو کہ فصاحت مین حد کو پہونچا ہوا ہے ایمان نہ لائے اور اُسکی تکذیب کی اور مسلیمہ کذاب جس نے عبارات واہیہ کو جمع کر کے پیش کیا اور اُسکی تصدیق کی پس اسیطرح جب کہ قلوب مین کجی ہوتی ہے وہ بھی حق کو قبول نہین کرتے اور باطل کی طرف انکا رجحان ہوتا ہے آگے فرماتے ہین کہ اگر علم کو اور حکمت کو تم بار بار بھی حاصل کرو اور ہو نا اہل تو [illegible] اور علم بوجہ اس کے کہ تم اُس کے لیے محل نہین ہو تم سے علحدہ اور بری ہو جاویگی پس فرماتے ہین کہ۔
گرچہ حکمت را الخ۔ یعنی اگرچہ علم و حکمت کو تم بتکرار حاصل کرو لیکن جب تم نا اہل ہو تو وہ تم سے علحدہ اور بری ہو جاویگا بری ہونے سے یا یہ مراد ہے کہ وہ بالکل رہیگا ہی نہین جیسا کہ بعض مرتبہ دیکھا گیا ہے کہ کسی نے اُستاد کی شان مین گستاخی کی یا اور کسی کی شان مین گستاخی کی تو اُس سے علم بالکل جاتا رہا اور ذہول ہو گیا یا یہ معنے ہون کہ علم کا کوئی اثر تمھارے اندر نہ ہوگا لہذا مولانا فرماتے ہین کہ اگرچہ تم بار بار کوشش کر کے حاصل بھی کر لو لیکن وہ تمھارے پاس نہ ٹھہریگا اگرچہ ایک مرتبہ آ جاوے آگے فرماتے ہین کہ۔
گرچہ بنویسی الخ۔ یعنی اگر تم اُسکو لکھو اور نشان کرو۔ (یعنی نوٹ کرو) اور اگرچہ تم اترا اترا کر اُس کو بیان کرو (لیکن جب نا اہل ہو گئے) تو وہ تم سے اعراض کریگا اور بہت دور بھاگے گا مطلب یہ کہ خواہ تم اُس کے رکھنے کی کتنی ہی کوشش کرو اور کتنی ہی تدبیرین کرو کہ اُسکو یادداشت کے طور پر لکھکر بھی رکھو نوٹ بھی کرو کہ یاد رہے

لیکن بے محل ہونے کی وجہ سے وہ تم سے الگ اور دور بھاگے گا۔ یہ تو متعلمین کے لیے تھا اور معلمین کے لیے فرماتے ہیں کہ تم بھی ذرا اترا نا مت کہ ہم اس طرح بیان کر رہے ہیں اور یوں جانتے ہیں کہ اگر تم بھی نا اہل ہو گے تو وہ تم سے بھی علٰحدہ ہو جاویگا اور اگر تم اہل ہو تو اُس کے لیے فرماتے ہیں کہ۔

ورنہ خوانی الخ۔ یعنی اور اگر تم علم کو بطریق متعارف حاصل بھی نہ کرو لیکن خداوند کریم تمھارے سوز قلبی کو دیکھیں (اور یہ جان لیں کہ تم حق تعالٰی کی طرف متوجہ ہو) تو پھر علم (ظاہری) تو تمھارا مرغ دست آموز ہو جاوے کہ جسطرح جس جانور کو ہاتھ پر پلا کر پلا لیتے ہیں پس اگر وہ کہیں چلا بھی جاتا ہے لیکن جب اُس کو ذرا آواز دی فوراً ہاتھ پر آبیٹھتا ہے اسیطرح علم ہو جاویگا کہ جب ذرا توجہ کروگے فوراً علم حاصل ہو جاویگا جیساکہ اولیاء اللہ کو ہوتا ہے کہ علوم وہبی ہوتے ہیں اور علوم اور معانی کا الہام ہوتا ہے اور وہ الہام بعض مرتبہ تو بغیر الفاظ کے ہوتا ہے اور کبھی مع الفاظ کے ہوتا ہے پس اگر مع الفاظ ہو تب اور اگر بغیر الفاظ ہو تب دونوں صورتوں میں مقصود حاصل ہے کہ علوم و معانی اُن کو ملہم ہوتے ہیں اور بے حصول ظاہری بھی حاصل ہو جاتے ہیں آگے پھر اُس مضمون کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ اگر نا اہل ہے تو علم اُس کے پاس نہیں ٹھہرتا فرماتے ہیں کہ۔

او نپاید الخ۔ یعنی وہ علم کسی نا اہل کے پاس نہیں ٹھہرتا جیساکہ بادشاہ کا باز کسی دیہاتی کے یہاں نہیں ٹھہرتا اس لیے کہ جس باز نے کہ دست شاہ میں پرورش پائی ہو وہ بھلا کسی دیہاتی کے یہاں کیوں رہے گا۔ آگے فرماتے ہیں کہ اگر کبھی نا اہلوں کے پاس آ جاتا ہے تو اُسکی اچھی طرح گت بنتی ہے جیساکہ بازشاہ ایک دیہاتن کے یہاں چلا گیا تھا اُس کی گت بنی اس لیے کہ اس باز کے لیے وہ دیہاتن نا اہل تھی اور اُس کے لیے وہاں جانا بے محل تھا۔

بادشاہ کا اپنے باز کو بڑھیا کے گھر میں پانا اور رنجیدہ ہونا

علم آں باز ست الخ۔ یعنی علم باز شہ کی طرح ہے کہ جب وہ باز بھاگ کر ایک بڑھیا کے گھر میں چلا گیا تھا جبکہ وہ آٹا چھان رہی تھی اسیطرح اگر علم نا اہلوں کے پاس چلا جاتا ہے تو اُسکی بھی خوب گت بنتی ہے جیسی اس باز کی حجامت ہوئی۔

تا کہ تنماجے الخ۔ یعنی (وہ بڑھیا آٹا اس لیے چھان رہی تھی) تاکہ اولاد کے لیے حریرہ وغیرہ پکاوے تو اُسنے اُس عمدہ اور خوش نسل باز کو دیکھا (تتماج درترکی قسمے از آش)

پائکش بست الخ۔ یعنی اُسکا چھوٹا سا پاؤں باندھ دیا اور اُس کے پر کاٹ ڈالے اور اُس کے ناخن تراشے اور کھانے کے لیے نرم نرم گھانس لائی (اچھی قدر کی) اور کہنے لگی کہ۔

گفت نا اہلاں الخ۔ یعنی کہنے لگی کہ نا اہلوں نے تجھے درست نہ کیا تیرے پر حد سے بڑھ گئے اور ناخن لمبے ہو گئے اور کہنے لگی کہ۔

دست ہر نا اہل الخ۔ یعنی ہر نا اہل کا ہاتھ اور اُس کے پاس رہنا تجھکو بیمار کر دیگا۔ بیٹا اماں کے پاس آؤ کہ تمھاری اچھی طرح خبر لیگی (اچھی طرح خبرے ڈالی) آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

مہر جاہل را الخ ـ یعنی جاہل کی دوستی کو اسیطرح سمجھ اور جان اس لیے کہ جاہل سیدھے راستہ مین بھی ہمیشہ کج ہی چلتا ہے (تو تجھ کو بھی ہی سکھلا دے گا) اور اگر جاہل کسی کے ساتھ ہمدردی کا اظہار بھی کرتا ہے (تو وہ بھی کچھ قابل اعتبار نہین) اس لیے کہ آخر کار وہ اپنی جہالت کی وجہ سے زخم لگاتا ہے (یعنی نقصان پہونچاتا ہے جیسا کہ اس باز کے ساتھ نااہل بڑھیا نے کیا)

روز شہ در الخ ـ یعنی بیچارے بادشاہ کا سارا دن اسکی تلاش مین برباد ہوا (آخر کار ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے) اس بڑھیا کے جھونپڑے کی طرف بھی آنکلا۔

دید ناگہ باز را الخ ـ یعنی (جب وہ بادشاہ تلاش کرتے کرتے اس بڑھیا کے گھر پر پہونچا تو) دیکھا کہ باز دھوین اور گرد مین اٹا ہوا بیٹھا ہے اُس کو دیکھکر بادشاہ بہت ہی رویا اور آہ وزاری کرنے لگا مطلب یہ کہ بہت ہی رنجیدہ ہوا اور کہنے لگا کہ۔

گفت ہر چند الخ ـ یعنی بادشاہ کہنے لگا کہ اگرچہ تیرے اس کام کا تو یہی بدلا تھا کہ تو ہماری وفا مین درست نہ رہا یعنی اگرچہ تیری اُس حرکت کا کہ تو نے ہم سے بیوفائی کی یہی بدلا تھا جو کہ تجھے ملا مگر ہم پھر بھی تجھ پر لطف وکرم کرتے ہین اور تیری اس حالت پر افسوس کرتے ہین اور ہر چند کے مدخول پر اس سے پہلے کا شعر دال ہے کہ ع شہ بر و بگریست زار و نوحہ کرد۔ کہ تیری اس حرکت پر ہرگز لطف وکرم نہ چاہیے تھا مگر ہم کو پھر بھی تجھ پر افسوس ہوتا ہے اور مقصود مولانا کا یہان بزبان بادشاہ کے اس بات کا بتلانا ہے کہ ہمارے حرکات اور ہمارے معاصی تو اس قابل نہ تھے کہ وہ بارگاہ الٰہی مین قبول ومنظور ہون مگر خداوند کریم پھر بھی لطف وکرم فرماتے ہین اسی مضمون کو آگے خوب صاف کر کے خود فرماتے ہین کہ۔

چون کنی الخ ـ یعنی جنت سے اور آرام وراحت سے دوزخ مین کس طرح جائگاہ کرتے ہو اس حال مین کہ تم لا یستوی اصحاب النار واصحاب الجنۃ الخ سے غافل ہوتے ہو۔ چون استفہامیہ ہے اور غافل حال ہے چون سے ۔ پس مطلب یہ کہ تم خلد طاعت سے نکل کر جہنم معاصی مین کس طرح جاتے ہو اور تم آیت لا یستوی اصحاب النار واصحاب الجنۃ (اصحاب نار اور اصحاب جنت برابر نہین ہوتے) سے غافل اور طاعت کو خلد اور معاصی کو جہنم اس لیے کہا کہ طاعت مین جو حلاوت اور جو لطف اور آرام اور راحت قلبی ہوتی ہے معاصی مین وہ سب زائل ہو جاتی ہے اور انکی جگہ کدورت اور پریشانی اور کلفت اور بدمزگی نصیب ہوتی ہے اور جو عذاب کہ آخرت مین ہوگا وہ تو علیحدہ ہے اور طاعت مین تو وہ مزا ہے کہ بعض صاحب حال تو یہ کہتے ہین کہ خیر جنت کی نعمتون کا اور اُسکا مزا جو کچھ ہوگا اُسکی تو خبر نہین مگر خدا کی قسم نماز مین وہ لذت حاصل ہوتی ہے کہ جنت مین کیا ہوگی تو ان حضرات صحاب حال کے قول کی تاویل کیجاویگی اور کہا جاویگا کہ چونکہ ابھی اُس مزے کو چکھا نہین اس لیے ایسا کہتے ہین لیکن پھر بھی غور کرنے کی بات ہے کہ آخر کوئی تو لذت ہوگی کہ جو اُس لذت کو وہ اس درجہ کہتے ہین کہ جنت سے بھی زیادہ ہے ۔ اور مسلمان جب کہ اس کو اپنا ایمان اور عظمت وجلال خداوندی اور عقوبت مستحضر ہو تو ہرگز گناہ کر ہی نہین سکتا ۔ یہ جو کچھ ہوتا ہے ان امور کے مستحضر نہ ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے ۔ اعتقاد تو ہر شخص کا ہوتا ہے مگر مستحضر نہین ہوتا اسی کو حدیث مین بھی فرماتے ہین کہ لا یزنی الزانی

وہ مومن یعنی مومن کبھی زنا نہیں کرتا مطلب یہ کہ جب اُسکو یہ سب امور مستحضر ہوں گے تب وہ مومن کامل ہوگا تو وہ گناہ بھی نہیں کرسکتا ۔ ( ) کو مولانا فرماتے ہیں کہ ان طاعات سے جو معاصی کی طرف توجہ ہے تو وہ صرف اسی لیے ہے کہ اس وقت اس سے غافل ہے ۔ ورنہ کبھی معاصی سرزد ہو نہیں سکتے آگے پھر اُس باز کی حالت بیان فرماتے ہیں کہ ۔

این سزاے آنکہ الخ ۔ یعنی یہ اُسکی سزا ہے کہ جو شاہ باخبر سے اعراض کرکے اُس گندہ بڑھیا کے گھر میں بھاگے مقصود مولانا کا یہ ہے کہ جو حق تعالیٰ کی طرف سے توجہ ہٹا کر دوسری جانب متوجہ ہو اُسکی یہی سزا ہوتی ہے اور یہی گت بنتی ہے جو اس باز کی بنی ۔ آگے مولانا گندہ پیر سے مراد متعین فرماتے ہیں کہ ۔

گندہ پیر جاہل الخ ۔ یعنی وہ گندہ پیر اور جاہل یہ دنیا ملعون ہے جو شخص اس میں لگ گیا اور اس طرف متوجہ ہوا وہ ذلیل اور عجمی ہے یعنی کج فہم ہے اور جب اسکی طرف متوجہ ہوگا تو پھر ذلیل و خوار ہوناتو ظاہر ہے جیسے کہ یہ باز ذلیل و خوار ہوا آگے مولانا فرماتے ہیں کہ ۔

ہست دنیا جاہل الخ ۔ یعنی دنیا جاہل ہے اور جاہل پرست اور جاہل کی قدردان ہے اور عاقل تو وہ ہے کہ اس جاہل سے علیحدہ ہوگیا ۔ اور دنیا کے جاہل ہونے سے مراد اہل دنیا کا جاہل ہوتا ہے کہ اہل دنیا جاہل و رناد ان اور نااہل ہیں پس عاقل تو وہی ہے جو ان سے علیحدہ ہوجاوے آگے فرماتے ہیں کہ ۔

ہر کہ با جاہل الخ ۔ یعنی جو شخص کہ جاہل کے ساتھ ہمراز ہوا تو آخر کار اُسکو وہی پہونچے گا اور اُسکی وہی گت ہوگی جو کہ اس شاہباز کی اُس جاہل بڑھیا کے ہاتھوں پڑ کر بنی تھی مطلب یہ کہ جو شخص اہل دنیا کی طرف متوجہ ہوگا اور نااہلوں سے ربط و ضبط رکھے گا اُسکی تو یہی گت بنے گی اور وہ تو ذلیل و خوار ہی ہوگا آگے مولانا پھر اُس باز کی حالت کو بیان فرماتے ہیں کہ ۔

باز می مالید الخ ۔ یعنی باز بادشاہ کے ہاتھ پر بازو مل رہا تھا اور بے زبانی سے (یعنی بزبان حال) کہہ رہا تھا کہ میں نے گناہ کیا ہے ۔ مقصود مولانا یہ ہے کہ جس طرح اس باز پر اسکی اس چاپلوسی سے اور منت سے بادشاہ کو بہت رحم آیا اور اُس پر نظر لطف و کرم کی اسیطرح جب کوئی بعد گناہ کے تائب ہوکر آتا ہے اور اپنی خطاؤں کا اعتراف کرتا ہے اُس پر بھی رحمت خداوندی نازل ہوتی ہے اور لطف و کرم متوجہ ہوتا ہے آگے بھی مولانا تائب کی حالت کو بزبان باز بیان فرماتے ہیں کہ ۔

پس کجا نالد الخ ۔ یعنی (وہ باز کہہ رہا تھا) کہ پھر یہ نالائق اور بپاجی کہاں جاکر رووے اور کہاں نالہ وزاری کرے اگر آپ سواے نیکوں کے اور کسیکو قبول ہی نہ کریں ۔ مقصود یہ ہے کہ اُس تائب پر اب حالت غالب ہے اور کہتا ہے کہ بیشک مجھ سے خطا ہوگئی اور گناہ سرزد ہوگیا اُس کا اعتراف کرتا ہوں مگر سواے آپ کی بارگاہ کے اس نالائق کا اور کوئی ٹھکانا بھی تو نہیں ہے کہاں جاوے اور کس کے پاس جاکر نالہ و زاری کرے اگر آپ سواے اچھوں کے اور کسی کو قبول ہی نہ کریں چونکہ تائب پر حالت طاری ہے لہذا اُسکو مولانا آگے پھر بزبان باز فرماتے ہیں کہ ۔

لطف شہ جانرا الخ ۔ یعنی بادشاہ کے لطف و کرم جان کو اس امر پر جری کردیتا ہے کہ وہ جنایت اور گناہ کرنے لگتی ہے اس لیے کہ جانتی ہے کہ بادشاہ تو ہر برے کو اچھا کرہی دیتے ہیں ۔ مقصود یہ ہے کہ رحم کرنے نے تو مارا کرد گستاخ ۔

چونکہ آپ کی وہ شان ہے کہ سیئات کو بھی مبدل بہ حسنات فرما دیتے ہیں اور حسنات کی وجہ سے سیئات کی طرف توجہ نہیں ہوتی جیسا کہ خود فرماتے ہیں کہ ان الحسنات یذہبن السیئات۔ پس اس لیے مجھے جرأت ہوتی ہے کہ اگر سیئات صادر ہو بھی جاویں گے تو کیا ہے وہ بارگاہ تو ایسی ہے کہ ان سیئات کو بھی حسنات کر دیتی ہے پس اسی لیے معاصی اور خطائیں سرزد ہوتی ہیں اور یہی لطف و کرم سبب ہے اس جرأت کا اب چونکہ مولانا صاحب مقام ہیں اور یہ حالت بیان فرمائی ہے صاحب حال کی اس لیے اب اسکی غلطی پر متنبہ فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک صاحب مقام صاحب حال کی غلطی پر متنبہ کرتا ہے پس فرماتے ہیں کہ۔

رو مکن الخ۔ یعنی جاؤ اور برائی مت کرو اس لیے کہ ہماری نیکیاں ہی اس زیبا کے سامنے برائیاں ہیں مقصود یہ کہ اس خیال کو چھوڑ دو کہ اسکا لطف و کرم ہماری سیئات کو حسنات کے ساتھ مبدل کر دیگا اور اس خیال سے ارتکاب معاصی کا مت کرو اس لیے کہ جن کو تم حسنات سمجھ رہے ہو وہ خود حسنات ہی نہیں ہیں بلکہ اس حسین کے سامنے تو یہ بھی سیئات ہی ہیں پس اب کل سیئات ہی سیئات ہو گئیں اور حسنات بالکل باقی نہ رہیں تو اب یہ خیال کہ وہ ایسا کریم ہے کہ سیئات کو حسنات کے ساتھ مبدل کر دیگا اور سیئات کو حسنات کے تابع کر دیگا صحیح ہے مگر پہلے حسنات بھی تو ہوں جن کو تم حسنات سمجھ رہے ہو وہ سیئات ہی ہیں اور سچ یہی ہے اس لیے کہ دیکھ لیا جاوے کہ مثلاً نماز کہ جسکو دن بھر میں پانچ مرتبہ ادا کرتے ہیں کس طرح ہوتی ہے اور اس کے جو شرائط ہیں ان میں سے کس قدر ادا کرتے ہیں اور کتنے ترک کرتے ہیں ہماری نماز اور عبادتوں کی بالکل ایسی مثال ہے کہ جس طرح ایک گنوار ایک بہت ہی لطیف المزاج اور نازک کو پنکھا کر رہا ہو تو اول تو اس نازک کو اسکا طرز ہی تکلیف دہ ہوگا لیکن اسیطرح یہ کہ یہ گنوار اس پنکھے سے اسکی کبھی ٹوپی پھینک دیتا ہے اور کبھی اس کے منہ پر پنکھا مارتا ہے اور کبھی اور طریقہ سے تکلیف پہونچاتا ہے اور وہ تحمل کئے ہوئے بیٹھا ہے تو یہ شخص دو گھنٹہ تک پنکھا جھلنے کے بعد یہ سمجھے کہ میں نے دو گھنٹہ تک خدمت کی اور آرام پہونچایا مگر دیکھو کہ اسکا یہ خیال کہاں تک صحیح ہے اور آیا اس نے یہ راحت پہونچائی یا اور کلفت دی پس اسیطرح ہماری عبادت ہے کہ ہم عبادت کر کے خوش ہوتے ہیں کہ ہم نے اتنی دیر تک عبادت کی اور خداوند کریم کو راضی اور خوش کیا مگر درحقیقت ہماری یہ عبادت ہیں قابل بھی نہیں کہ اسکو عبادت کہا جا سکے جیسا کہ اس کو یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس نے پنکھا جھلا اور چونکہ خداوند کریم تو تاثر سے پاک ہیں اس لیے ان کو کوئی اثر نہیں ہوتا ورنہ اگر کوئی ایسا ہوتا کہ جو متاثر ہوتا تو ہماری اس عبادت کا خوش کن ہونا تو درکنار اور تکلیف دہ ہوتی۔ بس ایسی عبادت پر ناز کرنا اور اترانا بالکل بے محل ہے اور اسکو عبادت کہنا اور حسنات میں داخل کرنا ہی غلط ہے پس یہ کہنا کہ سیئات حسنات کے تابع ہو جاوینگے غلط ہوا اس لیے کہ یہاں حسنات ہی نہیں ہیں جن کے تابع سیئات ہوں گے آگے بھی اسی مضمون کو فرماتے ہیں کہ۔

خدمت خود را الخ۔ یعنی چونکہ تو نے اپنی خدمت کو سزاوار اور لائق پذیرائی سمجھا اس لیے تو نے جرم کا جھنڈا بلند کیا ہے اور یہ سمجھ کر اترانے لگا کہ ہمارے پاس طاعات بھی تو ہیں انمیں یہ سیئات بھی نبھ جاوینگے حالانکہ یہ خدمت اور طاعات ہی اس قابل نہیں کہ قبول کیجاویں اگر خداوند کریم قبول فرمالیں تو صرف انکا فضل اور کرم ہے ورنہ ہماری طاعات بھی سیئات ہیں اور سیئات تو سیئات ہیں ہی۔ آگے پھر یہی مضمون ہے۔

چون ترا ذکر و دعا الخ یعنی چونکہ تیرا دستور ذکر کرنا اور دعا کرنا ہو گیا اسلیے تیرا دل مغرور ہو گیا مقصود یہ کہ جب تو نے یہ سمجھا کہ اگر معاصی بھی سرزد ہوں گے تو کچھ خوف نہیں ہے اس لیے کہ جب توبہ کر لیں گے فوڑا سب معاف ہو جاوینگے اور انکا کوئی اثر باقی نہ رہے گا بلکہ ایسے ہو جاوین گے جس طرح مولود نو ہوتا ہے کہ بالکل معصوم ہوتا ہے اور التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ کے مصداق بن جاوینگے پس تو نے بیباکانہ گناہ شروع کر دیے کہ توبہ کر لین گے اور معاف کرالین گے حالانکہ اسپر مغرور ہونا سراسر تیری غلطی ہے کیونکہ توبہ قبول کرنا تو محض اُنکے فضل و کرم سے ہے ورنہ ہماری توبہ بھی اس قابل نہیں کہ قبول کیجاوے آگے اسی مضمون کو بیان فرماتے ہین کہ۔

ہم سخن دیدی الخ۔ یعنی تو نے اپنے کو خدا کے ساتھ ہمکلام دیکھا (اس لیے مغرور ہو گیا) حالانکہ بہت سے لوگ اسی گمان کی وجہ سے دور جا پڑے ہین اور بعید عن الطریق ہو گئے ہین مطلب یہ کہ تم نے جو استغفار اور توبہ شروع کی تو اس سے مغرور ہو گئے کہ اب تو ہم خدا کے ساتھ ہمکلام ہو گئے ہین اور اللہ تعالٰی سے باتین کر رہے ہین تو اس گمان مین مت پڑنا اس لیے کہ بہت سے لوگ اسیطرح گمراہ ہو چکے ہین اور اس گمان مین پڑ کر حق تعالیٰ سے بعید ہو گئے ہین پس اگر تم نے اپنے کو ہم کلام بھی پایا تو یہ اُنکا فضل ہے مگر تم کو تو اپنے اوپر اور اپنے اعمال پر نظر رکھنی چاہیے کہ وہ کیسے ہین اور کس قابل ہین آگے اسی کو فرماتے ہین کہ۔

گرچہ با تو شہ الخ۔ یعنی اگرچہ بادشاہ تمھارے ساتھ زمین پر بیٹھ جاوے لیکن تم اپنے کو پہچانو اور اچھی طرح بیٹھو مطلب یہ کہ اگر حق تعالےٰ تمھاری عبادتون اور دعاؤن کو مقبول فرمالین اور اُن کو عبادت سمجھین تو اس سے مغرور نہ ہو جاؤ کہ اب تو ہم اللہ تعالےٰ کی عبادت کرنے والون مین سے اور مقربین اور ہمکلامون مین سے ہو گئے ہین بلکہ تم تو اپنا مرتبہ اور اپنی قدر پہچانو اور حق تعالےٰ کے سامنے مؤدب رہو کہ تمھارے اعمال تو اس قابل ہی نہین کہ اُن کو قبول کیا جاوے اور کسی درجہ مین بھی اُنکو حسنات کہا جاوے اُن کا اُس کو قبول فرمالینا یہ محض فضل ہے ہم کیا اور ہمارے اعمال کیا ؎ منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی ✤ منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت ✤ اب یہان تک تو مولانا نصائح فرما کر انتقال فرماتے ہین قصۂ باز کی طرف فرماتے ہین کہ۔

باز گفت اے شہ الخ۔ یعنی باز کہتا تھا کہ اے بادشاہ مین (اپنی حرکت سے) بہت ہی پشیمان ہوتا ہون اور اب توبہ کر کے نومسلم ہوتا ہون مقصود یہ کہ تائب بھی جب نادم ہوتا ہے اور پشیمان ہو کر اپنے گناہون کا اعتراف کر کے معافی چاہتا ہے تو اللہ تعالےٰ اُسکی خطائین معاف فرما دیتے ہین اور بالکل ایسا ہو جاتا ہے کہ جیسے نومسلم بالکل بے گناہ ہوتا ہے اس لیے کہ حدیث مین ہے التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ اور چونکہ تائب پر ایک حالت طاری ہوتی ہے اس لیے بزبان باز اُسکو اس طرح بیان فرماتے ہین کہ۔

آنکہ تو مستش الخ۔ یعنی جسکو کہ آپ مست کر دین یا نیم مست کر دین اگر وہ مستی کی وجہ سے کج چلے تو اُسکا عذر مانو اور معذور سمجھنے سے مراد یہ ہے کہ اُس کے ساتھ معاملہ معذور کا فرمائیے کہ اُسکی اس لغزش کو معاف فرما دیجیے اُشتر گر محاورہ ہے نیم مست کو کہتے ہین اب آگے اس توبہ کے بعد خداوند کریم سے مدد کے طالب ہوتے ہین اور کہنے لگتے ہین کہ اگرچہ ہم گناہ کرتے کرتے اس درجہ اور اس حد کو پہونچ گئے ہین مگر جب آپ ساتھ ہون گے تو پھر کوئی خوف نہین ہے اسی کو فرماتے ہین بزبان باز کہ۔

اگرچہ ناخن رفت الخ - یعنی اگرچہ میرے ناخن نہین رہے مگر جب آپ میرے ہین (یعنی بادشاہ) تو مین خورشید کے پرچم اکھاڑ ڈالونگا - مطلب یہ کہ اگرچہ معاصی کرنے سے میری وہ حالت نہین رہی لیکن اگر آپ (یعنی اللہ تعالےٰ) میرے ہین تو مجھے کچھ بھی غم نہین اور مین بلند سے بلند مرتبہ تک پہونچ سکتا ہون اور عالی سے عالی مقام تک میری رسائی ہو سکتی ہے - آگے فرماتے ہین کہ -

ور چہ پرم الخ - اگرچہ میرے پر جاتے رہے مگر جب آپ مجھے نوازین گے تو میری اڑان کے سامنے آسمان بھی برابری نہین کر سکتا - یعنی اگرچہ میری حالت ہوا و ہوس مین پھنس کر اور نا اہلون مین رہنے کی وجہ سے بہت ہی ردی ہو گئی ہے مگر جبکہ آپ میرے ہین تو مجھے غم نہین اس لیے کہ پھر تو مین اس قدر بلند پہنچ سکتا ہون کہ آسمان بھی میری رسائی کے سامنے کم اور نیچا ہے اور مین بلند مراتب کو حاصل کر سکتا ہون آگے فرماتے ہین کہ -

گر کمر بخشیم الخ - یعنی اگر آپ مجھے پٹکا عنایت فرما دین تو مین کوہ کو اکھاڑ ڈالون اور اگر ایک کلک عنایت ہو تو بڑے بڑے علمون کو توڑ ڈالون - مطلب یہ کہ اگر اللہ کی طرف سے تھوڑی سی بھی مدد ہو تو نفس و شیطان کیا کر سکتے ہین انکے قلعون کو اور ان کے علمون کو بالکل آسانی سے توڑ اور اکھاڑ سکتا ہون آگے فرماتے ہین کہ -

آخر از پشہ الخ - یعنی آخر مچھر سے تو میرا بدن کم نہین ہے اور مین ملک نمرودی کو ایک پر سے درہم برہم کر دونگا مطلب یہ کہ آخر مچھر نے کہ جو اس قدر ضعیف ہے نمرود جیسے شوکت و جلال کے بادشاہ کے ملک کو تیری مدد سے تباہ کر دیا تو میرا جثہ تو اس سے کچھ بڑا ہی ہے تو اگر مجھے آپ کی مدد ہوگی تو نفس و شیطان کے ملک کو تو درہم برہم کر دونگا اور یہ مجھپر ہرگز غالب نہین آ سکتے آگے اس مضمون سے منتقل ہو کر فرماتے ہین کہ -

در ضعیفے الخ - یعنی تم مجھے ضعف مین ابابیل کی طرح سمجھ لو اور میرے ہر دشمن کو ہاتھی کی طرح زبردست سمجھ لو لیکن -

قدر فندق الخ - یعنی مین ایک فندق کی برابر ایک غلہ جو چیرنے پھاڑنے والا ہوگا پھینکونگا مگر وہ غلہ طاقت اور قوت مین منجنیق کے برابر ہوگا پس جسطرح کہ ابابیل کا ایک چھوٹا سا کنکر جس کے سر پر پڑتا تھا اسکو چیر پھاڑ کر نکل جاتا تھا اور یہ اسی لیے کہ اللہ تعالےٰ کی مدد ان کے ہمراہ تھی پس جب میرے ساتھ اللہ تعالےٰ کی مدد ہوگی تو مین بھی قوت مین اسیطرح ہو جاؤنگا اور مین ایک بہت ہی تھوڑے سے کام سے نفس و شیطان کو زیر کر لونگا اس لیے کہ میرے اس ذرا سے کام مین تیری مدد کی وجہ سے بہت زیادہ قوت پیدا ہو جاویگی اور -

گرچہ سنگم است الخ - یعنی اگرچہ میرا پتھر ایک چنے کے برابر ہے مگر لڑائی کے وقت نہ خود سر کو چھوڑیگا نہ خود بلکہ سب کو چیر پھاڑ ڈالیگا - مطلب یہ کہ اگرچہ میری قوت اور طاعت کچھ بھی نہین مگر جب آپ کی مدد ساتھ ہوگی تو پھر تو مین نفس و شیطان کو لڑائی مین خوب اچھی طرح مغلوب کر سکتا ہون آگے اسی مضمون کو ایک اور مثال سے ثابت اور مؤکد کرتے ہین فرماتے ہین کہ -

موسےٰ آمد الخ - یعنی موسےٰ علیہ السلام بھی تو لڑائی اور مقابلہ کے وقت صرف ایک عصا ہی لیکر تشریف لائے تھے مگر (چونکہ آپکی مدد انکے ساتھ تھی اس لیے) اسی عصا سے فرعون کو اور اسکی تلوارون وغیرہ سب کو

مارا اور سب پر غالب ہوئے تو یہ برکت ساری آپکی مدد کی ہی پس اگر میرے ساتھ بھی امداد ہوگی تو مین بھی نفس و شیطان سے مقابلہ مین غالب ہونگا آگے ایک اور نظیر پیش کرتے ہین کہ۔

ہر رسولے الخ۔ یعنی ہر رسول اکیلے ہی آئے لیکن تمام عالم پر غالب ہوئے اس لیے کہ آپکی مدد اُن کے ساتھ تھی آگے فرماتے ہین کہ۔

نوح چون شمشیر الخ۔ یعنی نوح علیہ السلام نے جب حق تعالیٰ سے شمشیر چاہی (کہ جسکے ذریعہ سے کفار پر غالب ہون) تو اللہ تعالیٰ نے اُنکی شمشیر طوفان کو بنا دیا۔ یعنی اس طرح اُن کی مدد فرمائی اسیطرح میری بھی مدد ہو تو مین بھی ان کفار سے یعنی نفس و شیطان سے لڑ کر غلبہ پاؤن اب آگے اس تائب کے قول سے انتقال فرما کر اللہ تعالےٰ کا قول بیان کرنے لگے اس لیے کہ ان پر ایک حالت طاری ہے بس فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

احمدا خود کیست اسپاہ زمین ٭ ماہ بین بر چرخ بشگافش جبین

تا بداند سعد و نحس و بے خبر ٭ دور تست این دور نے دور قمر

دور تست آنزا کہ موسے کلیم ٭ آرزو مے برد زین دورت مقیم

چونکہ موسے رونق دور تو دید ٭ کاندرون صبح تجلی مے دمید

گفت یارب این نہ دور رحمت ست ٭ آن گذشت از رحمت اینجا رویت ست

غوطہ دہ موسے خود را در بحار ٭ از میان دورۂ احمد بر آر

اور حضرت موسے و حضرت نوح کے کارنامے بیان کیے تھے جو ان سے بتائید الٰہی ظہور مین آئے تھے اب اس تائید الٰہی کا مذکور فرماتے ہین جو جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوئی چنانچہ فرماتے ہین کہ احمد پیارے۔ دیگر انبیا کے تصرفات تو زمین ہی تک محدود تھے اور آپ کے سامنے سیاہ زمین کیا چیز ہے آپ تو اس تائید الٰہی سے جو آپ کے لیے حاصل ہے آسمان پر چاند کی پیشانی کو اشارہ انگشت شہادت سے دو نیم کیجئے تاکہ ہر سعید۔ اور جاہل منحوس و شقی کو معلوم ہو جائے کہ آج کل آپ کا دور دورہ ہے نہ کہ چاند وغیرہ کا۔ جیسا کہ منجمین سمجھتے ہین۔ آپ کے دور کی کیا بات ہے یہ وہ دور ہے جسکی موسے کلیم اللہ باوجود عظمت و جلال ہمیشہ آرزو کرتے تھے جسکی تفصیل یہ ہے کہ جب موسے علیہ السلام نے آپکے زمانہ کی رونق کا مشاہدہ کیا۔ اور دیکھا کہ آپ کا دور نور الٰہی سے جگمگا رہا ہے اور صبح کے مانند پر نور بنا ہوا ہے تو فرمایا کہ اسکو صرف رحمت کا دور نہین کہا جا سکتا بلکہ وفور انوار و تجلیہ و کثرت قرب کے سبب اسکو تو دور رویت کہنا بجا ہے اے اللہ اپنے موسے کو کسی سمندر مین غوطہ دے اور جناب احمد کے دور مین نکال یعنی کوئی ایسی صورت کر کہ مین اس دور سے اس دور مین پہنچ جاؤن۔

شرح شبیری احمدا خود کیست الخ۔ یعنی (اللہ تعالےٰ فرماتے ہین کہ) اے احمد صلے اللہ علیہ وسلم یہ سیاہ زمین کیا چیز ہین ہم نے آپ کو ایسی قدرت دی ہے کہ آپ

آسمان پر چاند کے دو ٹکڑے کر ڈالے۔

تا بدانند سعد الخ - یعنی تاکہ ہر بے خبر نیک و بد جان لے کہ یہ زمانہ آپکا ہے اور دور قمر نہیں ہے مطلب یہ کہ اول تو دور قمر کوئی شے تھا ہی نہیں لیکن اگر اس کو کچھ مان بھی لیا جاوے کہ کچھ تھا تو اب نجومی وغیرہ کو معلوم ہو جاوے کہ اب آپکا دور آگیا ہے اور ان چاند سورج کی قدرت وغیرہ سب باطل ہو گئی آگے اس مضمون سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے دور کی تعریف کی طرف منتقل ہوتے ہین پس فرماتے ہین۔

دور تست آنزا الخ - یعنی آپ کا وہ دور ہے کہ موسیٰ کلیم علیہ السلام ہمیشہ آپ کے دور مین ہونے کی آرزو رکھتے تھے یہ اشارہ معلوم ہوتا ہے ایک حدیث کی طرف جو کہ ابو نعیم نے حلیہ مین روایت کی ہے وہ یہ ہے

کہ حدیث عن انس رض فی حدیث طویل قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال تعالے یا موسیٰ انبئی بنی اسرائیل انہ من لقینی وھو جاحد با حمد ادخلتہ النار ولو کان ابراھیم خلیلی وموسیٰ کلیمی قال ومن احمد۔ قال یا موسیٰ وعزتی وجلالی ما خلقت خلقا اکرم علی منہ کتبت اسمہ مع اسمی فی العرش قبل ان اخلق السموات والارض والشمس والقمر بالفی الف سنۃ وعزتی وجلالی ان الجنۃ محرمۃ علے جمیع خلقی حتی یدخلھا محمد صلے اللہ علیہ وسلم وامتہ قال موسیٰ ومن امتہ قال الحمادون یحمدون اللہ صعودا وھبوطا وعلے کل حال یشدون اوساطھم ویطھرون اطرافھم صائمون بالنھار رھبان باللیل اقبل منھم الیسیر وادخلھم الجنۃ بشھادۃ ان لا الہ الا اللہ قال موسیٰ یا رب اجعلنی نبی تلک الامۃ قال نبیھا منھا قال فاجعلنی من امۃ قال استقدمت واستاخر سا جمع بینک وبینہ فی دار الجلال رواہ فی الحلیہ۔

یعنی انس رض سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ فرمایا اللہ تعالے نے کہ اے موسٰے بنی اسرائیل سے کہدیجئے کہ جو شخص میرے پاس منکر با حمد صلے اللہ علیہ وسلم آویگا اُسکو مین دوزخ مین جھونک دونگا خواہ وہ ابراہیم میرے خلیل اور موسٰے میرے کلیم ہی کیون نہ ہون الغرض موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ احمد کون ہین ارشاد ہوا کہ اے موسٰے قسم ہے میری عزت وجلال کی کہ مین نے کوئی مخلوق اُن سے زیادہ مکرم پیدا نہین کی اور اُنکا نام اپنے نام کے ساتھ عرش مین آسمان وزمین شمس وقمر کی پیدائش سے کروڑون برس پہلے لکھ چکا ہون اور قسم ہے اپنی عزت وجلال کی جب تک محمد صلے اللہ علیہ وسلم اور اُنکی اُمت جنت مین داخل نہ ہولین گے اُس وقت تک جنت تمام میری مخلوق پر حرام ہے موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اُنکی اُمت کون ہے ارشاد ہوا کہ جو لوگ اللہ تعالے کی حمد کرتے ہین ہر حالت مین چڑھتے ہوئے بھی اور اُترتے ہوئے بھی اور اپنی کمر عبادت کے لیے کسے ہوئے ہین اور اپنے ہاتھ مُنھ وغیرہ پاک رکھتے ہین دن کو صائم ہون گے اور رات کو رہبان ہون گے مین اُن سے تھوڑی سی عبادت بھی قبول کر لونگا اور اُن کو لا الہ الا اللہ کہنے پر جنت مین داخل کر دونگا۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ پھر اُس اُمت کا نبی مجھے کر دیجئے ارشاد ہوا کہ اُس کا نبی تو اُن مین سے ہی ہوگا پھر عرض کیا کہ اچھا مجھے اُن کی اُمت مین سے کر دیجئے ارشاد ہوا کہ تم پہلے ہوگئے ہو اور وہ بعد مین آوین گے لیکن مین تم کو دار الجلال مین اُنکے ہمراہ جمع کر دونگا انتہیٰ۔ پس یہان اس شعر مین مولانا کو اس حدیث کا جزو اخیر مقصود ہے کہ موسے علیہ السلام نے آپ کے دور مین ہونے کی تمنا کی کہ یا اللہ مجھے اُن کی اُمت مین سے کر دیجئے پس معلوم ہوا

کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا دور مبارک وہ ہے کہ جسکی تمنا انبیا نے کی ہے آگے بھی اِسی مضمون کو بیان فرماتے ہین کہ۔

چونکہ موسے الخ۔ یعنی جب کہ موسیٰ علیہ السلام نے آپ کے دور مبارک کی رونق دیکھی جسمین انوار و تجلیات صبح کی طرح ظاہر و روشن تھے تو فرمانے لگے کہ۔

گفت یارب الخ۔ یعنی موسے علیہ السلام نے کہا کہ اے الٰہی یہ کیسا رحمت کا زمانہ ہے اور کیسا مبارک ہے اور وہ رحمت سے گذر کر فرمانے لگے کہ یہان تو رویت ہے کہ کھلم کھلا ظاہر طور پر رحمت کا نزول ہوتا ہے اسکے بعد پھر دعا فرماتے ہین کہ۔

غوطہ دہ الخ۔ یعنی اے الہ العالمین آپ اپنے موسے کو رحمت کے دریاؤن مین غوطہ دیجئے اور احمد صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مین اپنے موسے کو کر دیجئے اِسپر ارشاد ہوا کہ۔

شرح حبیبی

گفت یا موسے بدان بنمودمت　　راہ آن خلوت بدان بکشودمت

کہ تو زان دوری و این دور اے کلیم　　پا بکش زیرا دراز است این گلیم

من کریم نان نمایم بندہ را　　تا بگریاند طمع آن زندہ را

بینی طفلے بمالد مادرے　　تا شود بیدار و اجوید خورے

کو گرسنہ خفتہ باشد بے خبر　　وان دو پستان مے چکد از مہر در

کنت کنزا رحمۃ مخفیۃ　　فابعثت امۃ مہدیۃ

حق سبحانہ تعالےٰ نے فرمایا کہ اے موسے مین نے ان کرامات و برکات عہد مصطفوی کو تجھ پر اسی لیے ظاہر کیا ہے اور اِس خلوت خانہ کا رستہ تیرے لیے اِسی واسطے کھولا ہے کہ تو اُس دور کی کرامات و برکات سے متمتع ہو کر اسی دور مین اُس دور سے ہو جائے پس تو مطمئن رہ کیونکہ یہ گلیم دور مصطفوی بہت وسیع ہے اِس لیے اُس کے فیوض و برکات سے متمتع ہونا صرف ارباب آن عہد تک محدود نہین بلکہ دوسرے لوگ بھی مستفید ہو سکتے ہین ہم کریم ہین اِس لیے جب بندہ کو روٹی دکھلاتے ہین تو انکو دینا مقصود ہوتا ہے اور دکھلانا اسلیے ہوتا ہے کہ دیکھکر اِس کو للچ آئے اور وہ اسکی خواہش اور طلب مین روئے اور پھر ہم اِسکو دیدین اور طلب و خواہش کے بعد دینے کی وجہ یہ ہے کہ جو شے طلب و شوق کے بعد حاصل ہوتی ہے وہ زیادہ محبوب و مرغوب اور قابل قدر ہوتی ہے لیکن یہ عادت دائمی کلی نہین بلکہ بلا طلب بھی بہت کچھ دیتے ہین) ہمارے اِس طرز کو منافی شفقت و رحمت نہ سمجھنا کیونکہ اسکی نظیر خود تمھارے درمیان مین بھی موجود ہے ماں کی شفقت و رحمت مین کسی کو کلام نہین لیکن جب بچہ بھوکا سو جاتا ہے تو مادر مشفقہ کی پستان مین دودھ جوش مارتا ہے اور ٹپکنے لگتا ہے پس اِس بچہ کی نیند سے بیدار ہونے اور رونے کی تکلیف کی کچھ پروا نہین کرتی بلکہ باقتضائے شفقت وافرہ و رحمت متکاثرہ اسکی ناک مل کر اسکو جگاتی اور بیدار کرتی ہے تاکہ وہ اُٹھکے

اور غذا ڈھونڈے۔ پس جس طرح ماں کی رحمت جوش کرتی ہے اور وہ بچے کو خواب خوش سے کہ مشابہ عدم ہے
بیدار کرتی اور طلب پر آمادہ کرتی ہے یونہی میں بھی رحمت کا ایک پوشیدہ مخزن تھا اور وہ طالبین کی خواستگار
تھی اور طالبین خواب عدم میں تھے لہذا میں نے اصالۃً تو ایک امۃ محمدیہ (امت مصطفویہ) کو اس خواب سے
اٹھایا اور تبعاً اوروں کو بھی بیدار کیا اور وجود میں لایا تاکہ وہ آثار رحمت کے طالب ہوکر اس سے بہرہ ور ہوں۔

شرح شبیری گفت یا موسیٰ الخ یعنی اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ اے موسےٰ میں نے تمکو اس لیے دکھلایا
اور اس خلوت کی طرف اسی لیے راہ کھول دی ہے تاکہ۔

کہ تو زان دوری الخ یعنی تم اس زمانہ میں بھی اسی دور میں سے ہو اور خوب پاؤں پھیلاؤ اس لیے کہ یہ کمبل
خوب دراز ہے یعنی تم کو اس زمانہ میں بھی اس زمانہ کی برکات حاصل ہونگی اور یہ دریائے رحمت تو خوب
وسیع ہے اسمیں تم کمی سے مت ڈرو بلکہ خوب اچھی طرح مانگو اور حاصل کرو وہ برکات تم کو خوب حاصل
ہونگی اور میں نے تمکو اسی لیے دکھلایا ہے تاکہ تم طمع کرکے اس کو مانگو اور پھر میں تم کو دوں اس لیے کہ میری یہی
عادت ہے کہ۔

من کریمم الخ یعنی میں تو کریم ہوں اور بندہ کو روٹی اس لیے دکھلاتا ہوں تاکہ وہ اس کو دیکھکر مانگے اور
رووے۔ مطلب یہ کہ میں تو کریم ہوں اور میں تو اپنے بندوں پر رحمت کرنا چاہتا ہوں مگر اول ذرا دکھلا کر
طمع دلاتا ہوں اس کے بعد جب اس کو پوری طرح شوق ہوجاتا ہے اور وہ شوق اس قدر ترقی کرتا ہے
کہ یہ بندہ رونے لگتا ہے تو میں اس وقت اسکو دیتا ہوں تاکہ اسکی قدر ہو اور شکر کرے اور دیکھو اسکی تو
ایسی مثال ہے جیسے کہ ماں اور بچہ ہوتے ہیں کہ۔

بینی طفلے الخ یعنی ماں بچے کی ناک ملتی ہے تاکہ بیدار ہوکر اپنی خوراک مانگے مطلب یہ کہ جس طرح ماں
چاہتی ہے کہ بچے کو غذا دے مگر اول اسکو سونے سے جگاتی ہے جسکی وجہ سے وہ خلاف عادت ہونیسے
روتا ہے پس جیسے ہی وہ رویا اور اس نے فوراً اسکو غذا دیدی اسیطرح ہم ہیں کہ اول بندہ کو نعمتیں اور رحمتیں
دکھلاتے ہیں جب وہ ان کو مانگتا ہے اور مچلتا ہے اور رونے لگتا ہے اس وقت اسکو عطا فرما دیتے ہیں
اور وہ ماں اس لیے بچہ کو جگاتی ہے کہ۔

کو گرسنہ الخ یعنی اس لیے وہ جگاتی ہے کہ وہ بچہ بھوکا سوگیا ہے اور اس ماں کے دونوں پستان مہربانی کی
وجہ سے ٹپک رہے ہیں پس وہ اسکو جگا کر وہ پستان اس کے منہ میں دیدیتی ہے اسیطرح چونکہ ہماری رحمت
جوش کھاتی ہے اور چاہتی ہے کہ ہمیں نازل ہو پس اس وقت ہم نعمتیں اپنے بندہ کو دکھلاتے ہیں اور جب
وہ مانگتا ہے تو اسکو عطا فرما دیتے ہیں آگے بھی یہی مضمون ہے کہ۔

کنت کنزاً الخ یعنی میں ایک کنز رحمت مخفی تھا پس میں نے امۃ محمدیہ بھیجی اشارہ ہے کنت کنزاً مخفیا
فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق کی طرف مطلب یہ کہ چونکہ میں خزانہ رحمت مخفی تھا اور اس رحمت کا اقتضا
یہ تھا کہ کسی پر نازل ہو اور یہ کہ میں پہچانا جاؤں تو پس میں نے ایک امۃ محمدیہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی
امت کو بھیجا اس لیے کہ یہ امت معرفت میں کامل ہے لہذا خلقت میں بھی مقصود زیادہ ہوگی آگے مولانا

فرماتے ہین کہ اللہ تعالے جو ہم کو نعمتین دکھلاتے ہین وہ اسی لیے تاکہ ہمکو عطا فرماوین فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

ہر گرانی کہ می جوئی بجان	او نمودت تا طمع کردی دران
چند بت بشکست احمد در جہان	تاکہ یارب گوی گشتند امتان
گر نبودے کوشش احمد تو ہم	مے پرستیدے چو اجدادت صنم
این سرت وارست از سجدہ صنم	تا بدانی حق او را بر امم
تا بگوئی شکر این رستن بگو	کز بت باطن ہمت برہاند او
مر سرت را چون رہانید از بتان	ہم بدان قوت تو دل را وا رہان
سر ز شکر دین ازان بر تافتے	کز پدر میراث مفتش یافتے
مرد میراثی چہ داند قدر مال	رستمے جان کند و مجان یافت زال

اب مولانا حسب عادت نصیحت کی طرف متوجہ ہوتے ہین اور فرماتے ہین کہ جس قدر فیوض و برکات کا تو جان دل سے طالب ہے وہ اسی کی دکھلائی ہوئی ہین اور اسی کی توفیق مساعدت سے تیرا جی اُن کے لیے للچاتا ہے حتی کہ تیرا اسلام بھی اسی نمائش کا نتیجہ ہے چنانچہ اس نے رسول کو بھیجا انھون نے حق کی طرف دعوت دی اور بہت سے بتون کو توڑا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اُمتی خدا کو پکارنے لگے تو یہ کس شے کا نتیجہ ہے صرف اسی نمائش اور مساعدت کا اگر حق سبحانہ کی طرف سے نمائش اور تحریک نہ ہوتی اور وہ رسول کو نہ بھیجتے اور رسول اس قدر کوشش نہ کرتے تو تو بھی اپنے آبا و اجداد کی طرح بت پوجتا کاہے کو اسلام سے واقف ہوتا اور کیونکر اسے طلب کرتا۔ اصل احسان تو حق سبحانہ کا ہے مگر چونکہ اسکا ظہور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے ہوا ہے کہ انکی کوشش سے تیرا سر سجدۂ بت سے چھوٹا ہے اس لیے تجکو جاننا چاہیے کہ آپ کا حق اُمتیون پر کیا ہے اور جہان تک تجھسے ہوسکے اس نعمت رہائی کا شکر زبان سے بھی ادا کر اور جوارح سے بھی اور قلب سے بھی اور طریقۂ شکر یہ ہے کہ جہان تک ممکن ہو کمال اتباع مصطفوی مین ساعی ہو اس شکر کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اسکی برکت سے بت باطن کی پرستش اور اتباع نفس سے بھی نجات پا جائیگا کیونکہ شکر سے منعم نعمتون مین اضافہ کرتا ہے چنانچہ حق سبحانہ فرماتے ہین لئن شکرتم لازیدنکم۔ جس قوت کے ذریعہ سے تونے اپنے سر کو سجدۂ بتان سے چھڑایا ہے اسی قوت کے طفیل اور اسکے اتباع و موافقت سے تو دل کو بت باطن اور اتباع نفس سے چھڑا کیونکہ اسکے سوا اور کوئی ذریعہ ہی نہین اب تک جو تونے شکر دین سے اعراض کیا ہے اور اسکی قدر نہین کی اسکی وجہ یہ ہے کہ باپ کی بدولت تجھ کو بلا مشقت اور بلا طلب مال مل گیا ہے یعنی تو مسلمان کے گھر پیدا ہوا اس لیے تو بھی مسلمان ہوگیا ورنہ اگر تجھے طلب کے بعد ملتا اور تو اس کے حاصل کرنے مین مشقتین برداشت کرتا تب تجھے قدر ہوتی جس شخص کو ترکہ مین مال ملتا ہے اسکو اسکی قدر نہین ہوتی۔ وہان تو یہ ہوتا ہے کہ ایک حوصلہ مند اور بہادر اسکی تحصیل مین مصائب اور مشقت برداشت کرتا ہے اور ایک کم حوصلہ اور نا قادر علی الاکتساب

مفت مین قابض ہوجاتا ہے ع گلچھرے اڑاتے کوئی دولت ہو کسی کی۔

شرح شبیری اہر کراماتی الخ۔ یعنی کہ جو نعمت اور جو رحمت کہ تم جان و دل سے تلاش کرتے ہو اُس کو اللہ تعالےٰ نے تمھیں دکھلا دیتے ہین تاکہ تم اُس کے حصول کی تمنا کرو اور اسمین طمع کرو آگے پھر مولانا نعت کی طرف متوجہ ہوتے ہین فرماتے ہین کہ۔

چند بت بشکست الخ۔ یعنی احمد صلے اللہ علیہ وسلم نے کتنے ہی بت توڑ ڈالے یہان تک کہ یارب کہنے والے بہت ہوگئے اُمت مین سے۔ اور اگر حضور مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو یہ شرف کہان حاصل ہوتا اِسی کو فرماتے ہین کہ۔

گر نبودے الخ۔ یعنی اگر احمد صلے اللہ علیہ وسلم کی کوشش نہ ہوتی تو آج تم بھی اپنے باپ دادا کی طرح بت پرست ہوتے اب تم کو اُنکا شکر گذار ہونا لازم ہے کہ اُنھون نے تمھارے سر کو سجدہ بتان سے چھڑایا فرماتے ہین کہ۔

این سرت وارست الخ۔ یعنی تمھارا یہ سر بتون کے سامنے سجدہ کرنے سے چھوٹ گیا تاکہ تم اِسکا حق اور اُمتون پر سمجھو اور اسکا شکریہ ادا کرو اور اِس شکر کی برکت سے اِس بت باطن سے بھی چھوٹ جاؤ فرماتے ہین کہ۔

گر بگوئی الخ۔ اگر تم اِس چھوٹنے کا شکر کہو تو کہنا چاہیے کہ اُسکی برکت سے بت باطن سے بھی وہی تم کو چھوڑا دین آگے فرماتے ہین کہ۔

مر سرت را الخ۔ یعنی جب اُسنے تمھارے سر کو بتون سے بچایا تو اُسی قوت سے وہ تمھارے دل کو بھی چھڑا دین آگے مولانا اس سے انتقال فرماتے ہین اور ہماری غفلت کی وجہ بیان فرماتے ہین کہ۔

سر ز شکر الخ۔ یعنی دین کے شکریہ سے اِس لیے سرتابی کرتے ہو کہ باپ دادا سے مفت مین پالیا ہے اسکی کچھ قدر نہین ہے اگر کچھ محنت اور مشقت کرکے حاصل کیا ہوتا تو اُسکی قدر ہوتی اور جسکو مفت کی چیز ملا کرتی ہے وہ یون ہی بے قدری کیا کرتا ہے فرماتے ہین کہ۔

مرد میراثی الخ۔ یعنی جسکو مال میراث مین ملا ہو وہ اُسکی قدر کیا جانے دیکھو رستم نے تو جان کندنی سے پیدا کیا اور زال کو مفت مین ملگیا تو خوب گلچھرے اُڑائے پس اسیطرح ہم کو بھی دین اسیطرح ملگیا ہے کہ باپ مسلمان دادا مسلمان تو ہم بھی مسلمان اگر خود حاصل کرتے تو اُسکی قدر ہوتی اب اِس سے انتقال فرماتے ہین اور رجوع کرتے ہین اللہ تعالےٰ کے قول کی طرف کہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہین کہ جب کوئی روتا ہے اور طلب کرتا ہے تو ہمارا دریائے رحمت جوش مین آتا ہے پس فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

چون بگریانم بجوشد رحمتم	آن خروشنده بنوشد نعمتم
چون نخواہم داد خود ننمایمش	چونش کردم بستہ دل بگشایمش
رحمتم موقوف آن خوش گریہاست	چون گریست از بحر رحمت موج خاست

تا نگرید ابر کے خندد چمن	تا نگرید طفل کے جوشد لبن

پھر مضمون سابق کی طرف عود فرماتے ہین یعنی حق سبحانہ فرماتے ہین کہ جب مین رولاتا ہون تو میری رحمت جوش مین آتی ہے اور وہ گریہ وزاری کرنیوالا (میری نعمت کو بزبان حال) یہ کہتے سنتا ہے کہ مین نعمت ہون (تو رومت مین آگئی) جب مجھے دینا مقصود ہوتا ہے تب ہی مین دکھلاتا بھی ہون ۔ اور جب مین اسکو دل گرفتہ اور مغموم اور محزون کرتا ہون تو اس کے دل کو کھول بھی دیتا ہون اور مسرور محظوظ بھی کر دیتا ہون لیکن ہماری رحمت اس گریۂ وزاری پر موقوف ہوتی ہے جو ہمکو بھلی معلوم ہوتی ہے اور جب وہ رونے لگتا ہے تو ہمارا بحر رحمت موجین مارنے لگتا ہے پھر اُسکو محروم نہین کرتے (لیکن یہ طرز عمل وہین ہوتا ہے جہان اسکے خلاف مین کوئی مصلحت مانع نہ ہو ورنہ بلا طلب بھی دیتے ہین) اب مولانا فرماتے ہین کہ فی الحقیقت رونا ایک عجیب خاصیت اور عجیب تاثیر رکھتا ہے دیکھو جب تک ابر نہ روئے گا چمن کیونکر ہنس سکتا ہے (یعنی جب بارش نہ ہو باغ مین سرسبزی اور شادابی کیونکر پیدا ہوسکتی ہے اور باغ مین پھول کیونکر کھل سکتے ہین) اور جب تک بچہ نہ روئے دودھ کیسے جوش مار سکتا ہے پس معلوم ہوا کہ رونے مین عجیب تاثیر ہے۔

شرح شبیری | چون بگریانم الخ۔ یعنی حق تعالی فرماتے ہین کہ جب مین رولاتا ہون تو میری رحمت جوش مارتی ہے اور وہ گریہ وزاری کرنے والا (میری نعمت کو بزبان حال) یہ کہتے ہوے سنتا ہے کہ مین نعمت ہون (تو رومت مین آگئی) اور اگر ہم کو عطا فرمانا مقصود نہوتا تو ہم دکھلاتے ہی کیون اسی کو فرماتے ہین کہ۔

گر نخواہم داد الخ۔ یعنی اگر مین دینا نہ چاہتا تو مین دکھلاتا بھی نہین اور جب (اس دکھلانے کی وجہسے) اُسکو بستہ دل کیا ہے تو اسکو ہم ہی کھولین گے یعنی جب بندہ دیکھا طامع ہوا اُس کے حصول کا اور پھر حاصل نہ ہونے سے رنجیدہ ہوا ہے تو اس رنجیدگی اور بستہ دلی کو ہم ہی کھولین گے اور یہان جو حق تعالے فرماتے ہین کہ جب ہم نے دکھلایا ہے تو اُس کو عطا بھی فرما دین گے تو یہان موسے علیہ السلام کو جو کمالات ملے ہین وہ حضور مقبول صلے اللہ علیہ وسلم ہی کے کمالات سے مستفاد ہین اس لیے کہ یہ مسلم ہے کہ جس قدر کمالات ہین اُن مین اصل تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے کمالات ہین اور پھر اُن سے مستفید دیگر انبیا بھی ہین لہذا موسیٰ علیہ السلام کو بھی اُن ہی کمالات مین سے حصہ ملا ہے آگے پھر اسی مضمون کو کہ بعد طلب اور آہ وزاری کے رحمت جوش مین آتی ہے بیان فرماتے ہین کہ۔

رحمتم موقوف آن الخ۔ یعنی میری رحمت اُن گریون کے اوپر موقوف ہے اور جب کوئی روتا ہے تو ابر رحمت موج اُٹھتی ہے۔ مطلب یہ کہ حق تعالی فرماتے ہین کہ جب تک منت وزاری اور طلب نہ ہوگی اُسوقت تک ہماری رحمت کو جوش نہ ہوگا۔ پس طلب ہونی چاہیے۔ پھر دیکھو کہ کس طرح رحمت نازل ہوتی ہے آگے مولانا اس مضمون کو ایک نظیر سے مؤکد فرماتے ہین کہ۔

تا نگرید ابر کے الخ۔ یعنی جب تک ابر روتا نہین اُس وقت تک چمن ہنستا نہین اور جب تک لڑکا نہین روتا اُس وقت تک دودھ کو جوش نہین ہوتا مطلب یہ کہ دیکھو یہ امر تو حق تعالی اور بندہ ہی مین مخصوص نہین ہے

بلکہ دوسرے اشیا میں پایا جاتا ہے کہ دیکھو جب تک بارش نہیں ہوتی (جو کہ مثل ابر کے رونے کے ہے) اُس وقت تک چمن میں شادابی پیدا نہیں ہوتی اور جب تک بچہ نہیں روتا اُس وقت تک پستان مادر میں دودھ جوش نہیں کھاتا پس اسیطرح جب بندہ کی طرف سے طلب ہوتی ہے اُسی وقت حق تعالیٰ کی طرف سے نزول رحمت ہوتا ہے آگے اِسی کی تائید میں ایک حکایت بیان فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

حلوا خریدن شیخ احمد خضرویہ از جہت غریمان بالہام حق تعالےٰ

بود شیخے دائما او وامدار	از جوانمردی کہ بود او نامدار
دہ ہزاران وام کردی از مہان	خرج کردے بر فقیران جہان
ہم بوام او خانقاہے ساختہ	جان و مان و خانقہ در باختہ
احمد خضرویہ بودے نام او	خدمت عشاق بودے کام او
وام او را حق ز ہر جا می گزارد	کرد حق بہر خلیل از ریگ آرد
گفت پیغمبر کہ در بازارہا	دو فرشتہ مے کنند دائم ندا
کاے خدا تو منفقان را دہ خلف	وے خدا تو ممسکان را دہ تلف
خاصہ آن منفق کہ جان انفاق کرد	حلق خود قربانی خلاق کرد
حلق پیش آورد اسمٰعیل وار	کارد بر حلقش نیارد کرد کار
پس شہیدان زندہ زان رویند و خوش	تو بدان قالب بمنگر گبر وش
چون خلف داد ست شان جان بقا	جان ایمن از غم و رنج و شقا

یہان سے گریہ کی فضیلت بیان فرماتے ہین اور سنتے ہین کہ گریہ کی برکت کے متعلق ایک حکایت سن۔ ایک بزرگ اِس سبب سے کہ وہ فضیلت سخاوت سے معزز و ممتاز تھے ہمیشہ قرضدار رہتے تھے ہزاروں روپیہ سیٹھون سے قرض لیتے اور فقیرون پر صرف کر دیتے قرض ہی سے ایک خانقاہ بھی بنائی تھی قرض ہی مین اپنا سارا گھر بار اور خانقاہ سب کھو چکے تھے احمد خضرویہ ان کا نام تھا اور اہل اللہ ہی کی خدمت انکا مطمح نظر تھا۔ حق سبحانہ ان کے قرض کو کہین سے نہ کہین سے ادا کرا دیتے تھے اُن کے نزدیک یہ امر کچھ بھی دشوار نہیں کیونکہ آنکی تو وہ قدرت کاملہ ہے کہ انھون نے ریت کو آٹا کر دیا تھا یعنی ریت سے آٹا دلا دینا جب آسان ہے تو کسی شخص سے روپیہ دلا دینا کون سی بڑی بات ہے اور یہ خرچ کرنا انکا کچھ مذموم نہ تھا بلکہ محمود تھا اِس لیے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے دو فرشتے بحکم خداوندی بازارون مین ہمیشہ یہ دعا کرتے ہین کہ الٰہ العالمین تو سخی کو اِس کے خرچ کردہ مال کا بدلہ عنایت فرما اور بخیل کے مال کو تباہ و برباد کر اِس دعا کی مقبولیت اور اِس بنا پر عام طور پر اسخیا کو بدل ملنا ضرور ہے بالخصوص وہ سخی جس نے

اپنی جان صرف کی ہو اور اپنے گلے کو خلاق عالم کے لیے قربان کر دیا ہے اور اس کے خنجر ناز کے لیے اسمعیل علیہ السلام کی طرح گلا سامنے کر دیا ہے یعنے اپنے کو مرضیات حق سبحانہ میں فنا کر دیا ہے اس کو تو بالا وے بدل ملیگا کہ حق سبحانہ اس کے حلق پر چھری نہ چلائینگے اور اس فنا کے معاوضہ میں اسکو بقا بخشینگے پس یہ شہیدان خنجر ناز اس لیے زندہ اور خوش اور مصداق لاتحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربہم یرزقون فرحین بما اتٰہم اللہ ہین کہ حق سبحانہ نے اس کے بدلے مین ان کو جان اتقا بخشی ہے۔ تو جانتا ہے۔ جان اتقا کیا ہے۔ وہ وہ جان ہے جس کو نہ رنج کا کھٹکا ہے نہ محرومی کا پس خبردار تو ان کے جسم کی خشکی پر کافرون کی طرح ہرگز نظر نہ کرنا اور اس سے انکی حقارت پر استدلال نہ کرنا انکی تو یہ شان ہے۔ رب اشعث اغبر مدفوع بالابواب لو اقسم علے اللہ لابرہ۔ او کما قال صلے اللہ علیہ وسلم۔

شرح شبیری

شیخ احمد خضرویہ کا حلوا خریدنا قرضخواہون کیواسطے اللہ تعالی کی الہام کیوجہ سے

بود شیخے دائما الخ۔ یعنی ایک شیخ تھے اور وہ ہمیشہ اپنی جوانمردی کی وجہ سے قرضدار رہا کرتے تھے اس لیے کہ وہ نامدار تھے از جوانمردی علت ہے وام دار کی مطلب ظاہر ہے۔

دہ ہزاران الخ۔ یعنی دس ہزار بڑے لوگون سے قرض لیا کرتے تھے (اور اسکو) فقیران جہان پر خرچ کر دیا کرتے تھے۔ دہ ہزاران سے مراد عدد نہین ہے بلکہ مطلب یہ کہ امراسے بہت زیادہ قرض لیا کرتے تھے اور پھر اسکو غربا و فقراء کی خدمت مین خرچ کر دیتے تھے۔

ہم بوام او الخ۔ یعنی قرض ہی سے ایک خانقاہ بھی بنوائی تھی اور خاندان اور خانقاہ سب ہارے ہوئے خان ومان کا۔ اہل وعیال مطلب یہ کہ انھون نے قرض ہی سے ایک خانقاہ بھی بنوائی تھی اور اپنا اہل وعیال اور خانقاہ وغیرہ سب چیزین خدا کے واسطے لٹا دی تھین اور جو ان کے پاس تھا سب خدا کی راہ مین وہ خرچ کرتے تھے۔

احمد خضرویہ الخ۔ یعنی احمد خضرویہ انکا نام تھا اور انکا مقصد (اس قرض لینے سے) عاشقان الٰہی کی خدمت کرنا تھا۔ کام مقصد۔

وام او را الخ۔ یعنی اللہ تعالے اُن کے قرض کو ہر جگہ سے ادا فرما دیتے تھے (اور دیکھو) حق تعالے نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے ریتے سے آٹا بنا دیا مطلب یہ کہ اُن کے قرض کے ادا ہو جانے کو کچھ مستبعد مت سمجھنا اس لیے کہ خداوند تعالے کی قدرت تو اس سے کہین زیادہ ہے دیکھو حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے لیے ریت سے آٹا بن گیا تھا سو اگر انکا قرض ادا ہو جاتا تھا تو کیا بعید ہے آگے مولانا اس حکایت سے انتقال فرما کر انفاق فی سبیل اللہ کے فضائل بیان فرماتے ہین۔

گفت پیغمبر الخ۔ یعنی پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بازارون مین ہمیشہ دو فرشتے ندا کرتے ہین کہ

کاے خدا الخ۔ یعنی اے خدا (تو اللہ کی راہ میں) خرچ کرنے والوں کو تو عوض عنایت فرما اور اے خدا تعالیٰ تو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے) بخل کرنیوالوں کو تلف کر دیجئے مطلب یہ کہ اے اللہ جو تیری راہ میں خرچ کرنیوالے ہیں اُن کو تو اُسکا عوض اور مال دے کہ وہ اور خرچ کریں اور آخرت میں بھی اُن کو اُسکا عوض عطا فرما۔ اور جو لوگ بخیل ہیں اور تیری راہ میں خرچ نہیں کرتے اُن کے مال کو تلف فرما کہ فضول اور بیکار ہے اور یہ مضمون حدیث کا ہے آگے فرماتے ہیں کہ۔

خاصہ آن الخ۔ یعنی خاص کر وہ خرچ کرنے والا کہ جان کو خرچ کرے اور اپنے حلق کو پیدا کرنیوالے کی قربانی کر دے مطلب یہ کہ جو لوگ کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے والے ہیں اُنکی تو یہ فضیلت ہے جیسا کہ مضمون حدیث سے معلوم ہوا مگر خاص کر وہ لوگ بہت زیادہ خرچ کرنیوالے اور افضل ہیں کہ جو اپنی جانیں خدا کی راہ میں قربان کر دیتے ہیں آگے پھر اسی کو فرماتے ہیں کہ

حلق پیش الخ۔ یعنی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی طرح حلق سامنے لے آئے ہیں (پس اس طاعت اور تسلیم کی وجہ سے) اللہ تعالےٰ اُن کے حلق پر چھری نہیں چلنے دیتے۔ مطلب یہ کہ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کہنے سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے اپنی جان دینا منظور کر لیا تھا اور خدا کی راہ میں قربان ہونیکے لیے طیار ہو گئے تھے مگر اللہ تعالےٰ نے اُن کے اس تسلیم و رضا کی وجہ سے اُن پر چھری نہ چلنے دی اور اُنکو زندہ و سلامت رکھا بلکہ اُنکی جگہ دنبہ آگیا جیسا کہ مشہور ہے اسیطرح جو لوگ خدا کی راہ میں اپنی خواہشات نفسانی کو مٹا دیتے ہیں اور مجاہدات و ریاضات کرتے ہیں خداوند کریم اُنکو بھی حیات ابدی عنایت فرماتے ہیں آگے اسی مضمون پر تفریع فرماتے ہیں کہ۔

پس شہیدان الخ۔ یعنی پس شہدا اسی وجہ سے زندہ اور خوش ہیں اور تو اس قالب کو گبر کی طرح مت دیکھ مطلب یہ کہ چونکہ جو لوگ اپنی خواہشات کو مٹا دیتے اور ترک کر دیتے ہیں اور اپنی جان کو جان نہیں سمجھتے اُن کو حق تعالےٰ ایک حیات ابدی عنایت فرماتے ہیں اسی لیے جو لوگ شہید ہوتے ہیں اور اپنی جان راہ حق میں قربان کر دیتے ہیں وہ ہی خوش اور زندہ رہتے ہیں چونکہ یہاں یہ شبہ ہوتا تھا کہ شہدا کو حیات کہاں نصیب ہوتی ہے بلکہ وہ تو مر جاتے ہیں اسکا دفعیہ فرماتے ہیں کہ گبر کی طرح اس قالب ظاہری کو مت دیکھ کہ اسکو موت آگئی ہے بلکہ اُن کو جو حیات حاصل ہوئی ہے وہ حیات حقیقی ہے اگرچہ موت ناسوتی اور بدنی اُن پر طاری ہوئی ہو لیکن حقیقۃً وہ زندہ ہی ہوتے ہیں اور اُنکی زندگی کا یہ اثر ہوتا ہے کہ اُنکا بدن خراب نہیں ہوتا جس سے معلوم ہوا کہ اُن کو بدن کے ساتھ بھی کچھ تعلق باقی رہتا ہے آگے فرماتے ہیں کہ۔

چون خلف دادست الخ۔ یعنی جب کہ عوض میں اُنکو جان بقا عنایت ہو گئی ہے ایسی جان جو کہ غم اور رنج اور شقاوت سے بے خوف ہے (پس وہ زندہ ہیں اور خوش ہیں) یہاں چون خلف دادست الخ کی جزا محذوف ہے اور دال علی الجزا پس شہیدان الخ ہے لہذا مطلب یہ ہو گیا کہ چونکہ جن لوگوں نے مجاہدات و ریاضات کر کرکے اپنی خواہشات نفسانی کو بالکل کالعدم کر دیا ہے۔ اُسکے عوض میں اُنکو ایسی باقی اور پائدار

زندگی حاصل ہو گئی ہے کہ جسمیں نہ رنج ہے نہ غم ہے نہ شقاوت ہے اس لیے وہ بالکل خوش اور زندہ ہیں اور یہاں یہ شبہ نہ ہو کہ ارواح تو عامہ مسلمین کی بلکہ کفار تک کی باقی رہیں گی پھر ان کی تخصیص کیا ہے اس لیے کہ اگرچہ ارواح کفار بھی رہیں گی مگر انکا رہنا کالعدم ہے کیونکہ اُن کے لیے ارشاد ہے لا یموت فیہا ولا یحیی کہ وہ انکی زندگی ہی ہو گی اور نہ موت ہی آویگی پس اُس کا اعتبار نہیں کیا گیا اور عامہ مسلمین کی ارواح کی حیات چونکہ اِس قدر قوی نہیں ہے جیسے کہ ان شہدا کی ارواح کی ہے اِس لیے اُن کا بھی اعتبار نہیں کیا گیا آگے پھر قصّہ کی طرف رجوع فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

شیخ وامی سالہا این کار کرد	می ستد می داد ہمچون پا مرد
تخمہا مے کاشت تا روز اجل	تا بود روز اجل میر اجل
چونکہ عمر خویش در آخر رسید	در وجود خود نشان مرگ دید
وامداران گرد او بنشستہ جمع	شیخ در خود خوش گدازان ہمچو شمع
وامداران گشتہ نومید و ترش	درد دلہا یار شد با درد شش
شیخ گفت این بد گمانان را نگر	نیست حق را چار صد دینار زر

قرض کے عادی بزرگ برسوں یہ ہی کام کرتے رہے اور نہایت استقلال کے ساتھ لین دین جاری رکھا کہ امرا سے لیتے اور فقرا کو دیتے فی الحقیقت وہ موت کے روز ثمرات حاصل کرنے کے لیے بیج بو رہے تھے تاکہ وہ اِن ثمرات کی بدولت موت کے روز ایک بڑے سیٹھ ہوں آخرکار جب شیخ کا آخری وقت ہوا اور آثار مرگ اپنے اندر مشاہدہ کیے تو قرضداروں کی جماعت نے آگھیرا اور اُن کو گھیر کر بیٹھ گئے اور شیخ بے فکر محبت الٰہی میں شمع کی طرح خوب گھل رہے تھے اُدھر قرضخواہوں کی یہ حالت تھی کہ ناامید اور بدمزہ ہو رہے تھے پھیپھڑے کے درد کے ساتھ درد دل بھی شامل ہو گیا تھا یعنی بیحد مضطرب اور بیچین تھے شیخ انکی حالت قرائن وغیرہ سے معلوم کر کے دلمیں کہہ رہے تھے کہ ان بدگمانوں کو دیکھو کہ خواہ مخواہ پریشان ہیں کیا خدا کی قدرت میں چار سو دینار کا ادا کر دینا بھی نہیں۔

شرح شبیری | **شیخ وامی الخ** - یعنی قرض والے شیخ نے برسوں یہ کام کیا اور جوانمردی کی طرح دادوستد کرتے تھے مطلب یہ کہ جس طرح جوانمرد بے فکر ہو کر کام کرتے ہیں اسیطرح یہ قرضدار شیخ بھی قرض لیتے تھے اور پھر اُسکو ادا کر دیتے تھے آگے فرماتے ہیں کہ۔

تخمہا مے کاشت الخ - یعنی موت کے دن تک تخم (عمل) بوتے تھے تاکہ موت کے دن بہت بڑے میر ہوں مطلب یہ کہ وہ اخیر عمر تک یہ دادودہش کرتے رہے تاکہ خدا تعالٰی کے یہاں اُنکا مرتبہ بلند ہو اور ایک بہت بڑے بزرگ اور میر اپنے انفاق کی وجہ سے ہوں آگے فرماتے ہیں کہ۔

چونکہ عمر شیخ الخ - یعنی جبکہ شیخ کی عمر آخر کو پہونچی اور انہوں نے اپنے اندر موت کی نشانیاں دیکھیں تو۔

وام داران الخ۔ یعنی اُن کے گرد قرضخواہ جمع ہو کر بیٹھ گئے اور شیخ خود بخود خوش اور شمع کی طرح پگھلنے والے تھے مطلب یہ کہ جب اُنکی عمر آخر ہوئی اور اُن کو بھی معلوم ہو گیا کہ اب زندگی نہیں رہی تو اُس وقت سب قرضخواہ اپنا قرض مانگنے آئے مگر شیخ خوش تھے اِس لیے کہ جانتے تھے کہ خداوند کریم دینے والا ہے وہی دیگا اور جسطرح شمع پگھلا کرتی ہے مگر روشن ہوتی ہے اسیطرح شیخ بوجہ اِس کے کہ روح تحلیل ہو رہی تھی پگھل رہے اور گھل رہے تھے مگر شمع کی طرح روشن اور خوش بھی تھے پس جبکہ قرضخواہوں نے دیکھا کہ یہ تو مرے اور قرض کس سے ملے گا تو۔

وام داران الخ۔ یعنی قرضخواہ ناامید اور غصہ میں ہو گئے اور دل کا درد جگر کے درد کے ساتھ ملگیا مطلب یہ کہ جس طرح درد دل اور درد جگر دونوں مہلک ہیں اور جب دونوں جمع ہو جاویں تو اور بھی زیادہ مہلک ہیں اسیطرح اُن قرضخواہوں کی حالت تھی کہ بہت ہی مصیبت میں تھے اور کبھی غصہ آتا تھا کہ ایسے کو قرض دیا ہی کیوں تھا اور کبھی ناامید ہوتے تھے غرضکہ ایک عجیب مصیبت میں مبتلا تھے اور درد دل اور درد جگر سے مراد خود درد نہیں ہے بلکہ کئی مصیبتوں کا جمع ہونا ہے جیسا کہ ظاہر ہے جب اُنکی یہ حالت ہوئی تو شیخ اپنے دل میں کہنے لگے کہ۔

شیخ گفت الخ۔ یعنی شیخ کہنے لگے کہ اِن بدگمانوں کو تو دیکھو (کہ ابھی سے گھبرائے جاتے ہیں) کیا حق تعالیٰ کے پاس چار سو دینار بھی سونا نہیں ہے مطلب یہ کہ خدا پر بھروسہ ہونا چاہیے وہی دیگا مگر معلوم ہوتا ہے کہ اِن لوگوں کا یہ گمان ہے کہ خدا کے پاس چار سو دینار بھی نہیں اِس لیے کہ اگر یہ گمان نہ ہوتا تو اِس قدر پریشان کیوں ہوتے یہی سمجھتے کہ خدا دیگا یہاں تو یہ ہو رہا تھا اُدھر ایک لڑکا حلوا بیچ رہا تھا اِسی کو فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

کودکے حلوا ز بیرون بانگ زد ۔ لاف حلوا بر امید دانگ زد

شیخ اشارت کرد خادم را بسر ۔ کہ برو آن جملہ حلوا را بخر

تا غریمان چونکہ آن حلوا خورند ۔ یک زمانے تلخ در من ننگرند

در زمان خادم برون آمد ز در ۔ تا خرد آن جملہ حلوا زان پسر

گفت او را کین ہمہ حلوا بچند ۔ گفت کودک نیم دینار ست واند

گفت نے از صوفیان افزون مجو ۔ نیم دینارت دہم دیگر مگو

اتنے میں ایک لڑکے نے آواز دی "حلوا تر گرم" اور دانگ کی امید میں حلوے کی خوب تعریف کی شیخ نے اپنے خادم کو سر کے اشارہ سے کہا کہ جاؤ سب حلوا خرید لو۔ تاکہ جب یہ قرضخواہ حلوا کھالیں تو کچھ دیر تو یہ مجھے بدمزہ ہو کر نہ دیکھیں اور کچھ عرصہ تک تو ان بیچاروں کو اِس کوفت سے نجات ملجاوے یہ سُن کر خادم دروازہ سے باہر آیا کہ وہ سارا حلوا لڑکے سے خرید لے۔ اور اُس سے کہا کہ یہ سارا حلوا کتنے میں دوگے لڑکے نے کہا کہ اِسکی قیمت کچھ اوپر نصف دینار ہے خادم نے کہا میاں فقیروں سے زیادہ نہ لو ہم تمھیں نصف دینار دینگے بس اب کچھ نہ کہنا۔

شرح شبیری

کو کے حلوا الخ۔ یعنی ایک لڑکے نے باہر سے حلوے کی آواز دی اور حلوے کی یعنی داموں کی امید پر ماری مطلب یہ کہ کسی لڑکے حلوا فروش نے باہر آواز لگائی اور دام ملنے کے واسطے اُس حلوے کی تعریفیں ثمین مثلاً یہ کہ گرما گرم حلوا وغیرہ وغیرہ جیسا کہ دستور ہے بس سنتے ہی شیخ نے بلا لیا۔

شیخ اشارت کرد الخ۔ یعنی شیخ نے خادم کو سر سے اشارہ کیا کہ جا اور اُس سارے حلوے کو خرید لے اس لیے کہ۔

تا غریمان الخ۔ یعنی تاکہ جب تک کہ قرضخواہ حلوا کھاویں تھوڑی دیر مجھے کڑوی نگاہوں سے نہ دیکھیں گے یہاں یہ شبہ نہ ہو کہ شیخ نے اِس لیے حلوا کھلایا تاکہ کچھ دیر کے لیے اُنکا تقاضا کم ہو بلکہ چونکہ اُنکی عادت کھلانے پلانے کی بھی اس لیے اُنھوں نے اسوقت بھی اُنکو حلوا کھلا دیا جب شیخ نے سر سے اشارہ کیا تو۔

درزمان خادم الخ۔ یعنی وہ خادم اُسی وقت دروازہ سے باہر آیا تاکہ اُس سارے حلوے کو اُس لڑکے سے خرید لے۔

گفت اورا کین الخ۔ یعنی اُس خادم نے اُس لڑکے سے کہا کہ یہ سارا حلوا کتنے کا ہے تو وہ لڑکا بولا کہ کچھ اوپر آدھے دینار کا۔ اندکنا یہ از عدد مبہم + از سہ تا نہ یعنے چند۔

گفت نے از صوفیان الخ۔ یعنی اُس خادم نے کہا کہ صوفیوں سے زیادہ مت لے تجھے آدھا دینار دونگا بس اور کچھ مت کہہ۔

شرح حبیبی

او طبق بنهاد اندر پیش شیخ / تو به بین اسرار سر اندیش شیخ

کرد اشارت با غریبان کین نوال / نک تبرک خوش خورید این را حلال

بہر فرمان جملگی حلقہ زدند / خوش ہمین خوردند حلوا ہمچو قند

چون طبق خالی شد آن کودک ستد / گفت دینارم بده اے پیر خرد

شیخ گفتا از کجا آرم درم / وام دارم میروم سوے عدم

کودک از غم زد طبق را بر زمین / ناله و گریه بر آورد و حنین

ناله میکرد و فغان و ہاے ہاے / کاشکے مرا بشکسته بودے ہر دو پاے

کاشکے من گرد گلخن گشتمے / ہیچ در این خانقہ نگذشتمے

صوفیان طبل خوار لقمہ جو / سگ دلان ہمچو گربه روے شو

از غریو کودک آنجا خیر و شر / گرد آمد گشت بر کودک حشم

پیش شیخ آمد که اے شیخ درشت / تو یقین دان که مرا استاد کشت

گر برا استاد روم دست تہی / او مرا بکشد اجازت میدہی

وان غریبان هم بانکار و جحود — رو بشیخ آورده کاین بارے چه بود
مال ما خوردی مظالم می بری — از چه بود این ظلم دیگر بر سری
تا نماز دیگر آن کودک گریست — شیخ دیده بست و بروی ننگریست
شیخ فارغ از جفا و از خلاف — در کشیده روے چون مه در لحاف
با اجل خوش با ازل خوش شادکام — فارغ از تشنیع و گفت خاص و عام

لڑکے نے خوانچہ شیخ کے سامنے رکھ دیا۔ اب تو واقف اسرار شیخ کے اسرار ملاحظہ کر کہ اسکا کیا انجام ہوتا ہے خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا اب اصل قصہ سن شیخ نے قرضخواہوں کو اشارہ کیا کہ یہ ہماری جانب سے عطیہ ہے اب تم اِس مال طیب کو تبرکاً خوب کھاؤ قرضخواہون نے تعمیل ارشادِ شیخ کے لیے خوانچہ کے گرد حلقہ باندھ لیا اور قند کی طرح مزے لے لے کر خوب حلوا کھایا جب کھا چکے اور خوانچہ خالی ہوگیا تو لڑکا اُٹھا اور کہا کہ میرا نصف دینار دلوائیے شیخ نے کہا میاں مین روپیہ کہان سے لاؤن مجھ پر تو اور ہی قرض بہت سا ہے اور کوئی دم مین راہی ملکِ عدم ہوتا ہون اس لیے تحصیل زر پر بھی قدرت نہین لڑکے نے مارے رنج کے خوانچہ کو زمین پر دے پٹکا اور گریہ وزاری شروع کر دی وہ دُھاڑین مار مار کر روتا اور ہائے ہائے کرتا تھا اور کہتا تھا کہ جب مین یہان آتا تھا میرے پاؤن کیون نہ ٹوٹ گئے کاش مین بھاڑ کے پاس جاتا اور وہ میرا جانا بے سود اور تکلیف دِہ ہوتا مگر اِس خانقہ مین نہ آتا یہ کھاؤ اور چرب لقمہ تلاش کرنے والے صوفی اپنے سینون مین کتون کی طرح حریص اور موذی دل رکھتے ہین لعربلی کیطرح منھ دھو کر پارسا اور مقدس بنے بیٹھے ہین۔ لڑکے کا شور سُن کر بھلے بُرے آدمی سب اکھٹے ہو گئے اور لڑکے کے گرد اژدحام ہوگیا لڑکا دوبارہ شیخ کی طرف متوجہ ہوا اور کہا بے مہر بڑے میاں آپ یقین جانئے کہ میرا اُستاد مجھے مار ہی ڈالے گا کیا آپ جائز رکھتے ہین کہ مین خالی ہاتھ جاؤن اور میرا اوستاد مجھے مار ڈالے اور دیگر قرضخواہون نے بھی اعتراض کرنا شروع کیا اور کہنا شروع کیا کہ آخر یہ کیا حرکت تھی جناب نے کی جب آپکے پاس کچھ دینے کو نہین تھا تو حلوا خریدنے کو کس نے کہا تھا ہمارا تو مال کھا گئے اور حقوق العباد کی گٹھری اپنے سر پر لیے جاتے ہو ایک اور ظلم اپنے سر پر رکھا اِسکا کیا سبب ہے عصر کی نماز تک دم لڑکا رویا کیا اُدھر تو یہ حالت تھی اُدھر شیخ نے اپنی آنکھین بند کر لی تھین اور لڑکے کی طرف نظر اُٹھا کر بھی نہ دیکھتے تھے اور لوگون کی زیادتی اور مخالفت کو بالکل نظر انداز کر کے اپنا چاند سا مُنھ کپڑے مین لپیٹ لیا تھا اور موت اور عالم باقی سے مسرور اور شادکام تھے۔ اور خاص و عام کی ملامت اور سخت گفتگو کا کچھ بھی لحاظ نہ تھا۔

شرح شبیری او طبق بنہاد الخ یعنی اُس حلوا فروش نے طبق حلوا شیخ کے سامنے رکھ دیا اب ذرا اِس بھید کے سوچنے والے شیخ کے اسرار کو دیکھو کہ کہان تک اُنھون نے سمجھا اور کیا کیا ظہور مین آیا)

کرد اشارت الخ یعنی شیخ نے قرضخواہون کو اشارہ کیا کہ یہ ما حضر کچھ تبرک ہے اِس حلال کو خوب کھاؤ۔ نک مخفف ہے اینک۔

پھر فرمان الخ ۔ یعنی شیخ کے حکم کی وجہ سے سب نے حلقہ باندھ لیا اور اس قند جیسے حلوے کو خوب کھایا (اس حکم کو کیسا مانا)۔

چون طبق خالی شد الخ ۔ یعنی جب طبق خالی ہو گیا تو اس لڑکے نے لے لیا اور کہا کہ اے عقلمند مجھے دینار دیجئے۔

شیخ گفتا الخ ۔ یعنی شیخ نے کہا کہ دام کہان سے لاؤن مین تو (پہلے سے ہی) قرضدار ہون اور عدم کی طرف جاتا ہون اور یہ اس لیے کہا تاکہ اسکو معلوم ہو کہ ارے یہ تو ابھی مرا جاتا ہے اس لیے اس کو اور بھی گھبراہٹ ہو اور پھر جو مقصود ہے اس کو رُلانا وہ بوجہ اتم حاصل ہو۔ جب لڑکے نے یہ سنا تو

کودک از غم الخ ۔ یعنی اس کودک حلوا فروش نے غم کی وجہ سے طبق کو زمین پر دے پٹکا اور نالہ وگریہ کرنے لگا اور رونے کی آواز نکالی حنین کہتے ہین رونے کی آواز کو۔ یعنے اس بچے نے جب دیکھا کہ یہ دام نہین دیتے اور پھر اسپر طرہ یہ کہ ملک عدم کو جا رہے ہین جہان سے واپسی کی امید بھی نہین تو وہ بہت ہی رونے چلانے لگا اور کہنے لگا کہ۔

نالہ می کرد الخ ۔ یعنی وہ لڑکا نالہ کرتا تھا اور فغان اور ہاے ہاے کہ کاش میرے دونون پاؤن ٹوٹ جاتے کہ مین یہان نہ آتا اور مجھپر یہ بلا نازل نہ ہوتی اور کہتا تھا کہ۔

کاشکے من الخ ۔ یعنی کاش مین بھاڑ کے گرد ہی گھوم لیتا اور اس خانقاہ کے دروازہ پر نہ آتا گلخن سے مراد وہ بھاڑ وغیرہ جہان حلوا وغیرہ پکاتے ہین یعنی مین اپنے گھر ہی کے پاس پھر لیتا مگر یہان نہ آتا آگے اس حلوا فروش نے غصہ مین آکر صوفیون کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا کہتا ہے کہ۔

صوفیان طبل الخ ۔ یعنی صوفی طبل کی طرح کھانے والے لقمہ کو ڈھونڈھنے والے کتے جیسے دل والے اور بلی کی طرح منھ دھونے والے۔ طبل خوار سے مراد زیادہ کھانے والا جیسا کہ ڈھول کا پیٹ بڑا ہوتا ہے جب یہ بہت ہی چلایا تو۔

از غریو الخ ۔ یعنے اس لڑکے کے چلانے سے اس جگہ اچھے برے اس لڑکے پر سب جمع ہوگئے۔

پیش شیخ آمد الخ ۔ یعنی وہ لڑکا شیخ کے سامنے آیا کہ اے سخت شیخ تو یقین جان کہ مجھکو استاد نے مار ڈالا چونکہ اس کا مارنا یقینی تھا اس لیے اسکو صیغہ ماضی سے تعبیر کر دیا کہ گویا یون سمجھ کہ اسنے مار ہی ڈالا اور کہنے لگا کہ

گر برا ستا روم الخ ۔ یعنی اگر مین استاد کے پاس خالی ہاتھ جاؤنگا اور وہ مجھے مار ڈالیگا کیا تم اسکی اجازت دیتے ہو اور تمکو یہ گوارا ہے کہ مین مار ڈالا جاؤن استاد سے مراد وہ شخص ہے جو اسکو حلوا فروخت کرنیکو دیتا ہوگا جب اسنے بہت شور و غل مچایا تو وہ قرضخواہ بھی کہنے لگے کہ۔

وان غریمان الخ ۔ یعنی اور وہ قرضخواہ بھی انکار و نفرت سے شیخ کی طرف متوجہ ہو کر بولے کہ آخر یہ کیا تھا اور تم نے یہ کیا کیا کہ ایک تو ہمارا قرض تھا ہی اس بچارے غریب بچے کا حلوا ہمین کھلا دیا اور اس کے دام نہین دیتے اور کہنے لگے کہ۔

مال ما خوردی الخ ۔ یعنی ہمارا مال تو کھایا اور اب حقوق (اپنے ساتھ) لیجاتے ہو (مگر) ان کے علاوہ اور دوسرا

یہ حق کیون لے لیا۔ اور یہ ظلم کیون کیا اور اس لڑکے نے رونا شروع کیا۔
تا نماز دیگر آن الخ۔ یعنی عصر کی نماز تک وہ لڑکا روتا رہا اور شیخ نے آنکھ بند کر لی اور اُسکی طرف دیکھا بھی نہین
شیخ فارغ الخ۔ یعنی شیخ اِن جفاؤن سے اور مخالفت سے فارغ اور علٰحدہ چاند جیسا مُنھ لحاف مین
لپیٹے ہوے تھے مطلب یہ کہ اس جھگڑے کا اور ان باتون کا شیخ پر کوئی اثر نہ تھا بلکہ وہ بالکل خوش تھے
اس لیے کہ جانتے تھے کہ جس قدر قرض ہے سب خدا کے واسطے لیا ہے اللہ میان خود ادا فرماوین گے
مجھے کیا فکر ہے اور اُنکی یہ حالت تھی کہ۔
با اجل خوش الخ۔ یعنی اپنی موت سے بھی خوش اور اپنے مقدر پر بھی خوش اور ویسے بھی خوش ور لوگونکی
تشنیع اور سخن سننے سے بالکل فارغ۔ اور اُنکو کچھ پرواہ ہی نہ تھی کہ کوئی کیا کہہ رہا ہے آگے مولانا فرماتے
ہین کہ اُنکی یہ حالت اس لیے تھی کہ۔

شرح حبیبی

آنکہ جان در روی او خندد چو قند
از ترشروئی خلقش چہ گزند

آنکہ جان بوسہ دہد بر چشم او
کے خورد غم از فلک وز خشم او

در شب مہتاب مہ را بر سماک
از سگان و عوعو ایشان چہ باک

سگ وظیفہ خود بجا مے آورد
مہ وظیفہ خود برخ مے گسترد

کارک خود مے گزارد ہر کسے
آب نگذارد صفا بہر خسے

خس خسانہ مے رود بر روے آب
آب صافی می رود بے اضطراب

مصطفیٰ مہ مے شگافد نیم شب
ژاژ می خاید ز کینہ بولہب

آن مسیحا مردہ زندہ مے کند
وان جہود از خشم سبلت می کند

بانگ سگ ہرگز رسد در گوش ماہ
خاصہ ماہی کو بود خاص الٰہ

مے خورد شہ بر لب جو تا سحر
در سماع از بانگ چغزان بیخبر

شیخ موصوف اُنکی باتونکی طرف متوجہ کیون نہ ہوے بات یہ ہے کہ جن لوگون کا محبوب حقیقی اپنی
تبسم شیرین اور اپنی اظہار رضا سے اُن کے دلون کو لذت بخشتا ہوتا ہے اِن کو مخلوق کی ترشروئی اور
ناراضی سے اصلا نقصان نہین ہوتا اس لیے وہ اِسکی پروا بھی نہین کرتے اور جنکا محبوب حقیقی اُنکی
آنکھ پر بوسہ دیتا یعنی ان سے پیار و محبت کرتا ہے ان کو زمانہ اور اسکی ناموافقت سے کبھی کوئی ملال
نہین ہوتا۔ ہو کیونکر دیکھو چاندنی رات مین چاند کو آسمان پر کتون اور اُنکی بھون بھون سے کچھ اندیشہ
ہوتا ہے ہرگز نہین۔ پس اُن فلک رفعت کے مادہ ہاے کامل کو حضیض مذلت کے کتون اور ان کی
بھون بھون سے کیونکر اندیشہ ہو سکتا ہے۔ بس کتا اپنا معمول ادا کرتا ہے اور چاند اپنا معمول پورا کرنے
مین مشغول ہے اور چہرہ دن پر نور افشانی کر رہا ہے۔ یون ہی عوام اپنی بکواس مین لگے ہوتے ہین اور اہل اللہ

اپنے فرائض توجہ الی اللہ اور افاضہ علی المستفیدین مین مصروف ہوتے ہین خلاصہ یہ ہے کہ ہر ایک اپنا کام کرتا ہے اور دوسرے کی پروا نہین کرتا مار صافی تنکے کے سبب اپنی صفا نہین چھوڑتا تنکا ذلت کے ساتھ پانی پر بہا چلا جاتا ہے اور پانی اسکی پرواہ بھی نہین کرتا بلکہ اطمینان کے ساتھ بہتا رہتا ہے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنا کام کر رہے ہین اور چاند کے ٹکڑے کر رہے ہین اور ابولہب اپنا کام کر رہا ہے اور عداوت سے بیہودہ بکواس بک رہا ہے مسیحا علیہ السلام مردہ زندہ کر رہے ہین اور ایک یہودی مارے غصہ کے اپنی مونچھین اکھیڑے ڈالتا ہے بھلا تو سمجھ تو سہی کہین چاند بھی کتے کی آواز سنتا ہے اور اس سے متاثر ہوتا ہے بالخصوص وہ چاند جو خواص حق سبحانہ مین سے ہے ہرگز نہین۔ دیکھو ایک بادشاہ ندی کے کنارے صبح تک شراب پیتا ہے اور گانے بجانے اور عیش و طرب مین مشغولی کے سبب مینڈکون کی ٹرٹر سے بالکل بیخبر اور بے پروا ہوتا ہے بس جب شاہان صوری کی یہ حالت ہے تو شاہان معنوی جو مے عشق حق سبحانہ سے سرشار اور لذت وصال سے بہرہ یاب اور مسرور و شادکام ہین وہ عوام کی ٹرٹر پر کیونکر کان دہرین گے۔

شرح شبیری آنکہ جان الخ۔ یعنی جسکے سامنے جان قند کی طرح ہنس رہی ہو اسکو مخلوق کی ترشروئی سے کیا خوف مطلب یہ کہ جس شخص کے سامنے کہ حق تعالی کی تجلی ہو جو کہ جان جان اور روح الروح ہین پھر اسکو مخلوق کی برائی بھلائی کی طرف کیا التفات ہو سکتا ہے اسکے سامنے تو ساری چیزین کالعدم ہونگی آگے فرماتے ہین کہ۔

آنکہ جان بوسہ دہد الخ۔ یعنی جس کے لب پر جان نے بوسہ دیا ہو وہ فلک سے اور اسکے غصہ سے کب غم کھاوے مطلب یہ کہ جو حق تعالے کے نزدیک محبوب و مقرب ہو اسکو ان حوادثات زمانہ سے کیا فکر ہے وہ اپنے کام مین مشغول ہوگا اور دیدار سے اپنی آنکھین ٹھنڈی کریگا یا انکی طرف متوجہ ہوگا آگے اسی مضمون کو ایک مثال سے واضح فرماتے ہین کہ۔

درشب مہتاب الخ۔ یعنی چاندنی رات مین برج سماک پر چاند کو کتون کی بھون بھون سے کیا خوف ہے بلکہ۔

سگ وظیفہ الخ۔ یعنی کتا تو اپنا معمول پورا کر رہا ہے اور چاند اپنا معمول چہرون پر بکھار رہا ہے مطلب یہ کہ جو شخص تجلی الٰہی کے مشاہدہ مین ہو اور اسکو لوگ برا بھلا کہین تو اسکی تو ایسی مثال ہے کہ جیسے چاندنی رات مین چاند تو اپنی روشنی سے لوگون کے چہرون کو منور کر رہا ہے اور خود بھی منور ہے اور کتے بھی بھونک رہے ہین مگر اس چاند کو ان کتون کے بھونکنے سے کوئی اثر نہین ہو سکتا کہ اسکی جلوہ گستری مین کوئی نقصان ہو بلکہ اسکی جلوہ گستری اسیطرح رہے گی وہ کتے بھونک بھونک کر خود ہی چپ ہو جاوین گے اسیطرح ان شیخ کو بھی ان لوگون کے طعن و تشنیع کی پرواہ نہ تھی بلکہ یہ اپنے کام یعنی مشاہدہ جمال حق مین مصروف تھے آگے مولانا فرماتے ہین کہ ہر شخص اپنا اپنا کام کرتا ہے جس فرماتے ہین کہ۔

کار کس خود الخ۔ یعنی اپنا کام ہر شخص ادا کرتا ہے دیکھو پانی اپنی صفائی کو ایک تنکے کی وجہ سے چھوڑ

نہیں دیتا مطلب یہ کہ دنیا میں ہر شخص اپنا اپنا کام کر رہا ہے دیکھو خس و خاشاک پانی پر آتے ہیں اور اس پر غلبہ چلتے رہتے ہیں مگر وہ اپنے اس کام میں لگے رہتے ہیں مگر پانی اپنی اس روانی اور صفائی کو نہیں چھوڑتا بلکہ خس و خاشاک بھی اس پر گذر جاتے ہیں اور وہ اسیطرح صفائی کے ساتھ گزرتا ہوا چلا جاتا ہے وہ اپنے کام میں ہے اور خس و خاشاک اپنے کام میں آگے اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

خس خسانہ الخ۔ یعنی خس تو کمینوں کی طرح پانی پر چلا جاتا ہے اور پانی (اسیطرح) صاف و شفاف بغیر کسی رکاوٹ کے چلتا رہتا ہے آگے اس مضمون کو ایک اور مثال سے واضح کرتے ہیں کہ۔

مصطفےٰ مہ الخ۔ یعنی مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم آدھی رات کو چاند کے دو ٹکڑے کر رہے تھے اور ابولہب کینہ کی وجہ سے بیہودہ بک رہا تھا پس وہ اپنے کام میں مشغول تھے اور بولہب اپنے کام میں آگے دوسری مثال ہے کہ۔

آن مسیحا مردہ الخ۔ یعنی ادھر عیسیٰ علیہ السلام تو مردہ کو زندہ فرما رہے تھے اور ادھر یہودی غصہ کی وجہ سے اپنی مونچھیں اکھاڑتا تھا کہ افسوس انکا معجزہ ظاہر ہو رہا ہے اور انکی سچائی ظاہر ہوتی ہے یہاں بھی اسی مضمون کی توضیح و تشریح ہے کہ ہر شخص اپنے اپنے کام میں ہے اسیطرح یہاں شیخ مشاہدہ جمال میں تھے اور وہ لوگ انکو برا بھلا کہہ رہے تھے لیکن انکو اسکی پرواہ بھی نہ تھی آگے مولانا فرماتے ہیں کہ جب کتوں کی آواز چاند تک نہیں پہونچتی تو پھر خاصان الٰہی تک ان سگان دنیا کی آواز کہاں اثر کر سکتی ہے فرماتے ہیں کہ

بانگ سگ الخ۔ یعنی کتوں کی آواز کہیں چاند تک پہونچتی ہے خاص کر اس چاند تک جو کہ خاصان الٰہی میں سے ہو مطلب یہ کہ جو مقربان الٰہی ہوتے ہیں ان کے قلب تک ان کدورات کا گذر ہی نہیں ہوتا تاکہ ان کو مشاہدہ سے باز رکھیں بلکہ انکو اس طرف التفات بھی نہیں بس وہ تو اس طرف متوجہ ہیں اور خوش ہیں آگے اسکی مثال دیتے ہیں کہ۔

مے خورد شہ الخ۔ یعنی بادشاہ ندی کے کنارے پر صبح تک سماع میں اور میخواری میں رہتا ہے اور مینڈکوں کی آواز سے بے خبر ہوتا ہے چونکہ اکثر عیش و طرب کے جلسے ایسے پر فضا مقامات پر ہوتے ہیں اسلئے یہاں لب جو کہدیا مطلب یہ کہ دیکھو بادشاہ رات بھر عیش و طرب میں مشغول رہتا ہے اور اس کے پاس ہی مینڈک بولتے ہیں مگر اسکو اس وجہ سے کہ محویت دوسری طرف ہوتی ہے مینڈکوں کی آواز کی خبر بھی نہیں ہوتی اسیطرح جو لوگ مقربان خدا ہیں جب وہ مشاہدہ میں محو اور مستغرق ہوتے ہیں تو انکو بھی ان اہل دنیا کے طعن و تشنیع کی خبر نہیں ہوتی۔ آگے پھر رجوع اس حکایت کی طرف فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

ہم شدے توزیع کودک دانگ چند	ہمت شیخ آن سخا را کرد بند
تا کسے ندہد بکودک ہیچ چیز	قوت پیران ازان بیش است نیز
شد نماز دیگر آمد خادمے	یک طبق بر سر ز پیش حاتمے

صاحب مالے و حالے پیش پیر | ہدیہ بفرستاد کز وے بد خبیر
چار صد دینار بر گوشہ طبق | نیم دینارے دگر اندر ورق
خادم آمد شیخ را اکرام کرد | وان طبق بنہاد پیش شیخ فرد
چون طبق پوش از طبق برداشت او | خلق دیدند آن کرامت را ازو
آہ و افغان از ہمہ برداشت و | کاے سر شیخان و شاہان این چہ بود
این چہ سر ست این چہ سلطانی ست باز | اے خداوند خداوندان راز
ما ندانستیم ما را عفو کن | بس پراگندہ کہ رفت از ما سخن
ما کہ کورانہ عصاہا مے زنیم | لاجرم قندیلہا را بشکنیم
ما چو کران ناشنیدہ یک خطاب | ہرزہ گویان از قیاس خود جواب
ما ز موسے پند نگرفتیم کو | گشت از انکار خضرے زرد رو
با چنان چشمے کہ بالا مے شتافت | نور چشمش آسمان را مے شگافت
کردہ با چشمت تعصب موسیا | از حماقت چشم موش آسیا
شیخ فرمود آن ہمہ گفتار و قال | من بحل کردم شما را آن جدال
سر آن این بود کز حق خواستم | لاجرم بنمود راہ راستم
گفت این دینار اگرچہ اندک ست | لیک موقوف غریو کودک ست
تا نگرید کودک حلوا فروش | بحر بخشائش نمی آید بجوش

اِس لڑکے کے لیے چند دانگ کا چندہ ہو سکتا تھا اور لوگون نے ایسا کرنا بھی چاہا مگر شیخ کی ہمت عالی نے اِس سخاوت کو روک دیا اور ممانعت کر دی کہ کوئی شخص اِس لڑکے کو کچھ نہ دے یہ تو ان لوگون کے نزدیک ادنیٰ بات ہے اِن حضرات کی ہمت عالی تو اِس سے بھی کہین ارفع و اعلیٰ ہے۔ الغرض نماز عصر ہو چکی تو ایک خادم کسی سخی کے یہان سے ایک طبق سر پر رکھے ہوے آیا۔ بات یہ تھی کہ ایک شخص دولتمند بھی تھے اور صاحب حال بھی اور اِن بزرگ سے واقف اور اِن کے شناسا بھی تھے انہون نے پیر صاحب کے یہان ہدیہ بھیجا تھا اور اِس ہدیہ کی تفصیل یہ تھی کہ طباق کے اندر چار سو دینار تھے اور ایک طرف کو نصف دانگ ایک پڑیا مین بند کر رکھا تھا وہ خادم آیا اور شیخ کی خدمت مین آداب بجا لایا اور اس خوان کو شیخ یکتائے روزگار کے سامنے رکھ دیا جب شیخ موصوف نے اس پر سے خوان پوش اُٹھایا تو لوگون نے انکی کرامت مشاہدہ کی اِس پر سب نے اپنی حرکات ناشایستہ پر نادم ہو کر گریہ و زاری شروع کر دی جب ہوش آیا تو دریافت کیا کہ حضرت یہ کیا بات تھی اِس پریشان کرنے مین کیا راز تھا اور اِس کے بعد اِس تصرف مین کیا حکمت تھی پہلے ہی آپ نے ایسا کیون نہ کیا اِس کے بعد معذرت کی کہ حضرت ہم واقف نہ تھے ہمین معاف فرمایئے ہم سے بہت کچھ خرافات سرزد ہوئی ہے جس پر ہمکو بہت ندامت ہے اصل بات یہ ہے کہ ہم اندھون کی طرح لاٹھی مارتے ہین۔ اِسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم قندیلون کو جو نا قابل شکستن ہین

توڑ ڈالتے ہیں یعنی ہم اپنی لکڑ توڑ اور ناز یبا باتون سے کبھی کبھی اپنی نادانی سے اہل اللہ کے قلوب صافیہ کو بھی صدمہ پہونچا بیٹھتے ہیں ہماری حالت یہ ہے کہ بہرون کی طرح بات تو سنتے نہیں اور اپنے اختراعی سوال کا جواب دینے لگتے ہیں پس وہ جواب سوال از آسمان اور جواب از ریسمان کا مصداق ہوجاتا ہے غرض کہ ہماری حرکات بالکل بے تکی اور بے محل ہین افسوس ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ سے بھی سبق حاصل نہ کیا۔ کہ وہ باایں ہمہ عظمت وشان اپنے سے کم رتبہ حضرت خضر پر اعتراض کر کے خفیف ہوے تھے۔ پس ایسی حالت مین ہمکو کب زیبا تھا کہ ہم اپنے سے کہین ارفع واعلے پر اعتراض کرین۔ اے شیخ مثل موسے آپکی اس آنکھ کے ساتھ جو اوپر کو جاتی ہے اور جسکی نظر آسمان کے پار ہوتی ہو چلی کے چوہے (یعنی ہماری آنکھ) نے حماقت سے تعصب کیا اور اپنے کو اس سے بڑھ کر سمجھا جس کا ہمین افسوس ہے ہے شیخ نے فرمایا کہ اِس سب گفتگو اور جھگڑے کو مین نے معاف کیا اسکا راز یہ تھا کہ مین نے حق سبحانہ سے درخواست کی تھی کہ اے اللہ تو کہین سے ادائگی قرضہ کا انتظام کردے تو اسنے مجھے ایک راہ راست موصل الی المطلوب دکھلایا اور فرمایا کہ دینار گو کوئی حیثیت نہین رکھتے مگر انکا ملنا حلوا فروش لڑکے کے رونے پر موقوف ہے جب تک وہ لڑکا نہ روئیگا ہمارا بحر کرم جوش مین نہ آئیگا۔

شرح شبیری ہم شدے الخ۔ یعنی اُس لڑکے کے حصہ کے موافق تھوڑا چندہ بھی ہوسکتا تھا **الخ** مگر شیخ کی ہمت نے اِس سخاوت کو بند کردیا شیخ نے سب کو چندہ کرنے سے روک کر فرمایا کہ۔

تاکسے ندہد الخ۔ یعنی کوئی شخص لڑکے کو ہرگز کچھ نہ دے (بلکہ اِسکو مین خود دونگا اور یہ اِس لیے تھا کہ شیخ کو معلوم تھا کہ اِس کے اِس رونے مین ہی مصلحت واسرار ہین آگے مولانا فرماتے ہین کہ) پیرون اور شیخون کی قوت (توکل) تو اِس سے بھی کہین زیادہ ہوتی ہے (سو اگر یہان انکو خدا پر بھروسہ تھا تو کچھ تعجب کی بات نہین) بس جبکہ خوب یہ چپقلش ہو رہی تھی اور سب کہہ رہے تھے کہ ایک تو ہمارا مال کھا گئے پھر اِس غریب بچے کا بھی مال کھا گئے اور وہ بچہ رو رہا تھا اُس کو روتے روتے عصر کا وقت ہولیا تھا کہ اِس سارے قصہ کا ظہور ہوا اور۔

شد نماز الخ۔ یعنی نماز عصر ہوگئی تو ایک خادم کسی سخی کے پاس سے ایک طبق سر پر رکھے ہوے آیا۔ صاحب مالے وحالے الخ۔ یعنی ایک صاحب مال وحال نے پیر کے پاس ہدیہ بھیجا تھا اسلیے کہ وہ انکی حالت سے خبردار تھا کہ یہ مقروض رہا کرتے ہین لیکن تعجب یہ تھا کہ شیخ پر جس قدر قرض تھا اُسی مقدار مین اُسنے بھیجا تھا کہ اُس حلوا فروش کے دام بھی الگ رکھ دیے دیکھو اگر کسی کو کوئی دس روپیہ دیدے تو اِس قدر تعجب نہین لیکن اگر دس روپیہ اور ایک دونی دے تو یہ بہت ہی عجیب ہے کہ یہ دونی کیسی اِسی طرح اُس نے بھی چارسو دینار بھیجے اور وہ نصف دینار بھی بھیجا جیسا کہ آگے معلوم ہوگا فرماتے ہین کہ۔

چارصد دینار الخ۔ یعنی چارسو دینار تو طبق کے ایک گوشہ مین رکھے ہوے اور آدھا دینار

ایک کاغذ مین لپٹا ہوا ہیان یہ شبہ نہ ہو کہ اُس سخی آدمی کو یہ معلوم ہو گا کہ شیخ پر چار سو دینار قرض ہین اور اس
حلوا فروش کا قصہ بھی معلوم ہو گا لہذا اُس نے اسیطرح بھیجے اِس لیے کہ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اُسکو اسکی
کچھ خبر نہ تھی بلکہ حق تعالےٰ نے ہی اُس کے دلمین یہ ڈال دیا کہ چار سو دینار اور نصف دینار بھیجدو اور کاغذ
مین اِس لیے لپیٹ کر بھیجا کہ اُن دیناروں مین مل نہ جاوے جیسا کہ اب بھی دستور ہے کہ دونی چونی وغیرہ
کو کاغذ مین لپیٹ دیتے ہین اسیطرح وہ بھی کاغذ مین لپیٹ دیے ہونگے پس وہ خادم آیا اور۔

خادم آمد شیخ را الخ۔ یعنی وہ خادم آیا اور شیخ کا اکرام کیا (یعنی سلام و مصافحہ وغیرہ کیا) اور اُس طبق کو اُس
شیخ فرد کے سامنے رکھدیا۔

چون طبق پوش الخ۔ یعنی جب سرپوش طبق سے اُٹھایا تب لوگون نے اُنکی کرامت دیکھی کہ جس قدر
قرض تھا اُتنا ہی بنا تلا آیا ہے جب سمجھے کہ اللہ اکبر یہ تو بہت ہی بڑے بزرگ ہین اور اُسوقت ہر طرف
شور و غل اُٹھا اِسی کو فرماتے ہین کہ۔

آہ و افغان الخ۔ یعنی سب سے آہ و فغان نکلی (اور کہنے لگے کہ) اے شیخون اور شاہون کے سردار
یہ کیا تھا اور۔

این چہ سراست الخ۔ یعنی یہ کیا بھید ہے اور آخر یہ کیا سلطانی ہے اے رازدانون کے آقا کچھ تو
فرمائیے) اور عرض کرنے لگے کہ۔

ما ندانستیم الخ۔ یعنی ہم (آپکی قدر) نہ جانتے تھے ہمکو معاف فرمائیے اور ہم سے بہت پریشان اور بیہودہ
باتین صادر ہوئی ہین اور عرض کرنے لگے کہ۔

ما کہ کورانہ الخ۔ یعنی ہم کہ اندھون کی طرح لاٹھی مارتے ہین بیشک بہت سی قندیلون کو توڑتے ہین مطلب یہ کہ
ہم جو سخت باتین کہتے ہین اور لٹھ سا مارتے ہین اِس سے بہت سے قلوب اولیا کو جو قندیل کی طرح روشن
و منور ہین توڑتے ہین مگر کیا کرین اندھے ہین اور کہنے لگے کہ۔

ما چو کران الخ۔ یعنی ہم بہرون کی طرح ہین کہ (دوسرے کی) ایک بات بھی نہین سُنتے اور اپنے ہی قیاس سے
بیہودہ جوابات دیتے ہین اور بیہودہ بکتے ہین آگے اپنے کو موسیٰ علیہ السلام سے اور شیخ کو خضر سے تشبیہ
دیکر فرماتے ہین کہ جب موسےٰ جیسے جلیل القدر نبی بھی اپنے سے ایک ادنیٰ آدمی کے اسرار کو نہ سمجھ سکے تو اگر
ہم آپ کے اسرار نہ سمجھے تو کیا عجب ہے پس کہتے ہین کہ۔

ما ز موسےٰ الخ۔ یعنی ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے نصیحت حاصل نہ کی کہ وہ خضر علیہ السلام کے انکار سے
(کہ وہ اُن سے درجہ مین کم تھے) شرمندہ ہوے تو پھر آپ کے اسرار ہم کیسے سمجھ سکتے تھے حالانکہ آپ ہم سے
درجہ مین بھی افضل و اعلےٰ تھے آگے اپنے کو تو موش آسیا سے تشبیہ دیتے ہین اور اُن کو موسیٰ علیہ السلام
سے تشبیہ دیتے ہین کہ۔

با چنان چشم الخ۔ یعنی باوجود ایک ایسی آنکھ کے کہ جو اوپر کو دوڑتی تھی اور اُس آنکھ کا نور آسمانون کو پھاڑ کر
گذر جاتا تھا اے موسےٰ آپکی آنکھ کے ساتھ حماقت کی وجہ سے ایک چکی کے چوہے نے تعصب کیا

یہان باچشمت مین وضع مظہر موضع مضمر ہے اور کردبا چشمت مین کرد کی ضمیر ہے چشم موش آسیا کی طرف جو کہ لفظاً دوسرے مصرعہ مین مذکور ہے اور رتبۃً مقدم ہے اور عبارت یون ہوگی کہ موسیا از حماقت چشم موش آسیا باچشمت تعصب کرد اب مطلب یہ ہوگیا کہ ہم لوگ جو کہ موش آسیا کی طرح اندھے ہین اور حقیقت مین نہین آپ سے (کہ موسے علیہ السلام کی طرح ہین اور علوم اور انوار کی تجلی آپ پر ہوتی ہے اور جمال حق کا مشاہدہ کرتے ہین) مقابلہ کیا اور اسرار کو نہ سمجھا کہ اس سارے قصہ مین کیا بھید ہے لہذا اب خدا کے لیے ہمین اس بھید سے آگاہ فرما دیجئے آگے شیخ نے جواب دیا اور فرمایا کہ۔

شیخ فرمود الخ۔ یعنی شیخ نے فرمایا کہ وہ ساری باتین اور لڑائی جھگڑا مین نے تمکو معاف کیا۔

راز آن الخ۔ یعنی اور اس کا راز یہ تھا کہ حق تعالے سے مین نے دعا کی تھی آخر کار اُنھون نے مجھے سیدھی راہ دکھا دی اور ارشاد ہوا کہ۔

گفت این دینار الخ۔ یعنی ارشاد ہوا کہ یہ دینار اگرچہ تھوڑے ہی ہین لیکن (ہمارے علم مین انکا ملنا) ایک بچے کے رونے پر موقوف ہے۔

تا نگرید الخ۔ یعنی جب تک کہ حلوا فروش لڑکا نہ رویگا اُسوقت تک دریاے بخشائش جوش مین نہ آویگا پس جب کہ یہ ارشاد ہوا تو اُسکو اس ترکیب سے رولایا اور پھر دیکھ لو اُسکا ثمرہ بھی بہت جلد معلوم ہوگیا اور بحر بخشائش جوش مین آگیا اور عطا شروع ہوگئی آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

اے برادر طفل طفل چشم تست ❊ کام خود موقوف زاری دان نخست

کام تو موقوف زاری دلست ❊ بے تضرع کامیابی مشکل ست

گر ہمیخواہی کہ مشکل حل شود ❊ خار محرومی بگل مبدل شود

گر ہمیخواہی کہ آن خلعت رسد ❊ پس بگریان طفل دیدہ بر جسد

یہان سے بطور نتیجہ کے نصیحت فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ اے بھائی تو اپنے کو بھی بمنزلہ کودک حلوا فروش کے سمجھ۔ اور اپنے مقصد کو اسکی گریہ و زاری پر موقوف جان۔ علی ہذا تو اپنے دل کو بھی بمنزلہ کودک حلوا فروش کے سمجھ کیونکہ تیرا مقصد اُسکی اشکباری پر بھی موقوف ہے اور جب تک تضرع نہ ہوگا اُسوقت تک کامیابی دشوار ہے پس اگر تو چاہتا ہے کہ تیری مشکل حل ہو جاوے اور محرومی کا خار کامیابی کے گل سے بدل جاوے اور اگر تو یہ چاہتا ہے کہ خلعت خوشنودی حق سبحانہ تجھے عطا ہو تو تو اپنے طفل چشم کو اپنے جسم کی تباہی پر اور اُس کے اصلاح کے لیے رولا تاکہ وہ شہوات نفسانیہ اور صفات بہیمیہ سے پاک ہو اچھا ایک قصہ سُن جس سے تجھے معلوم ہو کہ رونا کس قدر ضروری چیز ہے۔

شرح شبیری اے برادر طفل الخ۔ یعنی اے بھائی (تمھارے پاس) طفل تمھاری آنکھ ہے پس حصول مقصد کو اسکی زاری کا موقوف سمجھو کہ جب یہ رووے گی اُس وقت

مقصد حاصل ہوگا اور اگر آنکھ سے آنسو نہین نکلتا تو اُسکی تدبیر بتلاتے ہین کہ۔
کار ہا موقوف الخ۔ یعنی (اصل مقصود تو زاری قلب ہے پس) اپنے مقصد کے حصول کو زاری قلب پر موقوف سمجھو اور بے تضرع اور زاری کیے ہوے تو کامیابی مشکل ہے لہٰذا اگر آنکھ سے نہ رو وے تو قلب سے تو رو وے کہ یہ تو ممکن ہے آگے فرماتے ہین کہ اگر مقصد کا حاصل ہونا چاہتے ہو تو اُسکی تو یہ ہی تدبیر ہے فرماتے ہین کہ۔
گر ہمی خواہی الخ۔ یعنی اگر تو چاہتا ہے کہ مشکل حل ہوجاوے اور خار محرومی گل (حصول مقصد) سے مبدل ہوجاوے اور اگر چاہتے ہو کہ وہ خلعت حصول تم کو حاصل ہوجاوے تو اس طفل آنکھ کو اپنے جسم پر رُلا۔ مطلب یہ کہ اگر تم چاہتے ہو کہ مقصود قرب الی الحق میسر ہو تو اپنی آنکھ کو اپنی خواہشات نفسانی پر رُلا دُ۔ اور اُن سے بچو اور تو یہ کرو پھر دیکھو کہ قرب حق میسر ہوتا ہے کہ نہین جب تم رو ؤ گے تو انشاء اللہ بحر بخشش ضرور جوش مین آویگا ف درس کے وقت اِس قصہ پر یہ اشکال ظاہر کیا گیا کہ شیخ نے اِس طفل کو بلا ضرورت ایذا پہونچائی۔ جیسا اُسکا رونا اِسکی صاف دلیل ہے۔ اور یہ غیر مشروع ہے اور الہام کی بنا پر یہ غیر مشروع کا ارتکاب ناجائز ہے۔ اور اِس کے ساتھ ہی احادیث نہی اخذ عصا لاعبًا یا جادًا و نہی عن ایذاء ہ یہ اعتبار مزاح پر بھی بحث ہوئی۔ اِس کے جواب مین مختلف رائین ظاہر کی گئین۔ چنانچہ مولوی حبیب احمد صاحب نے اپنی رائے ذیل کی عبارت مین ظاہر کی وھو ہذا
(۱) حرمت اخذ مال غیر کی دو قسمین ہین (۱) بحق اللہ (۲) بحق العبد۔ حرمت اولے رضاء عبد سے مرتفع نہین ہوسکتی۔ اور حرمت ثانیہ رضاء عبد سے مرتفع ہوجاتی ہے۔ اور رضاے عبد کی تین صورتین ہین اول یہ کہ وقت اخذ صراحۃً متحقق ہو دوم یہ کہ وقت اخذ دلالۃً موجود ہو سوم یہ کہ وقت اخذ نہ تو صراحۃً موجود ہو اور نہ دلالۃً۔ بلکہ بعد مین حاصل کیجاوے۔ پہلی صورت مین آخذ ابتداہی سے عاصی نہ ہوگا۔ دوسری صورت کی دو صورتین ہین۔ اول یہ کہ آخذ کو کسی معقول وجہ کی بناء پر اعتماد ہو کہ اگر مالک کو اپنے مال کے ضائع ہونے کا علم ہوا ور اس وقت تک یہ علم نہ ہوا کہ فلان شخص نے لیا ہے۔ اور بعد کو اِسکا علم بھی ہوا تو گو اِس صورت کو واقعہ کے علم سے پہلے ناگواری اور نارضامندی لاحق ہو۔ مگر بعد علم کے نہ اِس سے ناراض ہوگا کہ تونے بلا اجازت لیا کیون۔ اور نہ اِس سے کہ لیا تھا تو اچھا کیا۔ مگر ہم کو اطلاع کیون نہ دی بلکہ ہر دو امور کو بخوشی گوارا کریگا۔ دوسرے یہ کہ وہ جانتا ہے کہ بعد علم اخذ میرا لے لینا تو ناگوار نہ ہوگا مگر اطلاع نہ کرنا ناگوار ہوگا۔ پہلی صورت مین ہر دو امر کا وقت اخذ بھی دلالۃً اذن ہے اِس لیے آخذ نہ تو اخذ کے سبب گنہگار ہوگا اور نہ عدم اطلاع ہی کے باعث۔ اور جہل بحقیقۃ الحال سے جو اذیت لاحق ہوئی ہے وہ کالعدم سمجھی جاویگی کیونکہ گو آخذ اپنی عدم اطلاع کے سبب اِس تکلیف کا باعث ہوا مگر چونکہ وہ اِس فعل مین بالدلالۃ ماذون تھا لہٰذا وہ تکلیف بھی بالدلالۃ اذن مرضی ماذون ہوگی۔ اور تحمل تکلیف پر بھی اِسکی رضامندی متحقق ہوگی۔ دوسری صورت مین اذن اخذ تو دلالۃً ثابت ہوگا مگر اذن عدم اطلاع نہ ہوگا۔ لہٰذا اخذ کے سبب تو ابتدا ہی سے گنہگار نہ ہوگا۔ مگر عدم اطلاع کے سبب ضرور گنہگار رہوگا۔ تیسری صورت مین وقت آخذ

تو گنہگار رہیگا مگر بعد حصول رضا گناہ مرتفع ہو جائیگا۔

(۲) حرمت ایذا کی بھی دو قسمین مین (۱) بحق اللہ (۲) بحق العبد۔ حرمت اولے رضاء عبد سے مرتفع نہین ہوسکتی اور حرمت ثانیہ مرتفع ہوسکتی ہے اور رضاے عبد کی تین قسمین ہین اول یہ کہ وقت ایذا صراحۃً رضا متحقق ہو۔ دوم یہ کہ وقت ایذا رضاء دلالۃً متحقق ہو۔ تیسری یہ کہ وقت ایذار تو رضاء نہ صراحۃً متحقق ہو نہ دلالۃً۔ مگر ایذا ر رضامندی حاصل کرلیجاوے۔ پہلی صورت مین وقت ایذا ہی گنہگار نہ ہوگا اور دوسری صورت مین بھی وقت ایذا ہی سے گنہگار نہ ہوگا لتحقق الاذن اما صراحۃً او دلالۃً۔ اور تیسری صورت مین اولاً گنہگار ہوگا مگر بعد حصول رضا گناہ باقی نہ رہیگا مثلاً سوتے کو جگا دینا ضرور ایذا ہے اور ممنوع بھی ہے۔ لیکن جب سونے والے کی طرف سے صراحۃً اذن ہوا اور اُس نے کہدیا ہو کہ تم کو اجازت ہے جسوقت تم چاہو مجھے جگا سکتے ہو۔ تو اسکو اُٹھا دینے مین کوئی گناہ نہین خواہ اُسکو اُٹھنے مین طبعاً تکلیف ہو۔ یا اِس وجہ سے کہ وہ نہین جانتا کہ جگانیوالا ماذون ہے کیونکہ اِس تکلیف کے تحمل پر وہ صراحۃً رضامند ہوچکا ہے اور اگر کسی نے اپنی کسی غرض سے اپنے باپ یا بھائی یا کسی اور ایسے شخص کو جسکی نسبت اُسکو اعتماد ہو کہ وہ میرے اِس فعل سے اصلاً ناخوش نہ ہوگا گو اُسکو طبعاً تکلیف ہو یا اِس وجہ سے کہ وہ یہ نہین جانتا کہ جگانیوالا یہ ہین ہون یا میرے جگانے کی غرض سے واقف نہین اِس لیے ابتداءً ناخوش ہو مگر بعد علم وہ ناخوشی مبدل بہ رضا ہو جائیگی) جگایا تو یہ گناہ نہین اِس لیے کہ دلالۃً اِس جگانے کا بھی اذن ہے اور اِسکی وجہ سے جو تکلیف ہو اُسپر بھی رضا ہے۔ اور اگر کسی ایسے شخص کو سوتے سے جگانے جسکی بابت مذکورہ بالا اطمینان حاصل نہین تو یہ جائز نہین لعدم الاذن والرضاء اور ایسا کرنے والا عاصی ہوگا۔ مگر معافی کے بعد گناہ مرتفع ہو جائیگا۔

(۳) حرمت مزاح کی بھی دو صورتین ہین (۱) بحق اللہ اما بالذات او بواسطۃ لافضائہ الی المحرم بحق اللہ۔ (۲) بحق العبد۔ حرمت اولے تو رضاے عبد سے مرتفع نہین ہوسکتی ان حرمت ثانیہ مرتفع ہوسکتی ہے۔ اور رضاے عبد کی تین صورتین ہین اول یہ کہ مزاح موذی کی صراحۃً اجازت حاصل ہو۔ مثلاً کہدیا ہو کہ تم کو ہر وقت یا کسی خاص وقت مین ایسے مزاح کی بھی اجازت ہے۔ جس سے یہ نہ جاننے کے سبب کہ مزاح کرنے والے تم ہو یا جو بات مزاحاً کہی گئی ہے اُسکا اصل مقصد نہ سمجھنے کے باعث یا جو کام مزاحاً کیا گیا ہے اُسکو جد پر محمول کرنیکی وجہ سے کچھ دیر کے لیے ہم کو ملال اور تکلیف ہو دوسری صورت یہ کہ دلالۃً اذن ہو یعنی مزاح کرنیوالا کسی معقول وجہ کی بنا پر یہ اعتماد رکھتا ہو کہ اگر مین فلان شخص سے مذاق کرونگا تو اُسکو اِس وجہ سے تو ضرور تکلیف اور ناگواری لاحق ہوگی کہ وہ کسی وجہ سے اسکو جد پر محمول کریگا۔ باوجودیکہ اسکو یہ علم ہی نہین کہ مین نے مذاق کیا ہے اسلیے وہ اسکو دوسرے کا فعل سمجھے گا۔ لیکن جب اُسکو حقیقت حال پر اطلاع ہوگی اور جان لیگا کہ جد نہین تھی بلکہ مزاح تھا یا یہ کہ مزاح کرنے والا فلان شخص ہے۔ تو فوراً وہ تکلیف اور ناگواری رفع ہو جاویگی اور اسکو یہ خیال بھی نہ ہوگا کہ اِسنے مجھے خواہ مخواہ پریشان کیا۔ تیسری صورت یہ کہ یہ دونون صورتین نہ ہون بلکہ اسکے فعل سے اُسکو ایذا بھی ہوا اور بعد علم بحقیقۃ الحال وہ ناگواری باقی بھی رہی اور اِس کے بعد اُسکی درخواست پر یا بلا درخواست رضامندی متحقق ہو جائے پہلی صورت کا جواز تو ظاہر ہے۔ دوسری صورت بھی جائز ہے۔ کیونکہ شخص مذکور کی

جانب سے مازح کو اس قسم کی تکلیف دینے کا دلالۃً اذن تھا اور وہ اُس کے تحمل پر دلالۃً رضامند تھا یہی وجہ ہے کہ جب اُس کو حقیقت حال پر اطلاع ہوتی ہے تو اُس کو یہ بھی خیال نہیں ہوتا۔ کہ مجھے بلا وجہ تکلیف دی گئی۔ فارتفع المحرم اِن دونوں صورتوں مین مازح ابتدا ہی سے گنہگار نہیں ہوتا۔ اور تیسری صورت مین ابتدا اگر تو گنہگار ہوتا ہے۔ مگر بعد حصول رضا گناہ مرتفع ہوجاتا ہے لعدم الرضا ابتداء و تحققہ بعد ذلک۔

(۴) جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا بڑھیا سے مزاح دلالۃً اذن کی بنا پر تھا گو اِسمین ایذا تھی مگر دلالۃً بڑھیا کی طرف سے اسکی تحمل کی رضا بھی تھی اور یہ کہنا کہ ایذا ہی نہیں تھی اور اس کے لیے اقترین القرآن کو قرینہ بنانا ٹھیک نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ ایذاء کا مطلقاً انتفا تو بڑھیا کے رونے ہی سے صحیح نہیں رہا جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا پیشتر سے یہ سمجھنا کہ یہ عورت اِس کلام کے مضمون کو سمجھ جائیگی اور اِس ابہام سے اسپر کچھ اثر نہ ہوگا۔ سو یہ غرض ابہام اور نفس مزاح ہی کو باطل کرتا ہے۔ بلکہ اِس سے مقصود اپنے کلام کے حق ہونے کا ثبوت اور اُس کے رنج کا ازالہ ہے۔ اور نصوص ممانعت مزاح یا تو قسم ثالث پر محمول ہیں یا محرم بحق اللہ پر۔ یا اُس مزاح پر جو موذی ہو۔ اور اِس کے لیے نہ وقت ایذاء رضا ہو اور نہ بعد ایذاء۔

(۵) جواز مزاح کے لیے مقدار ایذاء کی تعیین نہیں ہوسکتی۔ بلکہ اختلاف مواقع اور تفاوت مراتب تعلقات سے اسکی مقدار گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔ انتہیٰ تقریر المولوی حبیب احمد۔

تو اِس تقریر کی بناء پر شیخ کے فعل کی توجیہ یہ ہوئی کہ یہ ایذاء کی دوسری قسم تھی کہ اُن کو قرائن سے یہ معلوم تھا کہ یہ ناگواری دام ملنے سے مایوسی کے ساتھ مقید ہے۔ دام ملتے ہی اور یہ معلوم ہوتے ہی کہ یہ فعل اِس مصلحت سے تھا ناگواری جاتی رہیگی۔ پس ارتکاب غیر مشروع کا شبہ جاتا رہا اور صاحب درس کا مع بعض دوسرے مخصوصین کے اِس بحث مین ایک اور مسلک ہے کہ اگر ایذاء کے کسی درجہ کو بھی جائز نہ کہا جاوے۔ اور لا یاخذا احدکم عصا اخیہ الخ کو اطلاق ہی پر محمول رکھا جاوے تو حدیث عجوز مین یہ کہا جاویگا کہ یہ نہی عن الایذاء اسوقت ہے جب مازح کا پہلے سے یا تو قصد ہو یا علم ہو۔ اور یہان اِسکی کوئی دلیل نہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خیال فرمایا ہوگا کہ قرآن سے اِسکو حقیقت پر اطلاع ہے اور اِس لیے اِسکو مزاح سمجھکر خوش ہوگی پس آپ کا ایذاء کا قصد تھا اور نہ اِسکا علم تھا۔ مگر خلاف آپ کے خیال کے وہ ناواقف نکلی جب حضور نے اُس ناواقفیت کا اثر کہ بکا ہے مشاہدہ فرمایا اُس کو حقیقت پر مطلع فرما دیا تو اِس بناء پر شیخ کے فعل کی وہ توجیہ نہ ہوگی بلکہ کہا جاویگا کہ گو اُنکا یہ فعل قواعد پر منطبق نہ ہو لیکن چونکہ مسئلہ مجتہد فیہ و نظری ہے اُنکی راے موافق مسلک مذکور اولاً کے ہوگی پس تقریر ثانی کی بناء پر اُن سے خطاء اجتہادی ہوئی جس مین بجاے گناہ کے ایک ثواب ملتا ہے۔ و ہذا اسلم وان کان الاول عند البعض احکم واللہ اعلم۔

اشرف علی ۱۵ صفر ۱۳۲۶ھ ہجری

چونکہ اوپر سے گریہ کی فضیلت بیان فرمائی ہے اُسکی مناسبت سے اِس حکایت کو بیان فرماتے ہین

ترسانیدن شخصی زاہدے را کہ کم گری تا کور نشوی

شرح تبیبی

زاہدے را گفت یارے در عمل ❊ کم گری تا چشم را ناید خلل
گفت زاہد از دو بیرون نیست حال ❊ چشم بیند یا نبیند آن جمال
گر ببیند نور حق خود چہ غم ست ❊ در وصال حق دو دیدہ چہ کم ست
ور نخواہد دید او را گو برو ❊ این چنین چشم شقی گو کور شو

کسی زاہد نے اپنے ہم مشرب سے کہا کہ بھائی اتنا نہ رویا کرو تاکہ تمھاری آنکھوں میں نقصان نہ آجاوے تو اس زاہد نے کیا خوب جواب دیا کہ جناب دو حال سے خالی نہیں یا تو میری آنکھیں آخرت میں جمال حق کا مشاہدہ کرینگی یا نہیں اگر کرینگی تو پھر کیا پروا ہے اگر یہ جاتی رہیں وصال حق کے وقت جو قیامت میں دو آنکھیں مجھے ملینگی وہی کیا کم ہیں اور اگر دیدار حق سبحانہ اُنکی قسمت میں نہیں تو جانے دو بلا سے جاتی رہیں ایسی بدقسمت اور محروم آنکھوں کا تو اندھا ہونا ہی بہتر ہے پس اگر اندھی ہو جائیں تو ہو جانے دو اس کے بعد مولانا حسب عادت نصیحت فرماتے ہیں۔

غم مخور از دیدہ کان عیسی تراست ❊ چپ مرو تا بخشدت دو چشم راست
عیسی روح تو با تو حاضرست ❊ نصرت از وے خواہ کو خوش ناصرست
لیک بیگار تن پر استخوان ❊ بر دل عیسی منہ تو ہر زمان
ہمچو آن ابلہ کہ اندر داستان ❊ ذکر او کردیم بہر راستان
زندگی تن مجو از عیسیت ❊ کام فرعونی مخواہ از موسیت
بر دل خود کم نہ اندیشہ معاش ❊ عیش کم ناید تو بر درگاہ باش
این بدن خرگاہ آمد روح را ❊ یا مثال کشتی مر نوح را
ترک چون باشد بیابد خرگہے ❊ خاصہ چون باشد عزیزے درگہے

جب تجھے معلوم ہو چکا کہ طالب حق آنکھ کی کچھ پرواہ نہیں کرتے تو تو بھی آنکھ کی کچھ فکر نہ کر اور جس قدر رو سکے رو کیونکہ آنکھیں دینے والا تیرا یار ہے۔ پس اگر جاتی بھی رہیں اور تجھے ضرورت بھی ہو اور خواہش بھی ہو تو وہ پھر دیکتا ہے اور ٹیڑھا مت چل بلکہ صراط مستقیم پر قائم رہ اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ تجھکو راست اور حقیقت بین اور غلط بینی سے محفوظ دو آنکھیں عنایت کریگا جن سے تو حقائق کو علی ما ہی علیہ دیکھ سکے گا تیری روح کو حیات جاوید عطا کرنے والا تو تیرے ساتھ ہے بس تو اس کے ماسوا کو چھوڑ کر صرف اسی کو اپنا مددگار بنا اور اس سے مدد کی درخواست کر کہ وہ اچھا مددگار ہے اور ادھر اُدھر مت بھٹک۔ مگر ابھی ہڈیوں سے بھرے ہوئے جسم کی بے نتیجہ حیات و بقا کی اپنے جینے اور روح کو حیات ابدی بخشنے والے اور چشم حقیقت بین عنایت کرنیوالے حق سبحانہ سے ہر وقت درخواست مت کرنا جیسے اُس احمق نے حیات جسم مردہ کی حضرت عیسیٰ سے لغو درخواست کی تھی جسکا ہم اثنا قصہ میں ارباب طبع مستقیم کی عبرت کیلیے

ذکر کرچکے ہین بلکہ اصالۃً حیات روح کی درخواست کرنا اور اُس کے لیے آنکھین مانگنا اور اگر حیات روح کی غرض سے حیات واصلاح جسم کی بھی درخواست ہو تو کچھ مضائقہ نہین کیونکہ یہ بھی فی الحقیقۃ حیات روح ہی کی درخواست ہے۔ دیکھو ہم پھر کہتے ہین کہ اپنے عیسےٰ (حق سبحانہ) سے جو تجھ حیات روح عطا کرسکتے ہین حیات جسم کی درخواست ہرگز نہ کرنا اس لیے کہ جو جس کے شایان شان ہوتا ہے اس سے اسی کی درخواست کیجاتی ہے موسیٰ جنکا کام مقصد فرعونی کا ملیامیٹ کرنا ہے اُن سے مقصد فرعونی کی درخواست سراسر نازیبا ہے بس حق سبحانہ جن کے شایان شان روح پروری ہے ان سے تن پروری کی ہرگز درخواست نکرنا اور معاش کی فکر کا بار بھی اپنے دل پر نہ ڈالنا بس تو فقط اس شہنشاہ کی ڈیوڑھی پر حاضر رہ یعنی اس کی اطاعت اختیار کر تیرے لیے روٹیون کی کمی نہین جب کہ اصل معیشت کی یہ حالت ہے جس پر مدار حیات ہے تو اور چیزین یا غیر ضروری ہین انکی فکر تو محض لاطائل ہے یا ضروری ہین مگر رزق سے کم تو جو رزق کا انتظام کریگا وہ اِن ضروریات کو بھی پورا کریگا لہذا انکی فکر بھی بے سود ہے تو یون سمجھ کہ بدن روح کا خیمہ ہے جسکو حق سبحانہ نے روح کی مہمانی کے لیے قائم کیا ہے اور روح اسمین حق سبحانہ کی مہمان ہے تو جس جواد وغنی نے اُسکو اپنا مہمان بنایا ہے اور رہنے کے لیے خیمہ دیا ہے کیا وہ کھانا نہ دیگا ضرور دیگا چنانچہ وہ اپنے کلام پاک مین اطلاع بھی دے چکا ہے چنانچہ فرمایا ہے وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقہا یا بدن کو مثل کشتی کے سمجھ۔ اور روح کو مثل نوح کے۔ پس جس نے نوح علیہ السلام کو کشتی مین رزق پہنچایا تھا۔ جہان انکو کسب کی بھی قدرت نہ تھی کیا وہ روح کو بدن کے اندر غذا نہ دیگا بات یہ ہے کہ ہر چیز کے لیے اسکی ضروریات حاصل ہوتی ہین چنانچہ جب ترک ہوگا تو اُسکو خیمہ بھی ملیگا پھر جب کہ وہ مقرب بارگاہ شاہی بھی ہو تو بالاولےٰ اسکو خیمہ ملیگا پس اگر تو معمولی شخص ہے اور درگاہ حق سبحانہ کا مقرب نہین تب بھی سب ضروریات زندگی ملین گی چہ جائیکہ مقرب بارگاہ حق سبحانہ ہو اُسوقت تو بالاولےٰ تیرے لیے ضروریات فراہم کیجائینگی چونکہ اشعار مذکورہ مین ترغیب تھی حق سبحانہ سے حیات روح طلب کرنے کی اور حیات جسم کے متعلق درخواست نہ کرنیکی آگے حیات روح کے بجائے حیات جسم طلب کرنے کا ضرر بیان کرتے ہین اور اِس مناسبت سے قصۂ عیسیٰ علیہ السلام کی طرف رجوع فرماتے ہین ۔

شرح شبیری

ایک شخص کا ایک زاہد کو ڈرانا کہ کم رو کہین اندھے نہو جاؤ

زاہدے راالخ۔ یعنی ایک زاہد سے اُس کے ایک ہم مشرب یار نے کہا کہ رویا کم کرو تاکہ کہین آنکھ مین خرابی نہ آجاوے یہ سن کر اس زاہد نے جواب دیا اور خوب جواب دیا کہنے لگا کہ۔

گفت زاہد الخ۔ یعنی اُس زاہد نے کہا کہ دو حال سے خالی نہین یا تو اُس جمال کو (یعنی جمال حق کو) یہ آنکھ دیکھے گی یا نہ دیکھے گی پس اگر اُس جمال کو دیکھا تو ان کے جلتے رہنے کا غم نہین اسی کو کہتے ہین کہ

گر بہ بیند نور حق الخ۔ یعنی اگر نور حق کو دیکھا تب تو کچھ غم نہیں اور حق تعالےٰ کے وصال مین (اور اُسکی
آرزو اور حسرت مین اگر) دو آنکھین۔ (جاتی بھی رہین) تو کیا کم ہین مطلب یہ کہ اُس وصال کے سامنے تو اُنکی تو
کچھ بھی حقیقت نہین دو آنکھین ہین ہی کیا اور اگر اُس جمال کو نہ دیکھین گی تو پھر ان کا عدم وجود برابر بلکہ عدم
اونے ہے اسی کو فرماتے ہین کہ۔
ور نہ خواہد دید الخ۔ یعنی اور اگر جمال حق کو نہ دیکھی گی تو پھر تو اُس سے کہدو کہ جا ایسی بدبخت آنکھ سے تو کہدو
وہ اندھی ہو جاوے اور اُسکا اندھا ہو جانا ہی بہتر ہے لہٰذا اگر میرے اس رونے سے دیدار حق ہو اور اس وجہ
سے آنکھین اندھی ہو جاوین تب تو کچھ بھی غم نہین اُس کے وصال کے سامنے یہ دو آنکھین ہین ہی کیا اگر
لاکھون آنکھین بھی ضائع ہو جاوین اور وہ ملجاوے تو بس کافی ہے اور اگر اُس کے دیدار سے محروم ہین تو پھر
ان کو اندھا ہی ہو جانا چاہیے اور ایسی آنکھ اگر پھوٹ جاوے یہی بہتر ہے آگے مولانا فرماتے ہین کہ اس آنکھ
کے جاتے رہنے سے غمگین مت ہو اس لیے کہ۔
غم مخور الخ۔ یعنی ان آنکھون کا غم مت کھاؤ اس لیے کہ وہ عیسیٰ تو تمھارے ہین اور ٹیڑھے مت چلو تاکہ تمکو
وہ دو آنکھین درست عنایت فرماوے یہان عیسیٰ سے مراد حق تعالےٰ ہین اور تشبیہ صرف احیاء و شفاء بخشی مین ہے
کہ جسطرح عیسیٰ علیہ السلام مردہ کو زندہ فرما دیتے تھے اندھے اور زاد کو بھی اچھا کر دیتے تھے اسیطرح حق تعالےٰ
ہین تو پھر اگر آنکھین جاتی رہین تو کیا غم ہے وہ پھر درست فرما دین گے اور چونکہ یہ ضروری نہین کہ مشبہ بہ مشبہ سے
اکمل ہو اس لیے حق تعالےٰ کو عیسےٰ علیہ السلام سے تشبیہ دینے مین کوئی خرابی لازم نہین آتی جیساکہ خود قرآن شریف
مین ہے مثل نورہ کمشکوٰۃ فیہا مصباح پس دیکھو لو کہ نور شمع ناقص ہے اور نور حق کامل و اکمل ہے لیکن پھر بھی
مشکوٰۃ فیہا مصباح مشبہ بہ ہے اور حق تعالےٰ مشبہ ہین اسیطرح یہان بھی ہے۔ فلا اشکال آگے فرماتے ہین کہ
عیسیٰ روح الخ۔ یعنی تمھاری روح کا عیسےٰ (زندہ رکھنے والا) تمھارے ساتھ حاضر ہے اور موجود ہے تو تم اُس سے
مدد چاہو اس لیے کہ وہ بہت اچھا مدد کرنیوالا ہے۔ یہان عیسیٰ روح مین عیسیٰ سے مطلق محیی مراد ہے جیسے کہ حاتم
سے مطلق سخی مراد ہے پس مطلب یہ ہوا کہ حق تعالےٰ تو تیرے ساتھ ہین جیساکہ خود فرماتے ہین کہ نحن اقرب الیہ
من حبل الورید۔ پس باوجود اس قدر قرب کے پھر بھی تو اُس سے غافل ہے تو سخت تعجب ہے تجھ کو تو چاہیے
کہ اُس سے امداد چاہے اور حیات روح کے لیے اُس سے دعا کرے کہ یا الٰہی مجھکو حیات روح میسر فرما کہ جسکے
ذریعہ سے مین تیری معرفت حاصل کر سکون اور تجھ تک پہونچ سکون۔ مگر اُس سے اس تن ظاہری ہی
کی اصلاح کے لیے ہر وقت دعا مت مانگو بلکہ اُس سے تو اصلاح قلب اور حیات روح ہی کی دعا
کرو اسی کو فرماتے ہین کہ۔
لیک بیگار تن الخ۔ یعنی (اُس سے مدد چاہو دعا کرو) لیکن اس تن پر استخوان ہی کی بیگار اُس عیسیٰ کے
قلب پر مت ڈالو مطلب یہ کہ حق تعالےٰ سے نصرت چاہو اور دعا کرو کہ حق تعالےٰ تمھارے قلوب کی اصلاح
فرماوین لیکن اُس بدن کی تزئین و تحسین و تربیت ہی کی ہر وقت فکر مین مت لگے رہو اس لیے کہ یہ ایک بیگار
اور فضول ہے اسکی فکر ہی کیا اور دل عیسےٰ سے مراد دل حق تعالےٰ ہے اور دل کہدینا ایسا ہے جیساکہ

قرآن شریف مین ہے تعلم ما فی نفسی ولا اعلم ما فی نفسک۔ پس جس طرح وہان نفس کا اطلاق حق تعالےٰ پر صحیح ہے اسیطرح یہان دل کا اطلاق بھی صحیح ہے آگے اِس کے ایک مثال کی طرف اشارہ کرکے توضیح فرماتے ہین کہ
ہمچو آن ابلہ الخ۔ یعنی (تمھارا اِس تن خاکی کی اصلاح اور تزئین کی فکر کرنا) اُس بیوقوف کی طرح ہے کہ جسکا ذکر ہم نے راست لوگون کے واسطے ایک داستان مین کیا ہے (پس جس طرح اُس نے حقیقت سے غافل ہوکر احیاءِ جسم چاہا تھا اور نقصان اُٹھایا جیسا آگے معلوم ہوگا اسیطرح تم بھی حق سے دور اور خاسر ہوگے آگے پھر اِسی کی تاکید فرماتے ہین کہ ظاہری آرایش کو ترک کرو اور باطن کی طرف متوجہ ہو فرماتے ہین کہ۔
زندگی تن الخ۔ یعنی اپنے عیسیٰ (یعنی حق تعالےٰ) سے تن ظاہری ہی کی زندگی مت چاہو (بلکہ اِسکو تابع رکھو اصل مقصود حیات روحانی کو سمجھو) اور اپنے موسیٰ سے فرعونی مقصد مت چاہو اِس لیے کہ فرعون کا مقصود تو صرف ظاہر پرستی اور تن پروری تھا تو تم حق تعالےٰ سے اِسی مقصد کی درخواست کرو بلکہ اگر اِسکی دعا کرو بھی تو تبعاً اصل مقصود حیات روح ہی ہے آگے خدا پر بھروسہ رکھنا اور اصل زندگی روح ہی کی زندگی کو سمجھنا بیان فرماتے ہین کہ۔
بر دل خود الخ۔ یعنی اپنے دل پر معاش کا فکر کم رکھو (اس لیے کہ معاش سے تو صرف زندگی بدن ظاہری ہوتی ہے جو کہ اصل مقصود نہین ہے اصل مقصود حیات روح ہے لہذا) تم درگاہِ حق مین حاضر تو رہو (پھر دیکھو کہ) اِس عیش (ظاہری) مین بھی کمی نہ آویگی آگے اِسکی دلیل بتلاتے ہین کہ اگر تم درگاہ حق مین حاضر رہوگے تو عیش ظاہری مین ہی اِس لیے خلل نہین واقع ہو سکتا کہ۔
این بدن خرگاہ الخ۔ یعنی یہ بدن (ظاہری) روح کے لیے (مثل) ایک خیمہ کے ہے (تو جس نے خیمہ لگایا ہے وہی اُسکو درست بھی رکھیگا اور وہی اُسکی مرمت وغیرہ بھی کریگا تاکہ خراب نہ ہو جاوے کہ اُسکے خراب ہونے سے اُس شخص کو جس کے لیے خیمہ لگایا گیا ہے کلفت ہوگی پھر تمہین کیا فکر ہے اور) یا نوح علیہ السلام کی کشتی کی مثال سمجھو کہ جس نے نوح علیہ السلام کو کشتی دی ہے وہی اِسکی حفاظت بھی کرینگے اسیطرح جب روح کی حفاظت کے لیے بدن انسان مقرر ہوا ہے اور مقرر کرنے والے حق تعالےٰ ہین تو ضرور ہے کہ اُسکی حفاظت اور اُسکا تغذیہ وغیرہ بھی وہی فرماوینگے ہمکو کیا فکر ہے اور یہ امر مشاہد ہے کہ جس نے اللہ پر بھروسہ کیا اُسکو وہان سے ملا ہے کہ جہان سے گمان بھی نہ تھا اور اُس وقت اسکا مصداق معلوم ہوتا ہے ویرزقہ من حیث لا یحتسب پس چاہیے کہ خدا پر بھروسہ کرے اور اصلاح روح کی فکر مین لگے آگے اِسی کی ایک اور مثال فرماتے ہین کہ۔
تُرک چون باشد الخ۔ یعنی جب سپاہی ہوتا ہے تو اُسکو خیمہ وغیرہ ملتا ہے اور پھر خاص کر اُس کو جو کہ مقرب بارگاہ بھی ہو پس جس طرح کہ سپاہی اپنا نان ونفقہ بادشاہ کے ذمہ سمجھتا ہے اور اِسی پر مطمئن ہوکر خود کوئی فکر نہین کرتا تو اُس کو بادشاہ کی طرف سے کل سامان ملتا ہے اور وہ آرام سے رہتا ہے اور پھر اگر وہ سپاہی مقبول بارگاہ بھی ہو تب تو اُس کو ضروری سارا سامان ملیگا تو اسیطرح جو شخص حق تعالےٰ پر بھروسہ کرے اور یہ سمجھے کہ بس وہ خود روزی پہونچادیگا اور اپنے آپ فکر چھوڑ کر توکل علی اللہ کرے

اسکی حق تعالےٰ ضرور مدد فرادینگے اور وہ انشاء اللہ کبھی پریشان نہ ہوگا۔ یہان یہ شبہ ہوتاہے کہ ہم تو دیکھتے ہین کہ جو لوگ متوکل ہوتے ہین وہ بھی پریشان ہوتے ہین تو اس کو یون سمجھو کہ پریشانی اصل مین قلب سے ہوتی ہے اور پریشانی ظاہری جسکا اثر قلب پر نہ ہو اصل پریشانی نہین ہوتی پس جو اولیاء اللہ اور متوکل ہین ان کو حقیقی قلبی پریشانی کبھی نہین ہوتی ہان پریشانی ظاہری کہ مثلاً فاقہ ہوگیا بیٹا مرگیا وغیرہ وغیرہ پیش آتی ہین سو وہ پریشان نہین ہے اسکی ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی ملازم کسی نواب کے یہان ہے اور اُس کو علاوہ تنخواہ کے روٹی بھی ملتی ہے مگر روزانہ کھانا دس بجے آجاتا تھا اور آج بارہ بج گئے ہین مگر ابھی تک کھانے کا پتہ نہین تو اس وقت اُن سے دریافت کیا جاوے کہ بھائی بارہ بج گئے اور روٹی نہین آئی تو تم کچھ اور فکر کرو تو وہ بھی کہے گا کہ روٹی ضرور آویگی لیکن آج کسی خاص مصلحت سے دیر ہوگئی ہے جسکا مجھے علم نہین تو اگرچہ اُسکو بظاہر بھوک لگ رہی ہے مگر اُسکا قلب مطمئن ہے کہ ضرور کھانا ملیگا بس یہی حال ان حضرات متوکلین کے فاقہ اور پریشانی ظاہری کا ہے خوب سمجھ لو۔ اور یہان یہ مت سمجھ جانا کہ بس پھر کیا ہے توکل کرکے اسباب کو ترک کرکے بیٹھ رہین خدا دیگا یہ سمجھنا بہت بڑی غلطی ہے۔ اس لیے کہ دیکھو حدیث مین ایک بدوی کا قصہ ہے کہ اُس نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مین اونٹ کو باندھ کر پھر خدا پر بھروسہ رکھون کہ میرا اونٹ گم نہ ہوگا یا مطلق العنان چھوڑکر پھر بھروسہ کرون ارشاد ہوتاہے کہ اِعقل وتوکل یعنی اُس کو باندھ دے اور پھر توکل کر۔ اِس لیے کہ اگر تم نے اُسکو باندھ بھی دیا تو پھر بھی تو خدا ہی اُسکی حفاظت کرتاہے ورنہ چور کھول کر لیجاوین خود رسی توڑکر بھاگ جاوے وغیرہ پس اسیطرح جو اسباب شریعت نے انسان کو بتلا دیے ہین اُنکا ارتکاب ضروری ہے بعد ارتکاب اسباب بھی تو اُس فعل کا مرتب کردینا حق تعالیٰ ہی کا کام ہے تمھارے بادا کا اجارہ ہے کہ جب تم اسباب کا ارتکاب کرلیا کرو تو اُسپر ضرور اثر مرتب ہو ہی جایا کرے اثر کا مرتب فرمادینا تو فعل حق تعالےٰ کا ہے اُسی پر بھروسہ رکھو اب معلوم ہوا کہ اسباب کا ارتکاب کرے اور پھر بھی حق سبحانہ تعالےٰ ہی پر بھروسہ رکھے اور بعض جگہ جو سنا گیا ہے کہ کسی بزرگ نے بالکل ترک اسباب کردیا اور اُن کے لیے غیب سے کھانے وغیرہ آتے تھے یہ اُنکی خصوصیت ہے اور کرامت ہے ؎ کار پاکان را قیاس از خود مگیر ✤ گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر ✤ خوب سمجھ لو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ادہر چونکہ زاہد کے قصہ کے ضمن تمثیلاً اشارہ کیا تھا اُس رفیق عیسےٰ علیہ السلام کے قصہ کی طرف لہذا اب اُس قصہ کو پورا فرماتے ہین۔

شرح حبیبی

تمامی قصہ زندہ شدن استخوان بدعاے عیسی علیہ السلام

چونکہ عیسےٰ دید کان ابلہ رفیق	جز کہ استیزہ نمیداند طریق

مے نہ گیرد پند را از ابلہی | نجل سے پندارد او از گمرہے
خواند عیسے نام حق بر استخوان | از برائے التماس آن جوان
حکم یزدان از پئے آن خام مرد | صورت آن استخوان را زندہ کرد
از میان بر جست یک شیر سیاہ | پنجہ بر زد کرد نقشش را تباہ
کلہ اش بر کند مغزش ریخت زود | ہمچو جوزی کاندرو مغزی نبود
گر ورا مغزے بدے ز اشکستنش | خود نبودے نقص الا بر تنش
گفت عیسیٰ چون شتابش کوفتی | گفت زانرو کہ تو زو آشوفتی
گفت عیسیٰ چون نہ خوردی خون مرد | گفت در قسمت نبودم رزق خورد

جبکہ عیسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ یہ احمق ساتھی لجاج وجدال کے سوا کوئی اور طریق جانتا ہی نہیں اور اپنی حماقت سے مفید اور سودمند بات کو مانتا ہی نہیں۔ بلکہ میری اس پہلوتہی اور معذرت کو وہ احمق بخل سمجھتا ہے تو اسکی درخواست کے سبب ان ہڈیوں پر اسم حق سبحانہ پڑھا اسپر حق سبحانہ کے حکم سے اس نادان آدمی (کی سزادہی) کے لیے وہ ہڈیاں زندہ ہوگئیں اور ان میں سے ایک کالا شیر نکلا جس نے نکلتے ہی اس شخص کے سر پر ایک پنجہ مارا اور اس کے نقش ہستی کو مٹا دیا۔ اسکی کھوپڑی اتار لی جس سے سارا بھیجا نکل پڑا اور اسکا سر ایسا ہوگیا جیسے اخروٹ جسمیں گری نہ ہو اس سے اسکو سراسر نقصان ہوا کیونکہ اسمیں حقیقی مغز اور عقل وفہم نہ تھی۔ لیکن اگر اسمیں حقیقی مغز ہوتا تو اول تو یہ نوبت ہی نہ آتی اور اگر بالفرض آتی بھی تو اس سے صرف اس کے جسم میں نقصان آتا روح پر کوئی کچھ اثر نہ ہوتا اور ضرر جسمانی لاشے محض ہے تو فی الحقیقت اسکو کچھ بھی نقصان نہ ہوتا اب سراسر نقصان اس لیے ہوا کہ روح تو پیشتر ہی سے مردہ تھی اگر وہ زندہ تھا تو محض حیات جسمانی سے اب وہ بھی جاتی رہی تو زندگی کا کچھ حصہ بھی اس کے لیے باقی نہ رہا وہل ہذا الاخسران مبین حضرت عیسےٰ نے شیر سے دریافت کیا کہ تو نے اسکو اتنی جلدی کیوں کچل دیا اسنے جواب دیا کہ وجہ یہ تھی کہ آپ اس سے بلاوجہ پریشان ہوئے تھے حق سبحانہ کو گوارا نہ ہوا کہ بعد وجود سبب ہلاک کے اسکو ذرا سی بھی مہلت دیجائے اور اپنی خیالی کامیابی پر ذرا بھی خوش ہولے اسپر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دریافت کیا کہ اچھا تو نے اسکا خون کیوں نہ پیا تو اس نے جواب دیا کہ رزق کھانا میرے لیے مقدر نہ تھا آگے مولانا نصیحت کی طرف انتقال فرماتے ہیں۔

شرح شبیری

عیسیٰ علیہ السّلام کی دعا سے ہڈی کے زندہ ہونیکے قصہ کا تتمہ

چونکہ عیسیٰ الخ۔ یعنی جب کہ عیسےٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ یہ بیوقوف رفیق سوائے مخالفت کے اور کچھ طریق جانتا ہی نہیں اور۔

ہمی نگیرد الخ۔ یعنی بیوقوفی کی وجہ سے نصیحت کو قبول نہین کرتا اور گمراہی کی وجہ سے بخل خیال کرتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بتانے مین بخل کرتے ہین اور یہ نہین سمجھتا کہ اسمین کیا خرابیان ہین پس جب عیسے علیہ السلام نے دیکھا کہ اب یہ مانیگا نہین تو آخر کار انھون نے اُس اِسم کو ہڈی پر پڑھ دیا اسی کو فرماتے ہین کہ۔

خواند عیسیٰ الخ۔ یعنی عیسے علیہ السلام نے ہڈی پر حق تعالے کا نام پڑھ دیا اُس جوان کے عرض کرنے کی وجہ سے پس جب اُس نام حق کو پڑھا تو وہ ہڈی زندہ ہوگئی اِسکو فرماتے ہین کہ۔

حکم یزدان الخ۔ یعنی حکم خداوندی نے اُس خام مرد کے واسطے (یعنی اُس کے کہنے کی وجہ سے) اُس ہڈی کی صورت کو زندہ کر دیا تو۔

از میان بر جست الخ۔ یعنی (فوراً) درمیان سے ایک شیر سیاہ کودا اور پنجہ مارکر اُس رفیق کے نقش (ہستی) کو تباہ کر دیا اور۔

کلہ اش الخ۔ یعنی اُسکا کلہ توڑ دیا اور جلدی سے مغز بکھیر دیا جیسے کہ اسمین مغز تھا ہی نہین اِس لیے کہ اگر مغز اور عقل ہوتی تو وہ ایسی بات ہی کیون کہتا اور حقیقت کو سمجھکر اِس اصرار سے اعراض کرتا آگے مولانا جملہ معترضہ کے طور پر فرماتے ہین کہ۔

گر ورا مغزے الخ۔ یعنی اگر اُسکا مغز (عقل) ہوتا تو اُس کے ٹوٹنے سے صرف اُس کے بدن ہی پر نقصان آتا کہ وہ مغز پاش پاش ہوجاتا مگر روح کو تو فرحت ہوتی کہ یہ حجاب جسمانی اُٹھ کر وصل حاصل ہوجاتا مگر چونکہ اِس کو عقل تو تھی نہین کہ جو حقیقت کو پہچانتا اِس لیے جسم پر بھی آفت آئی اور روح کو بھی فرحت نہوئی خسر الدنیا والآخرہ۔ جب اُس شیر نے اُسکو مار ڈالا تو اُس سے عیسٰے علیہ السلام نے پوچھا کہ۔

گفت عیسیٰ الخ۔ یعنی عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ تو نے اِس کو اِس قدر جلد کیون ہلاک کر دیا تو اُس شیر نے کہا اِس لیے کہ آپ اُس سے پریشان ہوچکے تھے اور اُس نے آپ کو بہت پریشان کیا تھا لہذا اُسکی یہ سزا اُسکو دی گئی یہان سے معلوم ہوگیا کہ مقبولان حق کے ساتھ گستاخی کرنا اور اُن کے کہنے کو نہ ماننے کی کیا سزا ہوتی ہے اور کیا کیا آفات انسان پر آتے ہین۔ دیکھو اِس شخص نے نہین مانا تو اِسکو یہ سزا ملی پس اگر آج کوئی شخص اہل اللہ کے ساتھ گستاخی کرتا ہے تو اگرچہ شیر سیاہ اُس کے بدن ظاہری کو ہلاک نہین کرتا لیکن کیا موت باطن قابل حسرت وافسوس نہین ہے خدا کی قسم دل مرجاتا ہے اور قلب مین وہ شگفتگی وبحالی ہرگز ہرگز نہین رہتی یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر وقت ایک پہاڑ سر پر رکھا ہے اور اِس شخص کو عیش دنیاوی مین بھی لذت حاصل نہین ہوتی۔ پس چاہیے کہ اہل اللہ کی ایذا دہی اور اُن کو ستانے سے بچے اور ہمیشہ اُنکی اطاعت کرے آگے پھر عیسٰے علیہ السلام نے اُس شیر سے دریافت کیا کہ۔

گفت عیسٰے چون الخ۔ یعنی (پھر) عیسیٰ علیہ السلام نے (اُس شیر سے) پوچھا کہ (اگر تو نے اِسکو مارا تھا تو) تو نے اِسکا خون کیون نہ پیا (جیسا کہ شیرون کا معمول ہے کہ شکار کا خون پی لیتے ہین) تو شیر نے کہا کہ میری قسمت مین رزق کھانا نہ رہا تھا اس لیے کہ اگر میری قسمت مین اِسکو کھانا ہوتا تو مین پہلے ہی حیات مین اِسکو کھا لیتا

اور کھانے سے پہلے مرتا ہی کیون پس جب کہ مین مرگیا تھا تو معلوم ہوا کہ میری قسمت مین اب رزق نہ رہا تھا یہان یہ شبہ نہ ہو کہ ممکن ہے کہ اسکی قسمت مین یہ ہو کہ اول حیات مین بس قدر رزق اسکو ملیگا اور حیات ثانیہ مین اس قدر تو پھر اسکا کہنا کہ میری قسمت مین رزق رہا ہی نہین کیسے صحیح ہوگا۔ جواب یہ ہے کہ حدیث مین ہے کہ جبتک ہر چیز اپنا رزق پورا نہین پالیتی اُس وقت تک اُسکو موت نہین آتی۔ پس اسکا پہلے مرجانا دلیل اسکی ہے کہ اسکی قسمت مین رزق رہا ہی نہ تھا اگر یہ آدمی اسکا رزق ہوتا تو ضرور ہے کہ پہلے ہی ملجاتا اب آگے مولانا انتقال فرماتے ہین کہ جس طرح اس شیر نے مارا تو کھایا نہین اسیطرح بہت سے لوگ جمع کر جاتے ہین مگر اُس سے منتفع نہین ہوتے فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

اے بسا کس ہمچو آن شیر ژیان	صید خود ناخوردہ رفتہ از جہان
قسمتش کاہے نہ و حرصش چو کوہ	ناموجہ کردہ تحصیل وجوہ
جمع کردہ مال و رفتہ سوئے گور	دشمنان در ماتم او کردہ سور
اے میسر کردہ بر ما در جہان	سخرہ و بیگار را از ما وارہان
طعمہ بنمودہ بما واں بودہ شست	آنچنان بنما بما آنرا کہ ہست

اے ایسے بہت سے لوگ ہین کہ اس غضبناک شیر کی طرح دُنیا سے چلے جاتے ہین اور اپنا شکار نہین کھاتے (مال و متاع مکسوب سے متمتع نہین ہوتے) اور اِن کی حرص حطام دنیا کی تحصیل مین پہاڑ جیسی ہوتی ہے لیکن اُنکی قسمت مین ایک تنکا بھی نہین ہوتا اور نامشروع طور پر آمدنیاں بڑھاتے ہین اور مال جمع کرتے ہین خود تو بحسرت ویاس قبر مین چلے جاتے ہین۔ اور دشمن ان کے ایام ماتم مین خوشیان مناتے ہین۔ اے وہ ذات پاک جسنے بیگار اور شاق و غیر نافع کامون کو ہمارے لئے آسان کردیا ہے ہمکو اس بیگار سے چھڑا اور جو چیز فی الحقیقت مچھلی کے شکار کا کانٹا اور مضر ہے لیکن ہمکو غذا اور نافع محسوس ہوتی ہے تو ہمکو اسکی حقیقت دکھلا دے کہ ہم اُسکو علی ما ہی علیہ فی نفس الامر دیکھ لین اور دھوکہ نہ کھائین اس کے بعد پھر اصل قصہ کی طرف رجوع کرتے ہین۔

شرح شبیری اے بسا کس الخ۔ یعنی اس شیر مست کی طرح بہت سے لوگ ایسے ہین کہ اپنے شکار کو بغیر کھائے ہوئے جہان سے روانہ ہوجاتے ہین اور اُنکو اُس سے عیش حاصل کرنا نصیب نہین ہوتا بلکہ جمع کیا اور دوسرون کے واسطے چھوڑ گئے آگے فرماتے ہین کہ۔

قسمتش کاہے الخ۔ یعنی اُسکا حصہ تو ایک تنکا بھی نہین اور حرص پہاڑ کیطرح اور نامشروع طریق سے آمدنیون کو حاصل کیا نہ جائز دیکھا نہ ناجائز دیکھا جس طرح حاصل ہوا حاصل کیا اور۔

جمع کردہ مال الخ۔ یعنی مال جمع کرکے گور کی طرف چلا گیا (اور خود اُس سے منتفع نہ ہوا) تو دشمن اُس کے ماتم (کے زمانہ) مین خوشی کرتے ہین اس لیے کہ وہ جانتے ہین کہ جو اس نے جمع کیا تھا وہ اب ہمکو ملیگا پس

ترسے حسرت اور افسوس کی بات ہے کہ جمع بھی کیا بیہودہ طرق سے اور وبال اخروی اپنے سر لیا اور پھر اُس سے منتفع بھی نہ ہوا اب آگے مولانا مناجات فرماتے ہین اور اس سے پناہ مانگتے ہین فرماتے ہین کہ۔

اے میسّر کردہ الخ۔ یعنی اے وہ ذات کہ جس نے ہمپر اس جہان مین ان بیہودہ امور کو اور فضول کامون کو آسان فرما دیا ہے ہمکو اس سے چھڑا دے اور اسمین مبتلا نہ فرما اور۔

طعمۂ بنمودہ الخ۔ یعنی ہمکو لقمہ دکھلائی دیتا ہے حالانکہ وہ کانٹا ہے (جیسے کہ مچھلی کو بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ میرا کھانا رکھا ہوا ہے لیکن اصل مین وہ کانٹا ہوتا ہے آخر اسی مین پھنس جاتی ہے اسیطرح ہم دھوکہ مین آکر دام نفس مین پھنس جاتے ہین) پس ہمکو ویسا ہی دکھلا دے جیسا کہ وہ ہے یعنی ہمکو حقیقت مین فرما دیجئے ہم صرف ظاہر بینی ہی پر نہ رہین بلکہ ہمکو حقیقت بینی میسّر ہو اور حطام دُنیا مین پھنس کر کہین ہلاک نہ ہو جاوین آگے پھر اُس حکایت کی طرف رجوع فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

گفت آن شیر اے مسیحا آن شکار	بود خالص از برائے اعتبار
گر مرا روزی بدے اندر جہان	خود چہ کار ستے مرا با مردگان

پھر اس نے کہا کہ اے عیسیٰ وہ شکار تو محض اس لیے تھا کہ لوگ عبرت پکڑین کہ اہل اللہ کے ساتھ گستاخی کرنی اور ان کو لا یعنی درخواستون سے پریشان کرنیکا یہ نتیجہ ہوتا ہے باقی رہا میرا کھانا سو اگر میری قسمت مین اس سے زیادہ کھانا ہوتا جو مجھے حیات اولیٰ مین مل چکا ہے تو مین مردون ہی مین کیون شامل ہوتا کیونکہ میری قسمت مین جتنا رزق تھا حیات اولےٰ مین تھا پس اگر اسکا کھانا بھی میری قسمت مین ہوتا تو مجھے اسوقت زندہ رہنا چاہیے تھا تاکہ مین اپنا رزق پورا کرکے مرون۔ مولانا آگے پھر نصیحت فرماتے ہین۔

شرح شبیری گفت آن شیر الخ۔ یعنی اُس شیر نے کہا کہ اے عیسےٰ (علیہ السلام) یہ شکار تو صرف عبرت کے واسطے تھا میرا رزق نہ تھا صرف اس لیے تھا کہ لوگ اسکو دیکھ کر عبرت حاصل کرین کہ اگر ہم اہل اللہ کے ساتھ گستاخی کرین گے تو ہماری بھی یہی گت بنے گی آگے پھر وہ شیر کہتا ہے کہ گر مرا روزی الخ۔ یعنی اگر میری روزی جہان مین باقی رہتی تو مجھے مردون سے کیا کام تھا یعنی پھر مین مرتا ہی کیون اسکو کھا کر ہی مرتا آگے پھر بتاتے ہین کہ یہ سزا اُس شخص کی ہے کہ جو ایسا مسیحا پاوے اور اس سے ایسی بیہودہ باتون کا سوال کرے بالتعجب ہے اسی کو فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

این سزائے آنکہ یابد آب صاف	ہمچو خر در جو بمیزد از گزاف
گر بداند قیمت آن جوے خر	او بجائے پا نہد در جوے سر
او بیابد آن چنان پیغمبرے	میر آبی زندگانی پرورے

چون نمیروید ش او از امر کن — اے امیر آب مارا زنده کن
این سگ نفس ترا زنده مخواه — گو عدوے جان تست از دیرگاه
خاک بر سر استخوانی را که آن — مانع این سگ بود از صید جان
سگ نی بر استخوان چون عاشقی — دیو چه وار از چه بر خون عاشقی
آن چه حشمت اینکه بینائیش نیست — زانچه نهاجز که رسوائیش نیست
سهو باشد ظنها را گاه گاه — این چه ظن ست اینکه کور آمد براه
کرده بر دیگران نوحه گری — بد نے بنشین و بر خود میگری
ز ابر گریان شاخ سبز و تر شود — زانکه شمع از گریه روشن تر شود
بر کجا نوحه کنند آنجا نشین — زانکه تو او لے ترین اندر حنین
زانکه ایشان در فراق فانی اند — غافل از لعل بقاے کانی اند
زانکه بر دل نقش تقلیدست بند — رو باب چشم بندش را برند
زانکه تقلید آفت هر نیکویست — که بود تقلید اگر کوه قوی ست
گو ضریرے کمترست و تیز خشم — گو سفید پاره اش دان کاو نیست چشم
گر سخن گوید ز مو باریک تر — آن سرش را زان سخن نبود خبر
مستی دارد ز گفت خود و لیک — از بروے تا بمی راه ست نیک
همچو جوبست او نه آبے خورد — آب ازو بر آب خواران بگذرد
آب در جو زان نمیگیرد قرار — زانکه آن جوئیست تشنه آب خوار
همچو نائے ناله و زاری کند — لیک بیگار خریداری کند
نوحه گر باشد مقلد در حدیث — جز طمع نبود مراد آن خبیث
نوحه گر گوید حدیث سوزناک — لیک کو سوز دل و دامان چاک
از مقلد تا محقق فرقهاست — کاین چو داود ست و آن دیگر صداست
منبع گفتار این سوزے بود — وان مقلد کهنه آموزے بود
این مشوغره بدان گفت حزین — بار برگاوست بر گردون حنین
هم مقلد نیست محروم از ثواب — نوحه گر را مزد باشد در حساب
کافر و مومن خدا گویند لیک — درمیان هر دو فرقے هست نیک
آن گدا گوید خدا از بهر نان — متقی گوید خدا از عین جان
الله الله میزنی از بهر نان — بے طمع پیش آو الله را بخوان
گر بدانستے گدا از گفت خویش — پیش چشم او نه کم ماندے نه بیش
سالها گوید خدا آن نانخواه — همچو خر مصحف کشد از بهر کاه

ذرہ ذرہ گشتہ بودے تابشں	گر بدل درتافتے گفت لبشں
تو بنام حق پشیزے مے بری	نام دیوے رہ برد در ساحری

واقعی جس (تشنگی سے جان بلب) کو صاف پانی ملے اور وہ بجائے اس کے کہ اس سے اپنی پیاس بجھائے اور اپنی جان بچائے۔ گدھے کی طرح بیہودگی سے اسمین پیشاب کردے جیسا کہ اس رفیق عیسی نے کیا کہ اسکو ایسا میر آب ملا۔ جو اپنے آب فیضان سے جانون کو سیراب اور تر و تازہ کرتا ہے اور پیاسون کی جان بچاتا ہے اور اس نے بجائے اس کے کہ اپنی جان بچاتا اور اس کو سرسبز و شاداب کرتا الٹا انکو مکدر کردیا۔ اس کی یہ ہی سزا ہے کہ جان سے جاتا رہے جس طرح رفیق عیسے اپنی جان سے گیا۔ اگر اس گدھے کو اس نہر کی قدر و قیمت معلوم ہو۔ تو بجائے اس کے کہ وہ اسمیں پاؤن رکھے اور اپنی ناشائستہ حرکت سے اسکو مکدر کرے وہ بجائے پاؤن کے اسمین منھ ڈال کر پانی پیئے۔ اور باقاعدہ اس سے مستفید ہو کر اپنی جان بچائے لیکن اپنی حماقت اور غفلت سے اسکی قدر نہین جانتا اور ہلاک ہو جاتا ہے۔ ہائے افسوس اس احمق رفیق کو ایسا پیغمبر ملے۔ جو پودہائے ارواح کا باغبان اور انہار فیوض کا مالک اور زندگانی پرور ہو۔ اور وہ اسکے سامنے اس کے امر کن پیکانتصرت فیک کیف نشار کو سن کر مر نہ جائے اور اپنے کو مردہ بدست زندہ نکردے اور یون نہ کہے کہ اے امیر آب تو ہین حیات روحی بخش۔ ہم پیاس سے جان بلب ہین۔ اور ہماری جانون کے پودے سوکھ کر عنقریب مرجانے والے ہین۔ ہمین تیری توجہ کی سخت ضرورت ہے۔ ہان تو تو اپنی سگ نفس کی زندگی نہ چاہتا کیونکہ وہ تیری جان کا بہت دنون سے دشمن ہے اور تیری گھات مین لگا ہوا ہے تو اسے پہلے ہی مار دینا۔ ایسا نہ ہو کہ تجھے قابو پاکر ہلاک کر ڈالے۔ اگر تو اسکی زندگی چاہے گا تو تو بھی اسیطرح اپنی جان کا دشمن ہوگا جس طرح وہ احمق رفیق عیسے علیہ السلام۔ اور دیکھ اس سگ نفس کو ہڈی نہ دینا اور اسکو لذات سے متمتع نہ ہونے دینا کیونکہ یہ ہڈی اس کے لیے جان کا شکار کرنے اور اس کے منافع سے متمتع ہونے سے مانع ہوگی۔ خاک پڑے اس ہڈی پر جو اسکو صید جان سے محروم کردے۔ تو جسم کی فکر مین کیون پڑتا ہے اسمین ہڈیان اور گوشت اور خون ہی تو ہے تو کتا بھی نہین پھر ہڈی و گوشت پر کیون عاشق ہے اور جونک بھی نہین پھر خون پر کس لیے فریفتہ ہے بلکہ تو اپنی چشم دل کی فکر کر کہ وہ اندھی ہے اور جو آنکھ اندھی ہو وہ بھی کوئی آنکھ ہے اسکا وجود عدم سے بدتر ہے اس لیے کہ بالکل نہ ہو تو کوئی امتحان بھی نہ لیگا کیونکہ اسوقت دعوی ابصار ہی نہ ہوسکے گا اور اگر بظاہر ہو مین اور دعوی بینائی کیا گیا تو امتحان مین بجز رسوائی کے اور کیا ہوگا اور تیرا یہ عذر ہرگز نہ چلے گا کہ رویت قلبی از قبیل ظنون ہے اور ظنون مین غلطی ہوتی ہے۔ اس لیے کہ ظنون مین غلطی ہوتی ہے مگر گاہ گاہ یہ کیا کہ راہ مطابقت مظنون مین بالکل ہی چوپٹ ہو اور کبھی مظنون سے مطابق ہی نہ ہوا وساب تک تو دوسرون ہی پر روتا رہا ہے اب کچھ دنون الگ بیٹھ کر اور گوشہ نشین ہو کر ذرا اپنے اوپر بھی تو رو پھر دیکھنا کہ اس رونے کے ثمرات تجھے کیا ملتے ہین رونے مین بڑی کرامت ہے تو اسکو لغو نہ سمجھنا دیکھ ابر روتا ہے تو شاخین سرسبز و شاداب ہوتی ہین اور شمع روتی ہے تو اور روشن ہوتی ہے پس معلوم ہوا کہ گریہ نفع لازم بھی رکھتا ہے اور متعدی بھی پس تو ہنسنے والون کی محفل مین نہ بیٹھنا بلکہ جہان لوگ روتے ہین وہان بیٹھنا تاکہ انکو

روتے دیکھ کر تجھے بھی آنے کیونکہ تو ان سے زیادہ رونے کا مستحق ہے کیونکہ ان کا تو کوئی فانی محبوب اُنسے
جاتا رہا ہے گو اصلی لعل نہ تھا بے باقیہ بھی کھو گیا۔ لیکن اسکی ان کو پروا نہیں بخلاف تیرے کہ تیرا بیش قیمت
اور بے بہا لعل کھو گیا اور تجھے اسکا خیال بھی ہے اِس لیے رونے کا زیادہ مستحق تو ہے چونکہ نقش تقلید بھی
دل کے لیے ایک کڑا ہے جو کہ فیضان حق کو دلمین پہونچنے سے روکتا ہے اِس لیے جا اور آنسوؤں سے اِس
کڑے کو صاف کر اور اس روک کو اُٹھا کیونکہ تقلید محض اور نقل صرف ہر بھلائی اور خوبی کے لیے آتع ہے اسلیے
تقلید اگر پہاڑ کے برابر بھی ہے تب بھی تنکے کے مانند بے حقیقت ہے کیونکہ ایک اندھا آدمی گو کتنا ہی قوی اور کتنا ہی
غصہ ور ہو مگر چونکہ اِس کے آنکھیں نہیں اس لیے محض گوشت کا لوتھڑا ہے اسیطرح مقلد کو سمجھو کہ وہ بھی اندھا ہے
پس اسکی تقلید گو کتنی ہی قوی ہو مگر کس کام کی۔ مقلد اگر بال سے بھی باریک بات کہے گا تو بھی فضول کیونکہ
خود اس کے دماغ کو تو خبر ہے ہی نہیں صرف سنی سنائی ہانک رہا ہے خود نہیں سمجھتا کیونکہ صاحب حال نہیں
اور جب تک حال نہ ہو اُسوقت تک سمجھنا حقیقت مین سمجھنا نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ سمجھنے کی نقل ہے وہ مستی بھی
رکھتا ہے اور ہاؤ ہو بھی کرتا ہے لیکن شراب مین اور اسمین بہت بعد ہے اور یہ مستی بلا شراب کے ہے۔ لہذا
نقلی ہے۔ اُسکی مثال ایسی ہے جیسے ایک ندی کہ خود تو پانی نہیں پیتی مگر پیاسوں تک پانی پہنچاتی ہے کیونکہ
اپنی باتوں سے وہ خود کچھ فائدہ نہیں اٹھاتا۔ ہان سامعین مین جو اہل دل ہین وہ ان سے مستفید ہوتے ہین
اور یہ علوم و معارف اسکو کیون فائدہ نہیں پہنچاتی اسکی وجہ یہ ہے کہ اسکو طلب اور پیاس نہیں اور جب تک
طلب اور پیاس نہ ہو اسوقت تک علوم و معارف کچھ مفید نہیں ہوتے سمجھو کہ ندی اپنے پانی سے مستفید
کیون نہیں ہوتی اسکی وجہ یہی ہے کہ اُسے پیاس اور پانی کی طلب نہیں نیز اُس مقلد و ناقل علوم و معارف
بیان کرنے والے اور رونے پیٹنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے بانسری کہ نالہ وزاری کرتی ہے مگر اِس سے اسکو
کچھ فائدہ نہیں ہوتا صرف خریداری کے لیے بیگار بھگت رہی ہے کہ مشتری اسکو خرید لے اور مالک کو فائدہ
ہو یون ہی اُس مقلد کا علوم و معارف بیان کرنا اور رونا پیٹنا اسکو کچھ نافع نہیں بلکہ طالبین اہل دل کی
بیگار ہے کہ وہ اِس سے منتفع ہون گے۔ ناقل گفتار اور مقلد کو ایسا سمجھو جیسے نوحہ گر کیونکہ نوحہ گر دل سے
تھوڑا ہی روتا ہے بلکہ اِسکا مقصود کچھ وصول کرنا ہوتا ہے یون ہی اِس مقلد کی یہ گفتار پر اسرار و معارف دل سے
تھوڑا ہی ہے نہیں بلکہ صرف طلب مال و جاہ کے لیے ہے۔ نوحہ گر موثر اور سوز سے پُر باتین کرتا ہے مگر نہ اسکے
دلمین سوز ہے اور نہ اِسکا دامن پھٹا ہوا ہے پس یون ہی یہ مقلد بھی ہے۔ بات یہ ہے کہ مقلد ناقل اور
محقق صاحب دل مین زمین آسمان کا فرق ہے اگر محقق کو داؤد علیہ السلام سے تشبیہ دیجئے اور اُسکی تحقیق کو
لحن داؤدی سے تو مقلد پہاڑ کے مشابہ اور اسکی نقل کو صدائے بازگشت کہنا چاہیے کہ آوازین دونون ایک
ہین مگر ایک اصل ہے اور دوسری نقل محقق کی گفتگو کا سر چشمہ سوز دل ہوتا ہے اور مقلد و ناقل چونکہ کہنہ
مشق ہے اِس لیے کہتا ہے دیکھ مقلد کی المناک گفتگو سے دھوکھا نہ کھانا کیونکہ یہ درد جو اس گفتگو مین ہے
وہ اِس کے سوز دل کے سبب نہیں بلکہ یہ کلام کسی دل جلے کا ہے اِس لیے اِسمین یہ درد ہے لہذا اِس کی
مثال ایسی ہے جیسے بوجھ تو بیلون پر ہے اور گاڑی چون چون کرتی ہے اِس لیے کہ درد تو دوسرے کے دلمین ہے

اور ظاہر انکی زبان سے ہو رہا ہے مگر مطلقاً مقلد بھی برا اور ثواب سے محروم نہین کیونکہ محقق ہونے کیلیے اولاً
مقلد بننے کی ضرورت ہے۔ پس جو شخص محقق ہونے کے لیے مقلد بنے وہ ضرور ثواب کا مستحق ہے آخر نوحہ گر کو بھی
تو اجرت ملتی ہی ہے ۔ ہمکو تو مقصود اس مقلد کی مذمت ہے جس کو محض نقل اور تحصیل حطام دین مقصود ہو اور
اس تقلید کو تحقیق کا ذریعہ بنانا مد نظر نہ ہو (ف مولانا نے مقلد بحت ۔ اور مقلد لاجل التحقیق دونون کو نوحہ گر سے
تشبیہ دی مقلد بحت اور نوحہ گر مین وجہ شبہ نقل بغرض تحصیل حطام دنیا ہے اور مقلد لاجل التحقیق اور نوحہ گر مین
استحقاق اجر ہے نقل خوب سمجھ لو دھوکھا نہ کھاتا) محقق اور مقلد بحت مین فرق یون بھی سمجھو کہ مومن ہو یا کافر۔ خدا
دونون کہتے ہین مگر ان کے درمیان جو فرق ہے وہ ظاہر ہے اور دیکھو ۔ کہ گدا اگر بھی خدا کہتا ہے اور متقی بھی۔
مگر اول روٹی کے لیے کہتا ہے اور دوسرا اخلوص دل اور اطاعت محضہ سے جسمین شائبہ بھی غرض کا نہین پس
جو فرق ان دونون مین ہے ۔ وہی فرق مقلد و محقق مین ہے آگے نصیحت فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ بھلے مانس
روٹی کے لیے اللہ اللہ کے نعرے لگاتا ہے نہایت نازیبا حرکت ہے اگر تجھے فائدہ مقصود ہے تو غرض چھوڑ
اور بلا کسی طمع کے آ ۔ اور اللہ اللہ کہہ ۔ افسوس گدا اگر کو خبر نہین کہ میرے پاس کیسی دولت ہے اور مین اس کو
کس بے دردی اور بے قدری سے ضائع کر رہا ہون اگر اس اللہ اللہ کی حقیقت اسے معلوم ہوتی پھر نہ اسکی
نظرون مین کم چیز سماتی نہ زیادہ اور وہ اسکو ہفت اقلیم کی سلطنت کی تحصیل کا بھی ذریعہ نہ بناتا۔ روٹی تو
درکنار وہ تکڑ گدھا رسون اللہ اللہ کہتا ہے مگر اسی ناواقفیت کے سبب اس کے برکات و ثمرات محمودہ سے
محروم رہتا ہے اور اسکی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے گدھا جو کہ چارہ کی لالچ مین کلام اللہ کو کمر پر لاد کر
منزل مقصود تک پہنچاتا ہے اگر اس کے دل پر اس گفتگوے زبانی کی کچھ بھی چپک پڑ جاتی تو اسکا قالب
ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ بھلے مانس ذرا سمجھ تو سہی کہ جادوگری مین شیاطین کا نام منزل مقصود تک پہنچا دیتا ہے
کیا خدا کے نام مین اتنی تاثیر بھی نہین ہے ۔ اور ضرور ہے مگر تو اس سے کام نہین لیتا۔ بلکہ تو تو اسکو کوڑیون
کی تحصیل کا آلہ بناتا ہے ۔ اس بیان پر یہ شبہ ہوتا تھا کہ جس شے مین کوئی تاثیر ہوتی ہے وہ اسکی حقیقت سے
واقفیت پر موقوف نہین ہوتی مثلاً سنکھیا قاتل ہے سو وہ اسوقت بھی قاتل ہے جب کہ کوئی شخص یہ نہ جانتا ہو
کہ یہ سنکھیا ہے یا اسمین یہ تاثیر ہے پس مولانا حکایت آئندہ سے اس استبعاد و شبہ کا ازالہ فرماتے ہین۔

شرح شبیری این سزاے آنکہ الخ ۔ یعنی یہ سزا اُس شخص کی ہے جو کہ صاف پانی پاوے اور
پھر ندی مین گدھے کی طرح بیہودگی سے پیشاب کردے مطلب یہ کہ جو شخص ایسے
نبی کو جو کہ مثل آب صاف کے ہین پاوے اور پھر اُن کے سامنے اپنے تن ظاہری کی زیبائش اور آرائش کی
درخواست کرے اور اُن سے یہ چاہے کہ تن ظاہری کو وہ زندہ کردین تو اُس شخص پر بڑا تعجب ہے اور
اسکی یہ سزا ہے کہ اُسکا ظاہری بدن بھی خراب ہو اور باطن تو خراب ہو ہی جاوے گا اور یہ ساری خرابی
اسکی ہے کہ اس شخص کو اس نعمت کی قدر نہین ہے اور یہ نہین جانتا کہ اس سے کیا نفع حاصل کرنا چاہیے
اس لیے ان بیہودگیون مین پھنس رہا ہے ورنہ اگر جانتا تو کبھی ایسی حرکت نہ کرتا اسی کو فرماتے ہین کہ
گر بدانداند الخ ۔ یعنی اگر وہ گدھا اس ندی کی قیمت اور قدر جانتا تو اس کے اندر پاؤن کی جگہ سر رکھتا مطلب کہ

اگر یہ شخص انکی قدر جانتا اور حقیقت کو دیکھ لیتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیا چیز ہین اور کس کام کے ہین تو پھر تو انکا تابع اور مطیع ہو جاتا اور جو چیز ان سے حاصل کرنی چاہیے تھی یعنی حیات روحانی اُسکو حاصل کرتا آگے پھر افسوس فرماتے ہین کہ جب کسی کو ایسے نبی ملین اور وہ انکی یہ قدر کرے تو بڑی حسرت کی بات ہے اسی کو فرماتے ہین کہ۔

او بیابید الخ۔ یعنی جو شخص کہ ان جیسے پیغمبر کو پاوے جو کہ امیر آب ہین اور زندگانی بخشنے والے ہین تو اُن کے سامنے امر کن سے یہ کہتا ہوا کیون نہ مرجائے کہ اے امیر آب ہمکو زندہ کر دے۔ امیر آب وہ کہلاتا ہے جو پانی تقسیم کرے اور چونکہ آب موجب حیات ہوتا ہے تو قاسم آب کو قاسم حیات کہنا صحیح ہے اور امر کن مین امر سے مراد تشریعیات ہین تکوینیات نہین ورنہ تکوینیات کا تخلف تو امر کے بعد محال ہے اب سمجھو کہ فرماتے ہین کہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ کسی کو ایسی حیات بخش زندگی پرور نبی ملین اور وہ انکا مطیع اور فرمانبردار نہ ہو اور انکا مطیع ہو کر ان سے حیات روحانی کا سائل نہ ہو اور شریعت پر عمل نہ کرے جس کے لیے کہ ہر وقت کن کا خطاب متوجہ ہو رہا ہے اُسکو تو چاہیے کہ بس جس طرح وہ حکم کرین اُسپر عمل کرے اور اپنی راے اور سمجھ کو مطلق دخل نہ دے۔ بلکہ اُسکا تو یہ مذہب ہونا چاہیے کہ ع زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو + دل شدہ مبتلاے تو ہرچہ کنی رضائے تو + اُس کے سامنے تو کالمیت فی ید الغسال ہونا چاہیے اور اُنکی خدمت مین یہ عرض کرے کہ اے حیات روحانی کے بخشنے والے مجھے حیات روحانی عطا فرما۔ اور خبردار اپنے نفس کمینہ کی حیات کو اُس معطی حیات سے مت طلب کر اسی کو فرماتے ہین کہ۔

ہین سگ نفس الخ۔ یعنی ہان اپنے اس نفس کتے کی زندگی مت چاہ اس لیے کہ یہ تیری جان کا دشمن ایک مدت سے ہے لہذا اگر تو اسکی حیات کو مانگے گا اور اسکی دعا کریگا تو یہ سمجھ لینا کہ اپنے دشمن کو خود اپنے سر پر سوار کر لینا ہے۔ خدا کے لیے اس دشمن کو فنا اور ہلاک ہی کر دینا کہین اسکی زندگی کی درخواست مت کرنے لگنا اور اسمین لگ کر اس حیات حقیقی کو مت بھول جانا اسی کو فرماتے ہین کہ۔

خاک بر سر الخ۔ یعنی اُس ہڈی پر خاک پڑے کہ وہ اِس کتے کو جان کے شکار کرنے سے مانع ہو جاوے مطلب یہ کہ اس جسم پر (جو کہ ہڈیان اور گوشت ہی ہے) خاک پڑے جب کہ یہ انسان کو معانی کے شکار سے مانع ہو اور اُسکو معانی کے حاصل کرنے سے جو کہ جان کی طرح ہین اور توجہ الی الحق سے روک کر ان ہڈیون مین لگائے خدا کرے یہ کہین غارت ہو اور اسپر خاک پڑے آگے فرماتے ہین کہ تم کو جو یہ گوشت پوست توجہ الی الحق سے مانع ہو جاتا ہے تو تم کہین کتے تو نہین ہو کہ کتے کی طرح ان چیزون پر گرے جاتے ہو فرماتے ہین کہ۔

سگ نہ بر استخوان الخ۔ یعنی تو کتا تو نہین ہے جو ہڈی پر عاشق ہے اور جونک کی طرح خون پر کس لیے فریفتہ ہے مطلب یہ کہ تم جو اپنے جسم کی اور تن ظاہر کی حیات پر جان دیتے ہو اور وہ بھی ہڈی وغیرہ ہے تو تم کتے تو نہین ہو اس لیے کہ ہڈی پر تو کتا عاشق ہوتا ہے اور جس طرح جونک خون پر فریفتہ ہوتی ہے اسیطرح تم بھی اپنے خون پر فریفتہ ہو رہے ہو کہ بس ہر وقت اسی کی فکر مین لگے ہوے ہو اسکی فکر

چھوڑ دو اور حیات اصلی اور حقیقی کی فکر کرو آگے مولانا اس مضمون سے انتقال فرما کر اُس پہلے مضمون کی طرف جو کہ آنکھ حقیقت بین نہ ہو وہ اندھی ہے اور اُسکو بینا نہ کہنا چاہیے رجوع فرماتے ہین کہ۔

آن چہ چشمست الخ۔ یعنی وہ کیا آنکھ ہے جسکی بینائی نہین اور امتحانون سے اُسکو رسوائی کے سوا کچھ حاصل نہین مطلب یہ کہ جو آنکھ حقیقت بین نہ ہوا ور جسکو معرفت حق نہ ہو وہ تو ایسی ہے جیسے کسی شخص کے حلقہ چشم تو ہین پتلی ہین روشنی نہین ہے اور وہ دعوی کرے کہ مین بینا ہون پس جب امتحان ہوگا اور کوئی شے سامنے پیش کرکے کہا جاویگا کہ بتاؤ کیا ہے تو اُس وقت بجز اِس کے کہ رسوائی ہو اور کچھ نتیجہ نہین ہو سکتا پس اسیطرح جو نگاہ حق شناس نہین گو بظاہر بینا معلوم ہوتی ہے مگر حقیقۃً وہ کور ہے کسی نے خوب کہا ہے کہ ؎

یارب نہ ہو وہ دل کہ جو درد آشنا نہ ہو ✢ پھوٹے وہ آنکھ جس سے کہ آنسو بہا نہ ہو ✢ یا الٰہی ہمین سب کو اپنی معرفت اور اپنی محبت عطا فرما آمین۔ اب یہان کوئی یہ کہہ سکتا تھا کہ ہم سے جو غلطیان ہوتی ہین جس سے کہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم اندھے ہین وہ بھول سے ہوجاتی ہین ورنہ عمداً ہم کبھی نہین کرتے آگے مولانا اسکا جواب فرماتے ہین کہ۔

سہو باشد الخ۔ یعنی ظنیات مین بھول کبھی کبھی ہوجاتی ہے (اُسکا تو کچھ مضائقہ نہین مگر) یہ کیا ظن ہے کہ اندھے ہی ہو کر راہ چلتے ہو مطلب یہ کہ اگر بھول چوک کہا جاوے تو بھول تو کبھی کبھی ہوتی ہے مگر یہ امور تو روزانہ پیش آتے ہین جس سے کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سہو نہین ہے بلکہ یہ ساری خرابی اسکی ہے کہ حقیقت کو جانتے نہین بس اندھون کی طرح جو دل مین آیا کر لیا کچھ خبر نہین کہ انجام کیا ہوگا۔ اپنی خبر تو لیتے نہین اور دوسرون پر افسوس کرتے ہو کہ تم ایسے ہو اور تم ایسے ہو حالانکہ تم کو تو اپنے ہی اوپر گریہ وزاری کرنے سے فرصت نہ ہوتی۔ یہ فرصت تو کہ دوسرون کے عیوب گنے جاوین علامت ہے غفلت کی لہذا ذرا سوچو اور اِسکا تدارک کرو اِسی کو آگے فرماتے ہین کہ۔

کردۂ بر دیگران الخ۔ یعنی تم دوسرون پر افسوس اور نوحہ گری کرتے ہو (کہ فلان شخص ایسا ہو گیا حالانکہ تمکو چاہیے کہ) ایک مدت بیٹھ کر اپنے اوپر گریہ وزاری کرو اور خداوند کریم سے گریۂ وزاری کرکے قصور معاف کراؤ آگے گریہ کی حکمت بتاتے ہین کہ رونے سے کیا ہوگا فرماتے ہین کہ۔

ز ابر گریان الخ۔ یعنی ابر کے رونے سے شاخ سبز اور تر ہوجاتی ہے اور اِس لیے کہ شمع رونے سے زیادہ روشن ہوجاتی ہے جیساکہ ظاہر ہے کہ جس قدر گھلتی ہے اُسی قدر زیادہ روشن ہوتی ہے پس اگر تم بھی روو گے اور اپنی حالت پر گریہ وزاری کرو گے تو تم بھی اسیطرح روشن ہو گے اور تمھارا باطن منور ہو جاویگا اور شاخ سبز و تر کی طرح تمکو باطنی تر و تازگی حاصل ہوگی۔ پس تمکو چاہیے کہ درگاہ حق مین آہ وزاری کرو اور ایسے ہی لوگون کی صحبت مین رہو جو کہ رونے والے ہین اگرچہ اُنکا رونا تصنع ہی سے ہو مگر پھر بھی تم اُن سے ملو اور اُن کے پاس بیٹھو اِس لیے کہ اُن کے پاس بیٹھنے سے تمکو بھی رونا آویگا جیساکہ قاعدہ ہے اسی کو فرماتے ہین کہ۔

ہر کجا نوحہ کنند الخ۔ یعنی جہان نوحہ کرنے والے ہون وہان تو بھی بیٹھ اِس لیے کہ تم اُنکی نسبت کر تجھکو

رونا اولی ہے اس لیے کہ۔
زانکہ ایشان الخ۔ یعنی تو اس لیے اولی ہو کہ یہ لوگ تو ایک فتنے فانی کو فراق اور فنا کی وجہ سے رو رہے ہیں اور اُس سوتی سے جو کہ معدنی ہے اور باقی ہے غافل ہیں پس جبکہ یہ اپنی لاعلمی کی وجہ سے فانی شے کے فوت ہونے پر اس قدر نوحہ و بکا کر رہے ہیں تو بیا تعجب ہے کہ تو ایک اُس شے کے فوت ہونے پر بھی آہ و زاری نہ کرے جو کہ ہمیشہ باقی رہنے والی ہے اور حقیقی لعل کی طرح ہے پس تیرا یہ نہ رونا اس لیے ہے کہ تو بروں کی تقلید کرتا ہے اور اُسکا اثر تجھ پر ہے اسی کو فرماتے ہیں کہ۔
زانکہ بر دل الخ۔ یعنی (یہ حقیقت کو نہ دیکھنا اور اپنی حالت پر گریہ وزاری نہ کرنا) اس لیے ہے کہ دل پر (بروں) کی تقلید کی قید لگی ہے سو جاؤ اور آنکھ کے پانی سے اسکو اس قید سے چھوڑاؤ اور پھر اُس قید سے چھڑا کر اُسکو خدا کی طرف لگا دو۔ یہ بروں کی تقلید بہت بڑی مہلک شے ہے خدا کے لیے اس سے بچتے رہنا کہیں اس میں پھنس نہ جانا اسی کو فرماتے ہیں کہ
زانکہ تقلید آفت الخ۔ یعنی اس لیے کہ یہ تقلید (بدان) ہر نیکی کی آفت ہے (اور اُسکو ہلاک کر دینے والی شے ہے) سو تقلید بدوں کو ایک تنکے کے برابر سمجھو اگرچہ (بظاہر) ایک قوی پہاڑ معلوم ہو آگے اسکی ایک مثال دیکر اسکی توضیح فرماتے ہیں کہ۔
گر ضریرے الخ۔ یعنی اگر کوئی اندھا بہت ہی فربہ اور تیز غصہ والا ہے (یعنی بہت ہی کچھ فربہ اور چالاک ہے) مگر تم اُسکو ایک گوشت کا لوتھڑا سمجھو اس لیے کہ اُسکی آنکھ نہیں ہے۔ اسیطرح جس شخص کی آنکھ حقیقت کو نہ دیکھے وہ تو بالکل فضول اور کالعدم ہے اُس کا ہونا اور نہ ہونا برابر ہے لہذا یہ شخص خواہ کسی قدر تیز ہو سب کچھ ہو مگر کسی مصرف اور کسی کام کا نہیں اگرچہ زبان سے بہت ہی بک بک کرتا ہو اُسکا کچھ اعتبار نہیں لتر بلام مفتوح قوی ہیکل و فربہ۔ اور چونکہ یہ شخص اندھا ہونیکی وجہ سے کسی شے کو دیکھ تو سکتا نہیں اس لیے جو کچھ بھی کہے گا سنی ہوئی کہے گا اور دوسروں کی تقلید سے کہے گا۔ پس ظاہر ہے سه شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ اسی کو فرماتے ہیں کہ۔
گر سخن گوید الخ۔ یعنی اگرچہ یہ اندھا بال سے بھی باریک بات سکلے لیکن اسکی خبر اُس کے سر کو نہ ہوگی اس لیے جو کہیگا بے دیکھی ہوگی اور جب بے دیکھی ہے تو اُسکو پوری طرح سمجھ کر نہ کہیگا بس اُس کے سر کو کیا خبر کہ اُس نے کیا کہا صرف زبان سے جو چاہا نکالدیا اور چاہے وہ باتیں کرکر کے بہت ہی مست ہو جاوے اور یہ معلوم ہو کہ اسکو بے حد لذت اور لطف ہو رہا ہے مگر سب کو غلط سمجھو کہ یہ جو کچھ کہہ رہا ہے بالکل بے سمجھے کہہ رہا ہے اسی کو فرماتے ہیں کہ۔
مستئے دارد الخ۔ یعنی وہ اپنی گفتگو کی وجہ سے مستی رکھتا ہے (اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اپنی باتوں کو اس قدر سمجھتا ہے کہ خود بھی مست ہوا جاتا ہے مگر) اُس سے شراب (حقیقی) تک (جو کہ مست کر دینے والی ہے) ایک بہت بڑا راستہ ہے اور بہت بڑا تفاوت ہے کہاں وہ اور کہاں وہ مست کر دینے والی شراب کو سوں دور پڑا ہے اسکو اُسکی ہوا بھی نہیں لگی آگے ایسے شخص کی جو کہ محقق نہ ہو بلکہ صرف

مقلد بنکر زبانی باتین کرے اور دل مین اسکے کچھ نہ ہو ایک مثال دیتے ہین کہ۔

ہمچو جوئیست الخ۔ یعنی (یہ شخص) مانند ایک ندی کے ہے کہ وہ خود پانی نہین پیتی بلکہ پانی اُسمین سے پینے والون پر گذرتا ہے اور وہ اُس سے منتفع ہوتے ہین اسیطرح یہ شخص جو کہ علوم و معارف کو یاد کر کے دوسرون کی دیکھا دیکھی بیان کرتا ہے تو اُس کے قلب کو تو اِن سے خاک بھی فائدہ نہین ہان جو لوگ سُن رہے ہین اُن کو ضرور نفع ہوگا مگر یہ کورے کا کورا رہے گا۔ آگے اِسکی وجہ بتاتے ہین کہ ندی مین پانی کیون نہین ٹھہرتا فرماتے ہین کہ۔

آب در جوزان الخ۔ یعنی ندی کا پانی ندی مین اس لیے نہین ٹھہرتا کہ ندی کو پیاس نہین ہے اور وہ پانی پینے والی نہین ہے ورنہ اگر وہ پیاسی ہوتی تو سارا پانی اُسی مین جذب اور ہضم ہوجایا کرتا دوسرون تک پہونچتا ہی کیون اسیطرح اگر اِس شخص کو طلب ہوتی تو یہ علوم خود اسی کے قلب مین نہ رہتے دوسرون تک کیون پہنچتے اور کیون گاتا پھرتا معلوم ہوتا ہے کہ خود اسکو طلب نہین ہے اِس لیے وہ معانی وغیرہ بھی اِس کے پاس نہین ٹھہرتے بلکہ بس آئے اور گذرے نہ کر اپنا کچھ اثر نہین کرتے۔ آگے ایک اور مثال دیتے ہین کہ۔

ہمچو نائے الخ۔ یعنی (جو حقیقت مین نہ ہو) وہ مثل نے کے ہے کہ آہ وزاری بہت کرتی ہے لیکن (خود اُسمین اُسکا کوئی اثر نہین ہوتا بلکہ) خریدار کی بیگار کر رہی ہے کہ اُسکو حظ آرہا ہے اور وہ خوش ہو رہا ہے مگر اِن حضرت کو پتہ بھی نہین اسیطرح جو شخص کہ محقق نہین ہوتا بلکہ صرف مقلد ہوتا ہے وہ بھی باتین تو سنی سنائی کہدیتا ہے اور اُسکا نفع سامعین کو ہوتا ہے مگر اُس کے قلب پر اِسکا کوئی اثر نہین ہوتا۔ آگے ایک اور مثال دیتے ہین کہ۔

نوحہ گر باشد الخ۔ یعنی (دیکھو) نوحہ گر باتون مین مقلد ہوتا ہے (جو باتین اور لوگ کہہ رہے ہین اُن ہی کو یہ بھی دُہرا کر آہ وواویلا کر رہا ہے حالانکہ اِس کے دل مین رنج وغم سے ایک ذرہ بھی نہین) اور اِس خبیث کی مراد سوائے طمع کے کچھ بھی نہین ہوتی بلکہ اُسکو تو یہی مقصود ہوتا ہے کہ اِس آہ وزاری کر کے مجھے کچھ ملیگا۔ کوئی بات دل سے نہین کہتا اِس لیے کہ اُس کے دل مین رنج ہی نہین ہوتا (نوحہ گر سے وہ مراد ہے جو لوگ اپنا پیشہ کر لیتے ہین کہ جہان مجلس غم ہوئی اور اُن کو کچھ ملا اُنھون نے رونا شروع کیا جیسے کہ اکثر مجالس مراثی وغیرہ مین ایسے لوگ ہوتے ہین) آگے اِسی کو فرماتے ہین کہ کہان اُسکی یہ واویلا اور کہان رنج دلی فرماتے ہین کہ۔

نوحہ گر گوید الخ۔ یعنی نوحہ گر سوزناک باتین کہتا ہے لیکن (اصلی) سوز دل اور دامان چاک کہان ہے وہ صرف بناوٹ سے سارے کام کرتا ہے دل پر اُس کے کوئی اثر نہین ہوتا اسیطرح وہ لوگ ہین جو کہ صرف مقلد ہین خود محقق نہین ہین کہ اُنکو صرف الفاظ یاد ہوتے ہین اور وہ اُنکو دُہرا دُہرا کر مست ہوے جاتے ہین اور دل کورا کا کورا پڑا ہوا ہے آگے فرماتے ہین کہ مقلد اور محقق مین بہت زیادہ فرق ہے کہ محقق جو کہتا ہے دل سے کہتا ہے اور از دل خیزد بر دل ریزد کا مصداق ہوتا ہے اور مقلد کے پاس صرف زبانی جمع خرچ ہوتا ہے بس فرماتے ہین کہ۔

از مقلد تا محقق الخ۔ یعنی مقلد اور محقق مین بہت زیادہ فرق ہے اور یون سمجھو کہ اُنکی (یعنی محقق کی) مثال تو ایسی ہے کہ جیسے داؤد علیہ السلام تھے کہ خود صاحب آواز تھے اور وہ دوسرا (یعنی مقلد) ایسا ہے کہ جیسے آواز ہوتی ہے کہ صرف الفاظ اور صوت ہوتی ہے اور کچھ نہین ہوتا اور داؤد کی ذات خود کامل تھی اسی طرح جو محقق کہیگا وہ تو وہ بات کہیگا جو کہ سمجھی ہوئی اور دل سے ہوگی اور جو شخص کہ اسکی تقلید کر رہا ہے وہ صرف ایک آموختہ سا جو کہ اسکو پہلے سے یاد ہو پڑھتا چلا جاویگا اسی کو فرماتے ہین کہ۔

منبع گفتار الخ۔ یعنی اس (محقق) کی بات تو سوز دل سے ہوگی اور مقلد تو ایک پڑا نا سیکھا ہوا ہوگا اسکو کچھ خبر بھی نہ ہوگی کہ میرے منھ سے کیا نکل رہا ہے بس ایک آموختہ سا یاد ہوگا اور ہر جگہ اُسی کو کہہ دیگا کسی نے خوب کہا ہے سہ کہان سے لائیگا قاصد بیان میرا زبان میری + مزا جب تھا کہ خود سنتے زبانی داستان میری + اس لیے کہ جس درد سے خود متکلم اپنی حالت زار کو بیان کریگا دوسرا وہ درد کہان سے لاویگا کہ جو محبوب کے دل پر اور دوسرون کے دل پر بھی اثر کر جاوے پس اگر یہ قاصد اترانے لگے کہ ہم بھی اُس محبوب کے سامنے اِس حالت کو بیان کر آئے تو یہ اُسکی سراسر بیوقوفی ہے اِسی کو ایک مثال دیکر واضح فرماتے ہین کہ۔

ہین مشو غرہ الخ۔ یعنی ہان تم کہین اس غمگین گفتگو سے مغرور مت ہو جانا اس لیے کہ اسکی تو ایسی مثال ہے کہ جس طرح) بوجھ تو بیلون پر ہوتا ہے اور گاڑی مین سے آواز نکلتی ہے حالانکہ اس گاڑی کو بوجہ جماد محض ہونے کے یہ بھی خبر نہین کہ مجھ پر بوجھ ہے کہ نہین مگر پھر بھی آپ چون چون کر رہی ہے جو بیل بیچارے بوجھ کھینچ رہے ہین اور وہ اسکو محسوس بھی کرتے ہین وہ چپ چاپ جا رہے ہین کہ جیسے ان پر کچھ ہے ہی نہین بس اسیطرح جو کہ مقلد ہین وہ تو بک بک لگاتے ہین اور خاک بھی خبر نہین ہوتی کہ اُس قول سے مقصود کیا ہے بہت واویلا کرتے ہین لیکن مطلوب کی خبر نہین اور جو لوگ محقق ہوتے ہین وہ تو زبان بھی نہین ہلاتے اور چپ چاپ اُس بار محبت کو کھینچتے ہین اور اُف نہین کرتے جو گذرتا ہے دل پر گذرتا ہے۔ لیکن اگر کوئی محقق نہ ہو اور مقلد ہی ہو کر نقلین اُتارا کرے تو وہ بھی انشاء اللہ ثواب سے محروم نہ رہیگا اسی کو فرماتے ہین کہ۔

ہم مقلد الخ۔ یعنی مقلد بھی ثواب سے محروم نہ رہے گا (جب کہ اس نقل سے بھی نیت درست ہو اور اگر نیت مین بھی خرابی ہے تو کچھ نہ ملیگا۔ اگلے مصرعہ مین ایک مثال سے سمجھاتے ہین کہ دیکھو) نوحہ گر کو بھی حساب مین مزدوری ملتی ہے یعنی جس طرح اسکو اصلی رنج نہ تھا بلکہ صرف دوسرون کی نقل اُتار کر سوزناک باتین کر رہا تھا لیکن اسکو بھی مزدوری ملتی ہے اسیطرح اگر تم دل سے یہ باتین نہ بھی کہو گے بلکہ خلوص سے دوسرون کی نقلین بھی اُتاروگے تو انشاء اللہ تم بھی محروم نہ رہوگے اس لیے کہ خود فرماتے ہین کہ ان لم تبکوا فتباکوا یعنی اگر حقیقۃً رونا نہ آوے اور تم روسکو تو رونے والون کی صورت ہی بنالو تو اگر تم اُن مین سے نہ ہوگے مگر اُنکی نقل اُتارنے والون مین سے تو ہوگے کسی نے خوب کہا ہے سہ احب الصالحین ولست منہم + لعل اللہ یرزقنی صلاحا + آگے ایک اور مثال سے واضح کرتے ہین کہ دیکھو ایک بات

ہوتی ہے اور دو کہنے والے ہوتے ہین اس لیے اُس ایک ہی بات مین کس قدر فرق ہو جاتا ہے فرماتے ہین کہ
کافر و مومن الخ - یعنی کافر اور مومن دونون خدا کہتے ہین اور اُسکو مانتے ہین (اس لیے کہ ایسے اندھے تو
بہت ہی کم ہین جو کہ وجود صانع کا بالکل انکار کرتے ہین اکثر تو ایسے ہین کہ صانع عالم کو مانتے ہین مگر دیکھو
ان دونون کے درمیان مین ایک عظیم الشان فرق ہے دونون ایک بات کہنے والے اور پھر کس قدر
فرق ہے سو یہ سارا فرق اِسی کے باعث ہے کہ ایک سمجھ کر کہہ رہا ہے اور اُسکو مانتا ہے مع اُسکی
معرفت کے اور دوسرا اُسکو صرف دلائل کی وجہ سے مانتا ہے کہ جب وہ دیکھتا ہے کہ یہ دنیا کا کارخانہ
چل رہا ہے اور بظاہر اسکا چلانے والا کوئی نظر نہین آتا تو مضطر ہو کر صانع کے وجود کا قائل ہوتا ہے
اور جو مومن ہے وہ اُسکو مانتا ہے مع اُسکی معرفت کے اگرچہ معرفت اُسکو بھی اِن اسباب سے ہی
ہوتی ہے مگر بعد معرفت اِنکی طرف التفات نہین رہتا بلکہ بس وہ اُسکا ہو گیا شیخ سعدی فرماتے ہین کہ
؎ آنکس کہ ترا شناخت جان را چہ کند ✽ فرزند عیال و خان و مان را چہ کند ✽ وہ تو بزبان حال ہر وقت
یہ کہتا ہے کہ ؎ رہے وہ جان جہان یہ جہان رہے نہ رہے ✽ مکین کی خیر ہو یارب مکان رہے نہ رہے ✽
اور وہ بیچارہ کافر کچھ بھی نہین جانتا بس ان اسباب ہی مین پھنس جاتا ہے خوب سمجھ لو آگے ایک اور
مثال دیتے ہین فرماتے ہین - کہ
آن گدا گوید الخ - یعنی دیکھو فقیر خدا کہتا ہے روٹی کے واسطے اور متقی خدا کا نام لیتا ہے تو عین جان سے
پس دیکھ لو ایک ہی نام دو کے منھ سے نکلتا ہے اور کس قدر فرق ہے کہ ایک بے ادب ہے اور دوسرا
مقرب اور پہلے شعر مین ایک مردود ہے اور دوسرا محبوب ہے یہ ساری وجہ اسی سمجھ اور عقل اور تحقیق
کی ہے ورنہ یہ فرق کیون ہوتا پس ہم بھی ان لذات دنیا کے واسطے خدا کا نام لیتے ہین ذرا ان کو ترک
کر دین اور پھر خدا کا نام لین دیکھو کیا اثر ہوتا ہے اور کیسی برکت ہوتی ہے اسی کو فرماتے ہین کہ -
اللہ اللہ الخ - یعنی تم اللہ اللہ روٹی کے واسطے کہتے ہو (تا کہ نعمائے دنیا حاصل ہون) اے کمبخت اِس
طمع کو چھوڑ اور پھر آ کر خدا کا نام لے اور دیکھ کہ کس طرح برکات نازل ہوتی ہین آگے فرماتے ہین کہ -
گر بدانستے الخ - یعنی اگر وہ فقیر (جو کہ روٹی کے واسطے خدا کا نام لے رہا ہے) اپنے اِس قول (کی حقیقت)
کو جان لیتا تو پھر اُسکی نگاہ مین نہ کم رہتا نہ زیادہ بس وہ تو اُسکا ہو جاتا یہ ساری خرابی تو اسی کی ہے کہ حقیقت
یعنی حاصل نہین ہے اور ہم اِس سے بالکل خالی ہین آگے اسی کو فرماتے ہین کہ -
سالہا گوید الخ - یعنی یہ شخص برسون تک خدا کا نام روٹی (اور معاش دنیوی) کے واسطے لیتا ہے جس طرح
کہ گدھا کہ قرآن کا بوجھ اُٹھاتا ہے گھاس کے واسطے اسیطرح ہم جو حقیقت کو نہین جانتے ان علوم و معانی
کا بوجھ اُٹھا رہے ہین اور اُس نام پاک کو لے رہے ہین تا کہ اسکو دیکھ کر لوگ پھندے مین پھنسین اور سمجھین کہ
حضرت تو بڑے صوفی ہین کس قدر علوم و معارف بیان فرماتے ہین بس اسکی ایسی ہی مثال ہے جیسے کہ
کسی نے کہا ہے ؎ حرف درویشان بدزدد مرد دون ✽ تا بہ پیش جاہلان خواند فسون ✽ اگر ان کے یہ
کلمات دل مین بھی جگہ کئے ہوے ہوتے تو پھر ان کی یہ حالت تھوڑا ہی رہتی یہ تو کچھ اور ہی ہو جاتے

اسی کو فرماتے ہین کہ۔
گر بدل در تافتے الخ یعنی اگر یہ اسکی زبانی گفتگو دل مین بھی چمک جاتی تو اسکا قالب ذرہ ذرہ ہو جاتا اور یہ جسم ظاہری بھی پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے اُڑ جاتا آگے فرماتے ہین کہ۔
نام دیوے الخ یعنی ایک دیو کا نام تو ساحری مین اپنا اثر کر جاوے (اور ساحر اس نام خبیث پر منا ہیر) تو بڑے شرم اور غیرت کی بات ہے کہ) تم نام پاک حق تعالےٰ سے ایک پیسہ حاصل کرو یعنی اس کمینی دنیا کو حاصل کرو جو کہ کالعدم اور لاشے ہے اور اس نام کے ذریعہ سے اپنے حلوا مانڈے کو درست کیا جاوے تم سے تو وہ ساحر اس صفت مین بہتر ہے کہ ایک کا ہو تو رہا آگے ایک حکایت بیان فرماتے ہین کہ جسطرح یہ شخص حقیقت نہ جاننے کے باعث دھوکہ مین تھا اسیطرح بوجہ حقیقت سے اندھا ہونے کے ہم بھی دھوکہ مین پڑے ہوے ہین پس فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

خاریدن روستائی در تاریکی شیر را بہ ظن آنکہ گاوست

روستائے گاؤ در آخر بہ بست	شیر گاوش خورد و بر جائش نشست
روستائی شد در آخر سوے گاؤ	گاؤ را مے جست شب آن کنجکاؤ
دست می مالید بر اعضاے شیر	پشت و پہلو گاہ بالا گاہ زیر
گفت شیر ار روشنی افزون بدے	زہرہ اش بدریدے و دل خون شدے
این چنین گستاخ زان می خاردم	کو درین شب گاؤ می پندار دم

ایک دیہاتی نے اپنا بیل آخور پر باندھا۔ شیر نے اُسکا بیل تو کھالیا اور خود اسکی جگہ بیٹھ گیا پیچھے سے دیہاتی آگیا اور وہ متلاشی بیل کو رات مین ڈھونڈھنے لگا جب بیل کی جگہ پہونچا تو شیر کو بیل سمجھ کر اسکے اعضا پر ہاتھ پھیر تا رہا کبھی پشت پر ہاتھ پھیرتا تھا کبھی پہلو پر۔ کبھی اوپر کبھی نیچے۔ شیر نے دل مین کہا کہ اگر روشنی زیادہ ہوتی تو اسکا پتہ پھٹ جاتا۔ اور دل خون ہو جاتا اس طرح بیباکانہ مجھے اس لیے کھجلا رہا ہے کہ رات مین وہ مجھے بیل سمجھتا ہے یعنی مجھ مین بزدل آدمی کا پتہ پھاڑ دینے اور دل خون کر دینے کی خاصیت ہے لیکن اسپر جو اثر نہین ہوتا اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ میری حقیقت سے واقف نہین آگے نتیجہ کے طور پر فرماتے ہین کہ۔

شرح شبیری

ایک دیہاتی کا شیر کو چمکارنا گاے کے دھوکے مین

روستائے گاؤ الخ۔ یعنی ایک دیہاتی نے گائے آخور مین باندھ دی شیر نے اُسکی گائے تو کھالی اور اُسکی جگہ پر بیٹھ گیا۔
روستائی شد الخ۔ یعنی وہ دیہاتی آخور مین گائے کی طرف گیا اور گائے کو رات کے وقت متجسس کی طرح ڈھونڈھ رہا تھا۔
دست می مالید الخ۔ یعنی وہ دیہاتی اُس شیر کے اعضا پہ ہاتھ ملتا تھا کبھی پشت پر کبھی پہلو پر کبھی نیچے غرض کہ خوب سہلا رہا تھا۔
گفت شیر از الخ۔ یعنی اور شیر کہہ رہا تھا کہ اگر روشنی زیادہ ہوتی تو اُس شخص کا پتہ پھٹ جاتا اور دل خون ہو جاتا۔
این چنین گستاخ الخ۔ یعنے یہ اِس طرح گستاخی (اور آزادی) سے اِس لیے مجھے کھجا رہا ہے کہ وہ رات کی وجہ سے مجھے گائے سمجھ رہا ہے۔ اگر اسکی آنکھ اِسوقت بینا ہوتی اور مجھے پہچانتا اور میری حقیقت کو سمجھتا تو ہرگز ایسی گستاخی نہ کرتا۔ آگے مولانا اِس حکایت سے انتقال فرماتے ہین کہ اسیطرح ہم حقیقت نام حق سے ناواقف اور اندھے ہو رہے ہین اگر ہمکو معلوم ہو جاوے کہ یہ کیا چیز ہے تو پھر اسکے ساتھ اِس قدر لاپروائی اور بے التفاتی کا برتاؤ نہ کرین بس فرماتے ہین۔

شرح حبیبی

حق ہمی گوید کہ اے مغرور کور — نے ز نامم پارہ پارہ گشت طور
کہ لو انزلنا کتابا للجبل — لانصدع ثم انقطع ثم ارتحل
از من از کوہ احد واقف بُدے — پارہ گشتے و دلش پرخون شدے
از پدر وز مادر این بشنیدۂ — لاجرم غافل درین پیچیدۂ
گر تو بے تقلید از و واقف شدے — بے نشان بے جائے چون ہاتف شدے
بشنو این قصہ پئے تہدید را — تا بدانی آفت تقلید را

حق سبحانہ فرماتے ہین۔ کہ اے دھوکے مین مبتلا اندھے کیا میرے نام کی تجلی سے کوہ طور پارہ پارہ نہین ہو گیا۔ اور فرماتے ہین کہ اگر ہم کتاب کو پہاڑ پر نازل کرتے۔ تو وہ پھٹ جاتا پھر منقطع ہو جاتا۔ پھر چلدیتا۔ اگر کوہ احد مجھ سے واقف ہوتا تو وہ بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔ اور اسکا دل بھی پرخون ہو جاتا۔ اچھا اب اِسکی وجہ سُن کہ تجھپر اثر کیون نہین ہوتا۔ اِسکی وجہ یہ ہے کہ تونے ماں باپ سے سُن لیا ہے اور اسی مین پھنسا ہوا ہے۔ اور تحقیق کا درجہ حاصل نہین کیا اگر تو تقلید سے جدا ہو کر اِس سے واقف ہوتا تو تو بھی ہاتف کی طرح بے نشان محسوس و بے مکان محسوس ہو جاتا۔ اچھا اب تو ایک قصہ سُن جس سے تجھے تقلید محض کی خرابی معلوم ہو۔
شرح شبیری۔ حق ہمی گوید الخ۔ یعنے حق سبحانہ تعالے فرماتے ہین کہ اے اندھے مغرور کیا

میرے نام ہی سے طور جیسے پہاڑ کے ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو گئے تھے۔ مگر تو ایک وہ ہے کہ جس طرح تھا ویسا ہی ہے اور تیرے اندر کچھ بھی اثر نہیں ہوتا۔ اور نام سے پارہ پارہ ہونا اس لیے فرمایا کہ اُسوقت بھی تو ایک اِسم کی تجلی ہی ہوئی تھی جس کے سبب سے طور بالکل خاک سیاہ ہو گیا یہ عظمت تو ہمارے نام کی ہے اور کتاب کی عظمت یہ ہے کہ۔

کہ لو انزلنا الخ۔ یعنی حق تعالی فرماتے ہین کہ اگر ہم اپنی کتاب کو کسی پہاڑ پر اُتارتے تو وہ پھٹ جاتا اور پھر ٹوٹ جاتا اور پھر (اپنی جگہ سے) چل بھی دیتا۔ یعنے اُسپر اُس کتاب کی عظمت وجلال کا یہ اثر ہوتا تو حیف ہے انسان پر کہ اِسپر بالکل بھی اثر نہ ہو۔ اور بُت سا بنا رہے ف اِس شعر پر اور اِسیطرح اسکے ماخذ یعنے آیت لو انزلنا ہذا القرآن علی جبل الخ پر یہ شبہ ہوتا ہو کہ یہ الزام تو مقبولین مطیعین پر بھی عائد ہوتا ہے کہ وہ بھی اِس درجہ تو قرآن سے متاثر نہین ہوے۔ جواب یہ ہے کہ مقصود اِس سے اِس درجہ کی تاثیر کی مطلوبیت نہین ہے کیونکہ اِس صورت مین تو پھر اطاعت ہی کا تحقق نہ ہوگا اور یہ حکمت تکلیف کے خلاف و منافی ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید سے جو کہ فی نفسہ ایسا مؤثر ہے گو اسکی اتنی تاثیر انسان مین بوجہ حکمت مطلوب نہین مگر جس قدر مطلوب ہے اُس قدر تو انسان کو مؤثر ہونا چاہیے جیسا مطیعین ہوتے بھی ہین فافہم۔ (حضرت والا دام ظلہم نے یہ فائدہ راقم کو لکھکر عنایت کیا تھا کہ اسکو یہان بڑھا دون) آگے پھر اسی کو فرماتے ہین کہ۔

از من ار کوہ الخ۔ یعنی حق تعالے فرماتے ہین کہ اگر احد پہاڑ مجھ سے واقف ہوتا تو اُسکو میری معرفت ہو جاتی تو ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا اور اُس کا دل خون ہو جاتا یعنے اُسکی ہستی فنا ہو جاتی پس حیرت ہے کہ انسان کو اثر نہ ہو۔ اور یہ اثر اِس لیے نہین ہوتا کہ خود تو حاصل کیا نہین بے محنت مل گیا ہے فرماتے ہین کہ

از پدر و ز مادر الخ۔ یعنے ماں باپ سے اِس (نام پاک) کو سُن لیا ہے اِسی لیے غافل کی طرح اِسمین کیٹا ہوا ہے مطلب یہ ہے کہ خدا کا نام ماں باپ سے سُن لیا ہے اِس لیے اُسکی کوئی قدر نہین ہے اور بالکل بے پرواہ اور غافل رہتا ہے۔ اور بے التفاتی سے اِس نام پاک کو لیتا ہے اگر محقق ہو کر اِس نام پاک کو لیتا تو جانتا کہ کیا چیز ہے اب تو ماں باپ کی سُنی سنائی باتین خود بھی کہنے لگے۔ اِسی کو فرماتے ہین کہ۔

گر تو بے تقلید الخ۔ یعنے اگر تو اُس سے بے تقلید کے واقف ہوتا تو بے نام اور بے محل ہاتف کی طرح ہو جاتا اگرچہ ہاتف بھی بادی ہے اور اُس کا محل اور مقام سب کچھ ہے مگر جس طرح وہ بظاہر دکھلائی نہین دیتا اِسیطرح تم بھی اُس سے واقف ہو کر اپنی ہستی کو مٹا دیتے اور یہ حالت ہوتی کہ ؎ چو سلطان عزت علم برکشد جہان سر بجیب عدم درکشد۔ پس اِسیطرح اُسکو جان کر اپنے نشان کو بے نشان اور اپنی ہستی کو عدم سمجھنے لگتے آگے فرماتے ہین کہ۔

بشنو این قصۂ الخ۔ یعنے اب تم اِس قصہ (ذیل) کو تہدید کے واسطے سُن لو تاکہ تم کو محقق نہ ہونیکی اور صرف) تقلید کی آفات اور خرابیان معلوم ہو جاوین۔

شرح حبیبی

فروختن صوفیان بہیمۂ صوفی مسافر را جہت سفرہ و طعام

صوفیے در خانقاہ از رہ رسید　　مرکب خود برد و در آخر کشید
آبکش داد و علف از دست خویش　　نے چنان صوفی کہ ما گفتیم پیش
احتیاطش کرد از سہو و خباط　　چون قضا آید چہ سود از احتیاط
صوفیان درویش بودند و فقیر　　کاد فقرٌ ان یکن کفرا یبیر
اے توانگر تو کہ سیری ہین مخند　　بر کژی آن فقیر دردمند
از سر تقصیر آن صوفی رمہ　　خر فروشے در گرفتند آن ہمہ
کز ضرورت ہست مردارے مباح　　بس فسادے کز ضرورت شد صلاح
ہم در آن دم آن خرک بفروختند　　لوت آوردند و شمع افروختند

ایک صوفی کسی خانقاہ مین کہین سے آپہونچا۔ وہان پہونچکر اُس نے اپنی سواری کا جانور (گدہا) آخور پر باندھ دیا۔ اور پانی بھی خود ہی پلایا۔ اور چارہ بھی اپنے آپ ہی ڈالا۔ اِس صوفی کی طرح جسکا ذکر ہم نے پیشتر کیا ہے دوسرے کے بھروسہ نہین رہا۔ اِس سے مقصود اُسکی احتیاط تھی۔ کہ کہین بھول چوک اور کوئی بے عنوانی نہ ہو۔ لیکن حکم خداوندی اور تقدیر الٰہی کے سامنے احتیاط بالکل بے سود ہے۔ وہ صوفی لوگ مفلس و محتاج تھے اِس لیے اُنکی نیت بدل گئی۔ اور کچھ عجب نہین کیونکہ بعض فقر تو کفر عظیم کا سبب ہو جاتا ہے۔ یعنی جبکہ غنی القلب نہ ہو۔ یہ تو بد دیانتی اور اضاعت اور اتلاف حق عبد ہی ہے۔ لیکن اے تونگر تو سیر ہے۔ تجھے ایسے لوگون کی حالت معلوم نہین پس تجھے ایسے المناک محتاجون کی اِس روش کج پر ہنسنا اور اُنکی تحقیر کرنا نہ چاہیے۔ بلکہ اِسکا علاج اور تدارک کرنا چاہیے۔ تجھے کیا معلوم کہ اگر تو اِس مصیبت مین مبتلا ہو تو اسوقت تیرا کیا حال ہو۔ ممکن ہے کہ تیری نوبت کفر تک پہونچ جاوے۔ خیر تو اِس صوفیون کی جماعت نے غلطی سے اور بطور معصیت کے یا بہ سبب دولت دینوی و اخروی سے کم بضاعتی کے اِس گدھے کے بیچنے کی ٹھان لی اور حیلہ یہ تراشا کہ گو یہ فعل حرام ہے مگر الضرورات تبیح المحظورات یعنی ضرورت کے وقت بعض ناجائز امور بھی جائز ہو جاتے ہین اور بہت سے نقصانات اور خرابیان صلاح و درست ہو جاتی ہین۔ مگر احتیاج اور طمع نے اُنکو یہ نہ سوچنے دیا کہ وہ کونسی ضرورتین ہین جن سے مردار حلال ہو جاتا ہے یہ سوچ کر انھون نے اِس گدھے کو بیچ ڈالا اور انواع و اقسام کے کھانے لائے۔ اور شمع روشن کی غرض خوب ٹھاٹھ بنایا۔

شرح شبیری

صوفیون کا ایک مسافر صوفی کے جانور کو فروخت کر ڈالنا کھانے اور سماع کے لیے

صوفیی در خانقاہ الخ۔ یعنی ایک صوفی راستہ سے خانقاہ مین پہونچا اور اپنی سواری کو آخور کی طرف کھینچا۔ یعنی لیجا کر باندھ دیا۔ اور۔

آبکش داد الخ۔ یعنی اُس جانور کو تھوڑا پانی اور گھاس اپنے ہاتھ سے دیا۔ اور اُس صوفی کی طرح نہین جسکا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے یعنی اُسکی طرح غافل نہین ہوا اور دوسرون پر بھروسہ نہ کیا بلکہ اُسکی خدمت خود کی اور۔

احتیاطش کرد الخ۔ یعنی بھول سے اور خبط سے اُسکی احتیاط کی۔ مگر جب قضا آوے تو احتیاط سے کیا فائدہ ہوتا ہے۔ وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے۔

صوفیان درویش الخ۔ یعنی وہ سارے صوفی (جو کہ وہان جمع ہو گئے تھے) مفلس اور فقیر تھے اور قریب ہے کہ (ایسا) فقر کفر کبیر ہو جاوے یعنی سبب ہو جاوے۔ کفر کبیر کا اور یہان فقر سے مراد بعض فقر ہے ورنہ کل فقر تو ایسا نہین ہوتا اس لیے کہ ارشاد ہے الفقر فخری۔ پس بعض فقر ایسا ہوتا ہے کہ جو کفر تک نوبت پہونچا دیتا ہے۔ یہان یہ مقصود ہے کہ ان لوگونکا فقر ایسا ہی تھا اور وہ فقر جو کہ اُس حدیث کا مصداق ہے یہان نہ تھا اس لیے کہ سب مکار تھے۔ آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔

اے توانگر تو الخ۔ یعنی اے توانگر جو کہ پیٹ بھرا ہوا ہے ہرگز اس دردمند صوفی کی کجی پر مت ہنس اس لیے کہ جس مصیبت اور بلا فقر مین یہ مبتلا ہے کیا خبر ہے کہ اگر تم مبتلا ہوتے تو تم کیا کچھ کر بیٹھتے۔ پس مقصود مولانا کا یہ ہے کہ جو شخص کہ گناہون مین مبتلا ہے اور تم نیک ہو تو اُس گنہگار پر مت ہنسو۔ اس لیے کہ کیا خبر ہے کہ تم خود بھی اُسی مین مبتلا ہو جاؤ۔ جیسا کہ حدیث مین بھی ہے۔ من ضحک ضحک یعنی جو کسی پر ہنسے وہ خود بھی ہنسا جاتا ہے اس طرح سے کہ وہ بھی اُسی مین مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور دوسرے اُسپر ہنستے ہین جیسے کہ یہ ہنستا تھا۔ لہذا اسکو حقیر و ذلیل مت سمجھو۔ بلکہ اُسپر تاسف کرو۔ اور اُسکی حالت سے دردمند ہو اور اُسکی تدبیر نرمی سے یا سختی سے جیسا موقعہ ہو اور مناسب ہو کرو۔ اور خود حق تعالےٰ سے ہر وقت پناہ مانگو۔ آگے فرماتے ہین کہ۔

از سر تقصیر الخ۔ یعنی ان صوفیون کی جماعت نے بسبب (اوس) کمی کے (جو اُنہین تھی) سب نے خر فروشی اختیار کی۔ مطلب یہ کہ چونکہ یہ لوگ کامل تو تھے نہین کہ جسکی وجہ سے صبر و استقلال کامل ہوتا اور اس مصیبت پر صبر کرتے اس لیے سب نے یہ حرکت کی کہ اُس صوفی جدید کا گدہا فروخت کر دیا۔ اور اُس خر فروشی کے جواز کے لیے یہ بات گھڑی کہ۔

در ضرورت ہست الخ۔ یعنی (وہ صوفی کہنے لگے کہ) ضرورت مین تو مردار بھی مباح ہو جاتا ہے اور بہت سے فساد ضرورت کی وجہ سے اچھے اور درست اور جائز ہو جاتے ہین ان حضرات نے

ضرورت کو بھی خود ہی تراشا اور اُسپر احکام بھی خود ہی جاری کر لیے اور سب حلال کر کر اُس غریب کا گدھا فروخت کر دیا۔ پس جب یہ سمجھ لیا اور اُسکو ضرورت کی وجہ سے حلال سمجھا تو۔

ہم در آندم الخ۔ یعنی (پس یہ سوچ کر) اُسی وقت اُس گدھے کو فروخت کر دیا۔ (اور پھر) عمدہ عمدہ کھانے لائے۔ اور شمع روشن کی۔ یعنی پھر کیا تھا خوب چہل پہل ہو گئی۔ لوت بوا و المجہول غذاے عمدہ و نفیس و لذیذ۔

شرح حبیبی

ولولہ اوفتاد اندر خانقہ	کامشان لوت و سماع وولولہ
چند ازین صبر و ازین سہ روزہ چند	چند ازین زنبیل و این دریوزہ چند
ما ہم از خلقیم و جان داریم ما	دولت امشب میہمان داریم ما
تخم باطل را ازان مے کاشتند	کانکہ آن جان نیست جان پنداشتند

اب کیا تھا خانقاہ مین ایک شور مچ گیا۔ کہ آج کی رات کھانے بھی خوب اُڑین گے محفل سماع بھی ہو گی۔ اور خوب شور ہیگی اور اُچھل کود ہو گی۔ کیون نہ ہو آخر صبر کب تک اور تین تین دن کے روزے کب تک۔ جھولی کب تک اور دریوزہ گری کب تک۔ کبھی تو ہم کو بھی چین نصیب ہو آخر ہم بھی تو مخلوق خدا ہین۔ ہمارے بھی تو جان ہے۔ خیر آج تو دولت ہمارے یہان میہمان ہے۔ آج تو جی بھر کے مزے لوٹ لین یہ لوگ باطل کا بیج اسلیے بورہے تھے اور خیال باطل اسلیے جمارہے تھے کہ ان احمقون نے نفس کو روح سمجھا۔ اور جو جان نہین تھی اُسکو جان گمان کیا اور نفس کے تقاضے کو روح کا تقاضا خیال کیا۔

شرح شبیری ولولہ اُفتاد الخ۔ یعنی (جب کہ یہ لذیذ اور عمدہ کھانے وغیرہ آگئے تو) خانقاہ مین ایک شور ہو گیا کہ آج کی رات تو عمدہ کھانے ہین اور سماع ہے اور جوش ہے مطلب یہ کہ اب کیا ہے مزے مین خوب اُڑاؤ اور سماع سنو اور جوش کرو۔ اِس لیے کہ اِس قدر تو فاقے اُٹھائے اور آخر ہماری بھی تو جان ہے پھر کیون نہ کھاوین اِسی کو فرماتے ہین کہ۔

چند ازین صبر الخ۔ یعنی کہان تک صبر ہو اور یہ تین دن کے روزے کہان تک اور یہ جھولی کب تک اور یہ بھیک کہان تک آخر ہم تو مخلوق ہین اور جان رکھتے ہین اور آج کی رات تو دولت ہمارے یہان میہمان ہے۔ چونکہ یہ بچارے بہت ہی بھوکے تھے۔ اِس لیے کہنے لگے کہ اب صبر کہان تک کرین اب تو دولت ہمارے یہان میہمان ہے خوب مزے اُڑاوین گے۔ آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔

تخم باطل الخ۔ یعنی (یہ لوگ) تخم باطل اسلیے بورہے تھے (یعنی بُرے کام کہ اُس بیچارے کا گدھا چرا کر فروخت کر دیا اِس لیے کر رہے تھے) کہ جو چیز جان نہین تھی (اور قابل پرورش نہین تھی) اُسکو جان سمجھے مطلب یہ کہ چونکہ یہ لوگ نفس ہی کی حیات کو حیات سمجھے اِس لیے اُسی کی پرورش مین اور اُسی کی تغذیہ مین لگ گئے۔ اور اِس غذا کی تحصیل بھی ناجائز طریق سے کی حالانکہ پرورش کے قابل روح ہے

اور اصل حیات روحانی ہے۔ ورنہ اگر جسمانی حیات ہوا اور روح مردہ کی طرح ہو تو پھر کس کام کا وہ تو بالکل فضول ہے۔ یہ لوگ تو لطف اور مزے مین تھے اور وہ مسافر غریب تھکا ماندہ تھا تو اسکی اُن حضرات نے خوشامد مین خوب خدمت کی کہ کہین اُسکو رات مین خبر نہ ہو جاوے اِسی کو فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

وان مسافر نیز از راه دراز	خسته بود و دید آن اقبال و ناز
صوفیانش یک بیک بنواختند	نرد خدمتهاش خوش می باختند
آن یکے پایش همی مالید دوست	وان یکے پرسیدش از جائے نشست
وان یکے افشاند گرد از رخت او	وان یکے بوسید دستش را و رو
گفت چون میدید میلان شان بوے	گر طرب امشب نخواهم کرد کے

اِن صوفیون کی تو یہ حالت تھی اور وہ مسافر بیچارہ بھی درازی سفر سے تھکا ماندہ تھا یہان اگر اُسنے وہ توجہ اور الطاف دیکھے جنکا ہم آگے ذکر کرتے ہین تو بیچارہ دھوکے مین پڑ کر نفع و نقصان سب کچھ بھول گیا۔ ایک ایک صوفی نے اُسکی خوب آؤ بھگت کی۔ اور اُسکی خدمت کرنے مین نہایت ہوشیاری سے چالین چلین کہ اِسے کسی قسم کا شبہ نہ ہو جاوے سکوئی پاؤن دباتا تھا کوئی ہاتھ۔ کوئی کہتا حضرت یہان تشریف رکھیے کوئی انکے اسباب کی گرد جھاڑتا تھا۔ کوئی ہاتھ چومتا اور پیشانی پر بوسہ دیتا تھا۔ غرض وہ ان چاپلوسیون سے اِس قدر مغرور ہوا کہ دلمین کہتا تھا کہ آج بھی مزے نہ اُڑائے تو پھر کب اُڑائین گے۔

شرح شبیری | **وان مسافر الخ**۔ یعنی اور وہ مسافر دور کے سفر کی وجہ سے (تھکا ماندہ اور) خستہ ہو رہا تھا اُس نے (اِن لوگونکی اِس قدر) توجہ دیکھی اور ناز برداری تو خوش ہوا اور خواہش سماع اور مجلس طرب کی کی جیسے کہ آگے معلوم ہوتا ہے۔ آگے اِن صوفیون کی توجہ اور ناز برداری کو بیان فرماتے ہین کہ اُنھون نے کیا کیا کیا۔ فرماتے ہین کہ۔

صوفیانش الخ۔ یعنی وہ صوفی ایک ایک اُسکو نوازتا تھا اور اُسکی خدمت کی چوسر خوب خوش ہو کر کھیل رہے تھے مطلب یہ کہ ہر شخص الگ الگ خدمت کے لیے کمربستہ اور تیار تھا۔ اور۔

آن یکے الخ۔ یعنی کوئی اُس کے ہاتھ پاؤن دباتا تھا اور کوئی اُسکی قیامگاہ کو دریافت کرتا تھا۔ کہ حضرت کا دولتخانہ کہان ہے غرض کہ اُسکا گدہا فروخت کیا اور خوب اُس کو گدہا بنایا اچھی بیچارے کی کمبختی آئی۔

وان یکے الخ۔ یعنی اور کوئی اُس کے اسباب مین سے گرد جھاڑ رہا تھا اور کوئی اُس کے ہاتھ اور منھ چومتا تھا۔ غرض کہ جب وہ خوب گدھے بن لیے اور ذرہ مزہ مین آگئے تو اب آپ کو مستی سوجھی اور بولے کہ۔

گفت چون الخ۔ یعنی جب اُس نے اُنکا میلان اپنی طرف دیکھا تو بولا کہ اگر آج ہی کی رات طرب کرونگا تو کب کرونگا یعنی آج تو یاران مجلس موجود ہیں اور ہر طرح کا سامان موجود ہے پھر آج تو ضرور سماع ہونا چاہیے بہتر ہے آگے یہ ساری مستی نکلے گی ذرا ٹھہر جائیے۔

شرح حبیبی

لوت خوردند و سماع آغاز کرد	خانقہ تا سقف شد پُر دود و گرد
دودِ مطبخ گرد آن پا کوفتن	ز اشتیاق و وجد جان آشوفتن
گاہ دست افشان قدم می کوفتند	گہ بسجدہ صفّہ را می روفتند

غرض جب خوب سیر ہو کر کھانا کھا چکے تو قوالی شروع ہوئی اور خانقاہ چھت تک گرد اور دھوئین سے پُر ہو گئی۔ دھوان تو باورچیخانہ کا تھا جسمین کھانے تیار کیے گئے تھے اور گرد وہ تھی جو پاؤن سے گت بجانے اور شوق و وجد سے جان کو پریشان کرنے اور اُچھل کود سے اُڑی تھی۔ اُن صوفیونکی قوالی مین یہ حالت تھی کہ کبھی تو ہاتھ نچا نچا کر پاؤن سے گت بجاتے تھے اور کبھی پیشانی زمین پر رگڑتے اور اس طرح صفہ مین جھاڑو دیتے تھے۔

شرح شبیری | لوت خوردند الخ۔ یعنی سب نے کھانا کھایا اور سماع شروع ہوا۔ تو خانقاہ چھت تک دھوئین اور گرد سے بھر گئی۔ آگے بتاتے ہین کہ یہ دھوان اور گرد کہان سے آیا۔ پس فرماتے ہین کہ۔

دودِ مطبخ الخ۔ یعنی دھوان تو باورچیخانہ کا تھا۔ (اس لیے کہ آج تو خوب کھانے پکے ہین) اور گرد اُس پاؤن پیٹنے کی تھی (جو کہ وجد کی حالت مین ہوا تھا) اور اشتیاق اور وجد کی اور جان کے آشفتہ ہونے کی وجہ سے خوب اُچھل کود رہے تھے۔

گاہ دست الخ۔ یعنی کبھی تو تالیان بجاتے ہوے پیر پیٹتے تھے اور کبھی سجدہ سے اُس صفہ کو (یعنی چبوترہ وغیرہ کو صاف کر رہے تھے اِس لیے کہ جب لوٹتے تھے تو وہان کی جگہ تو صاف ہوتی ہی تھی مطلب یہ کہ خوب وجد کر رہے تھے۔ آگے فرماتے ہین کہ یہ صوفی اِس وجہ سے مست ہو جاتے ہین کہ اُن کو کبھی کبھی کھانے کو ملتا ہے۔ تو جب ملتا ہے خوب مزہ کرتے ہین پس فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

دیر یابد صوفی آز از روزگار	زان سبب صوفی بود بسیار خوار
جز مگر آن صوفیے کز نور حق	سیر خورد و فارغ ست از ننگ و دق
از ہزاران اندکے زین صوفی اند	باقیان در دولت او می زیند

چونکہ زمانہ صوفیون کو بہت دیر مین اُنکا مطلوب دیتا ہے۔ اِس لیے یہ لوگ بہت حریص اور

بہت کھانے والے ہوتے ہین اور کھانے کے لیے جائز اور ناجائز کچھ نہین دیکھتے الا وہ صوفی جسنے نور حق اور نور معرفت سے اچھی طرح اپنا پیٹ بھر لیا ہے وہ بیشک اِس قسم کی شرمناک اور قابل ملامت باتون سے بالکل بے کھٹکے ہین۔ لیکن اِس قسم کے صوفی ہزارون مین معدودے چند ہین۔ اور یہ نقلی صوفی انھین کی بدولت جیتے ہین کہ لوگ ان کو اُن کے مشابہ دیکھ کر ان کے مثل سمجھ جاتے ہین اور جس طرح اُنکی خدمت کرتے ہین یون ہی اِنکی بھی خاطر تواضع کرتے ہین۔

شرح شبیری ۱ دیر یابد الخ۔ یعنی چونکہ اپنی تمنا کو زمانہ سے بہت دیر مین پاتا ہے اِس لیے صوفی بہت کھاؤ ہوتا ہے کیونکہ جسے روز ملے اسکی تو نیت بھری رہتی ہے اور جسے بعد تمناؤن کے ملا ہو وہ تو ہوس کا مارا ایک دم سے بیحد کھا جاویگا۔ لیکن یہ حالت اُن صوفیون کی ہے جو کہ مکار ہوتے ہین اور حقیقۃً صوفی نہین ہوتے اور جو صوفی حقیقی ہوتے ہین وہ ایسے نہین ہوتے بس اِسی کو مولانا فرماتے ہین کہ۔

جز مگر آن الخ۔ یعنی سوائے اُس صوفی کے کہ جو نور حق کو سیر ہو کر کھا چکا ہے وہ اِس تنگ و دق سے فارغ ہوتا ہے۔ دق سے مراد دروازون پر جاکر آواز دینا۔ جیسا کہ شیخ سعدی کہتے ہین ومن دق باب الکریم انفتح۔ مطلب یہ کہ جو شخص کہ نور حق سے پُر ہے اور اُس کے اندر حق تعالےٰ کی معرفت اور اُسکا نور بھرا ہوا ہے وہ ان بیہودہ حرکتون اور گداگری سے فارغ اور علیحدہ ہے اُسکو اسکی غرض نہین کہ وہ نعمار دنیا پر گرتا پھرے مگر اِس قسم کا صوفی کہین ہزارون مین سے ایک ہوتا ہے اور باقی جو مکار ہین وہ سارے اِن ہی کے طفیل مین کھانے والے ہین اِسی کو فرماتے ہین کہ۔

از ہزاران الخ۔ یعنی ہزارون مین سے تھوڑے سے اِس قسم کے صوفی ہین اور باقی انکی بدولت اور اِن کے طفیل مین زندگی بسر کرتے ہین اِس لیے کہ عوام الناس تو یہ نہین جانتے کہ اِن دو مین کون مکار ہے اور کون سچا ہے بلکہ وہ تو صرف یہ دیکھتے ہین کہ جس شخص کی صورت درویشون کی سی ہوگی بس وہ سچا ہی ہوگا۔ لہذا مکار لوگ بھی اُن ہی کی صورت بنا لیتے ہین اور عوام دھوکے مین آجاتے ہین پس یہ مکار ان ہی کے طفیل سے زندگی بسر کرنے والے ہوے اب آگے مولانا پھر اُس حکایت کی طرف رجوع فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

چون سماع آمد ز اول تا کران	مطرب آغازید یک ضرب گران
خر برفت و خر برفت آغاز کرد	زین حراره جمله را انباز کرد
زین حراره پائے کوبان تا سحر	کف زنان خر رفت و خر رفت ای پسر
از رہِ تقلید آن صوفی ہمین	خر برفت آغاز کرد اندر حنین

جب قوالی کی نوبت ابتدا ہی مین بربط تک پہونچی تو قوال نے ایک زبردست گت بجانی شروع کی

اور گدہا جلد یا گا نا شروع کیا اور اس ترانہ مین سب کو شریک کر لیا۔ سب لوگ اسی ترانہ سے صبح تک پاؤن سے گت بجاتے رہے۔ اور گدہا جلد یا گدہا جلد یا کہتے ہوئے تالیان بجاتے رہے۔ انکی دیکھا دیکھی اُس گدھے والے صوفی نے بھی رد رو کر گدہا جلد یا گدہا جلد یا کا راگ الاپنا شروع کر دیا۔

شرح شبیری | چون سماع آمد الخ۔ یعنی جبکہ سماع اول سے آخر تک آیا۔ یعنی خوب جوش مین ہونے لگا) تو مطرب نے بر ربط پر ایک چوٹ شروع کی۔ کران یعنی بر ربط۔

خر برفت الخ۔ یعنی (اُس مطرب نے بر ربط پر ایک چوٹ لگاکر) خر برفت و خر برفت شروع کر دیا اور اُس ترانہ مین سب کو شریک کر لیا۔ یعنی کچھ ایسے جوش کے ساتھ کہا کہ سب کے سب جوش مین آکر یہی کہنے لگے اور۔

پائے کوبان الخ۔ یعنی اس ترانہ کی وجہ سے پاؤن پیٹ رہے اور تالیان بجا بجا کر کہہ رہے تھے خر برفت و خر برفت والے پسر یعنی اِس مصرعہ کو سب لوگ کہہ رہے تھے۔ اور خوب کود ناچ رہے تھے خیر انپر تو مستی سوار تھی۔ مگر اُن حضرت صوفی نو وارد صاحب کو دیکھئے کہ وہ بھی تو ان ہی کے ساتھ ہوگئے اور خود بھی یہی کہنے لگے۔ اِسی کو مولانا فرماتے ہین کہ۔

از رہ تقلید الخ۔ یعنی تقلید کے طریقہ پر اُس صوفی نے بھی یہی خر برفت غمگین آواز مین کہنا شروع کر دیا اس لیے کہ وہ لوگ تو شرارت سے کہہ رہے تھے اور شاید یہ حضرت یون سمجھے ہون گے کہ خر برفت سے یہ مراد ہے کہ قوت بہیمیہ جاتی رہی ہے۔ جو کہ گدھے کے مانند تھی بس یہ بھی اُن صوفیون کے ساتھ بے حقیقت کو سمجھے ہوئے وہی الفاظ دُہرانے لگے۔

شرح حبیبی

چون گذشت آن نوش و جوش آن سماع	روز گشت و جملہ گشتند الوداع
خانقہ خالی شد و صوفی بماند	گرد از رخت آن مسافر می فشاند
رخت از حجرہ برون آورد او	تا بخر بر بندد آن ہمراہ جو
تا رسد در ہمرہان او می شتافت	رفت کو را آخر خر خود را نیافت
گفت آن خادم بآبش بردہ است	زانکہ خر دوش آب کمتر خوردہ است

جب کھانا پینا اور جوش و خروش اور قوالی ختم ہوئی تو فوراً ہی دن ہوگیا۔ اور سب لوگ رخصت ہوگئے۔ اب ساری خانقاہ خالی ہوگئی اور اکیلا صوفی بیچارہ رہ گیا۔ اُس نے بھی چلنے کی تیاری کی اور اپنے سامان کو جھاڑنے پونچھنے لگا۔ بالآخر صاف کر کرا کے حجرہ سے سب سامان نکالا۔ تاکہ وہ جلدی سے گدھے پر لاد کر چلدے۔ اور ساتھیون سے جلدی ملجاوے۔ اِسی لیے اسقدر جلدی کر رہا تھا جب آخور پر گیا تو گدہا ندارد۔ سوچا کہ خادم پانی پلانے لے گیا ہوگا۔ کیونکہ رات گدھے نے پانی کم پیا تھا یہ سوچ کر خاموش ہو رہا۔

شرح شبیری

چون گذشت آن نوش الخ۔ یعنی جب کہ یہ کھانا پینا اور جوش و سماع ختم ہوگیا اور دن ہوگیا اور سب نے الوداع کی یعنی سب رخصت ہوگئے تو۔

خانقہ خالی شد الخ۔ یعنی خانقاہ خالی ہوگئی اور وہ صوفی رہ گیا تو اسباب مسافرت سے گرد جھاڑتا تھا جو کہ رات کو کودنے پھاندنے میں لگ گئی تھی۔ مطلب یہ کہ اب سب چیزیں درست کرکے یہ بھی تشریف لیجانے کو تیار ہوئے اور۔

رخت از حجرہ الخ۔ یعنی اس صوفی نے اسباب حجرہ سے باہر نکالا تاکہ یہ ہمراہی کو تلاش کرنیوالا اس اسباب کو گدھے پر باندھے ہمراہ جو مسافر کو کہندا اس لیے کہ اسکو بھی ہمراہی کی تلاش ہوتی ہی یہ حضرت اسباب کو گدھے پر باندھنے چلے اب رات کے واقعات کی شرح معلوم ہوگی کہ وہ کھانا کیا تھا اور وہ سماع کیا تھا۔

تا رسد در ہمرہان الخ۔ یعنی یہ صوفی جلدی کر رہا تھا تاکہ اپنے ہمراہیوں میں جلدی سے پہونچ جاوے تو یہ آخور میں گیا وہاں گدھے کو نہ پایا۔ تو اب بھی ان کو کچھ شبہ نہیں ہوا بلکہ حسن ظن کی وجہ سے کہنے لگا کہ

گفت آن خادم الخ۔ یعنی (حسن ظن کی وجہ سے) کہنے لگا کہ وہ خادم اس کو پانی پلانے کے واسطے لے گیا ہوگا۔ اس لیے کہ اس نے کل پانی کم پیا تھا۔ بیچارہ بہت ہی بزرگ تھا کہ کسی کے ساتھ بدظنی ہوتی ہی نہ تھی۔ خیر اب کسر نکلتی ہے۔

شرح حبیبی

خادم آمد گفت صوفی خر کجاست ۔ گفت خادم ریش بین جنگی نخاست
گفت خر را من بتو بسپردہ ام ۔ من ترا بر خر مؤکل کردہ ام
بحث با توجیہ کن حجت میار ۔ وانچہ من بسپردمت واپس سپار
از تو خواہم آنچہ من دادم بتو ۔ باز دہ آنچہ کہ بسپردم بتو
گفت پیغمبر کہ دستت آنچہ برد ۔ بایدش در عاقبت واپس سپرد
ورنہ از سرکشی راضی باین ۔ تک من و تو خانۂ قاضی دین
گفت من مغلوب بودم صوفیان ۔ حملہ آوردند و بودم نیم جان
تو جگر بندی میان گربگان ۔ اندر اندازی و جوئی زان نشان
در میان صد گرسنہ گردۂ ۔ پیش صد سگ گربۂ پژمردۂ
گفت گیرم کز تو ظلما بستدند ۔ قاصد جان من مسکین شدند
تو نیائی و نگوئی مر مرا ۔ کہ خرت را مے برند اے بے نوا
تا خر از ہر کہ برد من واخرم ۔ ورنہ توزیعے کنند ایشان زرم
صد تدارک بود چون حاضر بدند ۔ این زمان ہر یک باقلیمے شدند

من کرا گیرم کرا قاضی برم	این قضا خود از تو آمد بر سرم
چون نیائی و نگوئی اے غریب	پیش آمد این چنین ظلم مهیب
گفت و الله آمدم من بارہا	تا ترا واقف کنم زین کارہا
تو ہمی گفتے کہ خر رفت اے پسر	از ہمہ گویندگان با ذوق تر
باز می گشتم کہ او خود واقف است	زین قضا راضی است مرد عارف است
گفت آنرا جملہ مے گفتند خوش	مر مرا ہم ذوق آمد گفتنش
مر مرا تقلید شان بر باد داد	کہ دو صد لعنت برین تقلید باد
خاصہ تقلید چنین بیحاصلان	کابرو را ریختند از بہر نان
عکس ذوق آن جماعت می زدے	وین دلم از عکس ذوقین می شدے

جب خادم آگیا تو صوفی نے کہا گدہا کہان ہے ۔ خادم نے جواب دیا ۔ جناب ذرا اپنی ریش مبارک تو ملاحظہ کیجئے ۔ یہ ریش مقطع اسیر یہ باہمین اور انمین جھگڑا شروع ہوگیا ۔ صوفی نے کہا کہ گدہا مین نے تیرے سپرد کیا تھا اور تجھی کو اسکا نگران مقرر کیا تھا ۔ مین تجھ سے لونگا ۔ تو معقول بات کہہ جھگڑے کی بات نہ کر اور جو مین نے تیرے سپرد کیا تھا تو اُسے واپس دے ۔ مین نے جو تجھے دیا تھا وہی تو لیتا ہون تجھ سے کچھ مانگتا تو نہین ۔ پس جو کچھ مین نے تجھے دیا تھا اُسکو واپس کردے ۔ دیکھ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ علی الید ما اخذت ۔ یعنی جو کچھ ہاتھ نے لیا ہے اسکا وہ ذمہ دار ہے اور اُسکو واپس کرنا چاہیے اور اگر تو مین پلیچ کریگا اور میرا گدہا مجھے نہ دیگا تو مین ہون اور تو ہے ۔ اور قاضی شرع کا گھر ۔ خادم نے کہا کہ میرا کیا قصور ہے ۔ صوفیون نے مجھ پر حملہ کیا مین مغلوب اور نیم جان تھا اس لیے مین اُنکی مزاحمت و مدافعت نہ کرسکا ۔ ذرا تو خیال کر کہ تو اوجھڑی کلیجی بلیون کے درمیان مین ڈالتا ہے پھر اُسے ڈھونڈھتا ہے ۔ نیز سو بھوکون کے درمیان ایک روٹی رکھتا ہے ۔ اور سو کتون کے آگے ایک کمزور بلی کو چھوڑتا ہے پھر ایسی صورت مین وہ روٹی اور بلی بچ سکتی ہے ۔ یعنی لٹنے قزاقون کے اندر گدھو کو مجھ بیچارہ کے سپرد کرکے پھر مجھ سے مطالبہ کرتا ہے ۔ تیری عقل کہان ہے ۔ اسیر صوفی نے کہا کہ اچھا مین نے مانا کہ اُنھون نے تجھ سے جبراً چھین لیا اور تو اُنکی مزاحمت نہ کرسکتا تھا ۔ اور ان کمبختون نے مجھ غریب کی جان لینے کی ٹھان لی لیکن یہ کون سی بات تھی کہ تو مجھ تک نہ آئے اور آکر یہ نہ کہے کہ یہ لوگ تیرا گدہا لیے جاتے ہین تاکہ جو گدہا لے گیا ہے مین اسکو اُس سے واپس لے لون یہ بھی نہ ہو تو مین ان سے تھوڑا تھوڑا روپیہ وصول کرکے اپنے گدھے کی قیمت پوری کرلون جب وہ موجود تھے تو سو تدبیرین ہوسکتی تھین ۔ اب کوئی کہین چلا گیا کوئی کہین کوئی کہین ۔ اب مین کسے پکڑون اور کسے قاضی کے پاس لیجاؤن یہ مصیبت مجھ پر محض تیری وجہ سے پڑی ہے ۔ اسے کمبخت تیرے لیے کون سی وجہ تھی کہ تو نہ آوے ۔ اور آکر نہ کہدے ۔ کہ اس قسم کا خوفناک ظلم پیش آیا ہے اگر کچھ تدارک ہوسکے تو کرلے ۔ خادم نے کہا کہ مین خدا کی قسم کھا کر کہتا ہون کہ مین چند مرتبہ آیا کہ

آپ کو ان کاموں سے مطلع کردن۔ لیکن میں جب آیا تو یہی دیکھا کہ آپ سب لوگوں سے زیادہ ذوق وشوق کے ساتھ فرمارہے ہیں خر رفت اے پسر۔ خر رفت اے پسر۔ لہذا میں سمجھ کر لوٹ جاتا تھا کہ آپ کو خود اطلاع ہے اور چونکہ آپ عارف اور صاحب دل ہیں اسلیے قضا الٰہی پر صابر وشاکر ہیں۔ صوفی نے کہا کہ مجھے بالکل بھی اطلاع نہ تھی۔ اور خر رفت خر رفت جو کہتا تھا۔ تو اسکی وجہ یہ تھی کہ سب لوگ مزہ میں کہہ رہے تھے سب مجھے بھی اسکا کہنا پُر لطف معلوم ہوا اس لیے میں بھی کہنے لگا۔ اس بیجا تقلید پر خدا کی دو سو لعنتیں ہوں مجھے اسنے تباہ کیا۔ پھر تقلید بھی کن کی ان نااہلوں کی جنھوں نے روٹی کے لیے آبرو کھو دی۔ بس بات یہ تھی کہ اس نااہل جماعت کے ذوق کا عکس مجھ پر پڑتا تھا۔ اور میرا دل اُس عکس سے مزے لے رہا تھا اس لیے میں بھی انکا ہمنوا ہوا اور گدھا کھو بیٹھا۔ (ف جاننا چاہیے کہ تقلید دو قسم کی ہے۔ اول مفیدیہ تو تقلید محققین بغرض تحقیق ہے۔ دوم مضرہ تقلید ناقصین۔ وتحقیق ارباب کمال لتحصیل حطام الدنیا ہے والاول اضر من الثانی وتتفاوت مراتب الضرر فیہ بحسب تفاوت مراتب النقصان والاغراض التی یقلد لاجلها) اس بیان سے چونکہ تقلید کی مذمت ظاہر ہوئی تھی جس سے غلط فہمی کا اندیشہ تھا کہ کوئی مطلق تقلید کو بُرا نہ سمجھ لے۔ اس لیے آگے تقلید مفید کو بیان کرتے ہیں اور فرماتے ہیں۔

شرح شبیری خادم آمد الخ۔ یعنی (یہ حضرت انتظار ہی میں تھے کہ) خادم آگیا تو صوفی نے کہا کہ گدھا کہاں ہے تو خادم بولا کہ ذرا داڑھی کو ملاحظہ کیجیے۔ (کہ باین ریش و فش اور یہ جھوٹ مجھ پر لگاتے ہیں شرم نہیں آتی۔ بس یہ کہتے ہی) لڑائی شروع ہو گئی اور خوب چھٹی۔ صوفی بولا کہ۔

گفت خر را الخ۔ یعنی صوفی بولا کہ گدھا میں نے تو تجھے سپرد کیا تھا اور میں نے تو تجھکو گدھے کا محافظ بنایا تھا۔ لہذا میں تو تجھ سے ہی لونگا۔

بحث با توجیہ الخ۔ یعنی بات دلیل کے ساتھ کہو اور فضول لڑائی مت کرو۔ اور جو کچھ میں نے تم کو سپرد کیا ہے واپس سپرد کرو باتیں مت بناؤ۔

از تو خواہم الخ۔ یعنی میں تو تجھ سے وہ چیز مانگتا ہوں جو تجھکو دی ہے اور جو چیز میں نے تجھے سپرد کی ہے وہ واپس دے۔

گفت پیغمبر الخ۔ یعنی دیکھو پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تمھارا ہاتھ جو چیز لیجاوے تو اُسکو چاہیے کہ آخر کار اسکو پھر واپس دے۔ اس لیے کہ ہاتھ کو ہاتھ پہچانتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس ہاتھ نے اور اُس ہاتھ دے۔ بس یہ صوفی صاحب اُس خادم کے سر ہو گئے کہ میرا گدھا لاؤ۔

ورنہ از سرکشی الخ۔ یعنی اور اگر تو سرکشی کی وجہ سے اس طرح راضی نہیں ہے (اور ڈھنگ سے گدھے کو واپس کرنا نہیں چاہتا) تو پھر میں ہوں اور تو ہے اور دین کے قاضی۔ یعنی پھر فیصلہ قاضی کے یہاں جاویگا۔ اور وہاں فیصلہ ہوگا۔ ورنہ میرا گدھا دیدو۔

گفت من مغلوب الخ۔ یعنی وہ خادم کہنے لگا کہ میں تو مغلوب تھا اس لیے کہ صوفیوں نے ایکدم سے

مجھ پر حملہ کر دیا تو میں تو ادھ مرا ہو گیا مطلب یہ کہ میں کیا کرون سارے صوفی حملہ کر کے مجھے مغلوب کر کے گدھا لے گئے
تو جگر بندی الخ۔ یعنی تو کلیجی تلی وغیرہ کو بلیون کے سامنے ڈال کر پھر اُسکو تلاش کرتا ہے کہ کہین اُسکا نشان ملے۔
در میان صد گرسنہ الخ۔ یعنی تو سو بھوکون کے سامنے ایک ٹکیا ہو (تو اُسکا کیا پتہ چل سکتا ہے) اور سو کتون کے سامنے ایک پژمردہ بلی ہو (تو کیا وہ اُسکو چھوڑین گے) مطلب یہ کہ تم نے تو خود گدھا پن کیا کہ اُس گدھے کو یہان باندھ دیا۔ حالانکہ یہ لوگ تو بھوکے تھے ہی بس اُڑا گئے۔ اور اب مجھے الزام دیتے ہو کہ تو نے گدھا کھویا ہے۔ مین کیا کرون۔ یہ تو جناب ہی کا دقوت ہے۔
گفت گیرم الخ۔ یعنی وہ صوفی کہنے لگا کہ مین نے فرض کیا کہ تجھ سے ظلماً ہی چھین لیا اور وہ مجھ مسکین کے جان کے لیوا ہوئے مگر۔
تو نیائی الخ۔ یعنی تو کیون نہ آیا اور مجھ سے کیون نہ کہا کہ اے فقیر بینوا تیرے گدھے کو لیے جاتے ہین۔
تا خر از ہر کہ الخ۔ یعنی (تو نے مجھ سے کیون نہ کہا) تاکہ جو میرے گدھے کو لیجاتا مین اُس سے واپس لے لیتا۔ اور اگر وہ بک ہی چکا تھا اور گدھا نہ مل سکتا تو وہ میرے روپیہ کا چندہ ہی کر دیتے خیر دام ہی ملتے وہی میرے کام آتے۔
صد تدارک بود الخ۔ یعنی جب وہ سارے موجود تھے تو سو تدارک ہو سکتے تھے اور اب تو ہر ایک الگ الگ ملک مین چلا گیا ہے۔
من کرا گیرم الخ۔ یعنی اب مین کس کو پکڑون اور کسے قاضی کے پاس لیجاؤن یہ قضا میرے سر پہ تیری ہی وجہ سے آئی ہے۔
چون نیائی الخ۔ یعنی تو کیون نہ آیا اور تو نے کیون نہ کہا کہ اے غریب ایسا ظلم خوفناک پیش آیا ہے۔
گفت واللہ آمدم الخ۔ یعنی تو وہ خادم کہنے لگا کہ خدا کی قسم مین تو کئی بار آیا کہ جناب کو ان کامون کی خبر کرون۔
تو ہمی گفتی الخ۔ یعنی (مگر جب مین آیا تو دیکھا کہ) آپ بہ نسبت دوسرون کے زیادہ جوش و خروش کے ساتھ خر رفت فرما رہے ہین۔
باز می گشتم الخ۔ یعنی (جب مین یہ دیکھتا) تو مین واپس ہو جاتا تھا کہ حضرت تو خود واقف ہین (کہ خر برفت و خر برفت کہہ رہے ہین اور یون سمجھتا تھا کہ) حضرت اس تقدیری امر پر راضی ہین اسلیے کہ مرد عارف ہین تو ایک گدھے کے چلتے رہنے سے کوئی غم نہین ہے اور فرما رہے ہین کہ جاتا رہا اچھا ہوا۔ اب ساری عارفیت معلوم ہو گئی۔
گفت آنرا الخ۔ یعنی وہ سارے کے سارے اُسکو خوش خوش کہہ رہے تھے تو مجھکو اُسکے کہنے مین مزہ آیا اسلیے مین بھی کہنے لگا اور کہین میرا مقصود یہ تھوڑا ہی تھا کہ مجھے اُسکا علم ہے۔

مر مرا تقلید شان الخ - یعنی (وہ صوفی کہنے لگا کہ) مجھے ان (کمبختون) کی تقلید نے برباد کیا - اور ایسی تقلید پر (جو کہ نا اہلون کی ہو) دو سَو مرتبہ لعنت ہو - اگر مین خود سمجھ کر کرتا تو اب مجھے کیون پچھتانا پڑتا -
خاصہ تقلید الخ - یعنی خاصکر ان جیسے نا اہلون اور بیجا صلون کی تقلید کہ جنھون نے روٹی کے واسطے آبرو گرادی چونکہ تقلید تین قسم کی ہوتی ہے ایک وہ جو کہ غافلین عن الحق کی ہوتی ہے وہ تو مضر ہوتی ہے اور دوسری وہ جو کہ ضالین اور گمراہون کی ہوتی ہے وہ اضر ہوتی ہے اور تیسری وہ جو کہ اہل ہدیٰ کی ہوتی ہے وہ مفید اور منجی ہوتی ہے پس مولانا نے مر مرا تقلید شان الخ مین تو تقلید مضر کو بیان فرمایا اس کے بعد اضر کو بیان فرماتے ہین اس لیے خاصہ لائے کہ وہ تقلید تو جیسی تھی وہ تھی مگر ان ضالین کی تقلید تو خاصکر بہت ہی اضر ہے آگے عکس چندان باید الخ سے تقلید اہل اللہ کو بیان فرماوین گے جو کہ محمود اور مفید ہے اگلے شعر مین پھر وہ صوفی کہتا ہے -
عکس ذوق الخ - یعنی (میرے قلب پر) اُس جماعت کے ذوق کا عکس پڑتا تھا اور اُس عکس کی وجہ سے میرا دل پر ذوق ہوتا تھا - یعنی چونکہ اُنکو تو مزہ آ ہی رہا تھا کہ خوب مفت کے کھانے ملے تھے مگر اُس مزہ کا عکس مجھپر بھی پڑتا - اور مجھے بھی مزہ آنے لگا - اس مزہ مین حضرت کی کمبختی آگئی - آگے مولانا انتقال فرماتے ہین کہ -

شرح حبیبی

عکس چندان باید از یاران خوش　　که شوی از بحر بے عکس آبکش
عکس کاول زد تو آن تقلید دان　　چون پیاپے شد شود تحقیق آن
تا نشد تحقیق از یاران مبر　　از صدف مگسل نہ گشتہ قطرہ دُر

تم غلطی مین نہ پڑنا اور مطلق عکس اور مطلق تقلید کو مذموم نہ سمجھنا - بلکہ کاملین کے عکس اور تقلید کی تو ضرورت ہے لیکن صرف اسی قدر کہ اس سے حق سبحانہ سے بدون عکس اور تقلید کے فیض حاصل کرنے کے قابل ہو جاوے - اور جب اس قابل ہو گیا پھر عکس اور تقلید کوئی چیز نہین - (ف) حضرت اقدس مجدد الملۃ والدین نے فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے تھے کہ شیخ کو ایسا سمجھو جیسے مشاطہ کہ طالب و مطلوب کے درمیان واسطہ اور ہر ممکن تدبیر سے طالب کو مطلوب تک پہونچانے والی وہی ہوتی ہے - لیکن عین وصال اور خلوت راز مین صرف طالب و مطلوب ہی ہوتے ہین - اور مشاطہ کو کچھ تعلق خلوت سے نہین ہوتا - یون ہی شیخ طالب کو حق سبحانہ تک پہونچاتا ہے - اور بعد وصول اس کے اور حق سبحانہ کے درمیان محض بلا واسطہ تعلق ہوتا ہے - اور شیخ کو ان معاملات اور راز و نیاز مین کوئی دخل نہین ہوتا - یہ قصہ بیان کر کے فرمایا کہ اس سے تم سمجھ سکتے ہو کہ حاجی صاحب قدس سرہ کی تعلیم و تربیت اغراض سے کس قدر دور تھی - اور اُنکو اس وصف مین انبیاء سے کس قدر تشابہ تھا - کیونکہ جو لوگ غرض رکھتے ہین وہ کبھی ایسی بات نہین کہتے - جس سے لوگونکو معلوم ہو جاوے

کہ ایک وقت ایسا بھی آتا ہے جسمین پیر صاحب کی حاجت نہین ہوتی - اسی سلسلہ مین حضرت ممدوح نے ایک اور واقعہ بیان فرمایا جس سے حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کی کمال بے غرضی اور شفقت بر طالبین ظاہر ہوتی ہے - وہ یہ کہ حضرت قدس سرہ اپنے مستفیدین سے فرماتے کہ میری بیعت کا اصل مقصود وصول الی الحق ہے - پس اگر تمھارا یہ مقصد کہین اور یہان سے زیادہ حاصل ہو تو میری طرف سے بخوشی اجازت ہے - کہ شوق سے وہان مستفید ہو - ایک صاحب نے اس واقعہ سے کمال بےغرضی و شفقت کے علاوہ ایک اور لطیف بات نکالی ہے - وہ یہ کہ حضرت حاجی صاحب کے یہان جو کھرا مال مل سکتا ہے دوسری جگہ نہین ملسکتا - کیونکہ ایسی بات وہی کہہ سکتا ہے جسکو اعتماد ہو کہ اس اچھا مال اور کہین نہین مل سکتا -) آگے مولانا فرماتے ہین کہ جب ابتدا ابتدا مین تجھ پر شیخ کے حال کا عکس پڑے - تو تو اُسکو تقلید سمجھ - اور جب لگاتار ہوتا رہتا ہے تو آخر مین وہی تحقیق بنجاتا ہے - وہ عکس جب تک تحقیق نہ بنجاوے اُس وقت تک مشایخ سے مستغنی نہین ہوسکتا اس لیے اُن سے تعلق استفادہ قطع مت کر - اور جب تک تیرا قطرہ یعنی عکس تقلیدی جو کہ تحقیق بننے کی صلاحیت رکھتا ہے موتی یعنی تحقیق نہ ہوجاوے اس وقت تک اپنے شیخ سے جو کہ سیپ کی طرح مربی ہے علاقہ منقطع نکر ورنہ صفت نقصان سے نجات نہین پا سکتا - کیونکہ اگر قطرۂ ابر نیسان آغوش صدف سے چھٹک کر الگ ہوجاوے تو ہرگز موتی نہین بن سکتا - ف حضرت اقدس مدظلہ العالی نے اس مقام پر بھی ایک مزید افادہ فرمایا تھا - اُس کو بھی اس جگہ درج کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے - فرمایا کہ شیخ وصول الی المطلوب کے لیے بمنزلہ واسطہ فی العروض کے ہوتا ہے اور مرید اور شیخ کی ایسی مثال ہوتی ہے جیسے کشتی اور مسافر - کہ چلتی کشتی ہے اور مسافر کی منزل بھی قطع ہوتی ہے - لیکن وہ مسافر خود نہین چلتا - بلکہ کشتی اُسے لیے جا رہی ہے - ایسی حالت مین اگر مسافر یہ سمجھکر کہ مین چلتا ہون کشتی چھوڑ دے تو نتیجہ ہلاکت ہوگا - یون ہی خود مرید نہین چلتا - بلکہ شیخ اُسے کھینچے لیے جا رہا ہے - پس اگر مرید یہ سمجھکر کہ مین خود قطع منازل کر رہا ہون شیخ کو چھوڑ دے - فذلک ہو الخسران المبین (اللھم احفظنا) یہ حالت تو اُسوقت تک ہوتی ہے جب تک کہ طالب درجہ تحقیق تک نہین پہونچتا - اور جبکہ درجہ تحقیق کو پہونچ جاتا ہے - تو پھر اُسکی دو صورتین ہین - کبھی تو شیخ خود بھی محقق ہوتا ہے اور مرید سے اُسکا مرتبہ تحقیق زیادہ ہوتا ہے - اور کبھی مرید سے پیچھے رہ جاتا ہے - پہلی صورت مین شیخ واسطہ فی الثبوت کے مثل ہوتا ہے - کیونکہ جو کچھ مرید کو ترقی ہوتی ہے وہ گو اپنی ہی رفتار سے ہوتی ہے مگر شیخ کی بدولت اور چونکہ شیخ خود بھی اس نوع ترقی کے ساتھ موصوف ہوتا ہے جس کے ساتھ مرید متصف ہے گو اُس فرد خاص کے ساتھ متصف نہین ہوتا - لہذا اسکو واسطہ فی الثبوت سے مشابہ کہنا زیادہ مناسب ہے اور دوسری صورت مین چونکہ شیخ خود ترقی نہین کرتا جو مرید کو ہو رہی ہے - اور مرید ترقی کر رہا ہے جو کہ اُسی شیخ کی بدولت ہے اس لیے اس صورت مین شیخ کو واسطہ فی الثبوت کی قسم ثانی سے تشبیہ دینا زیادہ مناسب ہے - جسکو واسطہ فی الاثبات بھی کہا جاتا ہے جیسے صباغ و ثوب کہ صباغ

کیڑہ کو رنگ دیتا ہے مگر وہ نہین رنگا جاتا۔ اِسکی مثال ایسی ہے جیسے ایک مرغی کے تلے بطّ کے انڈے رکھدیے جائین اور مرغی اُنکو سے کر بچے نکالے۔ تو وہ بچے تو دریا مین تیرین گے اور مرغی کھڑی دیکھیگی حالانکہ انکا تیرنا بلکہ انکا وجود خود اسی مرغی کی بدولت ہے۔ اب مرید گے اپنے شیخ سے بڑھ جانیکا استبعاد مندفع ہوگیا لیکن ایسی حالت مین مرید کو چاہیے کہ شیخ کی وہی عظمت و وقعت دلمین رکھے اور مغرور نہ ہوجاوے۔ کیونکہ یہ سب کچھ اسی کا طفیل اور اسی کی برکت ہے۔

شرح شبیری عکس چندان الخ۔ یعنی یاران خوش (اہل طریقت) کا عکس اس قدر ضروری ہے کہ دریا سے بے عکس کے پانی لینے لگو۔ مطلب یہ کہ مرید کو شیخ کی اسوقت تک ضرورت ہے جب تک واصل الی الحق نہ ہوجاوے۔ اور جب واصل ہوجاتا ہے اور اُسکو تعلق مع اللہ پیدا ہوجاتا ہے پھر ان پیر صاحب کی بھی ضرورت نہین رہتی۔ بلکہ وہ خود ہی فیوض و برکات کو حاصل کرنے لگتا ہے۔ اور شیخ کی ایک مثال حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز فرمایا کرتے تھے کہ شیخ کی ایسی مثال ہے جیسے کہ مشاطہ ہوتی ہے۔ کہ درمیان مین پیغام دینے والی اور سبب وصل دولہا دلھن تو یہی ہوئی ہے۔ اور سارا اسی کا طفیل ہے۔ مگر جسوقت وہ خاص وقت وصل آتا ہے تو پھر درمیان مین وہ مشاطہ صاحب بھی نہین رہتین اور اُنکا گذر بھی وہاں تک نہین ہوتا۔ بلکہ بس وہان تو ایک دولھا ہے اور دوسری دلہن ہے سہ مشرکت غم بھی نہین چاہتی غیرت میری + غیر کی ہوکے رہے یا شب فرقت میری + بس اسیطرح شیخ کی حاجت بھی جب ہی تک ہے جب تک کہ مرید کو حضوری حاصل نہین ہوتی۔ اور یہ حاصل ہوگئی تو پھر تو مرید خود اقتناص معانی کرتا ہے اور بعض مرتبہ وہ فیوض و برکات حاصل ہوتے ہین اور اُس مرتبہ کو پہونچ جاتا ہے کہ وہان شیخ کی بھی رسائی نہین۔ لیکن اِسپر اتراوے نہین کہ ہم شیخ سے بڑھ گئے ہین اور اگرچہ اِس حالت مین شیخ کی ضرورت فی الواقع تو نہین ہوتی لیکن اِس شخص کو چاہیے کہ اپنے کو شیخ سے ہرگز ہرگز مستغنی نہ سمجھے۔ اِس لیے کہ جو کچھ بھی یہ مزہ اور لطف ہے سارا اسی کی بدولت اور اسی کے طفیل مین ہے۔ تو اِس سے مستغنی ہوجانا اور علیحدہ ہوجانا بہت بڑی ناشکری ہے اور مصداق ہے من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ کا۔ پس مرید تو اپنے کو ہرگز ہرگز مستغنی نہ سمجھے ہان واقع مین وہ مستغنی ہوجاتا ہے۔ اور اب اُسکو شیخ کی ضرورت حصول مقصد کے درجہ مین نہین رہتی۔ اور پھر شیخ محض واسطہ فی العروض رہ جاتا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ جسوقت تک خود محقق نہ ہوا اسوقت تک تو شیخ کی تقلید ضروری ہے اور جب محقق ہوجاوے تو پھر تقلید کی ضرورت نہین۔ اور اجتہاد فقہ مین تو منقطع ہوگیا اور اب کسی کو جائز نہین کہ فقہ مین اجتہاد سے کام لے۔ لیکن طریقت مین اب بھی اجتہاد کرسکتا ہے۔ اور یہ وہ طریق ہے کہ جسمین ہر مقلد محقق اور ہر مبتدی منتہی اور ہر غیر مجتہد مجتہد بن سکتا ہے۔ اِسی کو مولانا فرماتے ہین کہ عکس کاول الخ۔ یعنی اولاً جو عکس (تمھارے قلب پر اہل اللہ کا) پڑا ہے اُسکو تو تقلید جانو۔

(کہ محض عکس ہی عکس ہے ذرا الگ ہوئے اور غائب ہو جاویگا) اور جب (یہ عکس) پے درپے پڑتا رہے تو یہی تحقیق ہو جاتی ہے پس جب تک تحقیق حاصل نہ ہو یاران طریقت سے قطع مت کرو۔ (اور اُن سے علٰحدہ مت ہو) اور جبوقت تک قطرہ موتی نہ ہو جاوے اُسکو سیپی سے علٰحدہ مت کرو۔ مطلب یہ کہ اولاً جو تمھارے قلب پر احوال واردات طاری ہوئے ہین اُنکو تو بالکل بے حقیقت اور ناپائدار سمجھو اس لیے کہ صرف عکس ہی عکس ہے ہان اگر کام مین لگے رہوگے اور یہ عکس تمھارے قلب پر اسیطرح سایہ افگن رہے گا۔ تو ایک دن وہ ہوگا کہ تم خود محقق ہو جاؤگے اور پھر تم کو اس تقلید کی ضرورت نہ رہے گی۔ اور اپنی ایسی مثال سمجھو کہ جیسے قطرۂ آب صدف مین آکر ٹھیرا تو جب تک وہ پوری طرح موتی نہ بن جاوے اِس سے پہلے اگر وہ اترا دیگا اور یہ سمجھے گا کہ بس مین تو کامل موتی ہوگیا اور اِس خیال سے چھٹک کر سیپی سے علٰحدہ ہو جاویگا تو آخری نتیجہ ہوگا کہ سمندر مین ملجاویگا۔ اور کسی کو خبر بھی نہ ہوگی۔ کہ یہ وہ قطرہ ہے جو کہ موتی ہونیوالا تھا اور اگر اُسیطرح صدف مین رہے گا تو ایک دن وہ ہوگا کہ غواص اُس کو نکال کر لاویگا اور لاکھون خریدار عالم مین اُس کے ہو جاوین گے۔ اور ہر شخص اُس کے دیدار کا مشتاق ہو جاویگا لہذا جب تک کہ تم خود محقق نہ ہو جاؤ۔ اور اِس قابل نہ ہو جاؤ کہ اپنے پاؤن پر خود کھڑے ہو تو ہرگز ہرگز شیخ سے قطع مت کرو ورنہ سمجھ لو کہ جیسے تھے ویسے ہی رہ جاؤگے سو اگرچہ تم شیخ سے کمالات مین بڑھ بھی جاؤ۔ مگر پھر بھی اُسی کا طفیل سمجھو اور اُسکے ہمیشہ مشکور رہو تاکہ اُسکی برکت سے تم کو اور برکات حاصل ہون اور مراتب ترقی پر ہون۔ اور اتباع شیخ مین ترک اخلاق ذمیمہ جزو اعظم ہے۔ اِسی کو فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

صاف خواہی چشم و عقل و سمع را ... بر دران تو پردہائے طمع را

زانکہ آن تقلید صوفی از طمع ... عقل او بربست از نور و لمع

زانکہ صوفی را طمع بروش ز راہ ... ماند در خسران و کارش شد تباہ

طمع لوت و طمع آن ذوق و سماع ... مانع آمد عقل اورا اطلاع

گر طمع در آئنہ برخاستے ... در نفاق آن آئنہ چون ماستے

گر ترازو را طمع بودے بمال ... راست کے گفتے ترازو وصف حال

گفت گیرم کز طمع قارون شوی ... آخر الامر اندران ہامون شوی

ہر نبی می گفت با قوم از صفا ... من نخواہم مزد پیغام از شما

من دلیلم حق شما را مشتری ... داد حق دلالیم ہر دو سری

ہست مزد کار مرد لال را ... مزد باید داد تا گوید سزا

چیست مزدِ کارِ من دیدار یار	گرچہ خود بوبکر بخشد چل ہزار
چل ہزار او نباشد مزد من	کے بود شبہ شَبہ دُرِّ عدن

ہین اگر تو چاہتا ہے کہ میری آنکھ غلط بینی سے محفوظ رہے اور عقل غلط فہمی سے بچے۔ اور کان ناقابل اعتبار آوازون سے متاثر ہوکر ان کو جاسے قبول نہ بخشین اور یون اُڑا دین گویا سُنا ہی نہین۔ تو طمع کے پردے پھاڑ ڈال۔ کیونکہ صوفی کی تقلید ہی نے جسکا منشاء طمع تھی اُسکی عقل کو بند کردیا تھا۔ کہ راستے کی روشنی اور چمک اسمین نہ پہونچ سکے۔ اور چونکہ صوفی کو طمع ہی نے سیدھے راستہ سے بھٹکا دیا تھا اسی لیے وہ خسارہ مین رہا۔ اور اسکا کام بگڑا۔ اور کھانون اور ذوق وشوق اور قوالی ہی کی طمع اسکو حقیقت حال پر مطلع ہونے سے مانع ہوئی طمع وہ بد بلا ہے کہ اگر آئینہ مین بھی پیدا ہوجاتی تو وہ بھی ہماری طرح منافق ہوجاتا اور صاف صاف نہ کہہ سکتا۔ بھلے کو بُرا اور بُرے کو اچھا کہتا۔ نیز اگر ترازو مین یہ وصف مذمومہ ہوتی تو ناممکن تھا کہ ترازو اشیاء کی کمی بیشی کو ٹھیک ٹھیک بتلا دیتی۔ ترازو تو یہ کہتی ہے کہ مین نے مانا کہ تو طمع سے قارون ہوجاویگا لیکن پھر کیا۔ آخر نتیجہ یہی ہوگا کہ تو ان عالیشان محلون کو چھوڑے گا اور تنہا اور خالی ہاتھ جنگل مین گھر بناویگا۔ نیز ہر نبی اپنی قوم سے نہایت صفائی کے ساتھ یہی کہتے تھے لااسئلکم علیہ اجرا ان اجری الا علے رب العالمین یعنی مین تم سے رسالت پر اجر نہین مانگتا۔ حق سبحانہ تمھارے خریدار اور طلبگار ہین اور مین بیچ مین دلال اور واسطہ ہون حق نے میری دلالی تمھاری طرف سے بھی دیدی ہے اور اپنی طرف سے بھی۔ لہذا مجھے تم سے کوئی مطالبہ نہین دلال کو مزدوری کی ضرورت ہے۔ تاکہ وہ معاملہ مین ٹھیک ٹھیک اور مناسب گفتگو کرے۔ اس لیے مجھے بھی مزدوری کی ضرورت ہے گو عام دلالون مین اور مجھ مین یہ فرق ہے۔ کہ اُنکا کام مزدوری پر موقوف ہوتا ہے اور میرا کام محض امتثال امر کے لیے ہے مگر مجھ مین اور ان مین یہ امر مشترک ہے کہ جیسے وہ مزدوری سے مستغنی نہین ہوتے یون ہی مین بھی مستغنی نہین اور جس طرح انکی دلالی پر مزدوری مرتب ہوتی ہے۔ یون ہی میری دلالی پر بھی مرتب ہے (اس تقریر سے وہ شبہ جاتا رہا جو مزد با ید داد تا گوید ہزار پر وارد ہوتا ہے۔ کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیا بھی بطمع کام کرتے ہین اگر ان سے کام کو کہا جاوے۔ اور مزدوری کی امید نہ دلائی جاوے تو وہ ٹھیک کام نہ کرین۔ وحاشاہم عن ذلک وجہ دفع یہ کہ مصرعہ مذکور کا تعلق عام دلالون سے ہے نہ کہ انبیا سے چونکہ عام دلال بطمع اجرت ہی اچھا کام کرتے ہین۔ اس لیے بیان کردیا گیا ہے ورنہ اسکو تشبیہ مین دخل نہین) اور میری مزدوری دیدار یار کے سوا اور کچھ نہین۔ اگر ابوبکر چالیس ہزار درم راہ خدا مین صرف کردین تو یہ میری رسالت کی اُجرت نہین بلکہ انھون نے جو کچھ کیا اپنے لیے کیا۔ اور چالیس ہزار درم میری اُجرت ہو بھی نہین سکتی۔ کیونکہ وہ بمنزلہ پوتھون کے حقیر ہین اور میری اُجرت دیدار یار دُرِّ عدن کی طرح بیش بہا ہے۔ اور دُرِّ عدن پوتھون کے مشابہ و مماثل نہین ہوسکتا۔ پھر میری اُجرت کو ان حقیر دراہم سے کیا نسبت۔

اصاف خواہی چشم الخ۔ یعنی اگر چشم عقل اور سمع عقل کی صفائی چاہتے ہو تو طمع کے پردون کو پھاڑ ڈالو اور طمع کو ترک کر دو۔ اس لیے کہ یہ ایسی شے ہے کہ نہ حق کو سننے دیتی ہے اور نہ دیکھنے دیتی ہے۔ اور جب یہ ایسی بلا ہے تو اس طریق مین تو مانع اشد اور حاجب ہوگی۔ لہذا اسکو ترک کر دو۔ اور پھر دیکھو کہ کس طرح انوار کی بارش ہوتی ہے۔ آگے پھر اس صوفی کے قصہ کی طرف رجوع فرماتے ہین کہ۔

زانکہ آن تقلید الخ۔ یعنی (دیکھ لو کہ) طمع نے اس صوفی کی عقل کو اس نور درخشان سے بند کر دیا حقیقت کے علم سے مانع ہوگئی۔

زانکہ صوفی الخ۔ یعنی (دیکھ لو کہ) صوفی کو طمع راستہ سے علحدہ لے گئی۔ (اور طریق حق سے اسکو منصرف کر دیا) تو خسران مین رہ گیا اور اسکا کام تباہ ہوگیا۔ آگے اس طمع کو بتاتے ہین کہ وہ طمع صوفی کس شے کی تھی فرماتے ہین کہ۔

طمع لوت الخ۔ یعنی ان لذیذ کھانون کی طمع اور اس ذوق وسماع کی طمع اسکی عقل کو اطلاع (حقیقت) سے مانع ہوگئی اور بوجہ لاعلمی کے حقیقت سے نقصان اٹھایا۔ آگے ایک نظیر بتاتے ہین کہ۔

گر طمع در آئینہ الخ۔ یعنی اگر آئینہ مین بھی طمع ہوتی تو آئینہ بھی نفاق مین ہمارا ہی جیسا ہوتا۔ مطلب یہ کہ آئینہ جو بدصورت کو بدصورت اور خوبصورت کو خوبصورت ظاہر کر دیتا ہے اور کسی سے چاپلوسی کی وجہ سے غیر واقعی امر کو ظاہر نہین کرتا کہ خوشامد کے مارے بدصورت کو خوبصورت ظاہر کرتا۔ یہ بوجہ بے طمع ہونے کے ہی ہے آگے ایک اور نظیر فرماتے ہین کہ۔

گر ترازو را طمع الخ۔ یعنی اگر ترازو کو مال مین طمع ہوتی تو وہ ہر چیز کی حالت کو ٹھیک ٹھیک کب کہہ سکتی تھی۔ بلکہ طمع کی وجہ سے کم کو درست اور زیادہ کو کم بتلایا کرتی۔ تاکہ اسکو بھی کچھ ملے۔ تو یہ راست گوئی اسی وجہ سے ہے کہ نہ آئینہ کو طمع ہے اور نہ ترازو کو آگے ایک تیسری نظیر فرماتے ہین کہ۔

ہر نبی می گفت الخ۔ یعنی ہر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی قوم سے فرماتے تھے کہ مین تم سے اپنے اس پیام رسانی کی مزدوری نہین چاہتا جیسا کہ قرآن شریف مین بھی ہے کہ یا قوم لا اسئلکم من اجر ان اجری الا علی رب العالمین کہ اے قوم مین تم سے کوئی اجرت اس کام پر نہین طلب کرتا بلکہ میری اجرت تو حق تعالیٰ کے پاس ہے۔ وہی عنایت فرمادین گے۔ تو دیکھ لو کہ چونکہ ان حضرات کو مزدوری وغیرہ کی طمع نہ تھی۔ حق کو حق اور باطل کو باطل کر دکھاتے تھے۔ کسی کی خوشامد اور چاپلوسی نہ تھی۔

من دلیلم الخ۔ یعنی (ہر نبی فرماتے تھے کہ) مین دلال ہون اور حق تعالیٰ تمہارے خریدار ہین (جیسا کہ ان اللہ اشتریٰ من المومنین انفسہم سے معلوم ہوتا ہے) اور دلال بائع ومشتری دونون سے اپنی مزدوری لیتا ہے تاکہ دونون جیسی سکے مگر اب مجھے حق تعالیٰ ہی نے دونون طرف کی مزدوری عنایت فرمادی ہے سب مجھے اب تم سے لینے کی ضرورت نہین ہے۔

ہست مزد کار الخ۔ یعنی دلال کے کام کی مزدوری ضرور ہوا کرتی ہے۔ اور اسکو مزدوری دینی چاہئے

تاکہ بھیک اور سزاوار بات کہے۔

چیست مزد کار الخ۔ یعنی (وہ فرماتے ہین کہ) ہمارے کام کی مزدوری تو دیدار حق سبحانہ تعالےٰ ہے اگرچہ ابو بکر رضی اللہ عنہ (خود سعادت حاصل کرنے کو) چالیس ہزار (دینار) بخشین مگر ہم کو اُنکی ضرورت نہین ہے۔ یعنی بس حق کے دیدار کے سامنے ہکو اور کچھ نہین چاہیے۔

چل ہزار ا واالخ۔ یعنی (نبی علیہ السلام فرماتے ہین کہ) وہ اُن کے چالیس ہزار میری مزدوری کہان ہوسکتے ہین اس لیے کہ دُرِّ عدن کے مشابہ پوتھ کہان ہوسکتی ہین۔ شبہ بکسر الشین مشابہ وشبہ بفتحتین پوتھ مطلب یہ کہ یہ چالیس ہزار دینار وغیرہ اُس دیدار یار کے مثل اور اُس کے مشابہ کب ہوسکتا ہے۔ تو جب ہم کو دیدار یار میسر ہے تو پھر ان چالیس ہزار یا پچاس لاکھ کی کیا پرواہ ہے۔ اور یہ اُس دولت کے برابر کب ہوسکتے ہین۔ اور چالیس ہزار کہنا باعتبار بیان زیادت کے ہے۔ کہ خواہ کتنا ہی خرچ کرین عدد مراد نہین ہے۔ آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

یک حکایت گویمت بشنو بہوش — تا بدانی کہ طمع شد بند گوش

ہر کرا باشد طمع الکن شود — با طمع کے چشم دل روشن شود

پیش چشم او خیال جاہ و زر — ہمچنان باشد کہ مو اندر بصر

جز مگر مستے کہ از حق پُر بود — گرچہ بدہی گنجہا او حُر بود

ہر کرا ز دیدار برخوردار شد — این جہان در چشم او مردار شد

لیک آن صوفی ز مستی دور بود — لاجرم از حرص او بے نور بود

صد حکایت بشنود مدہوش حرص — در نیاید نکتۂ در گوش حرص

اچھا خوب خیال کرکے اور توجہ سے ایک حکایت سُن۔ تاکہ تجھے معلوم ہوجائے کہ ایک جگہ طمع کان کیلیے ڈاٹ بن گئی اور اس سے تو نتیجہ نکال لے کہ طمع کان کی ڈاٹ ہوجاتی ہے اور کچھ یہ بھی نہین کہ طمع کان ہی کو بند کرتی ہے بلکہ زبان کو بھی بند کرتی ہے۔ کہ صاحب طمع صاف اور سچی بات نہین کہہ سکتا اِس لیے مثل ہکلے کے ہوجاتا ہے۔ اور اسکا اثر کان اور زبان ہی تک محدود نہین رہتا بلکہ چشم دل پر بھی پڑتا ہے۔ کہ طمع سے چشم بصیرت اندھی ہوجاتی ہے۔ اور بالکل لہم قلوب لایفقہون بہا ولہم اعین لایبصرون بہا ولہم آذان لایسمعون بہا اولئک کالانعام بل ہم اضل کا مصداق ہوجاتا ہے اسکی آنکھ کے سامنے ہمیشہ جاہ و زر کی صورت خیالیہ رہکر اسکو ہمیشہ یون پریشان رکھتی ہے جس طرح آنکھ کے اندر بال اور یہ طمع سب لوگون مین پائی جاتی ہے۔ بجز اُس مست کے جو شراب محبت حق سے لبالب ہے اسکی تو یہ شان ہوتی ہے کہ اگر تم اسے بہت سے خزانے بھی دیدو تب بھی آزاد ہے۔ اور سب پر لات مار کر الگ کھڑا ہوجاوے۔ کیون نہ ہو بات یہ ہے کہ جو دیدار حق سبحانہ سے بہرہ یاب ہوا اُس کی نظر مین

دنیا مردار کے مانند مکروہ و مبغوض ہوگئی۔ مگر تم کو یہ شبہ نہ کرنا چاہیے کہ صوفیون کی یہ حالت ہے۔ تو پھر وہ صوفی کیونکر طمع مین گرفتار ہوگیا۔ کیونکہ وہ حقیقی صوفی نہ تھا۔ بلکہ مستی سے دور تھا۔ اور شراب محبت حق اُس نے نہین پی تھی۔ اِس لیے لامحالہ وہ حرص سے بے نور تھا جو حرص سے مدہوش ہوتا ہے وہ سو حکایتین سنتا ہے مگر اُس کے گوش حرص مین ایک نکتہ بھی نہین پہونچتا۔ اچھا اب وہ حکایت سُن جسکا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔

شرح شبیری | ایک حکایت الخ۔ یعنی (مولانا فرماتے ہین کہ) مین تم سے ایک حکایت کہتا ہون ذرا ہوش سے سننا تاکہ تم جان لو کہ طمع بند گوش ہوجاتی ہے۔ اور جہان طمع ہوتی ہے وہان حق کو انسان سُن ہی نہین سکتا۔

ہر کرا باشد الخ۔ یعنی جسکو طمع ہو وہ گنگ ہوجاتا ہے (اس لیے کہ جس سے طمع ہے اُسکو کوئی حق بات نہین کہہ سکتا۔) اور طمع کے ساتھ دل کی آنکھ کب روشن ہوسکتی ہے۔ یعنی حقیقت بینی میسر نہین ہوسکتی ہے۔

پیش چشم الخ۔ یعنی اُس (طامع) کی آنکھ کے سامنے جاہ وزر کا خیال ایسا (حاجب) ہوتا ہے کہ جس طرح آنکھ مین بال کہ وہ بھی آنکھ کو دیکھنے سے مانع ہوتا ہے۔ اسیطرح یہ بھی آنکھ کو حقیقت بینی سے مانع اور حاجب ہوتا ہے۔

جز مگر مستے الخ۔ یعنی سوائے اُس مست کے کہ نور حق سے پُر ہو۔ (کہ اُسکو طمع نہین ہوتی اِس لیے کہ وہان اُسکی جگہ ہی نہین) اور اگرچہ تم اُسکو خزانے کے خزانے دو مگر وہ ان سب سے آزاد ہوگا۔

ہر کہ از دیدار الخ۔ یعنی جو شخص کہ دیدار حق سے مشرف ہوگیا تو اُسکی نگاہ مین تو یہ جہان (مثل) مردار کے ہوگیا۔ آگے پھر اُس صوفی کی حالت کو بیان فرماتے ہین کہ۔

لیک آن صوفی الخ۔ یعنی (جو شخص کہ اہل بصیرت ہوگا وہ تو اِس دنیا کی طرف ہرگز توجہ نکریگا) لیکن وہ صوفی مستی (حقیقی اور اصلی) سے دور تھا۔ لہذا وہ حرص کی وجہ سے بے نور تھا۔ اور اُسکو نور معرفت حاصل نہ تھا۔ لہذا طمع نے اُسکو خراب کیا۔

صد حکایت بشنود الخ۔ یعنی جو شخص کہ حرص مین مدہوش ہوتا ہے وہ سیکڑون حکایتین سنتا ہے مگر اُس کے کان مین جو کہ حرص سے بھرا ہوا ہوتا ہے ایک بات بھی نہین آتی۔ اور حرص کی وجہ سے بالکل کور وکر ہوجاتا ہے جیسا کہ حکایت ذیل سے معلوم ہوتا ہے۔

شرح حبیبی

قصۂ آن مفلس کہ در زندان بود و زندانیان از و در فغان

بود شخصے مفلسے بے خان و مان	ماندہ در زندان و بند بے امان
لقمۂ از زندانیان خوردے گزاف	بر دل خلق از طمع چون کوہ قاف

زہرہ نے کس را کہ لقمہ نان خورد	زانکہ آن لقمہ ربا گاوک برد
ہر کہ دور از دعوت رحمان بود	اوگدا چشم است اگر سلطان بود
مر مروت را نہادہ زیر پا	گشت زندان دوزخے زان نان ربا

یعنی ایک شخص مفلس اور خانمان برباد ایک جیلخانہ اور بے امان قید مین رہتا تھا۔ اسکی حالت یہ تھی کہ بے محابا قیدیون کی روٹیان کھاتا اس لیے وہ اپنی طمع کے سبب مخلوق کے دل پر کوہ قاف کے مانند گران تھا۔ کسی کو اتنی طاقت نہ تھی کہ روٹی کا ایک ٹکڑہ کھائے۔ کیونکہ وہ روٹی چھیننے والا فوراً اُڑا لیجاتا تھا۔ بات یہ ہے کہ جو شخص دعوت خداوندی سے دور اور غذاے روحانی سے محروم ہے وہ دنیاوی حیثیت سے گو بادشاہ ہو مگر گدا چشم اور حریص وطماع ہے۔ غرض اُس شخص نے انسانیت کو پامال کر دیا تھا۔ اور جیلخانہ اُسکی وجہ سے دوزخ ہو گیا تھا۔

شرح شبیری

قصہ اس شخص کا کہ قیدخانہ مین تھا اور قیدی اُس سے مصیبت مین تھے

بود شخصے مفلسے الخ۔ یعنی ایک شخص مفلس بے اہل وعیال کے تھا اور وہ قیدخانہ مین قید بے امان مین ہو گیا تھا۔ یعنی کسی وجہ سے یہ مفلس صاحب قید ہو گئے تھے۔

لقمہ زندانیان الخ۔ یعنی قیدیون کا کھانا بیہودگی کی وجہ سے کھا جاتا تھا اور حرص کی وجہ سے تمام مخلوق پر کوہ قاف کی طرح گران تھا۔

زہرہ نے کس را الخ۔ یعنی کسی کو اتنی طاقت نہ تھی کہ ایک لقمہ روٹی کا کھالے اس لیے کہ وہ لقمہ لینے والا جلدی سے لیجاتا ہے۔ اور صیغۂ حال سے استحضار ماضی کے واسطے تعبیر کیا۔ گویا کہ اب لیجارہا ہے آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔

ہر کہ دور از دعوت الخ۔ یعنی جو شخص کہ اللہ تعالیٰ کی دعوت سے دور ہو کہ اُسکو توکل نصیب نہ ہو تو وہ فقیر جیسی آنکھ والا ہوتا ہے اگرچہ بادشاہ ہی ہو۔ اس لیے کہ جس طرح فقیر حریص ہوتا ہے ویسا ہی وہ بھی حریص ہوتا ہے۔ تو اُسکا ظاہری جاہ ومال کسی کام نہ آیا۔ جب تک کہ غنائے باطن حاصل نہ ہو۔ آگے پھر اُسی مفلس کی حالت کو فرماتے ہین کہ۔

مر مروت را نہادہ الخ۔ یعنی اُس مفلس نے مروت کو تو پاؤن تلے رکھ لیا تھا۔ (اور بیحیائی پر کمر باندھ رکھی تھی) تو اس روٹی اوچکنے والے کی وجہ سے یہ زندان دوزخ ہو گیا تھا۔ یعنی ایک تو فی نفسہ قیدخانہ مصیبت کی جگہ ہے اور پھر اگر اسمین علاوہ اس مصیبت کے اور مصائب بھی ہون تو پھر تو بہت ہی مصیبت کا مقام ہو جاتا ہے۔ اور کسی حالت مین چین مل ہی نہین سکتا بس یہی حالت دنیا کی ہے جسکو خود مولانا فرماتے ہین کہ

شرح حبیبی

گرگریزی بر اُمید راحتے | زان طرف ہم پیشت آید آفتے
ہیچ کنجے بے دد وبے دام نیست | جز بخلوتگاہِ حق آرام نیست
کنج زندان جہان ناگزیر | نیست بے پامزد بے دق الحصیر
واللہ ار سوراخ موشے در روی | مبتلاے گربہ چنگالے شوی
آدمی را فربہی ہست از خیال | گر خیالاتش بود صاحب جمال
ور خیالاتش نماید ناخوشے | مے گدازد ہمچو موم از آتشے
در میان مار و کژدم گر ترا | باخیالات خوشان وارد خدا
مار و کژدم مر ترا مونس بود | کان خیالت کیمیاے مس بود
صبر شیرین از خیال خوش شدست | کان فرح وان تازگی پیش آمدست
آن فرح آید ز ایمان در ضمیر | ضعف ایمان ناامیدی وزحیر
صبر از ایمان بیابد سر کلہ | حیث لا صبر فلا ایمان لہ
گفت پیغمبر خداش ایمان نداد | ہر کرا نبود صبوری در نہاد

رسمی جیلخانہ کا حال تو سُن چکے۔ اب حقیقی جیلخانہ کا حال سُناتے ہین۔ پس سُنو کہ گوشہ قیدخانہ دینا تکلیف وزحمت اور مشقت ورنج سے خالی نہین۔ بخدا اگر تو چوہے کے سوراخ مین بھی چلا جاوے تو وہان بھی تو بلی کے پنجے مین گرفتار ہوگا یعنی اگر تو تنہائی مین بھی رہیگا تب بھی تکالیف سے نجات نہ پائیگا۔ اگر کوئی اور موذی شے نہ ہوگی تو کم از کم خیال ہی ہوگا جو پریشان کریگا۔ اب ذرا خیال کی تاثیرات بھی سُن لے۔ اگر آدمی کے خیالات اچھے ہون خواہ واقع مین یا خیالی طور پر تو آدمی کو اُن سے فربہی حاصل ہوتی ہے۔ اور اُس کے خیالات اُسکو ناگوار واقعہ دکھلاتے ہین تو یون گھلنے لگتا ہے جیسے آگ سے موم اگر خدا تجھے سانپ بچھو سی موذی چیزون کے درمیان رکھے لیکن تیرے خیالات کو اچھا رکھے تو وہ سانپ بچھو تیرے مونس ہوجائینگے اور تجھے اِن سے کوئی پریشانی نہ ہوگی کیونکہ وہ تیرا خیال تانبے کو کندن کردینے والا۔ اور موذی کو مونس بنادینے والا ہے۔ عمدہ ہی خیال کی بدولت صبر باوجود تلخی وناگواری شیرین اور گوارا ہوجاتا ہے۔ اُسکی وجہ یہ ہوتی ہے کہ واقعی فرح اور تازگی سامنے ہوتی ہے یعنی صبر سے حصول فرح وتازگی کی امید ہوتی ہے۔ اس فرح کے دلمین آنے کا اصل منشا ایمان ہوتا ہے۔ کیونکہ ایمان نام ہے تصدیق کا پس جب ان مواعید کی تصدیق ہوگی جو صبر کرنیوالون کے لیے کیے گئے ہین اور مانع مرتفع ہوگا تو امید ہوگی اور اُمید سے فرح خواہ مخواہ ہوگی۔ اور جب تصدیق ہی نہ ہوگی یا ہوگی مگر عوارض کے سبب مذہول عنہ ہوگی تو فرح کہان پس جبکہ ایمان منشا ہے امید کا اور امید منشا ہے فرح کا تو ناامیدی دلیل ہوگی ضعف ایمان کی اور موجب ہوگی رنج وتکلیف کے لیے

اِسی واسطے صبر کو ایمان کہکر شرف بخشا گیا ہے۔ چنانچہ حدیث مین وارد ہے الصبر نصف الایمان۔ پس جب صبر نہین تو ایمان بھی نہین۔ لانعدام الکل با نعدام الجزء پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جسکی سرشت مین صبر نہین اُسکو خدا نے کامل ایمان نہین دیا۔

شرح شبیری گر گریزی الخ۔ یعنی اگر تم کسی راحت کی اُمید پر کسی مصیبت سے بھاگو تو اُس طرف بھی تمھارے آگے ایک نئی آفت اور مصیبت آدیگی مقصود یہ کہ دنیا کی بھی یہی حالت ہے کہ اول تو خود زندان ہے ہی کہ الدنیا سجن المومن فرمایا گیا ہے لیکن پھر اسپر طرہ یہ کہ طرح طرح کی مصیبت اور کامشونکا سامنا رہتا ہے۔ اور کسی حالت مین بھی چین اور قرار نہین۔

ہیچ کنجے الخ۔ یعنی کوئی کونہ اِس دنیا کا بے درندے اور چرندے کے نہین ہے اور سوائے حق تعالےٰ کی خلوتگاہ کے کہین بھی آرام نہین ہے۔ اِس لیے کہ یہ امر مشاہدہ اور ظاہر ہے کہ دنیا مین پھنسکر انسان کبھی راحت سے نہین گذار سکتا۔ بلکہ ہمیشہ پریشانیون مین مبتلا رہتا ہے۔ ہان جو لوگ کہ متوجہ الی الحق ہین اور واصل بحق ہین وہ بیشک آرام سے ہوتے ہین۔ اور اُن کو ہرگز پریشانی نہین ہوتی ہان رنج طبعی اور غم ضرور ہوتا ہے۔ مگر اضطراب اور پریشانی کہ مصیبت کے وقت یون سوچین کہ اب کیا ہوگا۔ اور اِسکا کیا تدارک ہوگا۔ یہ نہین ہوتی۔ مثلاً دو شخص ہین ایک وہ جو کہ خدا کا نام لینے والا ہے اور دوسرا دنیا دار ہے۔ اور دونون کے بیٹے مثلاً مریض ہین تو رنج تو دونون کو ہوگا۔ مگر دونون کے رنج مین یہ فرق ہوگا۔ کہ جو خدا کا نام لینے والا ہے اُسکو یون پریشانی نہ ہوگی کہ اگر یہ مرجاوے تو کیا ہوگا اور میری زندگی کس طرح بسر ہوگی الی غیر ذالک بلکہ اُسکو صرف رنج طبعی ہوگا۔ جو کہ طبیعت انسانی کا مقتضا ہے۔ جیسا کہ خود حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہوا۔ کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے انتقال پر فرماتے ہین۔ کہ انا لفراقک یا ابراہیم لمحزونون کہ لے ابراہیم ہم تمھارے فراق کی وجہ سے غمگین ہین۔ تو جب غم طبعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہوا تو آج کون ہے جو یہ دعوےٰ کرے کہ ہمین رنج ہی نہین ہوتا۔ ہان وہ شخص کہ جس کے قلب سے حق تعالےٰ نے رحم اور محبت کا مادہ ہی نکال دیا ہو وہ اِس سے مستثنیٰ ہے۔ لیکن جو شخص کہ فطرت سلیمہ پر ہو اور خدا کا نام لینے والا ہو تو اُسکو ان حوادثات زمانہ سے ہرگز ہرگز پریشانی نہ ہوگی بلکہ اسکی نظر ہر وقت حق تعالےٰ پر رہے گی۔ اور یہ سمجھے گا کہ جو ہوگا اُدھر ہی سے ہوگا پھر کیا غم ہے لہذا اُسکا قلب بشاش ہوگا۔ دوسرا شخص جو کہ دنیا دار اور غافل عن الحق ہے اُسکی نظر چونکہ سوائے اسباب کے دوسری ایسی شئے پر جو کہ اُسکو اطمینان اور صبر دلانے والی ہو نہین ہے اِس لیے اُسکو بھی اضطراب ہوگا۔ کہ اگر اِس دوا سے شفایاب نہ ہوا تو دوسری کرنی چاہیے اور اگر اِس سے بھی نہ ہوا تو تیسری۔ غرض کہ کہین چین نہین اور اگر کہین اسی مین وہ صاحبزادے صاحب مر بھی گئے تو پھر اُنکی پریشانی کا پوچھنا ہی نہین پھر تو یہ سوچا جاتا ہے کہ اگر فلان حکیم کا علاج ہوتا تو ضرور اچھا ہوجاتا اگر فلان دوا کیجاتی تو شفایاب ہوجاتا۔ غرض اسی حسرت مین اور پریشانی مین رہتا ہے۔ اب معلوم ہوگیا کہ غم اور شے ہے اور وہ ایک امر طبعی ہے جو کہ مذموم بھی نہین اور پریشانی اور شے ہے جو کہ مذموم ہے

اور خدا کا نام لینے سے یہ پریشانی نہین ہوتی۔ آگے پھر اس دنیا کی مذمت فرماتے ہین کہ۔

کنج زندان الخ۔ یعنی اس جہان ناگزیر کے زندان کا کونہ بغیر مصیبت کے اور بے دق الحصیر کے نہین ہے دق الحصیر بوریا توڑنا تو چونکہ زیادہ کام کریگا اُسی کے بیٹھنے سے بوریا ٹوٹے گا اس لیے دق الحصیر محاورہ ہوگیا ہے مشکل کام کرنے سے مطلب یہ کہ دنیا مین اگر ایک کونہ بھی اختیار کرو اور بظاہر خلق سے علیحدگی بھی ہو مگر جب قلب مین دنیا ہے تو پھر بھی مصیبت ہی ہے

واللہ ار سوراخ الخ۔ یعنی خدا کی قسم اگر کسی چوہے کے سوراخ مین بھی تو چلا جاوے تو بھی کسی بلی کے چنگل مین مبتلا ہو جاویگا۔ مطلب یہ کہ اگرچہ کتنا ہی جاکر کہین چھپو مگر دنیا مین مصیبتین اور بلائین ہر جگہ موجود ہین اگر کسی ایسی جگہ جاکر رہو کہ جہان کوئی شئے موذی نہ ہو لیکن انسان کے اندر خیال ایک ایسی شے ہے کہ ہر جگہ موجود ہے۔ جیسے کہ ایک ذاکر شاغل شخص تھے وہ کہتے تھے کہ مین تمام کامون سے فارغ ہوکر ذکر مین مشغول ہوتا ہون تاکہ کوئی وسوسہ وغیرہ نہ آوے۔ مگر جب ذکر کرنے بیٹھتا ہون تو یہ خیال ہوتا ہے کہ ندی پر ایک درخت اس قسم کا کھڑا ہے۔ سو اسکا کیا علاج تو اگرچہ یہ اُن کو مضر نہ تھا مگر ایک پریشان کن بات تو تھی۔ لہذا اگر انسان دنیا مین کہین چھپ کر رہے بھی اور کوئی شے موذی وہان نہ ہو تو ایک خیال ایسی شے ہے کہ ہر جگہ پریشان کرنے کو موجود ہے۔ پس مولانا آگے خیال ہی کو بتاتے ہین کہ۔

آدمی را الخ۔ یعنی اگر انسان کے خیالات صاحب جمال اور اچھے ہوتے ہین تو اُسکو فربہی حاصل ہوتی ہے اور خوب موٹا ہو جاتا ہے۔

در خیال اتش نماید الخ۔ یعنی اور اگر اس کے خیالات اُسکو کوئی ناخوش بات دکھاتے ہین تو موم کیطرح آگ سے پگھلتا ہے۔ یعنی اُن ہی خیالات مین گھلنے لگتا ہے۔ تو دیکھو کہ خیال جو کہ ظاہر مین بالکل لاشے ہے اور کہین محسوس بھی نہین مگر پھر بھی اگر اچھا ہے تو انسان کو موٹا تازہ کر دیتا ہے۔ اور اگر خراب ہے تو اُسکو گھلا دیتا ہے۔ اور دُبلا اور لاغر کر دیتا ہے۔ اور خیالات خوش ایسی شے ہے کہ۔

درمیان مار و کژدم الخ۔ یعنی اگر خداوند تعالے تم کو عمدہ خیالات کے ساتھ سانپ اور بچھوؤن مین بھی رکھے تو وہ سانپ بچھو بھی تمھارے مونس ہوجاوین اور تمھارے یہ خیالات تانبے کے لیے کیمیا ہوجاوین۔ مطلب یہ کہ اگر خدا تعالے اپنے خیال مین رکھکر ظاہر مصائب مین مبتلا کر دے تو وہ بھی مونس اور گوارا ہو جاتے ہین اس لیے کہ یہ شخص تو اپنے خیال مین مست ہوتا ہے اُسکو یہ مصائب ظاہری معلوم بھی نہین ہوتے۔ جیسا کہ ایک جگہ فرماتے ہین کہ ؎ ہر کجا دلبر بود خرم نشین + جنت است آن اربود قعر زمین ۔ اور یہ امر مشاہد ہے کہ جب کوئی اچھا خیال غالب ہوتا ہے تو پھر انسان کو مصائب ظاہری اور یہ ظاہری کلفتین معلوم نہین ہوتین۔ جیسا کہ پہلے بھی بیان ہوا ہے تو یہ سارا دھندا کہ ایک بات سے آدمی موٹا ہوتا ہے اور ایک سے گھلتا ہے اور ایک جگہ مصائب مین رہ کر بھی خوش ہے اور دوسری جگہ ظاہری نعمامین بھی مصیبت مین ہے۔ سب خیال کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ورنہ یہ تو کوئی شے بھی نہین۔

صبر شیرین الخ - یعنی صبر جیسی چیز بھی جو شیرین اور خوشگوار ہے تو وہ بھی خیالات خوش کی وجہ سے ہی کہ وہ فرح اور تازگی سامنے آئی ہے - اس لیے کہ جب انسان یہ سمجھ لیتا ہے کہ صبر کرنے کا حکم خدا تعالیٰ کا ہے تو بس اِس خیال کی وجہ سے وہ صبر خوشگوار ہو جاتا ہے ورنہ صبر تو بہت ہی مشکل شئے ہے - آگے مولانا خود اُس فرح کو فرماتے ہین کہ -

آن فرح آید الخ - یعنی وہ فرح اور تازگی ایمان کی وجہ سے دلمین آئی ہے اور ضعف ایمان ہی ناامیدی اور مشقت ہے - یہان سبب کا اطلاق مسبب پر مبالغۃً کر دیا ہے اِس لیے ناامیدی اور زحیر کا سبب ضعف ایمان ہے نہ کہ ضعف ایمان خود ناامیدی اور زحیر ہے - بس مطلب یہ ہوا کہ یہ جو فرح ہے یہ بھی ایمان کی وجہ سے دلمین آتی ہے اور یہ خود ایک خیال ہے اور جب ضعف ایمان ہوتا ہے اور اس خیال مین کمزوری پیدا ہوتی ہے تو پھر وہی حالت ناامیدی اور مشقت کا سبب بنجاتی ہے - آگے فرماتے ہین کہ -

صبر از ایمان الخ - یعنی صبر ایمان کی وجہ سے امتیاز پاتا ہے اور جہان صبر نہین ہے وہان ایمان بھی نہین ہے اس لیے کہ حدیث شریف مین آیا ہے کہ الصبر شطر الایمان (او کما قال ع) یعنی صبر ایمان کا نصف حصہ ہے تو پھر اگر کسی شے کا نصف حصہ مفقود ہو تو وہ شے تو معدوم ہی کہلاویگی - اِس لیے کہ کل تو ایک جزو کے مفقود ہونے سے ہی کل نہین رہتا چہ جائیکہ کل کا نصف مفقود ہو تو پھر تو بطریق اولیٰ وہ شے مفقود ہوگی اسی بنا پر یہ فرما دیا کہ جہان صبر نہین وہان ایمان بھی نہین -

گفت پیغمبر الخ - یعنی پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خدا نے اُسکو ایمان عطا نہین فرمایا جس کی طبیعت مین کہ صبر نہین ہے یہ روایت بالمعنیٰ ہے اور توجیہ اِسکی شعر بالا مین مذکور رہی - آگے فرماتے ہین کہ

شرح حبیبی

آن یکے در چشم تو باشد چو مار	ہم وے اندر چشم آن دیگر نگار
زانکہ در چشمت خیال کفر اوست	وان خیال مومنے در چشم دوست
کاندرین یک شخص ہر دو فعل ہست	گاہ ماہی باشد او و گاہ شست
نیم او مومن بود نیمیش گبر	نیم او حرص آورے نیمیش صبر
گفت یزدانت فمنکم مومن	باز منکم کافر گبر کہن
ہمچو گاوے نیمۂ جلدش سیاہ	نیمۂ دیگر سپید ہمچو ماہ
ہر کہ این نیمہ بہ بیند رد کند	ہر کہ آن نیمہ بہ بیند کد کند
از جمال یوسف اخوان پس نفور	لیک اندر دیدۂ یعقوب نور
از خیال بد نظر شان زشت دید	چشم فرع و چشم اصلی نا پدید
چشم ظاہر سایۂ آن چشم دان	ہر چہ آن بیند بگردد این بدان
سایۂ اصل است فرع اما کجا	سایہ با خورشید یا دارد بجا

تو مکانی اصل تو در لامکان | این دکان بر بند و بگشا آن دکان
شش جہت مگریز زیرا در جہات | ششدرست و ششدرہ مات مات
این سخن را نیست حد زند انبان | مضطرب ندا زدست آن خر قلتبان

خیالات جس طرح اپنے اثر کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہین - یون ہی اپنی ذات کے لحاظ سے بھی مختلف ہوتے ہین کیونکہ ایک ہی شخص تیری نظر مین سانپ ہوتا ہے اور وہی دوسرے کی نظر مین معشوق اور تصویر کیونکہ تیری آنکھ کے سامنے تو اُسکی کفر کی صورت ہے اور اُس کے دوست کی نظر مین اُسکی مومنی کی صورت کیونکہ اُس کے اندر دونون طرح کے فعل ہین بعض ایسے جو کفار کے لیے مناسب ہین - اور بعض ایسے جو مومنین کو شایان - پس تو پہلے قسم کے افعال پر نظر رکھتا ہے - اور دوست دوسری قسم کے افعال پر - اس لیے کبھی وہ مچھلی کے مثل مرغوب ہوتا ہے اور کبھی کانٹے کی طرح مکروہ و ناپسندیدہ - نیز اس لیے وہ آدھا مومن ہے - اور آدھا کافر - اور آدھا حریص بوجہ کفر کے اور آدھا سراپا صبر بوجہ ایمان کے - چنانچہ حق تعالے فرماتے ہین فمنکم مومن ومنکم کافر یعنی بعض حصہ تمھارا مومن ہے اور بعض کافر یعنی ایک اعتبار سے یہ معنی بھی صحیح ہین گو مراد حق سبحانہ یہ معنی نہین) اس لیے ہر شخص کی ایسی مثال ہے جیسے ایک بیل جسکا آدھا جسم سیاہ ہو اور آدھا سپید چاند کی طرح کیونکہ اُسمین سواد کفر بھی ہے اور نور ایمان بھی پس جو شخص کالے حصہ کو دیکھتا اور جہت کفر کا لحاظ کرتا ہے - وہ تو ناپسند کرتا ہے - اور جو سپید حصہ کو دیکھتا اور نور ایمان کو پیش نظر رکھتا ہے - وہ اُس کے قبول مین سعی کرتا ہے - چنانچہ دیکھ لو - یوسف علیہ السلام کے بھائی اُن کے جمال سے نہایت متنفر تھے اور یعقوب علیہ السلام کی آنکھ مین اُسکو دیکھنے سے روشنی بڑھتی تھی - اسکی وجہ یہی تھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی نسبت انکا خیال برا تھا - اس لیے نظر بھی انکو برا ہی دیکھتی تھی لہذا یون کہا جا سکتا ہے - کہ نہ اُن کی ظاہری آنکھین تھین جو کہ ایک درجہ مین فرع اور تابع ہین چشم باطن کے - اور نہ چشم باطن بھی جو کہ ایک حیثیت سے اصلی اور متبوع ہے کیونکہ آنکھ کا کام یہ ہے کہ وہ مبصر کو علی ما ہو علیہ بحسب قوۃ الابصار دکھاوے - اور جو آنکھ ایسا نہین کر سکتی - بلکہ مبصر کا جہل بڑھا کر جہل بسیط کو مرکب کر دیتی ہے - اُسکو معدوم کہنا زیبا ہے - چشم ظاہری کو ہمنے فرعی اور تابع اس لیے کہا کہ یہ آنکھ چشم باطن کے لیے بعض حیثیات سے بمنزلہ عکس کے ہے - پس چشم باطن جس چیز کو جیسا دیکھتی ہے چشم ظاہر بھی اُسی کی طرف منقلب ہو جاتی ہے - اور یہ بھی اُسکو ویسا ہی دیکھتی ہے - گو فرع اصل کا عکس ہوتی ہے اس لیے اُس کو اصل سے گونہ مشابہت ہوتی ہے - لیکن پھر بھی دونون مین زمین آسمان کا فرق ہے - کجا اصل کجا فرع - بھلا کہین سایہ خورشید کے مقابلہ کی تاب لا سکتا ہے - ہرگز نہین پھر اصل کے سامنے جو بمنزلہ خورشید کے ہے فرع جو مثل سایہ کے ہے - کیا حقیقت رکھتی ہے - جب تجھے اصل و فرع کا تفاوت معلوم ہو گیا تو سن کہ تو ذی مکان ہے اور فرع ہے لامکان اور روح مجردکی اور وہ لامکانی روح مجرد تیری اصل ہے - تو دوکان فرع کو بند کر اور جسم کی خدمت و آرایش وغیرہ چھوڑ کہ اسمین خسارہ ہے اور روح کی دوکان کھول اور اُسکو سجا کہ اس سے تم کو نہایت نفع ہوگا - اور تو دولت عقبےٰ سے مالا مال

ہوجائیگا۔ اور تو چھ جہتون یعنی عالم ناسوت کی طرف مت بھاگ اِس لیے کہ چھ جہتون مین ششدر (چھ در) ہین۔ اور ششدرہ مین جب بادشاہ پھنس جاتا ہے تو بس مات ہوجاتی ہے اور بازی ہر جاتی ہے۔ (ششدرہ بساط شطرنج وسطی چار خانون کو کہتے ہین۔ جب بادشاہ ان گھرون مین آجاتا ہے تو مات لازمی ہے۔ چنانچہ کوئی شاعر کہتا ہے۔ شاہ در چار خانہ می آید۔ مات از ہر بہانہ می آید۔) اِس گفتگو کی تو کوئی انتہا ہی نہین۔ قیدی لوگ بھیڑیے گدھے کے ہاتھ سے پریشان ہین۔ اُس سے انکو نجات دلانا چاہیے۔

شرح شبیری آن یکے در چشم الخ۔ یعنی وہ ایک شخص ہوتا ہے کہ تمھاری آنکھ مین تو وہ سانپ معلوم ہوتا ہے اور وہی شخص دوسرے کی نگاہ مین نگار۔ اور اچھا معلوم ہوتا ہے تو یہ فرق صرف خیال ہی کا تو ہے۔ آگے اِس اختلاف کی وجہ بتاتے ہین کہ۔

زانکہ در چشمت الخ۔ یعنی یہ اس لیے کہ تمھاری نگاہ مین تو اُس کے کفر کا خیال ہے (یعنی اُس ایک ہی شخص مین جو بُرائیان ہین تمھاری نگاہ تو اُنپر پڑ رہی ہے) اور دوست کی نگاہ مین اُسکی مسلمانی کا خیال ہے (یعنی وہ باتین ہین جو کہ اُسمین بھلی ہین) پس دیکھ لو کہ ایک ہی شخص کے لیے بوجہ اختلاف خیال دو شخصون کے الگ الگ احکام جاری ہوتے ہین۔

کاندرین یک شخص الخ۔ یعنی کہ اس ایک ہی شخص کے اندر دونون باتین ہین کبھی مچھلی معلوم ہوتا ہے (جو کہ مقصود اور عمدہ ہوتی ہے) اور کبھی شست معلوم ہوتا ہے جو کہ مقصود نہین ہے مطلب یہ کہ کبھی اُسکی صفات حمیدہ پر نظر ہوتی ہے تو اچھا معلوم ہوتا ہے۔ اور کبھی اُس کے افعال ذمیمہ پر نظر ہوتی ہے تو بُرا معلوم ہوتا ہے یہ سارا تفاوت خیال ہی کا ہے۔

نیم او مومن الخ۔ یعنی نصف اُسکا مومن ہوتا ہے اور نصف گبر ہوتا ہے۔ اور نصف حرص سے پُر ہوتا ہے اور نصف صبر ہوتا ہے مطلب یہ کہ ایک ہی شخص مین دونون باتین ہوتی ہین کبھی کسی کو مومن معلوم ہوتا ہے۔ اور کسی کو کافر اور کسی کو صابر معلوم ہوتا ہے اور کسی کو حریص۔ یہ ساری باتین خیالی ہی ہین۔ آگے مولانا اِسکی تائید مین آیت ہو الذی خلقکم فمنکم کافر ومنکم مومن کی تفسیر فرماتے ہین۔ فرماتے ہین کہ۔

گفت یزدانت الخ۔ یعنی (دیکھو) اللہ تعالے نے فرمایا ہے کہ بعض تم مین سے مومن ہین اور بعض کافر پرانے گبر ہین۔ اصل معنی آیت تو یہ ہین کہ تمھارے مجموعہ مین سے بعض افراد مومن ہین اور بعض افراد کافر ہین لیکن یہان مقصود مولانا کا یہ ہے کہ یہ امر تو ثابت ہے کہ حالات اور خیالات کے اختلافات سے تفاوت ہوتا ہے اور اسی بنا پر اس آیت کے بھی ایک یہ معنی ہوسکتے ہین کہ ہر ہر فرد مین بعض مومن ہے اور بعض کافر ہے پس یہان یہ نہ کہا جاوے کہ مولانا تفسیر بالرائے کرتے ہین اس لیے کہ مقصود مولانا کا یہ نہین کہ اگر اِس آیت کی یہ تفسیر ثابت نہ ہو تو پھر یہ مضمون بھی ثابت نہ ہو۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ یہ بات تو ایک مستقل دلیل سے ثابت ہے اب اِسکی بنا پر اس آیت کی یہ تفسیر بھی ہوسکتی ہے اور حدیث مین جو آیا ہے کہ قرآن شریف کی آیات کی تفسیر مین ایک تو معنی ظاہر ہین اور ایک اُنکا بطن ہے اِس سے یہ

مقصود نہین کہ وہ بطن ہے یہ صوفیہ کے نکات ہوتے ہین اس لیے کہ صوفیہ جو نکات بیان کرتے ہین وہ تو مدلول
الفاظ ہی نہین ہوتے بلکہ معنی حدیث کے یہ ہین کہ ظہر اور بطن دونون مدلول لفظ ہوتے ہین - مگر اُس سے ایک تو
معنی ظاہری الفاظ سے سمجھ مین آتے ہین اور دوسرے اُس سے غور کرنے سے نکلتے ہین جیسے کہ مثلاً قرآن شریف
مین اُن صحابہ کی نسبت جو کہ دراصل مالدار تھے مگر مسلمان ہونیکی وجہ سے اُن کے مال پر قبضہ کفار کا ہوگیا تھا
حق تعالےٰ نے للفقراء فرمایا تو اب اس سے ظاہر بین لوگ تو صرف یہ سمجھے کہ صدقات فقراء کے لیے ہین -
جن کے پاس مال نہ ہو - اُس کے بعد فقہاء نے اسمین اور غور کیا اور اس سے یہ نکالا کہ جب یہ لوگ مالدار
تھے اور پھر بھی انکو فقراء کہا گیا تو معلوم ہوا کہ اگر کسی مسلمان کے مال پر کافر کا قبضہ ہو جاوے تو وہ کافر اُسکا
مالک ہو جاتا ہے ورنہ اگر وہ مالک نہ ہوتے تو وہ چیزین انکے ملک مین داخل رہتین - اور یہ فقراء نہ ہوتے
لہذا ایک معنی اُسی آیت کے یہ بھی ہین جسکو کہ فقہاء کہتے ہین کہ اشارۃ النص سے نکلتے ہین اور یہ دونون مدلول آیت
ہین - مگر بہ نسبت پہلے معنی کے اسکو بطن کہا جاویگا - اور اُنکو ظہر کہا جاویگا - اب اگر ان دونون کے علاوہ کوئی
اور تیسرے معنی کوئی نبی یا مثلاً اور کوئی نکالے اور وہ بھی مدلول الفاظ قرآن ہون تو اُسکے بہ نسبت یہ دونون
ظہر ہون گے اور وہ بطن ہون گے پس معلوم ہوا کہ حدیث مین جو ظہر اور بطن آیا ہے اُس سے یہی مراد ہے
کہ دونون معنی مدلول لفظ ہون خواہ تو بدلالۃ النص یا باشارۃ النص یا کسی طرح اور جو معنی مدلول لفظ نہ ہون وہ
نہ بطن مین داخل ہون گے نہ ظہر مین پس صوفیہ کے جو نکات ہوتے ہین وہ نہ بطن ہوتے ہین اور نہ ظہر بلکہ وہ
اس معنی کر ہوتے ہین کہ مدلول لفظ تو وہ بھی ہے مگر یہ معنی بھی ہو سکتے ہین جیسے کہ صوفیہ کہتے ہین کہ قرآن شریف
مین ہے اذہب الی فرعون انہ طغی تو اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہین کہ اے شخص تو اپنی روح کو نفس کی طرف
متوجہ کر اور اُسکی اصلاح کر اس لیے کہ اُس نے سرکشی کی ہے حالانکہ اصل مین معنی یہ ہین کہ اے موسےٰ فرعون
کے پاس جائیے اس لیے کہ اُسنے بہت سرکشی کی ہے - تو اب صوفیہ یہ نہین کہتے کہ جو معنی ہم نے بیان کیے
وہی ہین جس سے کہ تفسیر بالرائے کا الزام اُنپر عائد ہو - بلکہ وہ ان معنی اصلی کو مان کر یون کہتے ہین کہ ایک
معنی یہ بھی ممکن ہین کہ موسےٰ سے مراد روح ہو جو کہ لطافت اور پاکیزگی مین موسیٰ علیہ السلام کی طرح ہے
اور فرعون سے مراد نفس ہو جو کہ ناپاکی اور سرکشی مین فرعون کی طرح ہے اور اسکی ایسی مثال ہے کہ جیسے
حق تعالےٰ نے بنی نضیر کا قصہ بیان فرما کر یون فرمایا ہے کہ فاعتبروا یا اولی الابصار تو اس سے یہی مراد ہے
کہ اول بنی نضیر کی حالت کو دیکھو اور پھر اپنی حالت کو دیکھو اگر دونون کو مطابق پاؤ تب تو تم بھی اپنے اوپر اس عذاب
کو وارد سمجھو اور اس سے خوف کرو - اور عبرت حاصل کرو - بس اسیطرح صوفیہ بھی کہتے ہین کہ تم بھی اپنی حالت کو
دیکھو اور پھر فرعون کی حالت کو دیکھو پس اگر دونون مطابق ہون تو جو اسپر عذاب نازل ہوا ہے اُس سے ڈر کر
اصلاح کر لو - بس معلوم ہوگیا کہ ظہر معنی اور بطن معنی سے اور مراد ہے اور صوفیہ جو تفسیر کرتے ہین وہ نہ ظہر ہوتے ہین
نہ بطن بلکہ نکات کے طور پر ایک امر زائد کو جو قرآن سے مفہوم ہوتا ہے بیان فرماتے ہین جسمین کہ کوئی خرابی
لازم نہین آتی - فافہم فانہ غریب جداً (وللہ در القائل) آگے پھر اسکی ایک مثال دیتے ہین کہ -
ہمچو گاوے نیمۂ الخ - یعنی (ایک ہی شخص مین دو حالتین معلوم ہونگی ایسی مثال ہے کہ) جیسے

ایک بیل ہے کہ آدھی کھال تو اسکی کالی ہے اور آدھی دوسری وہ چاند کی طرح سفید ہے۔
ہر کہ این نیمہ الخ۔ یعنی جو شخص اس آدھے (سیاہ) کو دیکھتا ہے تو رد کرتا ہے اور جو کوئی اس نصف (سپید) کو دیکھتا ہے تو (اس کے حاصل کرنے کی) کوشش کرتا ہے۔ اسیطرح ایک ہی شخص میں ایک شخص تو خوبی کو دیکھ رہا ہے وہ تو اسکو مقبول بارگاہ جانتا ہے اور دوسرا اسکی برائی پر نظر کر رہا ہے تو وہ اسکو مردود جانتا ہے۔ یہ بھی سب خیال ہی کے کرشمے ہیں۔
از جمال یوسف الخ۔ یعنی (دیکھو) یوسف علیہ السلام کے (کہ ایک ہی شخص ہیں) جمال سے (انکے) بھائی تو متنفر (اور انکے دشمن) تھے لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھ کا نور تھا۔ اسکی وجہ آگے مولانا خود فرماتے ہیں کہ۔
از خیال بد نظر الخ۔ یعنی برے خیال کی وجہ سے چشم فرع ان کو برا بھلا دیکھ رہی تھی۔ اور چشم اصل ناپدید تھی۔ مطلب یہ کہ چونکہ اخوان یوسف علیہ السلام کے خیالات انکی طرف سے خراب تھے۔ اس لیے اس چشم فرع سے انکو زشت رو ہی دیکھ رہے تھے اور باوجود اس قدر حسن و جمال کے وہ ان کے دشمن ہی تھے اور یہ اس لیے تھا کہ انکی چشم اصلی ظاہر نہ تھی بلکہ وہ بند تھی آگے مولانا خود اس چشم ظاہر کو چشم فرع کہنے کی وجہ بتلاتے ہیں کہ۔
چشم ظاہر الخ۔ یعنی چشم ظاہر کو اس چشم قلب کا سایہ سمجھو۔ تو جو کچھ وہ دیکھے گی یہ بھی ویسی ہی ہو جاویگی مطلب یہ کہ اصل تو چشم قلب ہے۔ اگر وہ غلط بین ہے تب تو یہ چشم ظاہر بھی غلط بین ہی ہوگی۔ اور اگر وہ حقیقت بین ہوگی تو یہ بھی حقیقت بین ہی ہوگی۔ پس چونکہ جیسی اسکی حالت ہوتی ہے ویسی ہی اسکی ہوتی ہے اس لیے اسکو فرع اور اسکو اصل کہا۔ اور چونکہ ان اخوان یوسف کی چشم قلب ہی کور تھی اس لیے ان کو وہ جمال یوسف بھی ان چشم ظاہری سے دکھلائی نہ دیتا تھا۔
سایۂ اصل است الخ۔ یعنی فرع بھی یہ اصل کا سایہ ہے۔ لیکن کہاں (یہ اور کہاں وہ) کیونکہ خورشید کے ساتھ سایہ کب اپنی جگہ پر رہ سکتا ہے۔ مطلب یہ کہ ایک تو چشم فرع ظاہر غلط بین ہوتی ہے اسکی اصل تو وہ چشم باطن ہوتی ہے جو کہ غلط بین ہو۔ دوسرے یہ چشم باطن جو کہ غلط بین ہے فرع ہے اور اسکی اصل وہ چشم باطن ہے جو کہ حقیقت بین ہو پس فرماتے ہیں کہ اگرچہ چشم باطن غلط بین بھی چشم باطن حقیقت بین ہی کا سایہ ہے۔ اور اسی کی فرع ہے مگر وہ کہاں اور وہ کہاں چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ پس اس چشم غلط بین کو بند کردو اور چشم حقیقت بین کو کھولو تو تمکو حقیقت معلوم ہو۔ اسی کو فرماتے ہیں کہ۔
تو مکانے الخ۔ یعنی تو تو مکانی ہے (اور مادی ہے) اور اصل تیری (یعنی روح) لامکان میں ہے۔ (یعنی مجرد ہے) تو تو اس دکان کو (یعنی ان مادیات میں انہماک کو) بند کر اور وہ دکان کھول (یعنی عالم غیب کیطرف متوجہ ہو اور ان دنیا کے جھگڑوں میں پھنسکر حقیقت بینی سے محروم مت ہو۔ یہاں روح کو لامکانی فرمایا جو کہ مجرد کے خواص سے ہے۔ حالانکہ متکلمین روح کو مادی کہتے ہیں تو اصل یہ ہے کہ اس بارہ میں متکلمین کی رائے غلط ہے۔ اس لیے کہ وہ تجرد کو خواص باری تعالےٰ سے کہتے ہیں حالانکہ یہ محض دعوے ہے جسکی

کوئی دلیل نہین اور محض مصادرہ علی المطلوب ہو اس لیے کہ اول روح کا غیر مجرد مادی ہونا ثابت ہو اسوقت وہ خواص باری تعالے سے ہو سکتا ہے۔ اور جب یہ ہی نہین تو پھر خواص مین سے کیسے ہو جاویگا۔ صوفیہ اور حکما راسی کے قائل ہین کہ روح مجرد ہے۔ اور تجرد خواص باری تعالے سے نہین ہے۔ ہان یہ حکما رکی گمراہی ہے کہ اُسکو قدیم بالذات کہنے لگے صوفیہ اُسکو قدیم نہین کہتے ہان مجرد کہتے ہین۔ اور اسمین کوئی خرابی نہین اور وہ روح جسکی بابت حدیث مین لفظ نسمہ کا آیا ہے اور جسکو کہ فرشتے حریر مین لپیٹ کر لیجاتے ہین۔ وغیرہ وغیرہ اِس سے روح طبی مراد ہے جسکو کہ جسم مثالی بھی کہتے ہین جسکو اہل کشف نے لکھا ہے کہ روح بالکل انسان کی ہمشکل ہوتی ہے۔ اور اُسی کے مثل ہوتی ہے پس اُس حدیث سے تجرد روح پر کوئی اعتراض نہین ہو سکتا۔ اب مقصود مولانا کا یہ ہے کہ بس سب طرف سے توجہ ہٹا کر ایک طرف یعنی اللہ کی طرف توجہ کرلو۔ اِسی کو صاف طور پر پھر فرماتے ہین کہ۔

شش جہت الخ۔ یعنی ان شش جہات مین بھاگے مت پھرو۔ اس لیے کہ ان جہات مین تو ششدر رہ جاتا ہے۔ اور جب ششدرہ مین آگئے تو پھر مات ہی ہے۔ مطلب یہ کہ حق کو چھوڑ کر چارون طرف مارے مارے مت پھرو۔ اس لیے کہ اِس طرح تو تم ششدر ہو جاؤ گے اور حیران رہوگے حاصل خاک بھی نہ ہوگا۔ اِس لیے کہ دیکھو جب مہرہ شطرنجی ششدرہ مین (جو کہ شطرنج کے بیچ کے چار خانون کو کہتے ہین) پھنس جاتا ہے۔ تو پھر مات ہو جانا لازمی امر ہے پس اگر تم ان شش جہات مین پھنس گئے تو تم بھی مات کھاؤ گے۔ اور کچھ بھی حاصل نہ ہوگا۔ آگے فرماتے ہین کہ۔

این سخن را نیست الخ۔ یعنی ان باتون کی تو کہین حد نہین ہے۔ (یہ علوم و معانی تو کہین بھی ختم نہین ہو سکتی لہذا ان کو تو ابھی یہین چھوڑو اس لیے کہ) وہ قیدی لوگ اُس گدھے کی وجہ سے بہت بیچین اور مضطر ہین پس اُن کو جلدی اُسکے ہاتھ سے رہائی دلانا چاہیے۔ پس فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

شکایت کردن اہل زندان نزد وکیل قاضی از دست آن مفلس

با وکیل قاضی ادراک مند	اہل زندان در شکایت آمدند
کہ سلام ما بقاضی بر کنون	باز گو آزار ما زین مرد دون
کاندرین زندان بماند او مستمر	یاوہ تاز و طبل خوارست و مضر
مرد زندانے نیابد لقمہ	ور بصد حیلت کشاید طعمہ
در زمان پیش آید آن دوزخ گلو	حجتش اینکہ خدا گفتہ کلوا
چون مگس حاضر شود در ہر طعام	از وقاحت بے صلاح و بے سلام
پیش او ہیچست لوت شصت کس	کر کند خود را اگر گوئیش بس

زانچنین قحطے سالہ داد داد | ظلّ مولانا ابد پاینده باد
گو ز زندان تا رود این گاومیش | یا وظیفہ کن ز وقفے لقمہ اش
اے ز تو خوش ہم ذکور و ہم اناث | داد کن المستغاث المستغاث

کسی روز قاضی کا ایک کارندہ جیلخانہ کے معائنہ کے لیے آیا۔ تو قیدیوں نے اس سے شکایت کی اور کہا کہ قاضی صاحب سے ہمارا سلام عرض کر دیجئے اس کے بعد ہمکو جو اس کمینہ شخص سے تکلیف پہونچ رہی ہے وہ بیان کر دیجئے کہ حضور والا یہ شخص عرصہ دراز سے جیل مین ہے اور نہایت بیہودہ اور بیجد کھانے والا اور سخت ایذا دینے والا ہے۔ اگر کوئی قیدی سو تدبیرون اور نہایت مشقت سے بھی کھانا حاصل کرتا ہے تو اسکی بدولت اس کو ایک لقمہ بھی نصیب نہین ہوتا فوراً یہ شخص جسکا حلق دوزخ کی طرح ہل من مزید پکارتا ہے کھانے آبیٹھتا ہے۔ اگر کوئی منع کرتا ہے تو کہتا ہے کہ کھانا مباح ہے چنانچہ حق سبحانہ فرماتے ہین کلوا واشربوا پھر مین کیون نہ کھاؤن۔ یہ شخص مکھی کی طرح کھانے پر آموجود ہوتا ہے۔ نہ اسے سلام کی ضرورت ہے نہ اجازت کی اور کھانے کی یہ کیفیت ہے کہ ساٹھ آدمیون کا کھانا بھی اس کے سامنے کوئی حقیقت نہین رکھتا اگر کوئی کہے کہ بھائی بس کر تو بہرا بنجاتا ہے اور سُنتا ہی نہین اس تین سال کے قحط کی طرح بھوکا مارنے والے شخص سے ہماری داد رسی فرمائی جاوے۔ خدا حضور کا سایہ ہمارے سر پر ہمیشہ ہمیشہ رکھے اور یہ بھی فرما دیجئے کہ یا تو اس بھینسے کو قیدخانہ سے نکالئے یا وقف سے اسکا کھانا مقرر کر دیجئے حضور کے عدل و انصاف سے سب مرد و زن خوش ہین۔ ہمارا انصاف فرما دیجئے۔ ہم اس کے ظلم سے نہایت پریشان ہین اور حضور سے فریاد کرتے ہین۔

شرح شبیری

قیدخانہ والونکا اُس مفلس کی شکایت وکیل قاضی سے کرنا

با وکیل قاضی الخ یعنی قاضی عقلمند کے وکیل سے اہل زندان نے شکایت کی۔ وکیل قاضی سے مراد اسکا کوئی خادم وغیرہ جو اس کام پر مامور ہو مطلب یہ ہے کہ وکیل قاضی سے کل واقعہ کہا اور یہ کہا کہ۔

کہ سلام ما بقاضی الخ۔ یعنی (وہ لوگ کہنے لگے) کہ قاضی صاحب کے پاس ابھی سلام لیجا اور پھر اس کمینہ آدمی سے آزار دہی کو بیان کر کہ۔

کاندرین زندان الخ۔ یعنی کہ اس قیدخانہ مین وہ ایک مدت دراز سے رہا ہے اور بیہودہ اور بے انتہا کھانے والا ہے اور (سب کے لیے) مضر ہے اس لیے کہ اس سے زیادہ اور کیا اضرار ہوگا کہ سب کی روٹیان کھا جاتا تھا۔ آگے کہتے ہین کہ۔

مرد زندانی الخ۔ یعنی (اول تو) قیدی لوگ کھانا پاتے ہی نہین اور اگر سو حیلون سے کوئی لقمہ

حاصل بھی کیا تو۔
درزمان پیش آید الخ۔ یعنی فوراً وہ، دوزخ جیسے گلو والا سامنے آتا ہے لا اور سب کھا جاتا ہے اور اگر اُس کو منع کیا جاوے تو اُم اُسکی دلیل یہ ہے کہ خدا نے کہا ہے کہ کھاؤ۔ اور چونکہ کوئی قید نہیں لہذا جو سامنے آیا کھا لینا چاہیے۔
چون مگس حاضر شود الخ۔ یعنی مکھی کی طرح ہر کھانے پر بے شرمی سے بغیر کسیکی صلاح کے اور بے سلام کے موجود ہو جاتا ہے مطلب یہ کہ جہان کھانا سامنے آیا تو پھر نہ کسی سے پوچھتا ہے نہ کچھ بس فوراً موجود ہوتا ہے۔ اور اُڑا جاتا ہے۔
پیش او ہیچست الخ۔ یعنی اُس کے آگے ساٹھ آدمیوں کا کھانا بھی کچھ نہیں ہے اور اگر اُس سے کہو کہ بس (اور مت کھا) تو بہرا ہو جاتا ہے جیسے ایسے سنتے ہی نہیں۔
زانچنین قحط سہ سالہ الخ۔ یعنی ایسے سہ سالہ قحط سے تو انصاف سے ہے انصاف حضور کا سایہ ہمیشہ ابد تک رہے۔ مطلب یہ کہ یہ شخص جو کہ قحط سہ سالہ ہو رہا ہے کہ سب چیزیں کھائے جاتا ہے خدا کے لیے اس سے ہمکو بچائیے۔ اور ہمپر رحم فرمائیے حضور کی عمر دراز ہو اور ہم غریبوں پر حضور کا سایہ ہمیشہ رہے۔
گو ز زندان الخ۔ یعنی (وہ قیدی اُس وکیل سے کہنے لگے کہ یہ عرض کرنا کہ) اُس کو حکم دیجئے تاکہ یہ بھینسا قیدخانہ سے چلا جاوے اور اگر یہ حکم نہیں دیتے تو کہین وقف وغیرہ سے اسکی روٹی مقرر کیجئے ورنہ ہمکو تو یہ کھا جائیگا۔
اے ز تو خوش الخ۔ یعنی (وہ قیدی کہتے ہیں کہ) اے قاضی جس سے کہ مرد و عورت سب خوش ہیں ذرا انصاف فرمائیے اور فریاد کو پہونچئے۔ کہ یہ تو کھائے جاتا ہے۔

شرح حبیبی

سوے قاضی شد وکیل با نمک	گفت با قاضی شکایت یک بیک
خواند او را قاضی از زندان بہ پیش	پس تفحص کرد از اعیان خویش
گشت ثابت پیش قاضی آن ہمہ	کہ نمودند از شکایت آن رمہ
گفت قاضی خیز از زندان برو	سوے خانہ مردہ ریگ خویش شو
گفت خان و مان من احسان تست	ہمچو کافر جنتم زندان تست
گر ز زندانم برانی تو برد	خود بمیرم من ز درویشی وکد

وہ پسندیدہ و مرغوب وکیل قاضی کے پاس گیا۔ اور جاکر ایک ایک شکایت مفصل طور پر بیان کر دی قاضی نے اُسکو اپنی حضور مین طلب کیا۔ اور اپنے معتمدین سے اس واقعہ کی تحقیقات کی پس جسقدر شکایتیں اُس قیدیون کی جماعت نے کی تھیں سب ثابت ہوگئیں اُسپر قاضی نے حکم دیا کہ جیلخانہ سے فوراً نکل جا۔ اور اپنے گھر وٹے جا اُسنے جواب دیا کہ حضور میرا گھر بار تو حضور کا احسان ہی ہے اور جسطرح

کافر کے لیے جیلخانۂ دنیا جنت ہے یون میرے لیے حضور کا جیلخانہ جنت ہے۔ اگر حضور مجھے جیلخانہ سے نکالدینگے تو مین فقر و فاقہ کی مشقت و تکلیف سے مرجاؤنگا۔

شرح شبیری سوے قاضی شد الخ۔ (یہ ساری باتین سنکر) وہ وکیل ملیح قاضی کے پاس گیا اور یہ ساری شکایت ایک ایک قاضی سے کہی۔

خواند او را قاضی الخ یعنی (جب یہ ساری شکایت قاضی نے سنی تو) اسکو قید خانہ مین سے اپنے سامنے بُلایا پھر اپنے لوگون سے تجسس کیا۔ کہ آیا حقیقۃً مفلس ہی ہے یا کہ اس کے پاس مال ہے اور چھپاتا ہے اس لیے کہ مسئلہ تو یہ ہے کہ اگر کوئی قرضدار ہو اور جب اسپر نالش ہو تو وہ یہ عذر کرے کہ میرے پاس کچھ بھی نہین ہے جو ادا کر دون تو جب تک حاکم کو اسکی پوری حالت معلوم نہ ہو جاوے جبتک اگر اس کو قید کر دے تو جائز ہے۔ پس اگر اس کے پاس مال ہے اور چھپاتا ہے تو پھر اگر دیدیگا اور اگر نہین ہے تو اتنی مدت مین معلوم ہو جاویگا اور اس کے بعد اس کو چھوڑ دیا جاویگا پس اسیطرح اسکو قاضی نے قید کر دیا تھا۔ اب پھر لوگون سے اسکی حالت کو دریافت کرنے لگا کہ آیا حقیقۃً مفلس ہی ہے یا مکار ہے اسپر سب نے اس کے افلاس ہی کو ظاہر کیا اور اسے معلوم ہو گیا کہ بیشک مفلس ہی ہے۔

گشت ثابت پیش الخ یعنی وہ باتین جنکی کہ اس جماعت نے شکایت کی تھی قاضی کے سامنے سب ثابت ہو گئین اور معلوم ہو گیا کہ یہ حضرت بالکل مفلس ہین اور سب کو انھون نے تنگ کر رکھا ہے تو انھون نے یہ حکم دیا کہ۔

گفت قاضی کھیز الخ یعنی قاضی نے (اس مفلس سے) کہا کہ اُٹھ اور اس قید خانہ سے (نکل) جا اور اپنے میراثی گھر کی طرف جا مردہ ریگ کہتے ہین سستے حقیر کو اور میراثی شئے کو۔ مطلب یہ کہ یہان سے جاؤ اور جہان کہین کھاؤ کماؤ رہو۔

گفت خان و مان الخ یعنی اُس قیدی نے کہا کہ میرے اہل و عیال تو آپ کا احسان ہے اور کافر کی طرح آپ کا قید خانہ میرے لیے جنت ہے مطلب یہ کہ وہ کہنے لگا کہ مین کہان جاؤن کہین گھر نہین کچھ نہین حضور کا کرم اور آپکی مہربانی ہی میرا گھر اور اہل و عیال ہے اور مہربانی یہ ہے کہ مجھے یہین رہنے دیجیے۔ اس لیے کہ جس طرح یہ زندانِ دنیا کافر کی جنت ہے اور جب تک یہان ہے آرام اور عیش مین ہے اور یہان سے نکلتے ہی اس کے لیے مصیبت اور عذاب ہے اسیطرح جب تک مین جناب کے قید خانہ مین ہون کہ دو وقت چھین جھپٹ کے روٹی تو ملجاتی ہے اور یہان سے جاکر تو اسکی بھی امید نہین آگے کہتا ہے کہ۔

گر ز زندانم الخ یعنی اگر آپ مجھے قید خانہ سے رد کر کے نکالتے ہین تو مین تو فقر و مصیبت کی وجہ سے خود ہی مرجاؤنگا اس لیے کہ اور کہین روٹی نہ ملے گی تو مر جاؤنگا نہین تو اور کیا ہوگا۔ آگے مولانا اسکی ایک مثال دیتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

همچو ابلیسے کہ میگفت اے سلام	رب انظرنی الی یوم القیام
کاندرین زندان دنیا من خوشم	تاکہ دشمن زادگان را میکشم
هرکه او را قوت ایمانے بود	وز برائے زادره نانے بود
مے ستانم گہ بمکر و گہ بریو	تا برآرند از پشیمانی غریو
گہ بدرویشی کنم تهدیدشان	گہ بزلف و خال بندم دیدشان
قوت ایمانی درین زندان کم است	وانچه هست از قصد این سگ در خم است
از نماز و صوم و صد بیچارگی	قوت ذوق آید برو یکبارگی
استعیذ الله من شیطانه	قد هلکنا آه من طغیانه
یک سگ است و در هزاران میرود	هرکه در وی رفت او آن میشود
هرکه سردت کرد میدان کو در است	دیو پنهان گشته اندر زیر پوست
چون نیابد صورت آید در خیال	تا کشاند آن خیالت در وبال
از خیالات تو مے آید بلا	چون خیالت فاسد آمد جابجا
گہ خیال فرجه و گاہے دکان	گہ خیال علم و گاہے خان و مان
گہ خیال کسب و سوداگری	گہ خیال تاجری و داوری
گہ خیال نقره و فرزند و زن	گہ خیال بوالفضول و بوالحزن
گہ خیال کاله و گاہے قماش	گہ خیال مفرش و گاہے فراش
گہ خیال آسیا و باغ و راغ	گہ خیال میغ و طبع و تیغ و لاغ
گہ خیال آشتی و جنگها	گہ خیال نام و ننگها
هین برون کن از سر این تخییلها	هین بروب از دل چنین تبدیلها
هان بگو لاحولها اندر زمان	از زبان تنها نه بل از عین جان

تتمہ قصہ مفلس زندانی با قاضی

گفت قاضی مفلسی را وانما	گفت اینک اهل زندانت گوا
گفت ایشان متهم باشند چون	می گریزند از تو می گریند خون
ور تو میخواهند تا هم وارهند	زین غرض باطل گواهی می دهند

قیدی کی جیلخانہ کے لیے درخواست ایسی ہی تھی جیسے ابلیس نے کہا تھا اے حق سبحانہ مجھے قیامت تک مہلت دیدے کیونکہ میں اسی دنیا کے جیلخانہ میں خوش ہوں۔ تاکہ اپنے دشمن

آدم علیہ السلام کی اولاد کو روحانی موت سے مار ڈالون۔ اور جس شخص کے پاس غذاے روحانی ہو اور راہ آخرت کے توشے یعنی اعمال صالحہ ہون تو مین اُسے فریب و تدبیر سے لیلون۔ تاکہ وہ پشیمان ہو کر فریاد اور آہ وزاری کرین۔ کبھی مین اُنکو فقر و فاقہ سے ڈراؤنگا۔ کبھی انکی نظر کو زلف و خال مین باندھ دونگا۔ اول تو اس جیلخانہ مین غذاے ایمانی ہے ہی کم۔ پھر جو کچھ ہے بھی وہ اس کتے کے قصد کے بیچ مین ہے۔ کہ یہ ہر وقت اسکی تاک مین لگا ہوا ہے۔ کہ جسطرح بن پڑے اسے اُڑالون۔ نمازون۔ روزون۔ اور سود قتون سے غذاے ذوق و شوق حاصل ہوتی ہے۔ اور یہ کمبخت کسی معصیت مین مبتلا کر کے ایکدم مین اُڑالیجاتا اور کھو دیتا ہے شیطان سے خدا کی پناہ۔ ہاے افسوس ہم تو اسکی تعدی سے تباہ و برباد ہوگئے۔ (یا یون کہو ہاے رے اسکی تعدی سے ہم تو اس کے ہاتھون تباہ و برباد ہوگئے دوسرا ترجمہ زیادہ اچھا ہے) غضب تو دیکھو ہے تو ایک کتا اور ہزارون مین حلول کرتا ہے۔ اور جسمین حلول کرتا ہے اُسکو اپنا ہی سا بنا لیتا ہے۔ اور وہ شیطان مجسم بنجاتا ہے۔ جو چیز تیری آتش عشق حق سبحانہ کو بجھاوے اور تجھے خدا سے غافل کردے تو سمجھ لے کہ شیطان اسمین حلول کیے ہوے ہے اور شیطان اُسکی کھال کے اندر چھپا ہوا ہے۔ اگر وہ خود نہین آتا ہے تو کوئی صورت دلکش تیرے خیال مین پیدا کرتا ہے۔ تاکہ وہ خیال ہی تجھکو کسی وبال مین کھینچ لیجائے۔ جبکہ تیرے خیالات فاسد ہوتے ہین تو انھین سے مصائب اور تکالیف روحانی و جسمانی پیدا ہوتی ہین۔ اُن خیالات فاسدہ کو ہم کسیقدر تفصیل سے بیان کرتے ہین تاکہ اسکی مدد سے دیگر خیالات فاسدہ غیر مذکورہ آسانی سے معلوم ہوجائین۔ مثلاً کبھی فراخی کا خیال ہوتا ہے کہ کسطرح فراخی ہو کبھی دکان کا کہ کسطرح دکان چلے کبھی علم دنیا کا کہ کسطرح علم مین ترقی ہو۔ کبھی گھر بار کا۔ کبھی کمائی اور سوداگری کا کبھی تجارت کا کبھی حکومت کا۔ کبھی روپے پیسے اور بیوی بچون کا۔ کبھی لغویات اور پریشان کن باتونکا۔ کبھی ساز و سامان مال متاع کا کبھی مکانات اور فرش و فروش کا۔ کبھی چکی اور باغ اور جنگل کا۔ کبھی ابرا اور کھیے اور دیگر ایسے خرافات کا کبھی لڑائی اور صلح کا کبھی نام اور ننگ کا۔ پس یہ اور اسی قسم کے خیالات جو مانع من الوصول الی الحق اور خدا سے جُدا کرنیوالے ہون خیالات فاسدہ ہین۔ دیکھ تو انکو اپنے سر سے نکالدینا۔ اور اپنے دل کو ان تغیرات فانیہ سے پاک و صاف کردینا۔ اور جب ایسے خیالات آئین تو فوراً اسیکڑون لاحول پڑھنا تاکہ یہ آثار شیطانیہ دور ہون مگر زبان سے پڑھنا کافی نہ ہوگا بلکہ صمیم قلب اور خلوص نیت سے پڑھنا۔ خیر یہانتک تو نصائح تھین اب اصل قصہ سُن جب قاضی نے تنگی کے طور پر اُس قیدی سے کہا کہ نکل جا جیلخانہ سے اور اُسنے کہا کہ مین مفلس و قلاش ہون مجھے اگر جیلخانہ سے نکالیگا تو مین بھوکون مرجاؤنگا اسپر قاضی نے کہا کہ اچھا اپنی مفلسی ثابت کر تو اُسنے کہا کہ قیدی لوگ میرے گواہ ہین اسپر قاضی نے کہا کہ یہ لوگ تجھ سے علحدگی چاہتے ہین اور تو نے انکو اس قدر دق اور پریشان کیا ہے کہ خون روتے ہین اور یہ چاہتے ہین کہ تجھ سے چھوٹین۔ اس لیے اس غرض باطل سے گواہی دیتے ہین۔ لہذا یہ گواہ متہم ہین۔

شرح شبیری ہمچو ابلیسے الخ۔ یعنی (اس شخص کی حالت) مانند ابلیس کے ہے۔ کہ وہ کہہ رہا تھا کہ اے سلام (حق تعالیٰ کے اسماء مین سے ہے) اور اے اللہ مجھے قیامت کے دن تک مہلت دے۔

کاندرین زندان الخ یعنی (مجھے مہلت) اسلیے (دے) کہ مین اس زندان دنیا ہی مین خوش ہون تاکہ (یہان رہکر) دشمن زادونکو (یعنی

یعنی ابن آدم کو گمراہ کرون - پس جسطرح شیطان جانتا تھا کہ جب تک یہ حیات مستعار ہی اوسی وقت تک گھرتے آڑو اسکے
ہین ورنہ پھر اسکے بعد تو مصیبت ہی - کہ دوزخ ہی اور وہ ہی اسیطرح اس مفلس کی حالت تھی -

ہر کہ اورا الخ - یعنی (وہ شیطان کہتا ہی کہ) جسکے پاس کچھ ایمان کی روزی ہوگی (یعنی تھوڑا سا بھی ایمان ہوگا) اور سفر (آخرت) کے توشہ کیلیے ایک مٹھی بھی ہوگی (یعنی اعمال تھوڑے سے بھی ہون تو اونکو بھی نہ چھوڑونگا لعنہ اللہ تعالیٰ) تمہارے سے کبھی تو مکر و فریب دیکر اوس توشہ کو لیلونگا تاکہ پشیمان اور پریشان ہوکر شور (وا ویلا) کرین اور کبھی اون کو فقر سے دہمکاؤنگا جیسا کہ قرآن شریف مین ہی الشیطان یعدکم الفقر) اور کبھی زلف و خالمین (لگاکر) اون کی آنکھین (حق کو دیکھنے سے بند کردونگا -) پس خلاصہ اس مردود کے قول کا یہ ہی کہ یا الٰہی مجھے تو قیامت تک زندہ رکھ پھر اگر کسی انسان کے پاس ذرا سا بھی عمل ہوگا تو اوسکو بھی (یہ سمجھکر کہ اسکے پاس تو خود کم ہی اس سے نہ لینا چاہیے) نہ چھوڑونگا بلکہ غارت کردونگا اور حق سے غافل کرکے دوسری طرف متوجہ کردونگا - کہین زلف و خال مین لگا دونگا کبھی اونکو اسطرح دہمکاؤنگا کہ اگر دین پر چلوگے اور شریعت پر عمل کروگے تو فقیر ہو جاؤگے - اور فقر سے ڈراتا اسکا آجکل بالکل ظاہر کالشمس فی نصف النہار ہی کہ دیکھئے کہ آجکل جو لوگ روشن خیال اور نئی روشنی کے ہین وہ سب یہی کہتے ہین کہ علم دین پڑھنے سے انسان کے خیالات پست ہو جاتے ہین اور علم دین مانع ترقی ہی - وغیرہ وغیرہ - ان امور کے جوابات تو اپنے مقام پر دیدیے گئے ہین یہان تو صرف یہ دکھلانا ہی کہ آجکل اسکا دانو بہت زیادہ چل رہا ہی جس سے کہ بچنا لازمی ہی - خدا سے پناہ مانگو اور دعا کرو اور اس قسم کے خیالات قلوب سے نکال ڈالو کہ یہ سراسر شیطان کی گمراہی ہی اور کچھ نہین ہی آگے مولانا فرماتے ہین کہ -

قوت ایمان الخ یعنی ایمان کی روزی (اول تو) اس زمان (دنیا) مین کم ہی ہی اور جو کچھ ہی وہ اس کتے (کمبخت شیطان) کے قصد اور اوسکی گمراہیون کی) وجہ سے کمی مین ہی - جیسے کہ اون قیدیون نے کہا تھا کہ اول تو کہانا ہمکو دیتا ہی کون ہے اور اگر کہین سے ملجاوے تو یہ کمبخت (وہی مفلس) کہا جاتا ہی - آگے فرماتے ہین کہ -

از نماز و صوم الخ - یعنی نماز سے اور روزے اور سیکڑون عاجزیون سے (یعنی سیکڑون اعمال کرنے سے تھوڑی سی) ذوق کی روزی حاصل ہوتی ہی مگر یہ کمبخت (شیطان اوسکو یکبارگی لیجاتا ہی - بس ذرا سا دہوکا دیا اور سارے اعمال غارت کردیتا ہی آگے پناہ مانگتے ہین کہ -

استعیذ اللہ الخ - یعنی مین خدا سے پناہ کا طالب ہون اس شیطان (کے مکرون) سے اور افسوس ہم تو اسکے بہکانے سے ہلاک ہوگئے ہین اے اللہ ہمکو اور سبکو اس کمبخت کے دہوکوسے بچائیے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم - آگے مولانا تعجب کے طور پر فرماتے ہین کہ -

یک سگست الخ - یعنی (دیکھو تو کہ) ایک کتا ہی اور ہزارون مین (گہستا چلا) جاتا ہی اور جسمین بیٹھ گیا تو وہ یہی (شیطان ہی) ہوگیا - جیسا کہ مشاہد ہی کہ جو حضرات اسکے پھندون مین پھنستے ہین انجام کو وہ ایسے ہی ہو جاتے ہین اور اون کو ایسی سوجھتی ہی کہ اس شیطان کو بھی نہین سوجھتی - خدا بچاوے - آگے جسمین یہ اثر کرجاتا ہی اوس کی پہچان بتاتے ہین کہ -

ہر کہ سردت الخ - یعنی جو کہ تم کو (گرمی عشق الٰہی سے) سرد کردے (یعنی اوس طرف سے غافل کردے) تو جان لو کہ وہ (شیطان) اوسی مین ہی - (اور وہ چیز خواہ کچھ ہی ہو حتی کہ اگر انسان ہو تو یون سمجھو) کہ پوست (انسانی) کے اندر دیو (شیطان)

پوشیدہ ہی بس اوس سے بھی بچو۔ اور اوس کی تائید حدیث سے بھی ہوتی ہی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ ایک کبوتر کے پیچھے جارہا ہی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان یتبع شیطانۃ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اوس کبوتر کو شیطان فرمانا صاف دلیل اسکی ہی۔ کہ جو شئے حق سے غافل کرنیوالی ہو وہ شیطان ہی اور یون سمجھو کہ اوس مین شیطان سے پس ثابت ہوگیا کہ جو چیز بھی تم کو محبت الٰہی سے اور اس طرف توجہ سے سرد اور غافل کردے بس یہی پہچان ہی اسکی کہ وہ شیطان ہی اوس سے بچو اور خدا سے پناہ مانگو۔ آگے فرماتے ہین کہ اگر شیطان کسی صورت و شکل مین نہ بھی آوے (جیسا کہ ابھی معلوم ہوا تھا کہ کسی شئے کی صورت مین ہو اوس سے بچو) تو وہ ایسی بلا ہی کہ خیال مین آتا ہی اور خیالات مین پراگندگی ڈالکر گمراہ کرتا ہی۔ اسکو فرماتے ہین کہ۔

چون نیاید الخ۔ یعنی کہ اگر صورت مین نہ آوے تو خیال مین آتا ہی (اور دلمین گمراہی کے خیالات ڈالتا ہی) تاکہ تمھارا خیال تم کو وہان مین کھینچے۔ غرض کہ جسطرح ہوسکتا ہی خوب بہکاتا ہی اور گمراہ کرتا ہی اور مختلف خیالات سے پریشان اور حق سے غافل کردیتا ہی۔

از خیالات الخ۔ یعنی تیرے خیالات کیوجہ سے بلا نازل ہوتی ہی۔ جیسا کہ تیرے خیالات جابجا مختلف طریقہ سے فاسد ہوتے ہین اور مختلف خیالات ہوتے ہین تو اس طاعات کی پونجی پر بلائین نازل ہوتی ہین۔ یہ ساری خرابی تمھارے خیالات کی ہین آگے اونھین اختلاف خیالات کو بیان فرماتے ہین کہ۔

گہ خیال الخ۔ یعنی کبھی تو فراخی کا خیال ہی اور کبھی دکان کا۔ اور کبھی علم (غیر دین) کا خیال ہی اور کبھی اہل و عیال کا۔

گہ خیال مکسب الخ۔ یعنی کبھی کمائی کا خیال ہی اور کبھی سوداگری کا۔ اور کبھی تجارت کرنے کا اور کبھی عمدہ کا۔

گہ خیال نقرہ واخ۔ یعنی کبھی تو چاندی (یعنی روپیہ) کا خیال اور کبھی بچون کا۔ اور کبھی کسی فضول آدمی کا اور کبھی کسی غمگین کا۔

گہ خیال کالہ والخ۔ یعنی کبھی اسباب کا خیال اور کبھی عمدہ چیزون کا اور کبھی فرش کی جگہ کا (یعنی گھر وغیرہ کا) اور کبھی خود فرش کا۔

گہ خیال آسیا والخ۔ یعنی کبھی تو چکی کا خیال اور کبھی باغ کا اور کبھی چمن کا اور کبھی ابر کا اور کبھی کول کا اور کبھی کسی بدول کا اور کبھی کسی شوخی کا۔ راغ بمعنی چمن مع ابر۔ بلاغ وہ چیز جو سردی مین اکثر آفتاب نکلنے سے قبل گرا کرتا ہی جسکو بعض جگہ کول اور بعض جگہ کہرا کہتے ہین۔ لیغ بمعنی بدول اور لاغ شوخی و بازی۔

گہ خیال آشتی الخ۔ یعنی کبھی تو صلح کا خیال کبھی لڑائیون کا اور کبھی نامون کا خیال ہی (کہ اگر یہ ہوگا تو ہمارا نام ہوگا) اور کبھی ننگ کا خیال (کہ اگر فلان بات ہوگئی تو بڑے شرم کی بات ہی) غرض کہ یہ مختلف خیالات ہین جو کہ شیطان کے اغوا سے انسان کو پیش آتے ہین اور گمراہ کرتے ہین اور حق سے غافل کردیتے ہین۔ اس سلئے آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔

ہین برون کن الخ۔ یعنی اپنے سر سے ان خیالات (فاسدہ) کو ضرور نکال دے اور دلمین سے اس قسم کی تبدیل کو اور اختلاف کو صاف کردے یعنی دلمین نہ رہنے دیتا اور نہ گمراہ کرینگے۔

ہان بگو الخ۔ یعنی خوب بہت سی لاحولین پڑھو۔ (اور ان خیالات کو دور کرکے حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو) اور لاحول

صرف زبان ہی سے نہین بلکہ عین جان سے لاحول پڑھو یعنی صرف زبان ہی سے قطع تعلق کافی نہین ہے بلکہ اِن چیزون کا خیال اور ان سے تعلق جب دل مین ہے تو دل ہی سے نکالنا ضروری ہے۔ (اے اللہ ہم کو اور سب کو اپنی محبت اور اپنے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت عنایت فرما۔ اور شریعت پر چلنے کی توفیق دے۔ اور احکام شرعی کو امور طبعی بنادے۔ اور شیطان کے اغوا سے بچا اور خاتمہ ایمان پر فرما آمین)
آگے مولانا پھر اُن قیدیون کی حکایت کی طرف رجوع فرماتے ہین کہ۔

مفلس قیدی کے قصہ کا قاضی کے ساتھ تتمہ

گفت قاضی مفلسی الخ۔ یعنی قاضی نے کہا کہ اپنی مفلسی کو ثابت کر تو وہ (مفلس) کہنے لگا کہ یہ آپکی اہل زندان گواہ ہین پہلے جو آیا ہے کہ قاضی نے کہدیا کہ جا زندان سے چلا جا۔ وہ صرف ایک اجمال قصہ بیان کرتا تھا اب یہان اسکی تفصیل ہے۔
گفت ایشان متہم الخ۔ یعنی قاضی نے کہا کہ وہ لوگ تو (یعنی اہل زندان) تو متہم ہین اس لیے کہ وہ تجھ سے بھاگتے ہین اور خون روتے ہین مطلب یہ کہ جب وہ تجھ سے تنگ ہین تو وہ تیرے موافق گواہی کیون دین گے۔ وہ تو تجھ سے علیحدگی ہی چاہین گے اس لیے وہ متہم ہوگئے۔ پس اُنکی گواہی ان ہی کے نفع کے لیے معتبر نہین ہوسکتی۔
وز تو می خواہند الخ۔ یعنی اور وہ تو چاہتے ہی ہین کہ تجھ سے چھوٹ جاوین اسی باطل غرض کی وجہ سے گواہی دیتے ہین۔

شرح حبیبی

جملہ اہل محکمہ گفتند ما
ہم بر او بار و بر افلاسش گوا
ہر کرا پرسید قاضی حال او
گفت مولیٰ دست ازین مفلس بشو
گفت قاضی کش بگردانید فاش
گرد شہر او مفلس است و بس قلاش
کو بکو او را منادیہا کنید
طبل افلاسش بہر جا بر زنید
ہیچکس نسیہ بنفروشد بدو
قرض ندہد ہیچکس او را تسو
ہر کہ دعوے آردش اینجا بفن
بیچ زندانش نخواہم کرد من
پیش من افلاس او ثابت شدست
نقد و کالا نیستش چیزے بدست

یہ سن کر تمام اہل عدالت نے کہا کہ ہم لوگ اس کی تباہ حالی اور مفلسی پر گواہی دیتے ہین غرض قاضی نے جس سے اسکی حالت دریافت کی اُس نے یہی کہا کہ حضور والا اس مفلس سے ہاتھ دھو بیٹھین اور اسے چھوڑ دین۔ قاضی نے کہا کہ اچھا اس کا اعلان سارے شہر مین کردو۔ کہ وہ مفلس اور قلاش ہے۔ کوچہ کوچہ اسکی منادی کردو اور اس کے افلاس کا ڈھنڈورا ہر جگہ پیٹ دو اور منادی

کردو کہ کوئی شخص اس کے ہاتھ اُدھار کوئی چیز نہ بیچے اور چار جو بھی اِس کو کوئی قرض نہ دے۔ جو شخص چالاکی اور ہوشیاری سے اِس پر دعوے کرکے اِس کو ہمارے اجلاس مین پیش کریگا۔ تو ہم اُس کو کچھ دنون کے لیے بھی قید نہ کرین گے۔ کیونکہ ہمارے روبرو اُسکی مفلسی ثابت ہوچکی ہے اور یہ محقق ہوگیا ہے۔ کہ نہ تو اس کے پاس نقدی ہے اور نہ سامان (تنبیہ) اشعار بالا مین مذکور ہوا ہے۔ کہ قاضی نے اِس قیدی سے کہا۔ کہ خیز از زندان برو۔ اِس کے بعد مذکور ہوا کہ قاضی نے اِس کی مفلسی پر گواہ طلب کیے۔ پس شبہ یہ ہے کہ حکم رہائی کے بعد مفلسی ثابت کرنے کے لیے گواہ طلب کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ کیونکہ اثبات افلاس کی تو رہا ہی کرنے کے لیے ضرورت ہوتی ہے۔ اسکا جواب چند طرح ہوسکتا ہے۔ اول یہ کہ وہ رہائی کا حکم نہ تھا بلکہ دھمکی تھی۔ پس جب اِس دھمکی کے جواب مین اِس نے اپنی مفلسی کا اظہار کیا۔ تو اِس دعوے پر گواہ طلب کیے تاکہ مفلسی ثابت ہونے کے بعد اُس کو مشتہر کردیا جاوے۔ اور لوگون کو ضرر سے بچایا جاوے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ وہ دین مین محبوس نہ تھا بلکہ یہ حبس تعزیری تھی اور بقدر تعزیر مدت پوری ہوچکی تھی۔ یا پوری نہین ہوئی تھی لیکن جبکہ اہل زندان نے شکایت کی تو قاضی نے اب انقضاے مدت تعزیر کے سبب یا ضرر اشد کو اخف پر ترجیح دیکر اِسکو رہا کردیا۔ اِسپر اِس نے اپنی مفلسی کا اظہار کیا۔ قاضی نے دوسرے لوگون کو ضرر سے بچانے کے لیے اِس سے ثبوت طلب کیا۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ کلام مین تقدیم و تاخیر ہوئی ہے نتیجہ کو اولا بیان کرکے بعد کو تفصیل واقعہ بیان کی ہے۔

آدمی در حبس دنیا زان بود — تا بود کافلاس او ثابت شود
مفلسی دیو را یزدان ما — ہم منادی کرد در قرآن ما
کو دغا و مفلس ست و بدسخن — ہیچ با او شرکت و سودا مکن
ور کنی او را بہانہ آوری — مفلس ست و صرفہ از وے کے بری

اب بطور نصیحت کے کچھ بیان کرتے ہین۔ کہ جس طرح مدیون کو جیل مین اِس لیے رکھا جاتا ہے کہ یا تو قرض ادا کردے اور اِس طرح اِسکا مالدار ہونا ظاہر ہوجاوے۔ یا یہ ثابت ہوجاوے کہ وہ مفلس ہے۔ اور اُس کے پاس کچھ نہین اسیطرح انسان کو دنیا کی جیل مین اِس لیے رکھا ہے تاکہ دلیل سے ثابت ہوجاوے۔ کہ یہ دولت دینی سے مالا مال ہے۔ اور حق سبحانہ کا حق ادا کردے یا دلیل سے اُس کا اُس دولت سے خالی ہاتھ ہونا محقق ہوجائے۔ اسکے بعد اِس کے ساتھ اِسکی حالت کے موافق معاملہ کیا جاوے۔ اور اُس کو کوئی عذر نہ رہے اِسی لیے حق سبحانہ نے اپنے علم پر اکتفا نہین کیا۔ ورنہ وہ یہ عذر کرسکتے کہ ہمین دنیا مین بھیج کر دیکھ تو لیا ہوتا کہ ہم کیا کرتے اور اُن کے امتحان کے لیے شیطان کو ان کے پیچھے لگایا ہے۔ لیکن چونکہ شیطان کی مفلسی ثابت ہوچکی ہے اس لیے حق سبحانہ نے قرآن پاک مین اعلان بھی کردیا ہے کہ یہ سراپا دغا اور قلاش اور بدکلام ہے کہ جو بات کرتا ہے دھوکے اور فریب کی

لہذا تم اس کے ساتھ بالکل شرکت اور معاملہ نہ کرنا اور اگر کروگے تو تم کو دام نہ ملیں گے کیونکہ وہ مفلس ہے۔ تم اوس سے کچھ اور زر ڈگری کیونکر لوگے۔

شرح شبیری جملہ اہل الخ۔ یعنی (جبکہ قاضی نے اون کو متہم کردیا اور اون کی گواہی قبول نہ کی تو) سب اہل محکمہ (قضا) کے لوگ کہنے لگے کہ ہم بھی اوس کے ادبار اور افلاس پر گواہ ہین۔

ہر کرا پرسید الخ۔ یعنی قاضی نے جس سے اوس کا حال پوچھا اوسنے یہی کہا کہ جناب اس مفلس سے ہاتھ دھو بیٹھیے مطلب یہ کہ قاضی نے خوب تحقیق کی جیسا کہ فقہ مین مسئلہ ہی تو جس سے پوچھا اوس نے یہی کہا کہ حضرت بس اسکو تو چھوڑیے یہ تو بالکل مفلس قلاش ہی۔

گفت قاضی الخ۔ یعنی (جبکہ قاضی کو اوس کا افلاس ثابت ہوگیا تو) قاضی نے کہا کہ اسکو ظاہر طور پر شہر کے گرد پھراؤ کہ یہ مفلس ہے اور بالکل قلاش ہی۔

کو بکو او را الخ۔ یعنی گلی گلی اس (مضمون ذیل) کی منادی کردو اور اس کے افلاس کا طبل ہر جگہ بجادو۔

ہیچکس نسیہ الخ۔ یعنی (منادی یہ ہو کہ) کوئی اوسکے ہاتھ (سودا) اودھار نہ بیچے۔ اور نہ اوس کو ایک پیسہ برابر (نقد) قرض دے۔

ہر کہ دعوے الخ۔ یعنی اگر کوئی (قرض وغیرہ دیگا اور پھر) اوس پر دعوے یہان چالاکی سے لاوے گا تو مین اوس کو قید نہ کرون گا۔

پیش من الخ۔ یعنی میرے سامنے اوسکا افلاس ثابت ہوگیا ہی کہ نقد یا اسباب اوسکے پاس کچھ نہین ہی اس لئے اب قید سے کیا فائدہ ہے اب اوس مہلت دیجاویگی۔ آگے مولانا انتقال کرکے فرماتے ہین کہ۔

آدمی در حبس الخ۔ یعنی آدمی دنیا کے قید خانہ مین اسلئے رہتا ہی تاکہ شاید اوس کا افلاس ثابت ہوجاوے مطلب یہ کہ انسانکو جو دنیا مین رکھا گیا ہی وہ اسلیئے تاکہ (جن کے پاس دولت ایمان ہی اون کا مالدار ہونا ثابت ہوجاوے اور) جو کافر بے ایمان ہین اون کا مفلس ہونا معلوم ہوجاوے۔ اور پھر یہ کہنے کو موقعہ نہ ملے کہ ربنا لولا ارسلت الینا رسولا فنتبع آیاتک الخ بس یعنی دنیا مین سبکی حالت معلوم ہوجاوے۔ اور چونکہ سب سے زیادہ مفلس شیطان تھا جسکا مفلس عن الاعمال ہونا ظاہر ہے اس لئے خدا تعالی نے اوسکی مفلسی کی منادی کی ہی۔ اسکو فرماتے ہین کہ۔

مفلسی دیو را الخ۔ یعنی دیو (شیطان) کی مفلسی کی ہمارے اللہ میان نے ہمارے قرآن مین منادی کی ہی۔ اور وہ منادی یہ ہی کہ۔

کو دغاو الخ۔ یعنی وہ (شیطان) دغاباز ہی اور مفلس ہے اور بدسخن ہی تو اوس کے ساتھ کبھی شرکت اور سوداگری مت کرنا اور یہ مضمون قرآن شریف مین بھی ہی جیسے کہ ان الشیطان لکم عدو فاتخذوہ عدوا وغیرہ جن سے کہ مولانا کے اس قول کی تائید ہوتی ہی۔ آگے پھر اوسی منادی قرآن شریف کا تتمہ ہی کہ۔

ور کنی او را الخ۔ یعنی اگر (اوس کے ساتھ شرکت وسودا) کروگے تو تم (اوسکے لئے) بہانہ آوری (کا سبب) ہوگے تم تو مفلس سے اوس سے صرف کسطرح لے سکتے ہو۔ مطلب یہ کہ اگر تم نے باوجود اسقدر منادی اور شریعت کے بھی معاملہ کیا اور اوسکو دوست بنایا تو پھر تم اوس پر کوئی دعوے نہین کرسکتے۔ اور تمکو اوس سے کچھ بھی حاصل نہوگا اسلئے

کہ جب اُس سے کہا جاویگا کہ انکے جو اعمال صالحہ تو نے ضائع کئے ہین اُنکا بدلا دے تو وہ یہ بہانہ کر دیگا کہ مین تو مفلس ہون جیسا کہ معلوم ہے اور مشہور رہے پھر اُنہون نے جان بوجھ کر مجھ سے معاملہ کیون کیا۔ تو اسکی بہانہ آوری کا سبب یہی شخص ہوگا۔ اور جب وہ یہ کہکر الگ ہوجاویگا تو پھر تم اُس سے کیا لے لوگے لہذا اپنے ہی مال کا نقصان ہے۔ پس منادی قرآنی کو سُن لو اور اس مفلس سے ہرگز ہرگز اختلاط اور میل جول مت رکھو۔ آگے پھر اُسی حکایت کی طرف رجوع فرماتے ہین۔

شرح حبیبی

حاضر آوردند چون فتنہ فروخت
اُشتر کردی کہ ہیزم میفروخت

کُرد بیچارہ بسے فریاد کرد
ہم مؤکل را بدانگے شاد کرد

اشترش بردند از ہنگام چاشت
تا شب و افغان او سودے نداشت

بر شتر بنشست آن قحط گران
صاحب اشتر پئے اُشتر دوان

سو بسو و کو بکو مے تاختند
تا ہمہ شہرش عیان نشناختند

پیش ہر حمام و ہر بازارگہ
کردہ مردم جملہ در شکلش نگہ

دہ منادی گر بلند آوازیان
تُرک و کُرد و رومیان و تازیان

جملگان آوازہا برداشتہ
کاین ہمہ تخم جفاہا کاشتہ

بینوائے بد ادائے بیوفا
نان رُبائے تر گدائے بیحیا

مفلس است و او ندارد ہیچ چیز
قرض تا ندہد کسے او را پشیز

ظاہر و باطن ندارد حبۂ
مفلسے قلبے دغائے دبۂ

ہان و ہان با او حریفی کم کنید
چونکہ گاؤ آرد گرہ محکم زنید

ور بحکم آرید این پژمردہ را
من نخواہم کرد زندان مردہ را

خوش دم است و او گلویش بس فراخ
با شعار نو دثار شاخ شاخ

گر بپوشد بہر مکر آن جامہ را
عاریہ است او تا فریبد عامہ را

جب اُس کے مشتہر کرنے کا فتنہ روشن ہوا اور قرار پاگیا کہ اسکو مشتہر کیا جاوے تو اس کام کے لیے ایک لکڑہارے کُرد کا اونٹ لایا گیا۔ جب اُس کُرد کا اونٹ لانے لگے تو اُس نے بہت فریاد کی اور جو شخص اس کام پر تعینات تھا اُسکو ایک دانگ بھی دیا لیکن اُس نے نہ مانا۔ اور وہ اور اُس کے معاونین اونٹ کو لے ہی گئے اور دوپہر سے رات تک کام لیا۔ اُس کُرد بیچارہ کی چیخ پکار نے کچھ بھی فائدہ نہ دیا۔ غرض کہ وہ بھاری قحط کی طرح لوگون کو بھوکا مارنے والا اُس اونٹ پر سوار ہوکر پھرنے لگا۔ اونٹ والا اونٹ کے پیچھے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ سرکاری آدمی اُسکو ہر طرف اور ہر گلی مین پھراتے رہے۔ یہانتک کہ تمام شہر نے معائنہ اور مشاہدہ کرکے اُس کو خوب پہچان لیا۔ کیونکہ ہر حمام کے سامنے اور ہر بازار مین

لوگون نے اسکی شکل دیکھی۔ اور دس بلند آواز منادی کرنے والے جن مین ترک بھی تھے کرد بھی رومی بھی عرب بھی سب کے سب یہ آوازین لگا رہے تھے۔ کہ اس نے بڑی دیا دیتونکا بیج بویا ہے۔ یہ شخص مفلس نادہند۔ بدعہد ہے۔ لوگونکی روٹیان بہت اڑاتا ہے۔ بہکاری ہے بے شرم ہے۔ پھر سن لو یہ مفلس ہے اس کے پاس کچھ نہین دیکھو اسکو کوئی کوڑی قرض نہ دے خوب کان کھول کر سن لو کہ اسکے پاس ایک حبہ نہین۔ نہ ظاہر نہ پوشیدہ مفلس ہے۔ کھوٹا آدمی ہے سراسر دغا ہے۔ ترچھ کی طرح شریر اور موذی ہے۔ دیکھنا خبردار اس کے ساتھ معاملہ نہ کرنا۔ چونکہ یہ گرہ کٹ ہے اور قینچی لیے ہوے ہے اس لیے گرہ مضبوط باندھنا یعنی بڑا چالاک ہے اس سے ہوشیار رہنا۔ اور اگر اس غم سے مرجھائے ہوے کو عدالت مین لاؤگے تو ہم اسکو جیلخانہ نہ بھیجین گے کیونکہ یہ مردہ کی طرح ناقابل تعزیر ہے دیکھو اسکی باتین بہت چکنی چپڑی ہین اور حلق بہت وسیع ہے۔ کہ جو ملتا ہے ہڑپ کر جاتا ہے۔ اسکی حالت یہ بھی ہے کہ اس خستہ حالت پر بٹھا ٹھسے رہتا ہے اور اسی لیے اسکی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے کوئی ایسا کپڑا پہنے جسکا استر تو پھٹا ہوا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو مگر ابرہ نیا ہو۔ یعنی اسکا ظاہر اچھا ہی اور باطن خراب پس اگر تم اسکو ایسے کپڑے پہنے دیکھو تو سمجھنا کہ وہ ملنگے ہوے ہین۔ تاکہ لوگونکو دھوکا دے

شرح شبیری حالضرآور دند الخ۔ یعنی جبکہ فتنہ خوب بھڑکا (اور یہ شور وغل اسکی مفلسی کا بہت ہی پھیلا تو ملازمان محکمہ قضا) ایک کردی کا اونٹ جو لکڑیان فروخت کر رہا تھا لائے۔

کرد بضم الکاف قومیت۔ مطلب یہ کہ ایک کرد ہیزم فروش کا اونٹ اُسکے مشہور کرنیکو سپاہی پکڑ لائے۔

کرد بیچارہ الخ۔ یعنی اُس بیچارہ کردی نے بہت ہی فریاد (واویلا) کی اور سپاہی کو ایک دانق سے خوش بھی کیا۔ مطلب یہ کہ بہت ہی منت وفریاد کی کہ میرے اونٹ کو چھوڑ دو مجھے لکڑیان فروخت کرنی ہین اور جب اُسنے دیکھا کہ یہ نہ چھوڑینگے تو اُسنے سپاہی کو رشوت کے طور پر کچھ دینا بھی چاہا مگر اسکی کچھ نہ چلی بلکہ۔

اشترش بردند الخ۔ یعنی اُسکا اونٹ چاشت کے وقت سے رات تک کے لیے لے گئے اور اس (کردی) کی چیخ پکار نے کچھ اثر نہ کیا اور کچھ بھی کارگر نہ ہوئی۔

بر شتر بنشست الخ۔ یعنی (جب سپاہی اونٹ لے آئے تو) وہ قحط گران (یعنی مفلس) اونٹ پر بیٹھا۔ اور اونٹ والا اونٹ کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ اسی لیے کہ جب یہ بیگار ختم ہو تو مین اپنا اونٹ لے لون۔

سو بسو و کو بکو الخ۔ یعنی (اونٹ پر سوار کر کے) ہر طرف اور گلی گلی مین پھرا رہے تھے۔ یہانتک کہ سارے شہر نے اچھی طرح پہچان لیا۔ کہ یہ حضرت ہین جو بالکل مفلس و قلاش ہین۔

پیش ہر حمام الخ۔ یعنی ہر حمام اور ہر بازار کی جگہ مین تمام آدمیون نے اُسکی شکل مین نگاہ کی یعنی خوب اچھی طرح اُسکو دیکھ لیا۔

دہ منادی گر الخ۔ یعنی دس منادی کرنیوالے بلند آواز والے (مختلف مقامات کے کوئی) ترک (کوئی) رومی (کوئی) تازی اور منادی کرنیوالے مختلف زبان والے اور مقدار مین اسلیے زیادہ تھے کہ شہر بڑا تھا اور وہان مختلف ممالک کے لوگ ہوتے ہین اس لیے اس قدر اہتمام کی ضرورت ہوئی۔

جملگان آواز ہا الخ ۔ یعنی سب کے سب آوازیں بلند کئے ہوئے (یہ کہہ رہے تھے کہ) اسنے تمام تخم جفا بوئے ہیں ۔ بڑے بڑے ظلم کئے ہیں کہ لوگوں کے حق مار لئے ہیں ۔

بینوا ئے الخ ۔ یعنی یہ بینوا ہے اور بدادا ہے اور بیوفا ہے ۔ اور روٹی لے بھاگنے والا ہو اور پورا پورا فقیر ہے (یعنی بالکل ہی قلاش ہی) اور بیحیا ہے ۔

مفلس ہست الخ ۔ یعنی اور مفلس ہے اور کوئی چیز نہیں رکھتا ۔ (یعنی اس کے پاس کچھ نہیں ہے) ہرگز اس کو ایک پیسہ بھی قرض نہ دینا ۔

ظاہر و باطن الخ ۔ یعنی اندر باہر اس کے یہاں ایک دانہ بھی نہیں ہے مفلس ہے کھوٹا ہے ؛ دغا باز ہے بیحیا ہی ۔

ہان و ہان الخ ۔ یعنی ہان ہان اسکی ساتھ حریفی کم کرو ۔ اور جبکہ یہ مقراض لاوے تو گرہ کو مضبوط کر لو ۔ مطلب یہ کہ یہ حضرت گرہ کٹ بھی ہیں ذرا بچتے رہنا ۔ بچارے کی اچھی گت بنی خوب خوب صفات ظاہر ہو رہی ہیں اللہم احفظنا ۔

در بحکم آرید الخ ۔ یعنی اگر اوس اوسرے کو کوئی عدالت میں لاویگا (کہ اسنے قرض لیکر واپس نہیں کیا تو) میں (یعنی قاضی) اس مردہ کو ہرگز قید خانہ میں قید نہ کرون گا ۔ اور یہان جو من نحوا ! ہم کر دکہا گیا ہی التفات ہے غیبت سے تکلم کی طرف یعنی چونکہ قاضی ہی کی طرف سے ساری منادی تھی اسلئے یہ ایسا ہے جیسا کہ کہا جاوے ۔ کہ دیکھو سرکاری حکم ہے اگر اس سے کوئی معاملہ کرے اور پھر اوس کو ہمارے پاس لاوے تو ہم اوسکو ہرگز سزا نہ کرین گے ۔ آگے بھی وہی منادی کے الفاظ ہیں کہ ۔

خوش دم است الخ ۔ یعنی کہ یہ خوشدم (یعنی چرب زبان) ہی اور اوسکا گلو بہت ہی فراخ ہی ۔ (یعنی بہت ہی کہانیوالا ہی) اور اوس کا شعار تو نیا ہے ۔ اور دثار ٹکڑے ٹکڑے ہے شعار کہتے ہین اوس کپڑہ کو جو اوپر ہوتا ہی جسکو ابرا بولتے ہین اور دثار کہتے ہین اوس کپڑے کو جو نیچے ہوتا ہی ۔ جسکو استر بولتے ہین پس مطلب یہ کہ اوس کی یہ حالت ہی کہ بظاہر تو خوب چرب لسان ہی جس سے کہ معلوم ہوتا ہی کہ بہت ہی نیک اور بزرگ ہین اور اندر اسکے خصائل ذمیمہ بھرے ہوئے ہین تو اس کی ایسی مثال ہے جیسے اوپر کا ابرا تو نیا اور عمدہ ہو اور اندر سے استر بالکل پھٹا ہوا ٹکڑے ٹکڑے ہوتا ہی پس اسی طرح ظاہر میں تو بڑا بزرگ معلوم ہوتا ہی ۔ مگر اس کے اندر جو خصائل ہین وہ بہت ہی برے ہین ۔

گر بپوشد بہر الخ ۔ یعنی اگر مکر (دینے کے) واسطے اوس (استر پھٹے ہوئے) کپڑے کو پہنے تو وہ کپڑا (جو ظاہر میں نیا معلوم ہوتا ہے محض) عاریت ہے (جیسے کہ مانگے کی چیز بظاہر تو اوس کی ہی معلوم ہوتی ہی جس کے پاس ہے ۔ مگر اصل میں دوسرے کی ہوتی ہے ۔ اور یہ عاریت اس لئے ہے) تاکہ تمام لوگون کو فریب دے ۔ آگے مولانا فرماتے ہین کہ ۔

شرح حبیبی

حرف حکمت بر زبان ناحکیم	حلہ ہائے عاریت دان اے سلیم
گرچہ دزدی جامۂ پوشیدہ است	دست تو چون گیرد آن ببریدہ است

اے جوئے بھائے مقالات حکمت غیر حکیم کی زبان پر عاریت سمجھنا کیونکہ وہ اوس کے طبعزاد نہیں بلکہ اور حکمار سے

ماخوذ ہین۔ اس لئے وہ بمنزلہ چور کے ہے اور چور کی حالت یہ ہوتی ہی کہ وہ چوری مین کٹے ہوئے ہاتھ کو کپڑے مین چھپا سکتا ہی مگر جب ہاتھ پکڑنیکا موقعہ آئے تو مجبور ہوتا ہی اور بوجہ ہاتھ نہونیکے ہاتھ نہین پکڑ سکتا۔ یون ہی تم اوس غیر حکیم اور غیر محقق کو سمجھو جو اسرار معارف بیان کرتا ہی۔ کہ اپنی عدم تحقیق کو مقالات حکمت کے ذریعہ سے چھپا تو لیتا ہے مگر دستگیری کے وقت طالب کو سنبھالنے سے عاجز ہوتا ہی۔

شرح شبیری **حرف حکمت الخ**۔ یعنی اے سلیم (الطبع) غیر حکیم کی زبان سے حکمت کی باتون کو ایسی سمجھو جیسے کہ ملے ہوئے جبہ وغیرہ کہ بظاہر تو ملک اس شخص کی معلوم ہوتے ہین مگر حقیقۃً وہ اوسکی ملک نہین ہی۔ آگے اوسکی ایک مثال دیتے ہین کہ۔

گرچہ دزدے الخ۔ یعنی (جو کہ بظاہر چرب زبان ہو اور دراصل حکیم اور عالم اور محقق نہو اوسکی ایسی مثال ہی کہ) اگرچہ چور نے کپڑے پہن لئے ہین (اور اپنے اوس بریدہ ہاتھ کو چھپالیا ہی مگر جب دستگیری کا وقت آویگا تو) وہ کٹا ہوا ہاتھ تیرا ہاتھ کسطرح پکڑیگا اور تیری دستگیری کس طرح کریگا۔ اسیطرح اگر کسی شخص کے پاس صرف زبانی ہی جمع خرچ ہی اور دل مین کچھ نہین ہی تو اب تو خوب باتین بنا رہا ہی مگر جب کوئی مرحلہ آکر پڑیگا اُسوقت اوسکی ساری حقیقت کھل جاویگی آگے پھر اوس حکایت کیطرف رجوع ہی۔

شرح حبیبی

چون شبانگہ از شتر آمد بزیر	گرد تفتیش منزلم دورست و دیر
بر نشستی اشترم را از پگاہ	جو بہا کردم کم از اخراج کاہ
گفت تا اکنون چہ میکردیم پس	ہوش تو کو نیست اندر خانہ کس
چرخ افلاسم شنید اے پر طمع	تو بنشنیدی بگوش بے لمع
طبل افلاسم بچرخ سابعہ	رفت و تو نشنیدۂ این واقعہ
گوش تو پر بودہ است از طمع خام	پس طمع کر میکند گوش اے غلام
تا کلوخ و سنگ بشنید این بیان	مفلس است و مفلس است اے قلتبان
تا بشب گفتند و در صاحب شتر	بر نزد کو از طمع پر بود پر
ہست بر سمع و بصر مہر خدا	در حجب بس صورت است و بس صدا
انچہ او خواہد رساند این بچشم	از جمال و از کمال و از کرشم
وانچہ او خواہد رساند او بگوش	از سماع و از بصارت و ز خروش
گرچہ ہستی تو کنون غافل از ان	وقت حاجت کرد حق او را عیان
گفت پیغمبر کہ یزدان مجید	از پے ہر درد درمان آفرید
گرچہ درمان جوئی و گوئی بجان	کاے خدا درمان کار من رسان
لیک زان درمان نہ بینی رنگ و بو	بہر درد خویش بے فرمان او

کور را چارہ است ہیچ چارہ نے ۔۔۔ تا کہ نگشاید خدایت روزنے

چشم را اے چارہ جو در لامکان ۔۔۔ ہین بنہ چون چشم کشتہ سوئے جان

این جہان از بے جہت پیدا شدست ۔۔۔ کہ ز بے جائے جہان را جا شدست

باز گرد از ہست سوئے نیستی ۔۔۔ گر تو از جان طالب مولیستی

جائے دخل است این عدم ازوی مرم ۔۔۔ جائے خرج است این وجود بیش و کم

کارگاہ صنع حق چون نیستی است ۔۔۔ جز معطل در جہان ہست کیست

جب وہ قیدی رات کے وقت اونٹ سے اُترا تو کرد نے کہا کہ رات ہوگئی ہی میرا گہر دور ہی اور بیچ میں بھوک نکلا اس سے مجھے تکلیف ہوگی - پہر صبح سے تو میرے اونٹ پر بھی سوار ہے ان تمام چیزون کے معاوضہ مین مین نے جو چھوڑے گھاس کا تو خرچ دیدے۔ اسنے کہا بہلے مانس اب تک ہم کیا کر رہے تھے تیری عقل کہان ہی۔ کیا تو بالکل ہی بہرا ہو سارے طباع آسمان نے تو میرے افلاس کا شہرہ سنا مگر تو نے اپنی روشنی سماعت کے بہرہ کان سے نہ سُنا۔ میرے افلاس کے نقارہ کی آواز فلک ہفتم تک تو گئی لیکن یہ واقعہ تیرے کان تک نہین پہونچا تو سُنا کیسے تیرے کان مین تو بیہودہ طمع کا رُوئی ٹھنسا ہوا تھا صاحبزادہ جب تو یہ قصہ سن چکا تو سمجہ لے کہ طمع کان کو بہرہ کر دیتی ہے ڈہیلے پتھرون تک نے یہ بیان سن لیا کہ یہ بڑا مفلس ہے مفلس ہے اور رات تک لوگون نے یہ اعلان کیا لیکن اس آواز نے اونٹ والے کے کان سے ٹکر نہ کہائی کیون محض اسلئے کہ وہ طمع سے بالکل بہرا ہوا تھا۔ اسلئے آواز پہونچنے کی اوس مین گنجایش ہی نہ تھی۔ بات یہ ہے کہ کان اور آنکھ پر خدا کی مہر لگی ہوئی ہے۔ اور یہ دونون بالکل اُسکے قبضہ مین ہین۔ ان مین دیکھنے اور سننے کی قوت ذاتی نہین بلکہ عطائی ہے۔ اور غیب کے پردون مین بہت سی صورتین اور بہت سی آوازین مستور ہین۔ ان مین سے جسکو خدا چاہتا ہی خواہ جمال ہو یا کمال یا کرشمہ۔ وانداز وغیرہ وغیرہ پردہ اُٹھا کر اسکو آنکھ تک پہونچا دیتا ہی اور آنکھ اوسکا احساس کر لیتی ہی - اور جسکو چاہتا ہی خواہ سماعت ہو خواہ بصارت خواہ غیر مدرک بالسمع ہو یا مدرک بالسمع اوسکو کان تک پہونچا دیتا ہی۔ جو چیزین تجھے مسموع یا مبصر نہین اگرچہ تو اُنسے اب تک غافل ہی مگر حق سبحانہ جبوقت تیرے لئے ضرورت سمجھین گے اوسکو تیرے لئے معاین ومشاہد کردینگے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خدا تعالے نے ہر مرض کے لیئے دوا پیدا کی ہے۔ اگر تجھے اپنے امراض طمع وغیرہ کے علاج کی ضرورت اور طلب ہی۔ تو صدق دل سے دعا کر۔ کہ اے اللہ ایسے کام کی تدبیر مجھ تک پہونچا دے - اور مجھے معلوم کرا دے۔ لیکن یہ سمجھ لینا کہ تجھے اس تدبیر کا نہ رنگ معلوم ہو سکتا ہو نہ بو۔ غرض کچھ بھی پتہ نہین چل سکتا۔ جب تک خدا کا حکم نہو گو عالم تدابیر اور معالجات سے پُر ہی - مگر تیرے لئے کوئی تدبیر اور کوئی چارہ نہین۔ جب تک حق سبحانہ کی مدد شامل حال نہو۔ اور وہ تیرے لئے کوئی ذریعہ نہ پیدا کر دے۔ اور اے علاج کے طالب خدا کی اعانت کا ذریعہ یہ ہی کہ تو لامکان کی طرف ٹکٹکی باندھ اور اپنی روح مجرد کی طرف متوجہ ہو کر اسکی اصلاح کر اور اپنے کو فنا کر اور ٹکٹکی یون باندھ جیسے مردہ اپنی جان کو آنکھین کہولے دیکھتا ہی کہ پلک جھپکتے ہی نہین۔ لامکان کی طرف متوجہ ہونیکی اسلئے ضرورت ہی کہ لامکان کے معنی ہین عدم مکان اور عدم اور نیستی عجب چیز ہی کیونکہ یہ جہان معدوم الجہتہ ہی سے پیدا ہوا ہی۔ اور بے جانی ہی سے اسکو جگہ ملی ہے

یعنی عدم سے کیونکہ وہ نیست ہی سے ہست ہوا ہی- پس اگر تجھے طلب حق ہی تو وجود سے عدم کی طرف لوٹ اور اپنے کو فنا کر کیونکہ خدا سے ملنے کا یہی رستہ ہی- اور وجود پر عدم کو اسلئے بھی شرف ہی کہ عدم آمدنی کی جگہ ہی اور عالم وجود موہوم خرچ کی اسلئے کہ اشیا اوّلاً پیدا ہوتی ہین اور پھر عدم کو چلی جاتی ہین- اسلئے عدم گویا کہ خزانہ موجودات کا ہے لہذا تو عدم سے بھاگ مت- نیز یہ صنعت خداوندی کا محل ظہور- عالم وجود بھی مثل عدم کے ہے- اس لئے کہ یہان ہر چیز بمنزلہ معطل کے ہی- اور تعطل منافی وجود ہی- اس توجیہ پر کلمہ چون تشبیہ کے لیئے ہی اور اگر شرطیہ ہو تو یہ تقریر ہوگی کہ چونکہ صنعت خداوندیکا محل عدم بھی ہی چنانچہ ظاہر ہی کہ ایجاد کا تعلق موجود کے ساتھ تو ہوتا نہین معدوم ہی کے ساتھ ہوتا ہی جسکے بعد وہ موجود ہوجاتا ہی اسلئے عالم وجود مین وہ کون ہی جو معطل نہو- یعنی سب موجودات ممکنہ مثل معطل کے ہین اونکے ساتھ تعلق تصرف کا نہین ہوتا- یعنی من حیث الوجود- کیونکہ جو تصرف ہوگا وہ شئے حاصل بعد التصرف کے عدم ہی کی حیثیت سے ہوتا ہی یا یون کہو کہ جب صنعت حق سبحانہ کا محل عدم ہی اور اس سے مستفیض فانی اور معدوم ہی ہین تو جو عالم ہستی مین ہوگا اور اپنے کو فنا نکریگا وہ لامحالہ معطل اور فیضان حق سبحانہ سے محروم ہوگا-

شرح شبیری

چون شبانگہ الخ- یعنی جب رات کو وہ (مفلس) اونٹ سے نیچے اُترا تو کردی نے اوس سے کہا کہ میرا گھر دور ہی اور دیر مین راستہ پورا ہو سکتا) ہی- پس-

بر نشستی اشترم الخ- یعنی تو میرے اونٹ پر صبح سے سوار ہوا تو تجھ کو کچھ تو دینا چاہیے اور مین نے دانہ چھوڑ دیا مین دانہ نہین لیتا مگر کم سے کم گھاس کا تو خرچ ہو- یعنی گھاس کا خرچ تو دیدے- چونکہ اوس کردی کو سودا ہونے سے تو کوئی توقع کچھ ملنے کی بھی نہین اسلئے اوسنے اوس سے کہا- کہ شاید اسی سے کچھ مل جاوے- اسپر اس مفلس نے جواب دیا کہ-

گفت تا اکنون الخ- یعنی اوس (مفلس) نے کہا کہ اب تک میرے پیچھے تو کسلیئے پھر رہا تھا- تیرے ہوش کہان ہین- (معلوم ہوتا ہی کہ) گھر مین کوئی نہین ہی- نیست اندر خانہ کس ایک مثل ہی- جسکا مطلب یہ کہ معلوم ہوتا ہی کہ عقل بالکل نہین ہی اسلئے کہ-

چرخ افلاسم الخ- یعنی میرے افلاس (کی منادی) کو آسمان تک نے تو سن لیا اور لالے پر طمع تو اپنے بے لمع کانو سے نہ سُنا اور کہنے لگا کہ-

طبل افلاسم الخ- یعنی میرے افلاس کا طبل ساتوین آسمان تک تو گیا- اور تو نے اب تک یہ واقعہ نہین سُنا- اسلئے کہ اگر سن لیتا اور مجھے مفلس سمجھ لیتا- تو پھر مجھ سے کچھ مانگتا ہی کیون- اور کہنے لگا کہ-

گوش پر آلودہ است الخ- یعنی (چونکہ) تیرے کان طمع خام سے پر ہو گئے ہیں اس لئے اے لڑکے طمع نے تجھے بہرا اور اندھا کر دیا- اور کہنے لگا کہ-

تا کلوخ الخ- یعنی ڈھیلون اور پتھرون تک نے تو (جو کہ جمادات ہین) اس بیان کو سُن لیا کہ یہ قلتبان مفلس ہے مفلس ہے قلتبان کے معنی ایسے سمجھو جیسے کہ اردو مین بھڑوا کہہ دیتے ہین- مطلب یہ کہ سب نے اسبات کو سنلیا کہ مین مفلس ہون اور آپ اب بھی مجھ سے معاملہ کرتے ہین جس سے کہ معلوم ہوتا ہی کہ تم نے کچھ سنا ہی نہین یہ ساری خرابی اسکی ہی کہ اوسکو اپنے دام کی حرص تھی اسلئے اوسکو کچھ بھی نہ سنائی دیا- آگے مولانا فرماتے ہین

تا بشب گفتند الخ- یعنی رات تک لوگون نے کہا (اور چیخ پکار کی کہ یہ مفلس ہے) مگر اونٹ والے مین کچھ بھی اثر نہ کیا-

اس لیے کہ وہ حرص سے خوب اچھی طرح بھرا ہوا تھا۔ آگے اسکی وجہ بتاتے ہین کہ حرص سے پر ہونے سے اُس نے سُنا کیون نہین پس فرماتے ہین کہ۔
هست بر سمع الخ۔ یعنی کان اور آنکھ پر خداوند تعالیٰ کی مُہر ہے۔ (جیسا کہ خود فرماتے ہین کہ ختم اللہ علی قلوبہم الخ) اور بہت سی صورتین اور بہت سی آوازین حجابون مین ہین۔
انچہ او خواہد رساند الخ۔ یعنی (اُن محجوب صورتون اور آوازون مین سے) جو جمال اور کمال اور کرشمے خدا چاہتا ہے آنکھ تک پہونچا دیتا ہے تو وہ حق بین ہو جاتی ہے۔
وانچہ او خواہد الخ۔ یعنی اور جو بشارت اور سُننے کی چیز اور خروش وغیرہ حق تعالےٰ چاہتے ہین کان تک پہونچا دیتے ہین۔ غرض کہ معلوم ہوا کہ سمع و بصر نہ خود کچھ سُن سکتے ہین اور نہ خود دیکھ سکتے ہین بلکہ جس کان کو چاہے خداوند کریم حق بات سُنا دے اور جسکو چاہے محروم کردے اور اگر اپنے اختیار مین ہوتا تو پھر کفار بھی انبیاء کو کیون نہ مان لیتے بلکہ بعض لوگون نے تو آیت تریٰہم ینظرون الیک وہم لایبصرون کی یہ تفسیر کی ہے کہ وہ ان آنکھون سے ہی نہین دیکھتے اگرچہ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ دیکھتے ہین اور انکو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارک بھی نظر نہ آتی تھی پس اگر اس آیت کی یہ تفسیر لیجاوے تو پھر تو در حجب بس صورت ست و بس صدا کے معنی بالکل صاف ہین کہ اُنکو حقیقۃً وہ صورتین اور آوازین دکھائی اور سُنائی دیتی ہی نہین ہین پس معلوم ہوا کہ جب تک حق تعالےٰ بصیرت اور سمع قبول عطا نہ فرماوین اُس وقت تک کچھ بھی حاصل نہین ہو سکتا۔ اور انسان کے اختیار مین کچھ نہین ہے آگے فرماتے ہین کہ۔
گرچہ مستی الخ۔ یعنی اگرچہ تم اُن (صورتون اور آوازون) سے (جو حق کی طرف سے آئی ہین) اسوقت غافل ہو (اور اُن کو نہ دیکھتے ہو اور نہ سُنتے ہو) لیکن حق تعالےٰ ضرورت کے وقت اُنکو ظاہر فرماوینگے یعنی قیامت مین سب ظاہر ہو جاویگا کہ کون حق تھا اور کون باطل تھا اور یہ مت سمجھنا کہ جب وہ صورتین ہمکو دکھائی ہی نہین دیتین تو پھر ہمین اُنکے حق و باطل ہونیکی کیا خبر ہے اس لیے کہ۔
گفت پیغمبر الخ۔ یعنی پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حق تعالےٰ نے ہر درد کے لیے درمان اور علاج پیدا فرمایا ہے۔ پس تم اپنے مرض کے لیے کوئی علاج جسکو حق نے اس لیے پیدا کیا ہو حاصل کرلو اور وہ اتباع انبیاء ہے مگر باوجود اتنی تلاش کے پھر بھی حق تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھو۔ اسی کو فرماتے ہین کہ
گرچہ درمان الخ۔ یعنی اگرچہ تم (اپنے مرض کے لیے) درمان اور علاج ڈھونڈھوگے اور جان (و دل) سے کہوگے کہ اے خدا میرے کام کا علاج فرمادے لیکن تم اُس درمان کی اپنے درد کے واسطے رنگ و بو بھی نہ دیکھ سکوگے۔ (یعنی تم کو اسکی ہوا بھی نہ لگے گی) اُس کے بے حکم کے۔ مطلب یہ کہ جبتک خداوند تعالےٰ کا حکم نہ ہوگا اس وقت تک تم کو اُس مرض کا علاج حاصل نہین ہو سکتا۔ اور اُس سے تم فائدہ نہین اُٹھا سکتے۔ آگے فرماتے ہین کہ۔
گون پر چارہ ہست الخ۔ یعنی تمام دنیا علاجون سے بھری ہوئی ہے اور تیرا کوئی علاج نہین ہے

جب تک کہ حق تعالیٰ ہی کوئی دروازہ (رسائی کا) تیرے لیے نہ کھول دین۔ تو جب سوائے حق کی توجہ کے حق بینی اور حق شنوی سے محروم ہے تو اسی طرف توجہ کرنا چاہیئے۔ اور اس دنیا کی طرف سے توجہ کو ہٹا لینا چاہیے۔ اسی کو فرماتے ہین کہ۔

چشم را اے چارہ جو الخ۔ یعنی اے علاج کے متلاشی آنکھ کو لامکان مین رکھ جس طرح کہ مقتول کی آنکھ جان کی طرف ہوتی ہے۔ چونکہ مقتول کی آنکھ کھلی رہ جاتی ہے اس لیے اسکو اس طرح ظاہر کیا کہ جیسے کہ وہ اپنی جان کو دیکھ رہا ہے۔ اور اسکی نظر ہٹتی ہی نہین۔ بس اسیطرح تم بھی اس طرف لگ جاؤ کہ پھر ادھر کی خبر ہی نہ رہے۔ مقصود یہ کہ اپنے کو فنا کر دو اور فنا کے اس درجہ کو پہونچ جاؤ کہ تمھارا وجود بس کالعدم ہو جاوے۔ آگے فرماتے ہین کہ۔

این جہان از بے جہت الخ۔ یعنی کہ یہ جہان (بھی تو) بے جہت (یعنی حق تعالیٰ ہی کی طرف) سے پیدا ہوا ہے۔ اور اسکو بھی تو ایک بے جگہ والی ذات سے جگہ ہوئی ہے۔

باز گرد از ہست الخ۔ یعنی (جبکہ یہ جہان عدم ہی سے وجود مین آیا ہے تو) تم بھی ہست سے فنا کیطرف لوٹ آؤ۔ اگر جان (ودل سے) مولا کے (یعنی حق تعالیٰ کے) طالب ہو اس لیے کہ جب تک اس وجود مین رہوگے اسوقت تک تو یہ وجود حاجب رہیگا توجہ الی الحق سے اور جب اسکو چھوڑ کر درجہ فنا کا حاصل کرلوگے تو پھر مقصود یعنی حضوری حق تعالیٰ کی درگاہ کی حاصل ہو جاویگی۔ اور اگر از روے عقل دیکھا جاوے تب بھی تو فنا ہی ہونا چاہیے۔ اور اسی طرف توجہ چاہیے۔ اس لیے کہ۔

جاے دخل است الخ۔ یعنی عدم تو آمدنی کی جگہ ہے (اس لیے کہ جو یہان سے گیا وہ وہین جاتا ہے۔ تو آمدنی کی جگہ ہوئی) تو اس سے بھاگو مت (یعنی علیٰحدہ مت ہو) اور یہ تھوڑا بہت وجود خرچ کی جگہ ہے (اس لیے کہ ہر وقت اسین سے تو خرچ ہی ہو رہا ہے) بس وہ جگہ جہان کہ آمدنی ہو زیادہ قابل توجہ ہے۔ اور جہان آمدنی نہ ہو وہ قابل توجہ نہین۔ لہذا معلوم ہوا کہ توجہ اصل مین عدم یعنی عالم ملکوت ہی کیطرف ہونی چاہیے۔ اور اسی مین فنا حاصل کرنا چاہیے آگے فرماتے ہین کہ۔

کارگاہ صنع الخ۔ یعنی کہ حق تعالیٰ کے افعال کے (صادر ہونیکی) جگہ (یعنی یہ عالم دنیا) مثل نیستی کے ہے۔ (اس لیے اسکا وجود مثل عدم ہی کے ہے) اور جہان ہست (بظاہر) لیکن سوائے معطل کے اور کون ہے۔ مطلب یہ کہ جب یہ عالم جسکو عالم موجودات کہا جاتا ہے اور حق تعالیٰ کے افعال کا ظہور اور صدور نہین ہوتا ہے۔ اور یہ کالعدم ہے تو پھر تو انسان کو جو کہ سب مین ضعیف البنیان ہے فنا اور عدم کو حاصل کرنا چاہیے۔ چونکہ مولانا نے یہان تک فنا کی اور توجہ الی الحق کی ترغیب دی ہے اس لیے اب آگے حق تعالیٰ سے دعا کرتے ہین کہ اے اللہ ہم کو بھی یہ مرتبہ عطا فرما۔ بس فرماتے ہین کہ حضرت مولانا کی عادت ہے کہ ایسے مواقع پر رجوع الی الحق فرماتے ہین لہذا اب بھی آپ مجیب الدعوات کی بارگاہ مین مناجات فرمانے لگے۔

شرح حبیبی

مناجات

اے خدائے پاک بے انباز و یار — دست گیر و جرم ما را در گذار

یاد دہ ما را سخنہائے رقیق — کہ ترا رحم آورد آن اے رفیق

ہم دعا از تو اجابت ہم ز تو — ایمنی از تو مہابت ہم ز تو

گر خطا گفتیم اصلاحش تو کن — مصلحی تو اے تو سلطان سخن

کیمیا داری کہ تبدیلش کنی — گرچہ جوئے خون بود نیلش کنی

اینچنین میناگریہا کار تست — اینچنین اکسیرہا ز اسرار تست

آب را و خاک را بر ہم زدی — ز آب و گل نقش تن آدم زدی

نسبتش دادی بجفت و خال و عم — با ہزار اندیشہ و شادی و غم

باز بعضے را رہائی دادہ — زین غم و شادی جدائی دادہ

بردہ از خویش و پیوند و سرشت — کردہ در چشم او ہر خوب و زشت

ہر چہ محسوس است او رد می کند — وانچہ ناپیداست مسند می کند

عشق او پیدا و معشوقش نہان — یار بیرون فتنۂ او در جہان

اے خدائے پاک لاشریک بے مددگار تو ہماری دستگیری کر۔ اور ہمارے قصوروں کو معاف کر۔ اور ہم کو دل نرم کرنے والی باتین یاد دلا جو تجھکو ہمپر مہربان کرین۔ دعا کی توفیق بھی تو ہی دینے والا ہے۔ اور قبول بھی تو ہی کرنیوالا ہی۔ بیخوفی بھی تیری ہی طرف سے ہی۔ اور خوف بھی تیری ہی جانب سے۔ پس اگر ہم نے کوئی خطا کی ہو۔ اور کوئی بات غلط کہی ہو تو اوس کی اصلاح کر اسلیئے کہ اے بادشاہ سخن و متصرف و مالک کلام تو ہی اصلاح کرنیوالا ہے تیرے پاس کیمیا ہے کہ تو اوس کی قلب ماہیت کرسکتا ہی۔ اور فاسد کو صالح بنا سکتا ہی۔ اگر خونکی نہری ہو تو اوسکو رود نیل بنا سکتا ہی۔ اس قسم کی نقاشیان کرنا تیرا ہی کام ہی۔ اور اس قسم کی اکسیرین کہ فاسد کو صالح کردے اور صالح کو فاسد وغیرہ تیرے ہی بھید ہین۔ تو نے پانی اور مٹی کو مخلوط کرکے اوس پانی و مٹی سے ایک تصویر یعنی جسم انسان بنا دیا۔ پھر اسکا تعلق خاوند اور بیوی ماموں اور چچا وغیرہ سے پیدا کیا۔ اور اوسکو خوشی اور رنج کے ہزار خرخشوں مین مبتلا کردیا۔ پھر بعضوں کو ان خرخشوں سے نکالا۔ اور رنج و شادی کے قصوں سے علیحدہ کیا۔ اور اوسکا تعلق عزیز و اقارب اور ملکات رذیلہ سے قطع کیا۔ اور ہر بظاہر خوشنما چیز کو اوسکی نظر مین برا کردیا۔ چنانچہ اب اوسکی حالت یہ ہی کہ جو کچھ محسوس ہوتا ہی۔ اسے رد کرتا ہی۔ اور غیر محسوس یعنی حق سبحانہ کو اپنا سہارا بناتا ہی۔ اور اوسکی حالت یہ ہوتی ہے۔ کہ اوسکا عشق تو ظاہر ہوتا ہی مگر معشوق نظروں سے مختفی اسکا محبوب تو بیرون عالم اور لامکانی ہی مگر اوسکی شورش عالم میں پھیلی ہوئی ہی

شرح شبیری

مناجات

اے خدائے الخ۔ یعنی اے خدائے پاک جو بے شریک اور بے (کسی) مددگار کے ہے ہماری دستگیری کیجئے اور ہمارے جرم سے درگذر کیجئے۔

یاد دہ مارا الخ۔ یعنی اے رفیق ہم کو ایسی نرم باتین یاد دلایئے (یعنی سکھلایئے) جو کہ آپ کے رحم کو لا دین۔ مطلب یہ کہ اے اللہ ہم کو ایسی نرم نرم باتین سکھلا دیجئے کہ جنکی وجہ سے آپ کو ہمارے اوپر رحم آوے اس سنئے کہ۔

ہم دعا از تو الخ۔ یعنی دعا بھی آپ ہی کی طرف سے ہے اور قبول کرنا بھی آپ ہی کی طرف سے اور بیخوفی بھی آپ ہی کی طرف سے ہے اور خوف بھی آپ ہی کیطرف سے۔ جب یہ بات ہے تو پھر دعا کرنا بھی آپ ہی سکھلا دیجئے۔ اور پھر اوس کو آپ ہی قبول فرمالیجئے۔ جیسے کہ قرآن شریف مین آدم علیہ السلام کے قصہ مین ارشاد ہے۔ فتلقی آدم من ربہ کلمات فتاب علیہ ترجمہ۔ پھر حاصل کرلئے آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے چند الفاظ۔ تو اللہ تعالیٰ نے رحمت کے ساتھ توجہ فرمائی۔ جس سے معلوم ہوا کہ معذرت کے الفاظ بھی حق تعالیٰ ہی سے حاصل ہوئے تھے۔ اور ایسے موقعہ پر جبکہ خطا وار اپنی خطا پر سخت نادم وبے چین ہو۔ کلمات معذرت کی تلقین کردینا مین بھی رائج ہو۔ جیسے کہ کوئی نوکر اپنی خطا پر نادم ہوکر منہ بنا کر ہاتھ جوڑ کر سامنے کھڑا ہو اور ہیبت اور انفعال کی وجہ سے اوس کی سمجھ مین نہین آتا کہ اس خطا کی معذرت کیواسطے کونسے الفاظ لاوے اور وہ ڈرتا ہو کہ اگر اس مرتبہ بولا تو نہ معلوم میرے منہ سے کیا نکلے اور وہ بدتمیزی ہو تو عتاب اور زیادہ ہو جاوے۔ اسوقت آقا کو جوش کرم ہوتا ہو اور مہربان ہوکر کہتا ہو کہ کیا چاہتا ہو کچھ منہ سے کہہ جب بھی خاموش رہتا ہو تو اوس سے کہتے ہین کہ اچھا کہہ کہ پھر ایسی حرکت نکرونگا بندہ وہ ان ہی الفاظ کو دہرا دیتا ہو اسوقت کہتے ہین کہ جا معاف کیا پھر ایسا مت کرنا۔ تو دیکھو کلمہ معذرت بھی آقا ہی نے سکھلائے۔ پس اسی لئے یہان بھی مولانا فرماتے ہین کہ دعا کے الفاظ اور معذرت کے آپ ہی سکھلایئے۔ اور پھر آپ ہی اون دعاؤن اور عذرون کو قبول فرمایئے۔ جو دعا کہ آقا اور مالک کی سکھلائی ہوئی ہوتی ہے اوس مین قبولیت کی امید زیادہ ہوتی ہے۔ اس لئے کہ جب وہ خود فرما رہے ہین کہ ہم سے اس طرح مانگو تو یہ فرمانا اس لئے تو یقیناً نہین ہو کہ جب یہ مانگے گا تو ہم رد کردین گے بلکہ اسی لئے ہے کہ یہ مانگے گا تو ہم اس کو عنایت کرینگے پس جب وہ مانگے گا تو پھر اوسکو ضرور عنایت ہوجاویگی۔ اور یہ بھی ممکن تھا کہ حق تعالیٰ بے مانگے ہوئے اور بلا کسی دعا وغیرہ کے عنایت فرمادیا کرتے۔ مگر اس دعا مین ایک مصلحت تو یہ ہو کہ عبد کی عبدیت معلوم ہوتی ہے۔ اور حق تعالیٰ کی عظمت کا احضار ہوتا ہے دوسرے یہ کہ بغیر مانگے عطا فرمانے مین وہ قدر نہوتی جو کہ اب بعد اس طلب کے ہے۔ تیسرے یہ کہ حق تعالیٰ کو جو اپنے بندہ پر شفقت اور رحمت ہو وہ اسکو مقتضی ہے کہ بندہ خود کچھ مانگے جیسے کہ باپ بچہ کے واسطے آم لاوے تو اوس کو آتے ہی نہین دیدیتا بلکہ یون کہتا ہے کہ آم ایسا شیرین

ہوتا ہے کہ اوسکی جیسی شیرینی اور کسی شے مین ہی ہی نہین ۔ وغیرہ وغیرہ ۔ اوس کے سامنے خوب اوسکی تعریف کرتا ہے اب وہ بچہ اس سے ضد کرتا ہے اور مانگتا ہے اور مچلتا ہے کہ ہم تو ضرور آم کھائین گے اور ہم کو لاکر دو وغیرہ وغیرہ یہانتک کہ جب اوسکی طلب بڑہتی ہے اور وہ خوب ضد کرتا ہے تو فوراً آم اوسکے حوالہ کرتا ہے تو دیکھو وہ یہ بھی کر سکتا تھا کہ اول آتے ہی اوسکو دیدیتا ۔ مگر اسقدر ضد کرانے مین اور اوس کی تعریف کرکے اوس کو شوق دلانے مین جو لذت ہوئی ہے اور جو لطف ہے وہ کوئی صاحب اولاد کے دل سے پوچھے ۔ سچ یہ ہے کہ یہ لذت اور کسی شے مین حاصل ہی نہین ہوتی اسکے بیان کے لیے میرے پاس الفاظ نہین ہین جس سے بیان کردون ۔ بس اسکو راقم بھی ایک ذوق سے جانتا ہے اور جسکو ذوق و الفت ہو وہ ہی سمجھ سکتا ہے پس اسیطرح حق تعالیٰ اول انسان کو جنت کا اور اوسکے نعماء کا اشتیاق دلاتے ہین اور پھر اوسکے مانگنے کے طریقے بتلاتے ہین جیسا کہ جابجا قرآن شریف مین موجود ہے اس کے بعد بندہ کی طلب پر دریائے رحمت جوش مین آتا ہے اور اوسکو عنایت فرما دیتے ہین ۔ اور اسی خوشی کو ایک حدیث قدسی مین اس طرح فرمایا ہے کہ بندہ کے سوال کرنے پر حق تعالیٰ کو اس شخص کی خوشی سے بھی زیادہ خوشی ہوتی ہے جسکا کہ اونٹ کھو گیا ہو اور اوسکا کھانا پینا سب اوسی کے اوپر تھا اوسنے اوس اونٹ کو بہت تلاش کیا مگر وہ نہ ملا ۔ حتے کہ یہ مایوس ہوکر بھوکا پیاسا کسی جگہ پڑ رہا ۔ اور سو رہا ۔ جب اوسکی آنکھ کھلی تو دیکھا کہ اونٹ معہ سامان کے جو اوس پر تھا اوسی طرح اوسکے سرہانے کھڑا ہوا ہے ۔ اسوقت فرط خوشی مین اوسکے حواس بجا نہ رہے اور وہ (بجائے اسکے کہ یون کہتا کہ اے اللہ مین تیرا بندہ ہون اور تو میرا خدا ہے) یون کہہ اٹھا کہ مین تیرا خدا ہون اور تو میرا بندہ ہے ۔ (نعوذ باللہ) اور اوس شخص پر کوئی اعتراض بھی نہین ۔ اس لئے کہ یہ فرط فرح سے اپنے قبضہ مین نہ رہا تھا ۔ اب دیکھو کہ اسکو کسقدر خوشی ہوئی کہ ہوش و حواس بھی ٹھکانے نہ رہے ۔ اور حق تعالیٰ فرماتے ہین کہ بندہ کے سوال پر مجھے اس سے بھی زیادہ خوشی ہوئی ہے اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس ناپاک بندہ کی دعا سے کتنی خوشی ہوتی ہے فالحمد للہ رب العالمین ۔ ہان حق تعالیٰ انفعال سے منزہ ہے جیسا کہ ظاہر ہے اس خوشی کیوجہ سے اوسکے افعال و اقوال حکمت اور اعتدال سے خارج نہین ہو جاتے ۔ خوب سمجھ لو ۔ اور بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو دعا انسان کرتا ہے وہ پوری نہین ہوتی ۔ تو اسوقت اسکو بہت زیادہ پریشانی ہوتی ہے ۔ اور مختلف قسم کے خیالات اوسکو آنے لگتے ہین اسکو خوب سمجھ لو بات یہ ہے کہ دعا کی قبول ہونیکی دو صورتین ہین ایک تو یہ کہ جو مانگا وہی ملجاوے ۔ اور دوسری یہ کہ جو مانگا ہے وہ (بسبب کسی ایسی مصلحت کے جسکی خبر اس شخص کو نہین ہے مگر حق تعالیٰ کو ہے) نہ ملے ۔ اول صورت مین تو کوئی وجہ پریشانی وغیرہ کی ہے ہی نہین ۔ ہان دوسری صورت مین کچھ پریشانی ظاہر بین کو ہوسکتی ہے ۔ اسکو سمجھ لو کہ چونکہ انسان کو اپنے تمام منافع اور مضار پر اطلاع نہین ہوتی ۔ اور بہت سے مضار کو منافع اور بالعکس سمجھ لیتا ہے اور حق تعالیٰ کو سب معلوم ہے پس یہ تو بلا سمجھے بوجھے جو چاہتا ہے مانگ لیتا ہے مگر حق تعالیٰ جانتے ہین کہ اگر اس کو عطا کر دیا گیا تو اسکو ضرر دینی یا دنیوی ہوگا ۔ پس اوسکو وہ شے عطا نہین فرماتے ۔ لیکن دعا کو رد بھی نہین فرماتے بلکہ اوس کی جگہ یا تو کوئی اور شے عنایت ہوتی ہے یا کوئی گناہ معاف ہو جاتا ہے یا اوسکی برکت سے کوئی بلا جو آتی ہوتی ہے ٹل جاتی ہے پس دعا حق تعالیٰ سے ہر صورت اور ہر حالت مین ضروری ہے ۔ لیکن اوس پر مصر ہونا کہ جسطرح ہم چاہتے ہین اوسی طرح ہو جاوے برا ہے بلکہ دعا کرتا رہے اور اوس پر جو کچھ بھی مرتب ہو اوس پر راضی رہے ۔ اور خوش رہے ۔

اور اگر خود کوئی اثر مرتب نہ معلوم ہو تب بھی دعا کرنا ترک نہ کرے۔ بلکہ دعا کرتا رہے کہ اگر یہ امر حاصل نہ بھی ہوگا تب بھی اور منافع تو حاصل ہونگے خوب سمجھ لو بس اسی لیے مولانا فرماتے ہین کہ اے اللہ ہمین دعا خود سکھلا کر اوس کو قبول فرما لیجئے آسگے فرماتے ہین کہ۔

گر خطا گفتیم الخ۔ یعنی اگر ہم نے کوئی (بات) غلط اور خطا کہہ دی ہو تو اوسکی آپ اصلاح فرما دیجئے (اور اوسکو معاف فرما دیجیے اسلئے کہ اے سلطان سخن اصلاح کرنے والے بھی آپ ہی ہین۔ سلطان سخن اسلئے کہدیا کہ جسقدر کلام اور جتنی باتین ہین سب اوسی طرف سے ہین اور وہی اون کے خالق ہین مطلب یہ کہ جو کچھ جناب نے سکھلایا ہی اگر اوس مین ہم سے کوئی لغزش اور غلطی ہو جاوے تو اوسکو آپ معاف فرما دیجئے۔ اور اوسکی اصلاح اوسپر تنبیہ سے یا کسی اور طریقہ سے فرما دیجیے اسلئے کہ۔

کیمیا داری کہ الخ۔ یعنی آپ تو کیمیا (قدرت) رکہتے ہین (تو جسطرح کیمیا سے بتدیل ماہیت ہو جاتی ہے اسی طرح آپ ہماری خطاؤن اور گناہون کو) بتدیل فرماتے ہین اور اگرچہ خون کی ندی ہوتی ہو مگر آپ اوس کو نیل (کی طرح صاف اور پاک) فرما دیتے ہین مطلب یہ کہ جناب کو تو وہ قدرت ہے کہ جس سے سئیات کو حسنات فرما دیتے ہین جیسا کہ خود ارشاد ہے۔ یبدل اللہ سیاتہم حسنات یعنی اللہ اون کی سیات کو حسنات سے بدل دیتے ہین۔ پس اسی طرح ہماری خطاؤن کو بھی اپنے رحمت اور قدرت سے بدل دیجئے۔ اور اون کو بھی حسنات کر دیجئے اسلئے کہ۔

اینچنین مینا الخ۔ یعنی اس قسم کی نقاشی (جو کہ برے کو اچھا کر دے) آپ ہی کا کام ہے اور اس قسم کی اکسیر (جو کہ قلب ماہیت کر دے) آپ کے اسرار مین سے ہے۔ پس ہماری سئیات کو بھی حسنات سے بدل دیجئے۔ اور آپ کی تو وہ قدرت ہی کہ۔

آب را و خاک را الخ۔ یعنی آپنے پانی اور مٹی کو ملا کر اوسی پانی اور مٹی سے آدمی کے بدن کا نقش بنایا۔ جو کہ اسقدر جامع کمالات ہے اور مظہر اتم ہے حق سبحانہ تعالےٰ کا۔ تو جب آب و خاک کو بدل کر ایسی شے بنا دی اور بالکل ہی ماہیت کو بدل کر ایک ارذل شے سے اکرم مخلوقات بنایا تو پھر ہمارے سئیات کو بدلکر حسنات کر دینا تو اس کے سامنے کچھ بھی نہین ہے۔ اور پھر صرف نقش تن انسان بنانے ہی پر کفایت نہین کی بلکہ۔

نسبتش دادی الخ۔ یعنی اوسکی نسبت جوڑے زوج اور ماموں اور چچا وغیرہ کے ساتھ ہزارون خوشیون اور غمون اور اندیشون کے ساتھ فرمائی۔ مطلب یہ کہ اوس آب و خاک کو جو کہ جماد محض اور اشیاء لا یعقل تہین اس طرح ترکیب دی اور پھر اون مین یہ تعلقات پیدا کئے۔ اور پھر اون تعلقات مین خوشیان اور رنج اور اندیشے ہر قسم کے رکہے۔

باز بعضے را الخ۔ یعنی (باوجود ان سب تعلقات کے بھی) بعض کو (انسے) رہائی دی ہو۔ اور اس غم و شادی سے جدا اور الگ اور علیحدہ فرمایا۔

بردہ از خویش الخ۔ یعنی جسکو آپنے ان تعلقات سے علیحدگی عطا فرمائی اوسکو) آپنے خویش و خویشاوند سے اور باپ بیٹے سے سب سے الگ کر دیا ہے اور اوسکی نظر مین ہر دو دنیا کے) اچھے کو برا کر دیا ہے اس لئے کہ اوسکی

نظر مین تو ایک حق کا تعلق بس گیا ہی اوسکو دوسرون کی طرف ہرگز التفات نہین رہتا۔ ہان جو تعلقات شرع نے مقرر فرما دیے ہین وہ ضرور باقی رہتے ہین مگر وہ اضطرار (جو کہ بغیر تعلق مع اللہ کے ان تعلقات سے ہوتا) نہین ہوتا۔ بلکہ اوسکو ہر وقت تعلق اللہ ہی کے ساتھ رہتا ہی اور دنیا کی عمدہ سے عمدہ شے بھی اوسکی نظر مین حقیر اور بری معلوم ہوتی ہی۔ اور اوسکی یہ شان ہوجاتی ہی کہ۔

ہرچہ محسوس الخ۔ یعنی جو کچھ کہ محسوس ہے (یعنی یہ دنیاوی تعلقات) وہ اوسکو رد کردیتا ہی۔ اور جو کچھ کہ ناپیدا ہے (یعنی حق تعالی اور اوسکے اسرار) اون کو مسند اور محکم کرتا ہی۔ مطلب یہ کہ جسکو آپنے ان تعلقات دنیوی سے بچایا اوسکی تو یہ حالت ہوجاتی ہی کہ سوائے آپکے تعلق کے اور سب تعلقات کو ترک کردیتا ہی اور سبکو حجاب خیال کرتا ہی اور اوسکی یہ حالت ہوجاتی ہی کہ۔

عشق او پیدا الخ۔ یعنی اوس (شخص) کا عشق تو ظاہر ہوتا ہی (کہ سب جانتے ہین کہ عاشق خدا ہے) اور اوسکا معشوق (یعنی حق تعالی) پوشیدہ ہین تو یار تو (اس جہان سے) باہر ہی اور اوسکا فتنہ (اور عشق) سارے جہان میں ہو رہا ہی (اور جسکو دیکھو اوسیکا شیدا اور متوالا ہی بعض تو ہر وقت اور بعض گاہے گاہے اوسکی طرف متوجہ ہوتے ہین لیکن ہوتے سب ہین پس وہ تو ان جہات وغیرہ سے باہر ہے اور منزہ ہے مگر اوسکا فتنہ عشق جہان مین موجود ہے چونکہ اوپر عشق حقیقی تعلق بحق اور فنا کا ذکر تھا اور ان چیزون کی ترغیب اور اون کا مطلوب ہونا بیان کیا گیا تھا اسلئے آگے اوسکی ضد یعنی عشق مجازی اور غیر اللہ سے تعلق اور حق سے غفلت کو منع فرماتے ہین اور ان کا غیر مقصود اور غیر مطلوب ہونا بیان فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

ہین رہا کن عشقہائے صورتی	عشق بر صورت نہ بر روئے ستی
آنچہ معشوقست صورت نیست آن	خواہ عشق اینجہان خواہ آنجہان
آنچہ بر صورت تو عاشق گشتۂ	چون برون شد جان چرایش ہشتۂ
صورتش برجاست این سیری ز چیست	عاشقا وابین کہ معشوق تو کیست
آنچہ محسوس است اگر معشوقہ است	عاشقستے ہر کہ او را حس ہست
چون وفا آن عشق افزون میکند	کے وفا صورت دگرگون میکند
پرتو خورشید بر دیوار تافت	تابش عاریتی دیوار یافت
بر کلوخے دل چہ بندی اے سلیم	وا طلب اصلی کہ تابد او مقیم

دیکھان عشقون کو چھوڑ جنکا تعلق صورت سے ہی۔ اسلئے کہ جو عشق بظاہر صورت پر ہے وہ فی الحقیقت بیوی وغیرہ کے چہرہ پر نہین۔ اور جو فی الحقیقت معشوق ہی وہ صورت نہین خواہ صورت ناسوتی کا عشق ہو خواہ ملکوتی کا وجہ اسکی یہ ہی کہ اگر تو صورت ہی پر عاشق ہوا ہی تو کیا وجہ ہے کہ جب جان نکلگئی تو تونے اوسکو چھوڑدیا۔ حالانکہ صورت تو اسی طرح موجود ہے پھر یہ استغنا کس سبب سے ہی۔ پس ثابت ہوا کہ صورت

پر نہین - تو اب تجھے غور کرنا چاہیے کہ فی الحقیقت تیرا معشوق کون ہی - غور سے تجھے معلوم ہوگا کہ صورت نہین بلکہ کوئی اور ہی ہے اسلئے کہ جو محسوس ہے وہی اگر معشوق ہوتا تو ہر حس رکھنے والا عاشق ہوتا - پس لازم تھا کہ گائے بیل بھی عاشق ہوتے - نیز یہ مشاہدہ ہے کہ معشوق کی وفا سے عشق مین ترقی ہوتی ہی تو گویا وفا صورت کو بدل دیتی ہی ہرگز نہین - بلکہ صورت وہی رہتی ہی - پھر کیا وجہ ہے کہ عشق مین تغیر ہوتا ہی - اس سے بھی ثابت ہوا کہ معشوق صورت نہین پھر کیا ہے - تو ہم بتلائے دیتے ہین بات یہ ہی کہ آفتاب حقیقی حق سبحانہ کا پرتو دیوار یعنی ممکنات پر پڑا اس سے اس دیوار یعنی ممکنات کے اندر عارضی حسن پیدا ہو گیا - بس وہ حسن تیرے دل کو کھینچتا ہے - پس جبکہ معشوق وہ حسن عارضی ہوا جو حق سبحانہ کے پرتو سے پیدا ہوا ہے تو یہ سراسر حماقت ہی کہ اس عارضی حسن رکھنے والے ڈھیلے اور ممکن سے دل لگایا جاوے بلکہ اصل خورشید (حق سبحانہ) کو ڈھونڈھنا چاہیے جو کہ ہمیشہ چمکتا اور ذاتی اور بے زوال حسن رکھتا ہی -

ایکہ تو ہم عاشقی بر عقل خویش	خویش از صورت پرستان دیدہ بیش
پرتو عقل است آن بر حس تو	عاریت میدان ذہب بر مس تو

اوپر صورت پرستو پر اعتراض اور اون کو تفہیم تھی - ان اشعار مین عقل پرستون کی تردید ہے - چنانچہ فرماتے ہین کہ ارے تو جو اپنی عقل پر عاشق ہی اور صورت پرستو سے اپنے کو اعلی و افضل سمجھتا ہے تجھے معلوم بھی ہی کہ تیرا معشوق کون ہی - وہ تیری عقل ناقص نہین بلکہ اس عقل ناقص پر جو خسیس ہے نے مین مثل خس کے ہے اوس لطیف و خبیر کا جو عقل کی طرح اشیاء کو علی ما ہی علیہ ادراک کرتا ہے - پرتو پڑا ہے اس لئے اس مین یہ کیفیت پیدا ہو گئی ہے جو تجھے مرغوب و پسندیدہ ہے - اور یہ سونا اور پرتو کمال تیری عقل ناقص پر جو بمنزلہ تانبے کے ہے عارضی ہے اصل نہین - پس معلوم ہوا کہ معشوق خود عقل نہین بلکہ وہ سونے کا ملمع ہی - اس سے ثابت ہوا کہ عقل پر عاشق ہونا بھی سراسر حماقت ہے - عقل انسانی کو ضعف و غلطی ادراک کے سبب حس سے تعبیر کیا اور حق سبحانہ کو اوسکے ادراک اشیاء علی ما ہی علیہ اور مناسبت لفظ حس کے سبب جو اس مصرع مین واقع ہے عقل سے اور یہ لوگ تعبیرات کی پرواہ نہین کرتے - چنانچہ اشعار آئندہ مین حق سبحانہ کو دل سے تعبیر کیا ہی فاندفع البعد (تنبیہ) اس مقام کی بعض اور توجیہات بھی ہین - اول یہ کہ شعر اول مین عقل سے مراد معقول ہی - اور مقصود ان لوگون کا رد کرنا ہے جو دعوے کرتے ہین کہ ہم صورت پر عاشق نہین بلکہ ہم تو معنی پر عاشق ہین - یعنی یہ صورت مظہر اور مرآۃ جمال ہی حق سبحانہ کا اسمین ہم ظاہر اور مرئی کا مشاہدہ کرتے ہین اور اسپر عاشق ہین تفصیل یہ ہی کہ تو جو اپنے معقول یعنی حق سبحانہ پر بزعم خود عاشق ہی اور صورت پرستو سے اپنے کو افضل سمجھتا ہی یہ تیری غلطی ہی - اور منشا غلطی یہ ہے کہ تیری حس مین عقل کی آمیزش ہو گئی ہی وہ آمیزش تجھے گمراہ کر رہی ہی - کہ اوس آمیزش سے تو اپنے کو معقول کا عاشق سمجھ گیا - چونکہ اسوقت من وجہ معقول کا بھی ادراک ہی گو وہ ادراک عشق کے درجہ تک نہین پہونچا ورنہ واقع مین مرکب یا حسن یعنی صورت ہی کا تو عاشق ہی - اس توجیہ پر ع عاریت میدان ذہب بر مس تو - مین عاریت کا لفظ اچھی طرح چسپان نہین ہوتا - اللہم الا ان یقال اس آمیزش کو بوجہ ناپائدار ہونے کے عاریت سے تشبیہ دی کیونکہ غالب عشق صورت ہی کا ہی - دوسری توجیہ یہ کہ دوسرا شعر پہلے شعر سے تعلق نہین رکھتا - بلکہ اشعار ماسبق سے

مرتبط ہے اور معنی یہ ہیں کہ تیری محسوسات پر معقول (حق سبحانہ) کا پرتو ہے اسلئے تجھے اپنے تاسبتہ (محسوس) پر سونے (یہ پرتو حق سبحانہ) کو ملمع اور عارضی سمجھنا چاہیے۔ لہذا اسپر فریفتہ نہ ہونا چاہیے اس توجیہ میں یہ خدشہ ہے کہ شعر اول کلام تام نہیں۔ بلکہ محتاج جواب ندا ہی۔ اور اس تقدیر پر جواب ندا ندارد ہی۔ اللھم الا ان یقال بقرینہ مقام مقدر ہے بعض نسخوں میں شعر اول میں بجائے عقل کے لفظ اصل واقع ہی اور اصل سے مراد حق سبحانہ ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ تو جو اپنے اصل حق سبحانہ پر بزعم خود عاشق ہے اور اپنے کو صورت پرستوں سے اعلیٰ و افضل بتاتا ہی یہ تیرا نقص ہے اسلئے کہ تیری حس پر مرد عارف کا پرتو پڑا یعنی تونے ان کی نقل کی اور اصل اور نقل اور حال اور قال میں بہت فرق ہے۔ اسلئے یہ قول اور یہ خیال تیرا فی الحقیقت سراسر نقص ہی۔ گو اس مشابہت عرفا سے صورت کمال پیدا ہو گئی۔ ولا یخفی سخافتہ و حزازتہ علی من لہ ذوق سلیم۔

شرح شبیری

ہین رہا کن الخ۔ یعنی ہاں صورت کے عشق کو ترک کردے (اسلئے کہ) جو عشق صورت پر ہے (وہ واقعہ میں) بیوی کے منہ پر نہیں ہے تھی۔ بی بی وکد بانو را گویند۔ مطلب یہ کہ اے عاشق صورت تو جو اپنا معشوق صورت کو سمجھے ہوئے ہے اور اس بنیاد پر چہرۂ زوجہ کو محبوب سمجھتا ہے تو سن رکہ کہ یہ عشق بھی جو کہ تجھے بیوی کے ساتھ ہے اوس کے چہرہ پر یا کسی ظاہری عضو پر نہیں آگے بھی اسیکو فرماتے ہیں کہ۔

آنچہ معشوقست الخ۔ یعنی جو کچھ معشوق ہے وہ صورت نہیں ہی اب وہ عشق خواہ اس جہان (یعنی ناسوت) کا ہو اور خواہ اوس جہان (یعنی عالم ملکوت) کا ہو۔ غرضکہ جو عشق کہ ماسوی اللہ کے ساتھ ہوگا وہ بھی اوس کی صورت پر نہیں ہی۔ اور صورت پر عشق سمجھنا غلطی ہے بلکہ وہ عشق بھی اوسکے کسی کمال پر ہوتا ہی۔ مثلاً جمال پر وفا پر ناز و ادا پر وغیرہ وغیرہ مگر اس کالبد خاکی پر جو کہ گوشت پوست سے ملکر بنا ہی ہرگز ہرگز عشق نہیں ہوتا آگے اس دعوی کی دلیل خود بیان فرماتے ہیں اور اس شعر میں عشق اینجہان و آنجہان کہنے میں اشارہ اسطرف ہے کہ وہ عشق ماسوی اللہ کا ہوگا۔ اس لئے کہ جہان کے معنی ہیں عالم کے خواہ وہ یہ عالم ہو اور خواہ عالم ملکوت ہو۔ یہانکا تو عشق ظاہر ہے روز اسیکا رونا پڑا رہتا ہی کسی نے کہا ہی کہ؎ عشق سے کون ہے بشر خالی۔ کر دیئے جنّ گھر کے گھر خالی نہ اور عشق عالم ملکوت کا ایسا ہے جیسے کہ کوئی شخص حور پر عاشق ہو اور اوسکی طلب میں لگجاوے اور ہمہ تن اوسکی مطلوبہ وہی ہوجاوے تو ظاہر ہے کہ اوسکو حق تعالی سے علیحدگی اور غفلت لازم ہے۔ اور یہ بھی مذموم ہے۔ آگے اپنے اس دعوے کی کہ عشق جو بظاہر صورت پر معلوم ہوتا ہے (وہ بھی اصل میں کسی کمال ہی پر ہے) اوسکو صورت پر سمجھنا ہی غلطی ہے ایک دلیل لاتے ہیں۔ پس فرماتے ہیں کہ۔

آنچہ بر صورت الخ۔ یعنی جو کچھ کہ تم صورت پر عاشق ہو گئے ہو تو جب جان باہر ہو گئی تو اب اوسکو کسلئے چھوڑتے ہو۔ مطلب یہ کہ اے صورت پرست اور صورت کے عاشق اگر تیرا یہ کہنا صحیح ہی کہ تو اس خط و خال اور لون ظاہری ہی پر عاشق ہے تو اب ہم پوچھتے ہیں کہ جب اس جسم میں سے جان نکل جاتی ہے تو پھر اوس جسم سے عشق کیوں نہیں ہوتا اور اوسکو کیوں الگ کر دیتے ہو کہ اوسکو لیجا کر اپنے ہاتھوں تہ خاک کر آتے ہو۔ اسوقت اگر عشق باقی ہے تو پھر اوسکی لاش کو اٹھا کر رکھو۔ اور اوسکا اوسی طرح چومو۔ اوسکو اوسی طرح پیار کرو وغیرہ وغیرہ۔ مگر نہیں سب سے اول

یہ عاشق صاحب ہی فرماوینگے کہ اسکو جلدی کہین دفن کر دینا چاہیے۔ اور سارا سامان خود کرینگے۔ اور اس جسم کو دفن کرا دینگے بس معلوم ہوا کہ اس کالبد سے اور اس صورت سے عشق نہ تھا ورنہ پھر ایسا کیون ہوتا اور اس لاش سے اسقدر نفرت کیون ہو جاتی۔ اور اگر یہ کہو کہ ہمکو رنج والم تو ہوتا ہی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمکو عشق صورت ہی سے تھا اور اوس کے پیش نظر نہ رہنے سے یہ سارا قلق اور رنج ہے۔ اور اوسکو دفن بوجہ ضرورت کے کر دیتے ہین تو اسکا جواب یہ ہے کہ حضرت جب عشق ہوتا ہے تو ساری مصلحتین اور ساری ضرورتین ہیچ ہو جاتی ہین اور سب سے بڑی ضرورت عشق ہی کی اور اوسکے مقتضیات کی ہوتی ہے۔ آخر دیکھو کیا اپنی آبرو کی حفاظت کی اور بدنامی سے بچنے کی ضرورت نہین ہوتی لیکن پھر بھی اوس عشق اور محبت کے سامنے کسی چیز پر بھی نظر نہین ہوتی۔ بلکہ صرف محبوب پیش نظر رہتا ہی۔ اور اوس کی یاد مین نہ اپنے بدنام ہونیکا خوف اور نہ کسی شے کا بس وہ ملنا چاہتا ہے تو جب یہ بات ہے تو پھر تو اوسکی لاش کو ضرور رکھتے۔ اور ان ساری ضرورتون پر خاک ڈالتے۔ لیکن دیکھا جاتا ہے کہ اگر کہین یہ عاشق صاحب رات کو مردہ معشوق کے پاس ہون تو بھاگتے نظر آوین۔ جب یہ بات ہی تو معلوم ہو گیا کہ عشق صورت پر ہرگز نہ تھا بلکہ کسی کمال پر تھا اور یہ قلق اور رنج عالم بھی اوس کمال ہی کے گم ہو جاتے پر ہے۔ یہان ایک صاحب نے حضرت دام ظلہم سے دریافت کیا کہ مثنوی گلزار ابراہیم مین جو قصہ لکھا ہے کہ حضرت ادہم اوس شہزادی کی نعش کو نکال کر لیگئے تھے اور اوسکو اپنے ویرانہ مین رکھکر اوسکو خطاب کر رہے تھے۔ کہ عہد گر تجھکو وفا کرنا نتھا + مجھکو زندہ چھوڑ کر مرنا نہ تھا + جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اونھون نے تو لاش بھی نکال لی اور یہ ضرور عاشق صورت ہی تھے۔ جواب یہ ارشاد ہوا کہ اول تو یہ شاذ ونادر ہے اور النادر کالمعدوم کے حکم مین ہے اور اگر شاذ نہ کہا جاوے تو جواب یہ ہے کہ وہ مردہ بھی نہ تھی بلکہ وہ سکتہ مین مبتلا تھی اسلئے اوسکے اندر ایک قسم کی کشش اسوقت بھی باقی تھی وہی کشش اون کی رہبر ہوئی۔ اور اون کو اس امر پر مجبور کیا۔ اور یہان بحث ہے اوس سے جو مردہ ہو۔ کہ اسوقت اوس صورت مین کشش باقی کیون نہین رہی حالانکہ صورت مین کوئی تغیر نہین آیا اسی کو فرماتے ہین کہ۔

صورتش برجاست الخ۔ یعنی اوسکی صورت تو اپنی جگہ پر بلا کسی تغیر وتبدل کے قائم ہی۔ پھر یہ سیری (اور اکتانا) کس چیز کے سبب سے ہے تو اے عاشق تو دیکھ کہ تیرا معشوق (حقیقت مین) کون ہے۔ اسلئے کہ اگر صورت ہوتی تو وہ تو موجود ہے مگر اوس سے اکتاتے کیون ہو جب اوس سے گبھراتے ہو تو معلوم ہو گیا کہ معشوق اور ہی کچھ ہے۔ پس اوسکو دیکھنا اور اوسکو طلب کرنا چاہیے۔ اور اسکو ترک کر دینا چاہیے۔ آگے ایک اور دلیل اپنے دعوے پر بیان فرماتے ہین کہ۔

آنچہ محسوس ست الخ۔ یعنی جو چیز کہ محسوس ہے اگر (وہی) معشوقہ ہو تو ہر وہ شخص جسکو حس ہوتی عاشق ہو جاتا۔ مطلب یہ کہ اگر محسوس شئے معشوقہ ہوا کرتی اور عشق صورت پر ہی ہوتا تو پھر تو جسکو حس ہوتا وہی اوس پر عاشق ہوتے اور حس حیوانات کو بھی ہی۔ اسلئے کہ اوس شخص کے معشوق کو آنکھ سے وہ بھی دیکھتے ہین تو وہ بھی اوس معشوق پر عاشق ہو جاتے۔ اور اوسکے رقیب گائے بھینس بیل گھوڑے ہوا کرتے۔ (سبحان اللہ کیا نفیس رقابت ہے) حالانکہ یہ چیزین عاشق نہین ہوتین۔ تو معلوم ہوا کہ انسان کے عاشق ہونیکی کوئی اور وجہ ہے۔ اور کوئی اور شے ہے

جوان حواس ظاہری سے مدرک نہین ہی - بلکہ عقل سے مدرک ہی - اور عقل حیوانات مین ہو نہین - پس عشق بھی نہین - لہذا معلوم ہوگیا کہ صورت ہرگز معشوق نہین ہے - آگے ایک اور دلیل اسکی فرماتے ہین کہ -

چون وفا آن الخ - یعنی جبکہ وفا اوس عشق مین زیادتی کرتی ہی تو وفا صورت کو دگرگون کب کرتی ہی - مطلب یہ کہ دیکھو جب محبوب کی طرف سے وفا ہوتی ہے اور اس طرف سے بھی محبت ہو تو پھر کسقدر الفت اور محبت باہم بڑھتی ہی - جیسے کسی نے کہا ہے کہ ؎ الفت کا جب مزہ ہے کہ وہ بھی ہون بیقرار + دونون طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی ۱۲ تو اس وفاداری نے صورت کو تو ذرا بھی نہین بدلا - پھر محبت کیون بڑھتی ہی - معلوم ہوگیا - کہ عشق کمالات پر ہے اور کیونکہ وفا بھی ایک کمال ہے اس لئے وفا ہونے سے محبت زیادہ ہوتی ہے - اور اصل کمالات کی حق تعالیٰ ہین اور جامع کمالات بھی وہی ہین - اور کل کمالات اون مین بطریق اتم و احسن موجود ہین - لہذا اوس کامل کے ساتھ عشق اور محبت چاہیے - اور ان مجازی محبوبون کو جو کہ اوسی کا پرتو اور سایہ ہین اور اوسیکے تابع ہین علحدہ اور الگ کرد - اور غلطی اوسیوقت تک ہی جبتک کہ اصل کو دیکھا نہین - ورنہ اگر اصل کو دیکھ لیتے تو پھر ان مجازی اور مستعار اشیاء کے درپے نہوتے - اسکو ایک مثال سے واضح فرماتے ہین کہ -

پرتو خورشید الخ - یعنی خورشید کا سایہ دیوار پر چمکا تو مستعار چمک دیوار نے بھی پالی - پس اگر کوئی اس دیوار کو منور دیکھ کر اوسیکو محبوب سمجھے اور اوسپر عاشق ہو جاوے - اور اوس چمک کو خاصہ اوسکی ذات کا سمجھ کر اوسیکا ہو رہے تو ظاہر ہے کہ وہ غلطی پر ہے - اور ہر شخص اوس سے یہی کہیگا کہ جو چیز اصل ہے اور جسکا یہ عکس ہے یعنی آفتاب اوسکو دیکھو اور اوس سے لو لگاؤ - پس اسیطرح ماسوی اللہ جسقدر عالم ہین اور ان مین جسقدر کمالات ہین وہ سب اوسی کامل کا عکس اور سایہ ہی اور اصل کمال اوسکے اندر ہی اوسکو چھوڑ کر اوسکے عکس کی طرف توجہ کرنا اور اوس شئی کو اصل اور ان کمالوں کو اوسکی ذاتیات سے سمجھنا صریح غلطی ہے - بلکہ اصل تو یہ ہے کہ ؎ حسن خویش از روئے خوبان آشکارا کردۂ + پس بچشم عاشقان خود را تماشا کردۂ ۱۲ اصل مین تو جمال حق ہی اور اوس جمال کا عکس محبوبان مجازی پر پڑ رہا ہی - اسوجہ سے یہ بھی محبوب و مطلوب بظاہر نظر معلوم ہوتے ہین - آگے بھی اسی مضمون کو فرماتے ہین کہ -

بر کلوخے دل چہ الخ - یعنی اے بھلے آدمی کلوخ پر کیا دل باندہتے ہو اور اس سے کیا تعلق پیدا کرتے ہو بلکہ اوس اصل کو طلب کرو اور اوسکی تلاش کرو جو کہ ہمیشہ اور ہر آن چمکتی ہی - مطلب یہ کہ ان محبوبان مجازی سے جو کہ مشابہ دیوار اور کلوخ کے ہین دل مت لگاؤ - حق تعالیٰ سے جو کہ اصل ہونے مین مثل خورشید کے ہین تعلق پیدا کرو - یہان تک تو صورت پرستون کی غلطی تبائی تھی آگے اہل سلوک اور صوفیون کی غلطی بتاتے ہین - کہ اگر کسیکو شبہ ہو کہ یہ جو کہا ہی کہ اصل حق تعالیٰ ہے اور اوس کا پرتو مخلوق پر پڑا ہے جسکی وجہ سے یہ حسین اور باجمال نظر آتی ہے تو ہم بھی اس شخص مین اوس کامل کی تجلی اور اوسیکے جمال کو دیکھ رہے ہین - اور ہمارا مقصود اصلی جمال حق کو دیکھنا ہی - اور یہ صورت محض آلۂ رویت ہے پس اون کی غلطی کو بیان کرتے ہین - اور اون کا جواب دیتے ہین - حاصل جواب کا یہ ہی کہ حقیقت مین تو بے شک یہی ہی اور اوسی اصل کا پرتو ہر شئے پر پڑ رہا ہی مگر تمہارا یہ قول کہ ہمارا مطمح نظر بالقصد حق تعالیٰ ہین غلط ہی اسلئے کہ اگر وہ خوبیان اور کمالات جنپر کہ یہ شخص عاشق ہی اور جنکو کہ حق تعالیٰ کے کمالات کا پرتو اور عکس خیال کرتا ہے کسی دوسرے شخص مین بھی موجود ہون اوس شخص پر بھی یہ کیون عاشق نہین ہوتا - جیسے کہ مثلاً کسیکا محبوب بہت ہی

وفادار ہے اور اوسکی وجہ سے یہ شخص اوسپر عاشق ہے اور کہتا ہے کہ اصل مین تو ایفاء عہد صفت ہے حق تعالیٰ کی لیکن
چونکہ اوسکا عکس اسمین بھی اس صورت سے آیا ہے کہ یہ وفادار ہوگیا ہے اس لئے ہم اسپر عاشق ہین پس اگر یہی کمال
کسی دوسرے مین بھی ہو اوسپر کیون عاشق نہین ہوجاتے۔ اور اگر مان لین کہ تمھاری نظر مین صرف اسی کے اندر یہ صفات
پائی جاتی ہین اور دوسرون مین نہین ہین تو پھر اسکی وجہ بتاؤ کہ جب تمھارا معشوق ذرا بڑا ہوا اور دو ایک بال نکلے
اور صورت بگڑی بس اوس سے نفرت شروع ہوگئی۔ اوس سے طبیعت سیر ہوگئی۔ حالانکہ اب اوسکے اندر وہ صفت
بدرجہ اولیٰ اور بطریق اتم موجود ہے کیونکہ پہلے تو بہت خریدار تھے۔ اب کون ہے بس اب تو جو بھی ذرا اوس سے محبت
کریگا وہ اوسکے ساتھ ہونے کو تیار اور ہر طرح سے اوس کی خوشامد کو موجود ہے جیسا کہ مشاہد ہے پھر اوس سے وہ محبت عشق کیون
نہین ہے۔ حالانکہ وہ صفت پوری طرح پر موجود ہے۔ معلوم ہوگیا کہ حضرت بھی صورت ہی پر عاشق ہین اور
یہ صفات وغیرہ کا بہانہ ہی ہے۔ اور یہ سارا نفس کا کید ہے۔ اب سمجھو کہ مولانا اسکو فرماتے ہین کہ۔
ایکہ تو ہم عاشقی الخ۔ یعنی اے وہ شخص کہ تو بھی اپنی عقل پر عاشق ہے۔ اور اپنے کو صورت پرستون سے زیادہ
جانتا ہے۔ عقل کو مشابہت حق تعالیٰ سے اصل ہونے مین ہے اب سمجھو کہ فرماتے ہین کہ اے شخص تو جو یہ سمجھتا ہے
کہ صورت پرست تو غافل عن الحق ہین لیکن مین متوجہ بحق ہون اور میری توجہ کا آلہ یہ صورت ہے کہ مجھے اسمین
جمال الٰہی کا مشاہدہ ہورہا ہے۔ بس یہ تیری غلطی ہے اور نفس کا کید ہے۔ اور اصل مین تو بھی عاشق صورت
ہی ہے جیسا کہ معشوق کے بوڑھے یا بدصورت ہوجانے کے بعد اوسکی صورت مین وہ جمال ظاہری نہین رہتا
اس لئے وہ عشق بھی نہین رہتا۔ حالانکہ اور ساری خوبیان درجہ کمال پر ہوتی ہین۔ اور بعض مرتبہ وہی بات
کسی دوسرے مین ہوتی ہے مگر اسطرف اوس کو التفات بھی نہین ہوتا حکایت۔ ایک مرتبہ بقراط نے راستہ
مین ایک صوفی کو دیکھا کہ بیہوش پڑا ہے پوچھا کہ اس کی کیا حالت ہے معلوم ہوا کہ کسی حسین صورت کو دیکھ لیا
ہے۔ اسلئے یہ حالت طاری ہے۔ بقراط نے کہا کہ مجھ بڈھے کو دیکھو۔ اس کو کبھی حق تعالیٰ کے کمالات کا استحضار
نہوا۔ بھلا خوب صورت ہی کو دیکھکر احساس ہوا۔ پس اپنے اپنے نفس کو ٹٹولکر دیکھ لو کہ کیا کہتا ہے یہ ساری خرابی
مستی کی ہے اگر وہ وعیدین جو نگاہ بد کے متعلق وارد ہین مستحضر ہون اور حق تعالیٰ کا خوف دلمین ہو پھر دیکھین
کہ یہ مستیان کہان جاتی ہین۔ اور اسکا مشاہدہ دنیا مین ہے کہ جب تک عیش آرام ہے جب ہی تک سارے
لطف سوجتے ہین اور اگر ابھی کوئی مقدمہ وغیرہ قائم ہوجاوے۔ اسوقت اوس معشوق کی یہ بھی خبر نہین
ہوئے کہ کہان ہے اور کہان نہین بس نفسی نفسی کی پڑجاتی ہے اسی کو ایک جگہ مولانا فرماتے
ہین کہ ؎ عشق نبود آنکہ بر مردم بود + این ہمہ از خوردن گندم بود + ایک اور جگہ فرماتے ہین کہ ؎
عشقبازی کز پے رنگے بود + عشق نبود عاقبت ننگے بود + بیچ ہے انجام کار ننگے ہی ہوجاتے ہین۔ پس
معلوم ہوا کہ صورت قابل عشق و محبت کے نہین ہین اور اس کے ساتھ ذرا سا تعلق بھی مانع عن الحق ہے
سواس کو نہ مرآۃ قرار دے نہ کچھ بس متوجہ الی الحق ہو اور ان سبکو غیر سمجھے اور ان کی طرف توجہ کو شرک
فی الطریق خیال کرے۔ آگے پھر مضمون بالا کی طرف یعنی صورت پرستون کی غلطی کی طرف رجوع
فرماتے ہین کہ۔

پرتو عقل ست الخ۔ یعنی (اے صورت پرست تجھکو جو صورت اچھی اور حسین معلوم ہوتی ہے یہ بھی) تیری حس پر عقل ہی کا سایہ ہے۔ اور اپنے تانبے پر سونے کو عاریت سمجھو۔ مطلب یہ کہ یہ جو حسن صورت اور خوبی ظاہری ہے یہ بھی اُس کامل ہی کا سایہ ہے۔ اور اِس سایہ کی وجہ سے ہی تمکو یہ صورت بھی حسین معلوم ہوتی ہے۔ پس تم اِس خوبصورتی کو جو کہ ایک جھول کی طرح اوپر سے حسین معلوم ہوتی ہے۔ مانگی ہوئی اور ناپائدار شے سمجھو۔ آگے اِسکی توضیح فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

چون زر اندودست خوبی در بشر — ورنہ چون شد شاہد تو پیر خر

چون فرشتہ بود ہمچون دیو شد — کان ملاحت اندرو عاریہ بُد

اندک اندک می ستانند زان جمال — اندک اندک خشک می گردد نہال

رو نُعَمِّرْہُ نُنَکِّسْہُ بخوان — دل طلب کن دل منہ بر استخوان

کان جمالِ دل جمالِ باقی ست — دو لبش از آب حیوان ساقی است

خود ہم او آب و ہم او ساقی و مست — ہر سہ یک شد چون طلسم تو شکست

آن یکے را تو ندانی از قیاس — بندگی کن ژاژ کم خا ناشناس

معنی تو صورت ست و عاریت — بر مناسب شادی و بر قافیت

معنی آن باشد کہ بستاند ترا — بے نیاز از نقش گرداند ترا

معنی آن نبود کہ کور و کر کند — مر ترا بر نقش عاشق تر کند

آدمی مین جو جمال ہے وہ ایسا ہے جیسے ملمع کی ہوئی شے۔ کہ ظاہر کچھ اور ہے اور حقیقت کچھ اور۔ اِس لیے کہ اگر وہ فی حد ذاتہ ایسا ہی ہوتا۔ جیسا دکھلائی دیتا ہے۔ تو کیا وجہ ہے کہ تیرا معشوق بڈھا ہو کر بڈھا گدھا بنجاتا اور وہ صفت ذاتی کیونکر مسلوب ہو جاتی۔ دیکھو وہ معشوق پہلے فرشتہ کی طرح محبوب و مطلوب تھا اب شیطان کی طرح مبغوض و مردود ہو گیا کیون؟ محض اِس لیے کہ وہ نمک جو عشاق کے دلون کو لذت بخشتا اور اپنی طرف کھینچتا تھا مستعار و عارضی تھا۔ اب واپس لے لیا گیا۔ لیکن وہ جمال عموماً دفعۃً سلب نہین کر لیا جاتا۔ بلکہ حق سبحانہ اُس کو رفتہ رفتہ لیتے ہین اور وہ نونہال رفتہ رفتہ سوکھتا ہے۔ اور ہر حسین کے لیے جب کہ وہ عمر طبعی کو پہونچے ایسا پیش آنا ضروری ہے۔ باور نہ ہو تو جا کلام اللہ مین وَمَنْ نُّعَمِّرْہُ نُنَکِّسْہُ فِی الْخَلْقِ پڑھ اور دیکھ کہ اِسکی تصدیق ہوتی ہے یا نہین۔ پس جب کہ یہ حسن ظاہری زائل اور فنا ہونیوالا ہے تو ہڈی کو چھوڑ اس سے دل نہ لگا بلکہ دل کو طلب کر کہ وہی مستحق مطلوبیت ہے (اِس شعر مین حسینان جہان کو بلکہ ماسوی اللہ کو ہڈی سے تشبیہ دی بوجہ اِس کے نقص اور احتیاج الی القلب کے اور حق سبحانہ کو دل سے مشابہت دی بوجہ اسکے محتاج الیہ اور مایہ البقاء اور اشرف و اکمل ہونے کے) کیونکہ ماسوی اللہ کا جمال زائل اور فانی ہے۔ اور حق سبحانہ کا جمال باقی ہے۔ اور اُسکے دو لب (یعنی اُسکی عنایت)

اپنے طالبین کو حیات جاودانی روحانی بخشنے والا پانی پلاتے ہین اور عام معشوقون کے لب اپنے عشاق کو حیات جسمانی وہ بھی اُنکی خیالی اور فرضی عطا کرتے ہین۔ تو کجا وہ لب۔ کجا یہ۔ جب تیرا طلسم خودی ٹوٹ جائیگا اور تو فانی فی مرضیات الحق ہو جائیگا تو پھر تجھے وہ مرتبہ حاصل ہو جائیگا کہ بی یسمع و بی یبصر الخ اور اسوقت ساقی۔ و شراب و مستی تینون ایک ہو جائینگے۔ مگر یہ اتحاد ذاتی نہ ہوگا بلکہ ایک خاص ربط ہوگا جسکو اتحاد سے تعبیر کر سکتے ہین۔ اور ایسے وقت مین اتحاد کا اطلاق متعارف بھی ہے چنانچہ جب دو شخصون مین اس قسم کا تعلق ہو کہ ہر شخص دوسرے کی مرضی کا تابع ہو تو کہتے ہین کہ ان دونون مین اتحاد ہے۔ اور یہ دونون ایک ہین۔ ہمارے اس بیان کی حقیقت تجھپر عقل سے پورے طور پر منکشف نہین ہو سکتی۔ بلکہ اطاعت کر اور اپنے کو مرضیات حق سبحانہ مین فنا کر دے تب ذوقًا معلوم ہو سکتی ہے۔

پس فضول بکواس مت کر کیونکہ لفاظی سے کام نہین چلتا اور تو جو مدعی ہے کہ ہم صورت پر عاشق نہین بلکہ معنی پر عاشق ہین اور مراۃ مین مرئی کا مشاہدہ کرتے ہین۔ یہ بھی تیری ژاژ خائی اور بکواس ہے۔ کیونکہ تیرا معنی صورت اور حسن مستعار ہی ہے اور تناسب اعضا اور اُنکی موزونیت ہی پر تجھے خوشی ہوتی ہے ورنہ مرأتیت کے لیے تناسب اعضا اور انکی موزونیت کیا ضرور ہے۔ محقق ہمان بیند اندر ابل + کہ در خوبرویان چین و چگل معنی وہ ہین جو کامل طور پر تجھے اپنی طرف کھینچ لین اور صورت سے بالکل مستغنی کر دین معنی کا یہ کام نہین کہ حقیقت بینی اور استماع سخن حق سے تجھے روک کر اندھا بہرا کر دے۔ اور تجھے صورت پر پہلے سے زیادہ عاشق کر دے۔

کور را قسمت خیال غم فزاست ۔ بہرہ چشم این خیالات فناست

حرف قرآن را ضریران معدنند ۔ خر نہ بینند و بہ پالان برزنند

چون تو بینائی پے خر رو کہ جست ۔ چند پالان دوزی ای پالان پرست

خر چو ہست آید یقین پالان ترا ۔ کم نگردد نان چو باشد جان ترا

خر چہ باشد کم نیاید اے عمو ۔ خرگو یہ پشتش زو نہد پالان او

پشت خر دکان و مال و مکسب است ۔ جان تو سرمایہ صد قالب است

بات یہ ہے کہ اس قسم کے خیالات اور بزعم حقیقت بینی صورت پرستی کرنا جو کہ ایک وقت مین اس کے لیے غم و حسرت افزا ہونگے اندھون ہی کا حصہ ہین۔ کیا یہ خیالات فانیہ چشم حقیقت بین کا حصہ ہو سکتی ہین ہرگز نہین یا یون کہو کہ چشم حقیقت بین کا حصہ تو انکی فنا کا خیال ہے۔ (پہلی صورت مین مصرع ثانیہ استفہام انکاری ہوگا۔ اور دوسری صورت مین خبریہ) بات یہ ہے کہ جو لوگ حقیقت پر نظر رکھتے ہین وہ مقصود بالعرض کو مقصود بالذات نہین سمجھتے جو لوگ مقصود بالعرض کو مقصود بالذات سمجھ لین وہ اندھے اور احمق ہین۔ چنانچہ الفاظ قرآنی ہی پر اکتفا کرنا اور انہین کو مقصود بالذات سمجھنا اندھون کا کام ہے اور حقیقت بین الفاظ کو مقصود بالعرض اور انکے مدلول و مقصود کو مقصود بالذات بالنسبۃ الی الالفاظ سمجھتے ہین۔ اور قرب حق کے لحاظ سے معانی کو مقصود بالعرض اور قرب کو مقصود بالذات جانتے ہین اور جو لوگ گدھے کو نہین دیکھتے

اور پالان پر حملہ کرکے اسکو لینا چاہتے ہین وہ احمق ہین کیونکہ پالان گدھے کے لیے مقصود ہے ۔ نہ کہ خود ۔ پس اگر تو چشم حقیقت مین رکھتا ہے تو گدھے کو پکڑ کہ وہ بھاگا جاتا ہے ۔ اور مقصود بالذات کو طلب کر کہ فوت ہوا جارہا ہے ۔ ارے تو پالان کب تک سیتا رہے گا اور مقصود بالعرض مین کب تک پھنسا رہیگا احمق گدھا سلامت ہے تو پالان یقیناً ملجائیگا ۔ جان سلامت ہے تو روٹی بہت ۔ جب گدھا ہے تو پالانون کی کمی نہین ۔ کہین سے نہ کہین سے آکر اسکی پیٹھ پر رکھا ہی جائیگا ۔ اب سمجھو کہ گدھا گو پالان کی نسبت مقصود ہے ۔ مگر خود مقصود نہین ۔ کیونکہ اسکی کمر ذریعہ ہے مال اور کسب کا اس لیے مقصود بالعرض ہے اور اصل مقصود جان ہے کہ وہ سرمایہ ہے سوتابون کا ۔ پس گدھے کی خبرگیری جان کی حفاظت کے لیے ہونی چاہیے ۔ اور اس طرح اسمین مشغول نہ ہونا چاہیے کہ جان ہی خطرہ مین پڑ جاوے ۔ بنابرین معانی قرآن مین اشتغال قرب حق کے لیے ہونا چاہیے ۔ اور انمین اس طرح مشغول نہ ہونا چاہیے کہ قرب حق ہی فوت ہو جاوے ۔

خر برہنہ بر نشین اے بوالفضول	خر برہنہ نہ کہ راکب شد رسول
النبی قد رکب معروریا	والنبی قد قیل سافر ماشیا
بلکہ آن شہ بس پیادہ رفتہ است	بار این و آن بسے بذرفتہ است

اوپر بیان کیا تھا کہ مقصود بالعرض کے خاطر مقصود بالذات کو نہ چھوڑنا چاہیے ۔ کیونکہ جب مقصود بالذات حاصل ہوگا ۔ تو مقصود بالعرض خود حاصل ہو جائیگا ۔ اور اس مضمون کو گدھے اور پالان کے عنوان سے بیان کیا تھا اب فرماتے ہین کہ اگر مقصود بالعرض مقصود بالذات کے لیے موقوف علیہ نہ ہو ۔ اور حاصل بھی نہ ہو تب بھی کچھ حرج نہین ۔ مثلاً گدھا مقصود بالذات ہے ۔ اس لیے اسکو نہ چھوڑنا چاہیے ۔ رہا پالان سو وہ یا تو خود ہی حاصل ہو جائیگا اور اگر نہ بھی حاصل ہوا تو بھی حرج نہین ۔ کیونکہ گدھے سے انتفاع نہ عقلاً پالان پر موقوف ہو ظاہر اور نہ شرعاً ۔ کیونکہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم گدھے کی ننگی پیٹھ پر سوار ہوے ہین آگے ترقی کرکے فرماتے ہین کہ اگر کوئی شے دوسری شے کے لحاظ سے تو مقصود بالذات ہو مگر فی حد ذاتہ مقصود نہ ہو وہ بھی اگر مقصود اصلی کے لیے موقوف علیہ نہ ہو اور فوت ہو جائے ۔ تو مضائقہ نہین ۔ مثلاً گدھا گو پالان کے لحاظ سے بمنزلہ مقصود بالذات کے ہے ۔ مگر فی نفسہ مطلوب نہین ۔ بلکہ وصول الی المقصود کے لیے مقصود ہے سو اگر گدھا بھی نہ رہے اور پیدل ہی چلنا پڑے تو بھی حرج نہین ۔ عقلاً تو ظاہر ہے ۔ شرعاً اس لیے کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خود پیادہ پا چلے ہین ۔ جیسا کہ منقول ہوا ہے ۔ اور ایسا کوئی اتفاقی طور پر نہین ہوا بلکہ اکثر ہوا ہے اور خود صرف پیدل ہی نہین چلے بلکہ دوسرونکا بار بھی رحمۃً و شفقۃً اپنے اوپر لاد کر چلے ہین ۔

شرح شبیری چون زر اندر دوست الخ ۔ یعنی انسان مین خوبصورتی سونے کی جھول کی طرح ہے (جو کہ اصل مین تو تانبا ہے اور اوپر سے سونا معلوم ہوتا ہے) اور اگر (ایسا) نہین ہے ۔ (اور تم اس حسن کو صفت ذاتی انسان کی سمجھتے ہو تو یہ بتاؤ) کہ تمھارا معشوق (تھوڑے دن بعد) بوڑھا گدھا کیون ہو جاتا ہے ۔ بوڑھا گدھا کہنے مین بیکار ہونے سے تشبیہ ہے ۔ یعنی بعد ایک مدت کے

وہ اوسکا سارا حسن وجمال کہان جاتا رہتا ہی۔ اور اسوقت خود یہ عاشق ہی صاحب کیون اس سے نفرت کرنے لگتے ہین۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ساری حسن وخوبی عاریت اور ناپائدار تھی اسکو پھر فرماتے ہین کہ۔

چون فرشتہ بود الخ۔ یعنی (پہلے تو وہ معشوق) فرشتہ کی طرح تھا (اور اب) دیو کی طرح ہوگیا۔ (بس معلوم ہوا کہ وہ ملاحت (اور حسن) اوسمین عاریۃً تھا۔ اور اوس کی صفت ذاتی اور اصلی نہ تھی۔ اور یہ ساری ملاحت حسن جاتے رہنے کی وجہ یہ ہے کہ۔

اندک اندک الخ۔ یعنی حق تعالیٰ اوس سے تھوڑا تھوڑا حسن وجمال (سلب فرما) لیتے ہین۔ (جیسے کہ) شاخ تھوڑی تھوڑی سوکھتی ہے مطلب یہ کہ جسطرح شاخ تھوڑی تھوڑی سوکھتی ہے۔ آخرکار بالکل خشک ہوجاتی ہے۔ اسی طرح اوس حسن وجمال عارضی کو اوس معشوق سے لیتے رہتے ہین۔ حتے کہ بالکل سلب فرمالیتے ہین۔ اور پھر اوسی بوڑھے گدھے کی طرح اور دیو کی طرح ہوجاتا ہے۔ اور اس کی دلیل (کہ حق تعالیٰ تھوڑا تھوڑا سلب فرمالیتے ہین) قرآن شریف مین بھی موجود ہے اسکو مولانا فرماتے ہین کہ۔

رو نعمّرہ ننکسہ الخ۔ یعنی جاؤ اور آیت من نعمرہ ننکسہ فی الخلق (جسکو ہم عمر دیتے ہین اوسکو لوٹا دیتے ہین پیدایش کی طرف) کو پڑھو اور دل (یعنی حق تعالیٰ) کی طلب کرو (اور اس سے تعلق پیدا کرو) اور ہڈیون پر دل مت رکھو (کہ فضول چیز ہے) مطلب یہ کہ ہم نے جو کہا ہے کہ حق تعالیٰ احسن وجمال مین سے تھوڑا تھوڑا لیتے رہتے ہین اوسکی دلیل یہ ہے کہ قرآن شریف مین موجود ہے کہ ومن نعمرہ الخ یعنی جسکی عمر ہم دراز کرتے ہین اوس کو پیدایش کی طرف راجع فرمادیتے ہین اور جسطرح بچپن مین مجبور اور محتاج تھا ویسا ہی کردیتے ہین۔ پس دیکھو جسطرح اوس کے اور قوی مضمحل ہوتے ہین اور ساری قوتین زائل ہوتی ہین اسی طرح یہ حسن وجمال ظاہری بھی معدوم ہوجاتا ہے۔ پس جبکہ یہ حسن ظاہری اسقدر ناپائدار شے ہی تو اس سے قطع تعلق کرو۔ اور اس گوشت پوست سے محبت مت کرو بلکہ حق کی طرف متوجہ ہو۔ اور یہان حق تعالیٰ کو تشبیہ دل کے ساتھ عمدہ اور مطلوب اور مقصود ہونے مین ہے کہ جسطرح اور اعضاء کے سامنے دل محبوب ہوتا ہے اور جب کوئی خوف وغیرہ ہوتا ہی تو اول حفاظت قلب کی فکر پڑتی ہے اور تمام اعضا اوسی کی طرف متوجہ ہوجاتے ہین۔ (اور یہ مشاہد ہے کہ جب کوئی خوف وغیرہ ہو تو سارے اعضاء سمٹکر قلب کی طرف ہوجاتے ہین۔) اسیطرح حق تعالیٰ کی طرف توجہ مطلوب اور وہی مقصود بالذات تمام عالمین سے ہین۔ آگے دل طلب کرنے کی وجہ بتاتے ہین اور اوسکی ضرورت کو بیان کرتے ہین کہ۔

کان جمال دل الخ۔ یعنی (حق تعالیٰ کی طلب اسلئے ضروری ہے) کہ اوس دل (حق تعالیٰ) کا جمال جمال باقی ہے۔ اور حق تعالیٰ کے دو لب آب حیوان (یعنی زندگی) کے پلانے والے (یعنی عطا کرنے والے) ہین۔ دو لب کہنا مجاز ہے۔ مطلب یہ کہ چونکہ حق تعالیٰ کا جمال باقی ہی اور جسقدر جمال وکمال ہین سب فانی ہین۔ اور اوسی کے حکم سے (جو کہ عادۃً دنیا مین دو لب سے دیا جاتا ہے) زندگی ملی ہی۔ اور وہی اس زندگی کا عطا کرنیوالا ہے پس اوسیکو طلب کرنا چاہیے۔ اور سبکو ترک کردینا ضروری ہے بلکہ یہ تعلق ماسوا غیر جب ہی تک ہے جب تک کہ تمہاری آنکھون پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ اور تم حقیقت سے غافل اور جاہل ہو ورنہ یہ سب چیزین بالکل کالعدم ہین اور

اصل وجود اوسی ذات کا ہے۔ اسکو فرماتے ہین کہ۔

خود ہم او آب الخ۔ یعنی خود وہی (حق تعالیٰ) پانی بھی ہین۔ اور وہی ساقی ہین اور وہی مست ہین۔ اور جبکہ تمھارا طلسم (جسم) ٹوٹ جاویگا تو (معلوم ہوگا کہ) یہ تینون ایک ہی ہین۔ یہان کوئی صاحب یہ نہ سمجھین کہ ایک ہونے سے مراد اتحاد ذات ہے اور مطلب یہ ہو کہ (نعوذ باللہ) ذات آب اور ذات ساقی اور ذات مست سب ذات حق کے عین ہین۔ نعوذ باللہ تعالیٰ اللہ عن ذالک علوا کبیرا۔ یہ مطلب ہرگز ہرگز نہین ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جسکو حق تعالیٰ کی عظمت شان کا استحضار ہوگا اور اوسکو وجود حق پیش نظر ہوگا۔ تو دیگر اشیاء کا وجود کالعدم معلوم ہوگا۔ اور ہر وقت اس شخص کو حق تعالیٰ ہی کی طرف توجہ ہوگی۔ اور جس شے کو دیکھے گا اوسی کی کاریگری اور صناعی اور قدرت کا مشاہدہ کریگا لیکن اوس ذات وحدہٗ لاشریک کی معرفت ان بیہودہ گوئیون مین اور تعلق ماسوی اللہ سے رکھکر حاصل نہین ہو سکتی بلکہ اوس کی تدبیر عبادت اور اطاعت حق ہے۔ آگے مولانا اسکو فرماتے ہین کہ۔

آن یکے را تو الخ۔ یعنی اوس ایک کو تم قیاس سے (اور دلائل عقلیہ سے پوری طرح) نہین جان سکتے۔ (بلکہ) عبادت کرو اور بیہودہ (اور فضول) کام مت کرو اے ناشناس۔ مطلب یہ کہ اوس ذات کو جسکے وجود کے سامنے تمام اشیاء بالکل ناپید اور معدوم کے مثل ہین ان حواس ظاہری سے پہچاننا اور دیکھ لینا غیر ممکن ہے بلکہ اطاعت اور بندگی کرو اسی سے تمکو اس کی معرفت حاصل ہو جاوے گی۔ آگے پھر رجوع ہے اس مضمون کی طرف جس مین کہ سالکون کی غلطی بتائی تھی کہ تم جو کہتے ہو کہ ہم صورت کے عاشق نہین ہین غلط ہے اسکو فرماتے ہین کہ۔

معنی تو صورت الخ۔ یعنی تیری معنی صورت ہین اور عاریۃ ہین (اس لئے کہ تجھکو) تناسب (اعضاء معشوق) پر قافیہ پر خوشی ہو رہی ہے قافیہ سے مراد بھی تناسب ہی ہے۔ مطلب یہ کہ جس کو تم معنی سمجھ رہے ہو وہ بھی اصل مین صورت ہی ہے۔ اور حقیقۃً تم صورت ہی پر عاشق ہو اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جب محبوب کے اعضاء مین تناسب ہوتا ہے اور وہ ایک دوسرے کے مناسب ہوتے ہین تو تم کو خوشی ہوتی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ تم صورت ہی پر عاشق ہو۔ اور جنکو تم معنی سمجھے ہو وہ معنی نہین ہین بلکہ معنی اور شئے ہے اسلئے کہ۔

معنی آن باشد الخ۔ یعنی معنی تو وہ (چیز) ہین کہ تجھکو (تجھ سے) لے لین (اور تجھے اپنی بھی خبر نہ رہے) اور تجھے نقوش (ظاہری) سے بالکل بے نیاز اور بے پرواہ کر دے۔ اور وہ معنی ایسی نہین ہوتے کہ تجھے نقوش ہی مین لگائے رکھین اور مقصود کی طرف متوجہ ہی نہ ہونے دین سا اسی کو فرماتے ہین کہ۔

معنی آن نبود الخ۔ یعنی معنی (حقیقت) وہ نہین ہوتے جو کہ تجھے (حق کے دیکھنے اور سننے سے) اندھا اور بہرا کر دین اور تجھے نقش پر اور زیادہ عاشق کر دین۔ بلکہ حقیقت اور اصل تو وہ شے ہے کہ سب سے علٰحدہ کر کے اپنی ہی طرف متوجہ کر لیتی ہے۔ آگے مولانا فرماتے ہین کہ

کور را قسمت خیال الخ- یعنی اندھے کی قسمت (اور حصہ) مین توغم بڑھانے والے خیالات ہی ہین اور چشم (ظاہری) کا حصہ فانی اشیا (کا دیکھنا اور اوسی مین لگا رہنا) ہے بس تم اندھے کیون بنتے ہو بینا بنو اور حقیقت کو دیکھ او کی طرف متوجہ ہو ورنہ تمھارے ایسی مثال ہو کہ-

حرف قرآن الخ- یعنی (جیسے کہ) قرآن شریف کے حروف کے اندھے معدن ہوتے ہین (اور ان کو حروف خوب ازبر یاد ہوتے ہین مگر معانی خاک بھی نہین سمجھتے تو یہ اوس کی برابر کب ہو سکتے ہین جسکو الفاظ بھی یاد ہون اور معانی کو بھی سمجھے- اور جیسے کہ) گدھے کو تو نہ دیکھین اور پالان پر حملہ کرین- مطلب یہ کہ اگر تم حقیقت سے کور اور اندھے ہو گئے تو تمھاری ایسی مثال ہو کہ جیسے اندھے کو قرآن کے حروف یاد ہوتے ہین اور معانی کو وہ نہین جانتا- یا جیسے کوئی شخص گدھے کو تو دیکھے نہین اور پالان کو لینے لگا اسیطرح تم اصل مقصود کو تو چھوڑ بیٹھے ہو اور (ظاہری چیزون پر جو مقصود نہین ہین جان دیے دیتے ہو- بس تم ان فانی چیزون کو ترک کرو اور مقصود اصلی یعنی حق تعالی کیطرف متوجہ ہو- اسیکو فرماتے ہین کہ-

چون تو بینائی الخ- یعنی اگر تم بینا ہو (اور حقیقت کو دیکھتے ہو) تو گدھے کے پیچھے جاؤ- (اوسکو پکڑو) کہ وہ نکل گیا ہے- اور لے پالان پرست پالان کو کب تک سیتے رہو گے- یعنی اگر تم حقیقت بین اور حق شناس ہو تو مقصود اصلی کی طلب مین لگو اسلئے کہ صورت کے بناؤ سنگار مین اور اوسکی محبت وعشق مین کب تک لگے رہو گے- بس اس فانی عالم کو ترک کرو اور اس سے قطع تعلق کر کے حق تعالی کی طرف توجہ کرو- اس لئے کہ جب تم حق تعالی کی طرف متوجہ ہو جاؤ گے تو پھر یہ صورتین تو سب تمھاری تابع ہو جاوین گی- اور خود ہی تم کو سب حاصل ہو جاوینگی اسیکو فرماتے ہین کہ-

خر چو ہست آید الخ- یعنی جب گدھا تمھارا ہو گیا تو یقیناً پالان بھی تمھارا ہو جاویگا- اور جب جان ہو گی تو روٹی بھی بہت ملین گی- مطلب یہ کہ جب تمھارے پاس مطلوب اور مقصود بالذات موجود ہو گا تو پھر توابع جو کہ اشیاء فانی ہین سب تمھارے غلام اور لونڈی بنکر رہین گی- آگے بھی اسی کو بیان فرماتے ہین کہ-

خر چو باشد کم الخ- یعنی اگر گدھا موجود ہوگا تو کم نہ آویگا (یعنی زیادہ زمانہ نہین گذریگا) اے چچا کہ پالان خود اوس کی پشت پر رکھا جاویگا- یعنی اگر معنی اور حقیقت تمھارے ہاتھ لگ گئے تو یہ فانی چیزین سب خود ہی آوینگے جیسے کہ مشاہد اور ظاہر ہے- کہ جو اولیاء اللہ ان چیزون کو ترک کر دیتے ہین اور ان کو منہ نہین لگاتے اون کے سامنے دنیا کسطرح آتی ہے- دنیا اور اہل دنیا سب اون کے سامنے سرنگون اور اون کے تابع ہوتے ہین- آگے فرماتے ہین کہ-

پشت خر دکان الخ- یعنی گدھے کی پشت تو دوکان اور مال اور کمائی ہے- اور تیری جان سیکڑون قالبون کا سرمایہ ہے پس مقصود اصلی تو جان ہے اور مال وغیرہ نہوگا تو کیا حرج ہے- اوس سے اتنا حرج نہین ہو سکتا جتنا کہ جان کے نہونے سے ہوتا ہے- اور اگر ہم نے مانا کہ گدھا تمھارا بے پالان ہی ہے اور ننگی پیٹھ ہی ہے تو کیا حرج ہے اس لئے کہ حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو گدھے کی برہنہ پیٹھ پر سوار ہوتے ہین

اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

خر برہنہ بر نشین الخ۔ یعنی اے بوالفضول ننگے (کمر) گدھے پر بیٹھ جاؤ (اس لیے کہ) کیا برہنہ پشت خر پر رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم سوار نہیں ہوئے ہیں۔ مطلب یہ کہ اگر مال وکسب موجود نہیں ہے بلکہ تم کو حقیقت اور معنی حاصل ہیں تو پھر انکی پرواہ مت کرو۔ اور سب کو چھوڑ دو اس لیے کہ کیا حضور مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے ان چیزوں کو ترک نہیں فرمایا ضرور ترک فرمایا ہے۔ پس سنت ہے کہ ان چیزوں کو سب کو ترک کردو۔ آگے بھی یہی فرماتے ہیں کہ۔

النبی قد رکب الخ۔ یعنی نبی صلے اللہ علیہ وسلم برہنہ پشت پر بھی سوار ہوئے ہیں اور کہا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیدل بھی چلے ہیں۔ مطلب یہ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی ان اسباب دنیا اور فانی اشیاء کے محتاج ہونے کو ترک فرمار کھا تھا۔ پس اگر تمھارے پاس بھی مال ومتاع نہ ہو تو تم بھی ان کے پیچھے مت پڑو بلکہ تم اپنا دھیان اُدھر ہی رکھو۔ کہ یہ صورتیں ہیں اور حقیقت اور کچھ ہے۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ان فانی اشیاء کی طرف بالکل بھی احتیاج نہیں رکھی تھی۔ اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

بلکہ آن شہ الخ۔ یعنی بلکہ وہ بادشاہ (دوجہان) تو اکثر پیادہ ہی چلے ہیں۔ اور اسکا (یعنی پیادہ چلنے کا) اور اسکا (یعنی ننگی پشت پر سوار ہونے کا) بار تو بہت قبول فرمایا ہے۔ مطلب یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ظاہر میں بھی ان اشیاء کی طرف بالکل توجہ نہیں کی تو قلب میں تو غیر اللہ کیا ہوتا۔ بس تم بھی ان صورتوں کو ترک کرو۔ اور معانی کی طرف توجہ رکھو۔ اور یہ نفس تمھارے ہاتھ سے نکل چکا ہے اسکی خبر لو ورنہ پھر جب یہ زیادہ از دست رفتہ ہوجاویگا تو قابو میں نہ آویگا۔ اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

شد خر نفس تو بر میخش بہ بند | چند بگریزد ز کار و بار چند
بار صبر و شکر او را بر دنیست | خواہ در صد سال خواہی سی و شست
ہیچ وازر وزر غیرے بر نداشت | ہیچ کس ندرود تا چیزے نہ کاشت
طمع خام ست آن مخور خام اے پسر | خام خوردن علت آرد در بشر
کان فلانے یافت گنجے ناگہان | من ہمان خواہم چرا جویم دوکان
کار بخت ست آن و آن ہم نادرست | کسب باید کرد تا تن قادر ست
کسب کردن گنج را مانع کے است | پا مکش در کار کان خود در پے است
تا نگردی تو گرفتار اگر | کہ اگر این کردمے یا آن دگر
کز اگر گفتن رسول با وفاق | منع کرد و گفت ہست آن از نفاق
کان منافق در اگر گفتن بمرد | وز اگر گفتن بجز حسرت نبرد
اے بسا کس مردہ در بوک و مگر | از جہاں عافیت نا خوردہ بر

ور نمی یابی تو نقصان اگر | این مثل بشنو که دریابی مگر

اوپر گدھے کے بھاگنے اور اوسکو مقید کرنیکا ذکر تھا - گو دوسرے مقصود کے لئے تھا - اس مناسبت سے فرماتے ہین کہ پالان کے مقابلہ مین گدھے کے پکڑنے اور اوسکو مقید کرنیکی ضرورت ہی - لیکن خر نفس کے مقابلہ مین اسکی بھی ضرورت نہین تو کیا گدھے کی فکر مین ہے - دیکھ یہ دوسرا گدھا نفس شرارت کرکے تیرے قابو سے نکلا جاتا ہے اسکو کھونٹے سے باندھ اور اسے مقید کر - یہ کب تک شرارتین اور شوخیان کرکے کاربار سے بھاگیگا اسکو تو صبر و شکر کا بوجھ اپنی پیٹھ پر لادکر چلنا ہی پڑیگا خواہ سو سال مین لیجاوے خواہ بیس بیس برسون مین اور جسقدر جلدی کرے گا اوتنا ہی جلدی مشقت سے نجات پاویگا - اور کیونکہ کوئی بوجھ اُٹھانیوالا - دوسریکا بوجھ نہین اُٹھاتا - اور جب تک خود نہین ہوتا اسوقت تک نہین کٹمتا - صاحبزادہ ایسا خیال کرنا کہ فلان شخص کو اچانک خزانہ ملگیا یون ہی مجھے بھی ملجاویگا - دوکان کرلے یا کوئی کسب کا اور ذریعہ اختیار کرنیکی کیا ضرورت ہی - طمع خام ہے - تو کچا نہ کھا - کیونکہ کچا کھانا آدمی کے اندر مرض پیدا کرتا ہے - اسلئے طمع خام سے تجھ کو ضرر محرومی پہونچیگا - یون اگر تو نفس کو آزاد چھوڑے رکھیگا اور امید رکھیگا کہ سب کچھ خود بخود ہو جائیگا تو نتیجہ اسکا محرومی ہوگا - اچانک خزانہ کا ملجانا یا دولت اخروی کا بلا محنت و مشقت ملجانا ایک اتفاقی کام ہے کہ سبب و مسبب مین علاقہ نہین اور وہ بھی شاذ و نادر ہوتا ہی - اسلئے اس بھروسہ پر رہنا اور ہاتھ پاؤن توڑکر بیٹھ رہنا سخت حماقت ہے - لہذا جب تک جسم مین قوت ہے کمانا چاہیے - اور ہاتھ پاؤن توڑکر نہ بیٹھنا چاہیے - اچھا ہم نے مانا تجھے غیب سے کوئی خزانہ ملنے والا ہے تو یہ کسب کے منافی تو نہین تو کسب بھی کر جب خزانہ مقدر مین ہوگا وہ بھی ملجاوے گا جب ملجاوے اُسوقت چھوڑ دینا - بس حاصل یہ ہے کہ کام کر اور اس خیال سے کہ وہ تو خود ہی حاصل ہو جائیگا پاؤن توڑکر نہ بیٹھ - تاکہ تو اگر کے پھیر مین نہ آجائے - کہ اگر یون کرتا تو یون ہوتا - اور اگر وون کرتا تو وون ہوتا - کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر مگر سے منع فرمایا ہے - چنانچہ فرماتے ہین - ایاکم ولو فان لو تفتح عمل الشیطان یعنی تم اپنے کو اگر مگر سے بچاؤ کہ یہ کار شیطانی کا دروازہ کھولتا ہے اور شیطان کو فضول اُمیدیا مین پھنسانے اور احتمالات مضرہ کو تقویت دینے کا موقع ملتا ہے - دیکھو کہ منافق (بے عمل) اگر ہی کہنے مین جل بستا ہے - اور اس اگر کہنے سے بجز حسرت کے اور کچھ نہین لیجاتا - اور اسی حسرت مین جلد بیتا ہے کہ اگر یہ کرتا تو اچھا ہوتا وہ کرتا تو اچھا ہوتا اور بہت سے لوگ انہین خیالات مین مرگئے کہ کاش یون ہو - شاید یون ہو اور اپنی صحت کے جال کا ان کو کچھ بھی پھل کھانا نصیب نہوا - اچھا اگر اب بھی اگر کا نقصان اور اوسکی لغویت تیری سمجھ مین نہین آئی تو یہ قصہ سن شاید اس سے کچھ پتہ چل جاوے -

شرح شبیری شد خر نفس تو برا لخ - یعنی تیرا یہ نفس جو گدھے کی طرح ہے جا چکا ہے (اور ہاتھ سے نکل چکا ہے) تو اوسکو میخ پر باندھ دو (اور اوامر و نواہی حق مین اوس کو مقید کردو) اور یہ کب تک اس کام سے بھاگے گا - اور کب تک اس بوجھ (کے کھینچنے) سے بھاگے گا اس سے کہ یہ کام تو اسکو کرنا ہوگا - اب کرے یا بعد مین کرے - پس اگر اب حالت جوانی مین کرلیا تو بہتر ہی ورنہ پھر بڑھاپے مین کچھ بھی نہ ہو سکے گا - آگے اسکو فرماتے ہین کہ -

بار صبر و شکر الخ - یعنی صبر و شکر کا بوجھ تو اسی کو کھینچنا ہے - (اوسے) خواہ سو برس مین (ادا کرے اور) خواہ تیس برس مین اور خواہ بیس برس مین کرو - پس جب اسکو کرنا ہے تو کیا فائدہ ہے ابھی سے کیون نہ کرلے - اور دوسرون کے بھروسہ بھی نہ رہنا چاہیئے - کہ کوئی صاحب یہ سمجھین کہ ہم غوث کی اولاد مین ہین یا قطب کی اسلئے کہ اپنا اپنا کام اور اپنے اعمال کو ہر شخص خود ہی بھگتے گا - اسیکو فرماتے ہین کہ -

ہیچ وازر وزر الخ - یعنی کوئی بوجھ اوٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہ اوٹھاویگا - اور کوئی شخص جب تک کچھ بو دیگا نہین اسوقت تک کچھ کاٹ بھی نہین سکتا - پس اگر خود تمھارے اعمال ہونگے اور تم خود حقیقت شناس ہوگے - اور صور تون سے علیحدہ اور قطع تعلق کرکے رہوگے - تو تم کو فلاح حاصل ہوگی اور خدا کے یہان سے ثمرات میسر ہونگے پس طمع دنیا کو ترک کرو اور حق تعالی کی طرف متوجہ ہو - آگے اسیکو فرماتے ہین - مگر طمع کے ترک کرنیکو کس خوبی سے ایک مثال دیکر سمجھایا ہی - سچ یہ ہے کہ ان مضامین کا نظم مین بیان فرمانا مولانا ہی کا کام ہی فرماتے ہین کہ -

طمع خام است الخ - یعنی یہ (سمجھنا کہ ہمارا کام کوئی اور کریگا) طمع خام ہے - (جیسا کہ ظاہر ہے اور کچی چیز کے کھانے سے ضرر ہوتا ہے - مثلاً کچی روٹی کھانے سے درد شکم وغیرہ ہوتا ہے اسلیے) اے صاحبزادہ کچی مت کھاؤ (اسلئے کہ کچا (کھانا وغیرہ) کھانا انسان مین بیماری لاتا ہی - یہان مولانا نے طمع خام کو طعام خام سے تشبیہ دی ہی - اور تشبیہ صرف خام ہونے مین ہے پس ارشاد ہے کہ جسطرح طعام خام سے خرابی ہوتی ہی - اور ظاہر جسم مین نقصان ہوتا ہو اسیطرح اگر تم طمع خام کروگے اور دوسرون پر اپنا بوجھ ڈالوگے اور خود کچھ نہ کروگے تو نقصان روحانی تمکو پہونچیگا - اور اگر کسیکو بلا محنت کے اور بے خود کام کئے ہوئے کچھ ملگیا ہو تو اوسپر اپنے کو قیاس مت کرو اسلئے کہ یہ تو اتفاقی باتین ہین اسی کو مولانا خود فرماتے ہین کہ -

کان فلانے الخ - یعنی (طمع مت کرو) کہ اوس فلانے شخص نے تو ناگہان ایک خزانہ پالیا تو مین بھی اوسکو چاہتا ہون پس کسلئے دوکان کو تلاش کرون - مطلب یہ کہ کسی ایک کو بظاہر یہ دیکھکر کہ وہ بغیر اسباب ہی کے واصل ہوگیا ہے تم بھی اسکی طمع مت کرو اور اسپر اپنے کو قیاس کرکے تم ترک اسباب مت کرو - اور یون مت سمجھو کہ بس اسیطرح مجھے بھی مل جاویگا - اور اسباب کے ارتکاب کی اور اعمال کی کیا ضرورت ہے - یہ تیری غلطی ہی - اسلئے کہ یہ تو نصیب کی بات ہی اور یہ ع این سعادت بزور بازو نیست + تا نہ بخشد خدائے بخشندہ ؎ اور پھر بھی نادر الوجود ہے اور النادر کالمعدوم کے حکم مین ہی - اسیکو فرماتے ہین کہ -

کار بخت است آن الخ - یعنی (کسیکو ایکدم سے کچھ ملجانا اور واصل ہوجانا) وہ قسمت کا کام ہی - اور (پھر) وہ بھی نادر ہی (تو جب نادر ہوا تو اوسپر بھروسہ کرنا اور اوسکے بھروسہ پر کام کو چھوڑ بیٹھنا سخت نادانی ہی پس) جب تک بدن مین قدرت اور طاقت ہو (اسوقت تک) کسب کرنا چاہیے - یعنی اعمال کرنا چاہئیں دوسرے کیے کئے کچھ نہین ہوتا - اور جس کسیکو ایکدم بھی ملگیا ہی وہ اسوجہ سے کہ اونہین پہلے سے استعداد تھی خواہ وہ پہلے مجاہدہ وغیرہ کرچکے ہون یا حق تعالی نے اون کو بغیر اون کے اختیار کے کسی ایسے امر مین مبتلا کیا ہو کہ جس سے اون کے اخلاق رذیلہ کا ازالہ ہوگیا پس انکو اب مجاہدہ کی ضرورت نہین رہی مگر بغیر صفائی قلب اور مجاہدہ اور اعمال کے کوئی نہین پہونچا خوب سمجھ لو - اور اگر ہم نے مانا کہ تم کو کہین سے اچانک خزانہ مفت حق مل بھی گیا اور تم ایکدم سے واصل بھی ہوگئے مگر پھر بھی تو یہ امر کسب کے منافی نہین ہی - اسلئے کہ کسب بھی ہو اور خزانہ بھی ملجاوے

تو یہ دو دو چیزین حاصل ہون۔ پس کچھ آتا ہی ہے جاتا تو ہے نہین لہذا یہ سمجھکر اعمال کو ترک کر دینا شدید غلطی ہے
اسی کو بیان فرماتے ہین کہ۔
کسب کردن الخ۔ یعنی کسب کرنا خزانہ کو (ملنے سے) کب مانع ہے۔ اور کام سے پاؤن مت کھینچو کہ وہ (یعنی خزانہ) خود تمھارے پیچھے ہے مطلب یہ کہ اعمال کرنا تو اُس خزانہ کو جو تمھین ملنے والا ہے مانع نہین ہے۔ بلکہ اگر تمھاری قسمت مین اُسکا ملنا ہے تو پھر تو دو دو اور چپڑی۔ یعنی اعمال کا الگ ثواب ملیگا اور اُن مجاہدات و ریاضات پر ثمرات الگ ملین گے اور اُس جذب سے جو وصول ہوگا وہ اِس سے الگ ہوگا۔ لہذا مجاہدات کو ہرگز ترک مت کرو اور کام سے رکو گے جاؤ کہین کام نہ کرنے سے پھر پشیمان نہ ہو۔ اِسی کو فرماتے ہین کہ۔
تا نگردی الخ۔ یعنی (کام کرو اور اِس چندروزہ زندگی مین جو ہوسکے کرلو) تاکہ (مرنے کے بعد) تم اگر مین گرفتار نہ ہو جاؤ (اور اگر مین گرفتار ہونا یہ ہے کہ یون کہو) کہ اگر یہ (عمل) کرتا (تو اُسپر یہ ثمرہ ملتا) یا اگر وہ دوسرا کرتا تو یہ ثمرہ ملتا) مطلب یہ کہ اگر اعمال نہ ہونگے تو قیامت مین بجز حسرت و افسوس کے اور کچھ بھی نہ حاصل ہوگا۔ اور دیکھو اگر کہنے سے حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی منع فرمایا ہے۔ اِسی کو فرماتے ہین کہ۔
کز اگر گفتن الخ۔ یعنی کہ اگر کہنے سے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کہ باوفاق ہین منع کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ (یعنی اگر کہنا) نفاق مین سے ہے۔ اِس لیے کہ جو شخص اگر مگر مین لگا ہوا ہے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پختہ نہین ہے۔ جب اور کامون مین پختہ نہ ہوگا تو دین کی باتون مین بھی وہ پختہ نہین ہوسکتا۔ لہذا منافق ہوگا۔ اور یہ اشارہ ہے اُس حدیث کی طرف کہ ایاک ولوفان لو من عمل الشیطان او کما قال یعنی لو (اگر کہنے) سے بچو اس کے کہ لو (اگر) شیطان کے کامون مین [illegible] ہے پس جبکہ تم اعمال دنیا مین نہ کروگے اور دوسرون کے کندھے بندوق چلانا چاہوگے تو کس طرح کام چل سکتا ہے۔ آخر کار پشیمانی ہوگی اور اُسمین اگر مگر کروگے جو کہ عمل شیطان ہے پس صورت کو چھوڑو اور اِس دنیا مین منہمک نہ ہو۔ بلکہ حقیقت مین لگو اور حق تعالیٰ کی طرف توجہ کرو اور دیکھو کہ منافق اگر ہی کہتا ہوا مریگا۔ اور بعد مین بجز حسرت کے اور کوئی نتیجہ نہین ہوا۔ اِسکو مولانا فرماتے ہین کہ۔
کان منافق الخ۔ یعنی کہ (دیکھو) وہ منافق (جو کہ ایمان و کفر مین مذبذب رہا) اگر (ہی) مین مرگیا۔ اور اگر کہنے سے سوائے حسرت کے کچھ نہ لے گیا۔ مطلب یہ کہ تذبذب کی حالت تو منافقون کی مشابہ ہے پس اِس سے حذر ضروری ہے۔ تو ایسا کام کرو جو قیامت مین منافقون کے ساتھ مشابہت نہ ہوجاوے
صد افسوس و حسرت ہے اُن لوگون پر جو کہ ایسے لیت و لعل کی حالت مین مرجاتے ہین اور کوئی کام پورا نہین کرتے۔ اور یہ حالت ہوتی ہے کہ ؎ ہر شبے گویم کہ فردا ترک این سودا کنم + باز چون فردا شود امروز را فردا کنم + پس اِسی ٹال مٹول مین ایک دن داعی اجل سر پر آپکارتا ہے اور اُسوقت خواب غفلت سے جاگ کر افسوس اور حسرت کیا کرتے ہین اور کہتے ہین کہ رب لولا اخرتنی الی اجل قریب فاصدق واکن من الصالحین۔ لیکن اِسکا جواب اُس طرف سے یہی ملتا ہے کہ۔ ولن یوخر اللہ نفسا اذا جاء اجلہا اُسوقت جو حسرت ہوتی ہوگی اُسکا پوچھنا ہی کیا ہے اللہم احفظنا اللہم ارحمنا۔ آگے بھی یہی مضمون ہے کہ۔

اے بساکس الخ۔ یعنی بہت سے آدمی ایسے ہین جو کہ شاید او رگرہی مین مر گئے اور عافیت کے جمال مین سے بالکل پھل نہین کھایا یعنی بالکل بھی عافیت اور آرام نصیب نہ ہوا۔ اور اسی مین ایکے وز خاتمہ ہوگیا۔ بوک مخفف ہے بود کا کہ بمعنی شاید۔ آگے فرماتے ہین کہ

ور نمی یابے الخ۔ یعنی اور اگر تم کو اب بھی اگر کا نقصان نہ معلوم ہو تو یہ بات (ذیل) سُنو کہ شاید تم (اس کے کہنے سے) اُسکو پالو یعنی حکایت ذیل سُنو تو شاید تم کو اس تذبذب اور اگر کہنے کی اور حقیقت کو نہ جاننے کی اور بیکار حسرت کی خرابی اور اُسکا نقصان معلوم ہو جاوے۔ اگر مگر کے متعلق کسی نے ایک شعر کیا ہی۔ اور خوب کہا ہے کہ ؎ اگر را با مگر ہجفت کردند؛ ازایشان بچہ آمد کاشکے نام + یعنی اگر اور مگر کا نکاح کر دیا تو اُن سے ایک بچہ ہوا کاشکے نام کا۔ خوب ہی کہا ہے۔ آگے ذہ حکایت ما ور مثال بیان کرتے ہین کہ

شرح حبیبی

تمثیل بر حقیقت سخن و اطلاع بر کشف آن

یک غریبے خانہ می جست از شتاب
گفت او این را اگر سقفے بُدے
هم عیال تو بیاسودے اگر
در رسیدے میہمان روزے ترا
کاشکے معمور بودے این سرا
گفت آرے پہلو یاران خوش ست

دوستے بُردش سُوی خانہ خراب
پہلوِ من مر ترا مسکن شدے
در میانہ داشتے حجرہ دگر
هم بیاسودے اگر بودیت جا
خانہ تو بودے این معمور ما
لیک ای جان در اگر نتوان نشست

ایک شخص بیچارہ کوئی مکان تلاش کرتا تھا۔ ایک مہربان اسکو ایک ویران مکان کی طرف لے گئے اور کہا کہ اگر اسکی چھت ہوتی تو تم یہین رہتے۔ اس طرح میرا اور تمھارا مکان ہر دو پاس پاس ہو جاتے اور اسمین ایک اور حجرہ بھی ہوتا۔ تو تمھارے گھر کے آدمی بھی رہ سکتے تھے۔ اور اگر آپ کے یہان مہمان کے لیے جگہ ہوتی تو اگر کوئی مہمان آتا تو اُسکو بھی آرام مل سکتا تھا۔ کاشکے کہ یہ مکان ویران نہ ہوتا۔ بلکہ قابل سکونت ہوتا۔ اس صورت مین یہ قابل رہائش مکان آپ کا گھر ہوتا اور آپ اسمین رہتے۔ اسنے جواب دیا کہ ہان دوستون کا قرب اچھی چیز ہے۔ پھر کیا کیجئے کہ یہان تو اگر کے سوا کچھ ہے ہی نہین۔ اور اگر قابل سکونت نہین۔ لہذا مجبوری ہے۔

این ہمہ عالم طلبگار خوش اند
طالب زر گشتہ جملہ پیر و خام
پرتوے بر قلب زر خالص بہین
گر محک داری گزین کن ورنہ رو

وز خوش تزویر اندر آتش اند
لیک قلب از زر نداند چشم عام
بے محک زر را مکن از ظن گزین
نزد دانا خویشتن را کن گرو

این محک باید میان جان خویش — ورنہ داری رہ مرو تنہا بہ پیش
بانگ غولان ہست بانگ آشنا — آشنائے کو کشد سوئے فنا
بانگ می دارد کہ ہان اے کاروان — سوئے من آئید نک نام نشان
نام ہر یک می برد غول اے فلان — تا کشد آن خواجہ را از آفلان
چون رسد آنجا بہ بیند گرگ و شیر — عمر ضائع راہ دور و روز دیر
چہ بود آن بانگ غول آخر بگو — مال خواہم جاہ خواہم آبرو
از درون خویش این آوازہا — منع کن تا کشف گردد رازہا
ذکر حق کن بانگ غولان را بسوز — چشم چون نرگس ازین کرگس بدوز
صبح صادق راز کاذب وا شناس — رنگ مے را باز دان از رنگ کاس
تا بود کز دیدگان ہفت رنگ — دیدہ پیدا کند صبر و درنگ
رنگہا بینی بجز این رنگہا — گوہران بینی بجائے سنگہا
گوہرے چہ بلکہ دریا ئے شوی — آفتاب چرخ پیمائے شوی

جب تجھے معلوم ہو چکا کہ ہوسات فضول وخواہشات لا یعنی کا نتیجہ بجز محرومی کے کچھ نہین تو خبر دار تو ان خواہشات بیہودہ کے جال مین نہ پھنسنا۔ بلکہ تجھے کام کرنا چاہیے جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہین۔ دینا کی عام حالت یہ ہے کہ اپنی خیالی اچھی چیز کو طلب کرتے ہین۔ اور اس اچھی چیز کے لیے جسکی خوبی انکی مین گھڑت ہے اور اسلئے وہ سراپا تزویر ہے۔ بیقرار ہین اور دل وجان سے متمنی ہین کہ ہم کو حاصل ہوتی یا حاصل ہو جاوے۔ لیکن یہ لوگ خوبی حقیقی اور خیالی وغیر واقعی مین تمیز نہین کرتے۔ مثلاً لوگ سونے کے طالب ہین لیکن کھرے کھوٹے کی تمیز نہین رکھتے۔ اسلئے اصلی سونے (حق سبحانہ) کو چھوڑ کر کھوٹے سونے (زر دنیاوی) کو طلب کرتے ہین۔ اسکے متمنی ہین اسکے لیے مصیبتن اُٹھاتے ہین اسکے لئے بیقرار رہتے ہین دیکھ تو عام لوگون کی طرح دہوکا نہ کھانا اور کھرے کھوٹے مین تمیز کرنا۔ خوبی واقعی وغیر واقعی مین امتیاز کرنا۔ دیکھ زرخالص (حق سبحانہ) نے اس متعارف سونے پر اپنا پرتو ڈالا ہے۔ اسلئے یہ خوشنما اور مرغوب ہو گیا ہے۔ لہذا یہ اصلی سونا نہین بلکہ ملمع ہے۔ خبر دار بے کسوٹی لگائے اور بدون حقیقت پر غور کئے محض ظن سے سونے کو نہ لینا۔ اگر تیرے پاس کسوٹی ہو تو اس سے جانچ کر کھرے سونے کو لے لے۔ ورنہ جا اور اپنے کو کسی نقاد کی خدمت مین محبوس کر دے۔ اور کسی شیخ کامل کا مقلد ہو جا۔ غرض کہ اس کسوٹی اور معرفت نقد وقلب کی ضرورت ہے۔ کہ اپنے اندر ہو۔ اور اگر تیرے پاس نہین تو خبر دار راہ طلب مین تنہا قدم نہ بڑھانا۔ بلکہ کسی واقف کار شیخ کو ساتھ لے لینا۔ کیونکہ اس راہ مین بہت سے شیاطین ہین۔ اور وہ راہ سے بھٹکانے کے لیئے راہرون کو پکارتے ہین۔ اور اس انداز سے پکارتے ہین جیسے کوئی مخلص اور خیر خواہ دوست پکارتا ہو لیکن وہ ایسا آشنا ہوتا ہے جو لوگون کو تباہی کی طرف کھینچتا ہے۔ وہ آواز دیتا ہے کہ اے قافلہ والو یہان آؤ تمہاری منزل مقصود کا پتہ ونشان مین بتلاؤنگا۔ اور اسی پر اکتفا نہین کرتا بلکہ ہر ایک کا نام لیکر پکارتا ہے۔ تاکہ اون کو پورا اعتماد ہو جاوے۔ اور کہتا ہے کہ اے فلان اودھر آ اے فلان اودھر آ

اور مقصود یہ ہوتا ہی کہ اس مانوس کرنے والی آواز و" اے فلان ادھر آ " سے اوسکو ہلاک کردے۔ (یعنی شیاطین ہر ممکن تدبیر سے طالب حق کو گمراہ کرنا چاہتے ہین ورنہ یہ مطلب نہین کہ وہان حقیقی آوازین ہوتی ہین) اور جب یہ شخص اون آوازون پر وہان پہونچتا ہی اور شیاطین کا اتباع کرتا ہی تو وہان دیکھتا ہے کہ شیر اور بھیڑیے ہین اور مہلکات کا سامنا ہی عمر ضائع ہو چکی راہ راست سے بہت دور نکلگئے دن بھی بہت کم باقی رہگیا ہے۔ غرضکہ منزل مقصود تک پہونچنے کے لیے بہت سے موانع موجود ہو گئے ہین جن سے رسائی دشوار ہو گئی ہے تو شیاطین کی آوازون سے متعارف آوازین نہ سمجھنا سکے تجھے شبہ ہو کہ ہم نے تو اب تک ایک آواز بھی نہین سنی بلکہ خواہشات نفسانیہ کی ترغیب کہ مجھے مال چاہیئے مجھے جاہ چاہیے مجھے آبرو چاہیے۔ یہی اون کی آوازین ہین۔ بس تو اپنے اندر سے ان آوازون کو بند کر۔ اور ان خواہشون کو فنا کر۔ تب تجھے اسرار حق سبحانہ معلوم ہونگے۔ اور معارف آلہیہ کا دروازہ تجھپر کھلے گا۔ بس خدا کی یاد کر اور ان شیاطین کو آگ لگا۔ اور اپنی آنکھ نرگس کی طرح اس کرگس کی طرف سے سی لے۔ اور ان کی طرف دیکھ بھی مت۔ صبح صادق اور صبح کاذب مین امتیاز کر۔ رنگ مے اور رنگ پیالہ مین تمیز کر غرض کہ مطلوب حقیقی اور شبیہ مطلوب مین فرق کر۔ اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ مجاہدہ اور صبر و تانی تیرے لئے بجائے ان سات طبقہ والی آنکھون کے ایک اور آنکھ پیدا کرینگے اور ان سے تو ان رنگون کے سوا جو تجھے محسوس ہوتے ہین اور عجیب عجیب رنگ دیکھے گا اور کنکریون کی عوض تجھے موتی نظر آئینگے۔ موتی دیکھا کیا معنی بلکہ دریا کی طرح تو خود ان موتیون اور معارف الٰہیہ کا مخزن ہو جائیگا اور ان جواہر کی روشنی سے منور ہو کر تو آفتاب چرخ پیما کی مثل روشن ہو جائیگا۔ گو آفتاب کی روشنی کو اس روشنی سے کوئی نسبت نہین۔ مگر چونکہ عالم محسوسات مین اس سے بڑھکر کوئی روشن شے نہین۔ اسلئے اس سے تشبیہ دیگئی۔

کارکن در کارگہ باشد نہان	تو برو در کارگہ بینش عیان
کار چون بر کارکن پردہ تنید	خارج آن کار نتوانیش دید
کارگہ چون جائے باش عاقل ست	آنکہ بیرون ست از وی غافل ست
پس در آ در کارگہ یعنی عدم	تا ببینی صنع و صانع را بہم
کارگہ چون جائے روشن دیدگیست	پس برون کارگہ پوشیدگیست

ہم نے تجھے اوپر فنا کی ترغیب دی تھی۔ اور کہا تھا کہ تو غول بیابانی اور موانع طلب حق کو آگ لگا اور صرف حضرت حق کو مطمح نظر بنا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ حق سبحانہ صانع عالم اپنی محل صنع یعنی عدم مین مستور ہین تو جا اوس محل صنع مین انکو کھلم کھلا دیکھ لے۔ چونکہ کام نے صانع عالم پر پردہ تن دیا ہے۔ یعنی رویت صانع سے مانع ہو گیا ہے اسلئے جب تک اسکو نہ اٹھاؤ گے اور ہستی کو فنا نہ کروگے اوسکو دیکھ نہ سکو گے۔ اگر چاہو کہ اس پردہ سے باہر اور ہستی کو باقی رکھکر دیکھ لو تو ناممکن ہی کیونکہ جب عدم اوس صانع عالم کی جائے باش ہے تو باہر کیونکر مل سکتا ہی جو باہر دیکھے وہ اوسکی جائے باش سے بیخبر ہے پس اگر تجھے حق بینی کی طلب ہے تو عدم مین آ اور اپنے کو فنا کر۔ تاکہ تجھے صانع اور اوسکا فعل دونون دکھلائی دین۔ کیونکہ صرف عدم ہی اسکے صاف صاف دیکھنے کی جگہ ہی۔ اور فنا ہی سے اسکا مشاہدہ ہو سکتا ہے۔ اور اس سے باہر یعنی ہستی مین خفا ہی وہان دکھلائی

نہین دے سکتا۔(ف۔ جاننا چاہیے کہ یہ محض عنوان تعبیری ہے جو تفہیم کے لیے اختیار کیا گیا ورنہ فی الحقیقۃ عدم کوئی مکان نہین جس مین حق سبحانہ بیٹھے ہوے ہون۔ بلکہ اسکو تشبیہًا مکان کہا گیا ہے۔ اور چونکہ جو چیز احاطہ مکان کے اندر مستور ہوتی ہے۔ وہ مکان کے اندر داخل ہونے سے دکھلائی دیتی ہے۔ اور حق سبحانہ احاطہ فنا مین داخل ہونے سے بصیرت کے ذریعہ سے دکھلائی دیتے ہین۔ اس لیے انکو یون ظاہر کیا کہ جیسے کہ وہ مکان عدم مین موجود ہون۔ فافہم ولا تزل)

شرح شبیری

بات کی حقیقت کے منکشف ہو جانے پر ایک مثال

ایک غریبے الخ۔ یعنی کہ ایک پردیسی جلدی جلدی گھر تلاش کر رہا تھا تو اُسکا ایک دوست اسکو ایک ویران گھر کی طرف لے گیا یعنی وہ پردیسی گھر کی تلاش مین تھا تو ایک دوست صاحب گھر دکھانے لے گئے اور اُسکو ایک گھر مین لیجا کر کھڑا کر دیا اور کہنے لگا کہ۔

گفت او این را الخ۔ یعنی وہ دوست کہنے لگا کہ اگر اسکی چھت ہوتی تو میرے پہلو مین آپ کا مکان ہو جاتا۔ پہلو سے مراد پڑوس مطلب یہ کہ اگر اس مکان کی چھت ہوتی تو آپ رہتے اور میرے پڑوس مین آپ ہی ہوتے مگر کیا کیا جاوے۔ اب چھت ہے ہی نہین۔ اور

ہم عیال تو الخ۔ اور تمھارے بال بچے بھی آرام پاتے اگر درمیان مین کوئی دوسرا حجرہ بھی ہوتا۔ مگر اب تو ہے نہین پس مجبوری ہے۔

ور رسد سے میہمان الخ۔ یعنی اور اگر کسی دن تیرے یہان کوئی میہمان آجاتا تو وہ بھی آرام پاتا۔ اگر تجھے جگہ ہوتی۔ یعنی اگر تیرے رہنے کی جگہ ہوتی تو وہ بھی آرام سے رہتا مگر مجبوری یہی کہ ہے ہی نہین کاشکے معمور بودے الخ۔ یعنی کاشکے یہ گھر بنا ہوا ہوتا تو یہ ہمارا معمور تمھارا گھر بنجاتا معمور رہا اسلیے کہد یا کہ یہ بھی تو پڑوس مین ہی رہتا تھا مطلب یہ کہ اگر اسکی عمارت بنی ہوتی تو تم ہمارے پڑوس مین رہا کرتے مگر اب تو محض لاچاری ہے کہ گھر ہی نہین ہے جب وہ یہ سن چکا تو اُس پردیسی نے بھی جواب دیا اور خوب جواب دیا۔ کہ

گفت آرے الخ۔ یعنی اُس پردیسی نے کہا کہ ہان دوستون کا قرب اچھی چیز اور عمدہ چیز تو ہے لیکن اے یار (مجبوری یہ ہے کہ) اگر مین بیٹھ نہین سکتے۔ مطلب یہ کہ تمھارے مکان تو کوئی ہے نہین بلکہ صرف اگر کا زبانی جمع خرچ ہے تو اسمین کس طرح رہ سکتا ہون۔ آگے مولانا انتقال فرماتے ہین کہ جس طرح یہ شخص اصل مقصود سے تو بہت دور تھا اور حقیقت کو جانتا تھا صرف اگر ہی اگر کے قرب وصحبت تو چونکہ محبوب ہے اور عمدہ شے ہے چاہتا تھا اسیطرح خوش اور عمدہ کے تو سب طالب ہین مگر حقیقت سے جاہل ہونیکی وجہ سے خوب حقیقی اور خوب مجازی مین فرق نہین کرتے۔ اسی کو فرماتے ہین کہ۔

این ہمہ عالم الخ یعنی یہ سارا عالم خوش اور عمدہ چیز کا طلبگار ہے۔ (لیکن حقیقت سے لاعلمی کی بدولت) کھرمت کے عمدہ کے سے سوزش مین ہین اس لیے کہ جب وہ طلبگار ہین عمدہ کے اور پھر اس عمدہ کو انتخاب کرتے ہین اپنی عقل سے تو اب خوب حقیقی نہ ہونیکی وجہ سے سوزش اور ظن مین اور حسرت مین رہتے ہین اور کھوٹے کو اور کھرے کو پہچانتے نہین اسی کو فرماتے ہین کہ۔

طالب زر گشتہ الخ۔ یعنی سارے بوڑھے اور جوان زر (خالص) کے طالب تو ہوے مگر عام لوگونکی آنکھ کھوٹے کو کھرے سے پہچانتی نہین۔ اور اس لاعلمی اور جہل کی وجہ سے بعید مصائب مین مبتلا ہوجاتے ہین اور صورت ہی مین لگے رہتے ہین اور اسی کو حقیقی اور مقصود سمجھ لیتے ہین اور اسکے اندرونی نقص کو نہین دیکھتے کہ سارا کھوٹ ہی کھوٹ بھرا پڑا ہے اور یہ جو کھوٹا تمکو کھرا معلوم ہورہا ہے یہ بھی اس کھرے ہی کا عکس ہے لہذا اس اصل ہی کو حاصل کرنا چاہیے اور فرع کو ترک کردینا ضروری ہے۔ فرماتے ہین کہ۔

پرتوے بر قلب الخ۔ یعنی کھوٹے پر زر خالص نے عکس ڈالا ہے (اس وجہ سے یہ کھوٹا بھی تمکو کھرا معلوم ہونے لگا ہے) دیکھو بے کسوٹی کے سونے کو (صرف) گمان ہی سے قبول مت کرنا۔ مطلب یہ کہ ان فانی چیزون مین بھی اسی حقیقت کا عکس ہے اس وجہ سے تمکو انکی طرف کشش ہوتی ہے۔ اور محبوب معلوم ہوتی ہین بس تم ان سب کو چشم بصیرت سے اور تحقیق سے جانچو کہ کون شے انمین سے حقیقی ہے۔ اور مقصود ہے۔ اور کونسی تلے مجازی اور غیر مقصود ہے بغیر بصیرت اور تحقیق کے ہرگز ہرگز کسی چیز کی طرف التفات اور توجہ مت کرنا اگر خود تم اہل بصیرت و تحقیق سے ہو تو خود اسکو جانچ لو اور اگر تم صاحب بصیرت نہین ہو تو کسی بصیرت والے کو تلاش کرو۔ اور جسکو وہ مقصود اور حقیقی بتادے اسکو حقیقی سمجھو۔ اور جسکو غیر مقصود بتادے اسکو ویسا سمجھو اسی کو فرماتے ہین کہ۔

گر محک داری الخ۔ یعنی اگر تم (خود) کسوٹی رکھتے ہو (تب) تو (خود ہی پہچان کر کھرے کو) قبول کرلو ورنہ (یعنی اگر تمھارے پاس کسوٹی نہین ہے تو) جاؤ (اور کسی) دانا سے (طریقت) کے پاس اپنے کو گروی کردو مطلب یہ کہ اگر خود تم کو بصیرت حاصل ہے تب تو خود ہی پہچان لو اور حقیقت کو حاصل کرو۔ ورنہ پھر کسی کامل اور بصیرت والے کا اتباع کرو۔ اور اپنے کو اسکے سپرد کردو۔ اور بالکل سونپ دو اور اپنی رائے کو بالکل دخل مت دو جو کچھ وہ کہے اسپر عمل کرو۔ اور اس سے بزبان حال یا قال یہ کہدو کہ ؎ سپردم بتو مایۂ خویش را، تو دانی حساب کم وبیش را + بس اس محقق اور مبصر کے پاس کالمیت فی ید الغسال ہوجاؤ۔ اور اسکے بعد اسکی صحبت مین رہ کر خود بصیرت اور تحقیق حاصل کرو اسی کو فرماتے ہین کہ۔

این محک باید الخ۔ یعنی یہ کسوٹی (بصیرت و تحقیق) خود تمھاری جان مین ہونی چاہیے۔ اور اگر خود نہین رکھتے ہو (تو پھر کسیکا اتباع کرو) اور تنہا راستہ مین آگے مت جاؤ۔ مطلب یہ کہ اول تو خود ہی بصیرت حاصل کرنی ضروری ہے اور اگر تمکو حاصل نہ ہو تو یہ یاد رکھو کہ اس راستہ مین ہرگز ہرگز بے رہبر کے قدم مت اٹھانا ورنہ تباہ و برباد ہوگے۔ اور مہلکات تمکو ہلاک و برباد کردینگے اسی کو ایک اور جگہ فرماتے ہین کہ ؎ یار باید راہ را تنہا مرو + بے قلاؤز اندرین صحرا مرو۔ اور اگر رہبر نہ ہوگا تو تم شیاطین کے پھندے مین پھنس جاؤ گے۔

اور وہ تم کو تلبیس مین پھنسا کر تحقیق سے کوسون دور پیچھا ڈالین گے اور اسقدر تلبیس و تلمیع کرینگے کہ تم کو اون کی آوازین دوستون اور اپنے لوگون کی آوازین معلوم ہونے لگین گی۔ اسیکو فرماتے ہین کہ۔

بانگ غولان ہست الخ۔ یعنی شیاطین کی آواز آشنا کی آواز (معلوم ہوتی) ہے۔ اور آشنا بھی وہ جو کہ فنا و ہلاک کی طرف کھینچے یہان شیاطین سے مراد شیاطین الانس لیے جاوین جو کہ معاصی کی طرف بلاتے ہین اور خدا سے غافل کرتے ہین تو اب مطلب یہ ہوگا کہ شیاطین الانس جبکہ تجھے معاصی کیطرف بلاتے ہین اور اسکی ترغیب دیتے ہین تو اسطرح تلبیس دیتے ہین کہ یون معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہمارے بہت ہی خیر خواہ ہین اسلئے کہ دوست ہین مگر وہ اصلین دشمن ہوتے ہین جیسا کہ قیامت مین معلوم ہوگا۔ اور اگر شیاطین سے مراد شیاطین الجن ہی ہون تو یہ معنی ہین کہ چونکہ جن صورت وغیرہ بدلنے پر قادر ہین اسلئے وہ بعض مرتبہ صورتین بدلکر اور آوازین بدلکر تمہارے دوستونکی سی آوازین اور صورتین بنا لیتے ہین اور پھر تم کو شہوات اور مہلکات کی طرف بلاتے ہین تو اُس آواز اور صورت کو تم آشنا سمجھتے ہو۔ اور اس کے اسی کہنے کو خیر خواہ کا قول سمجھکر عمل کر لیتے ہو اور پھر غارت ہوتے ہو۔ پس اس پہچاننے کے لئے تم کو خود بصیرت کی ضرورت ہے۔ اور اگر خود بصیرت نہو تو کسی بصیر کا پلہ پکڑنے کی ضرورت ہے۔ خوب سمجھ لو۔ آگے اون آوازونکو بتاتے ہین کہ وہ آوازین اسطرح دیا کرتے ہین۔

بانگ می دارد کہ الخ۔ یعنی وہی شیطان آواز دیتا ہے کہ اے قافلہ (والو) میری طرف آؤ اسلئے کہ یہ نام و نشان تمہارے مطلب کا ہے۔ اور صرف اس دعوت عام ہی پر اکتفا نہین کرتا بلکہ ہر ایک ایک کا نام لیکر بھی پکارتا ہے اسیکو آگے فرماتے ہین اور شیاطین کا پکارنا کچھ عجیب نہین اکثر قصص وغیرہ سے ایسے واقعات کا صحیح ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اور اگر شیاطین الانس مراد ہون تو پھر یہ معنی ہین کہ بعض مرتبہ بہت سے آدمیون کو ایکدم سے بہکاتے ہین اور بعض مرتبہ الگ الگ ہر ایک کو گمراہ کرتے ہین جیسا کہ مشاہد ہے۔ پس فرماتے ہین کہ۔

نام ہر یک می برد الخ۔ یعنی وہ جن ہر ایک کا (علحدہ علحدہ) نام لیتا ہے کہ اے فلان شخص تاکہ اوس خواجہ کو (جسے پکار رہا ہے) ہلاک ہونے والون مین سے کر دے۔ یعنی چونکہ جنونکو تو ہمارے نام وغیرہ معلوم ہی ہین۔ اس لئے وہ نام لیکر پکارتے ہین تاکہ غایت لطف و آشنا ہی معلوم ہو اور اچھی طرح ہلاک کر دے یا یہ کہا جاوے کہ انسان ہی دوست بنکر پکارتے ہین اور شہوات مین مبتلا کر دیتے ہین پس جبکہ اون کے دواعی پر عمل کیا جاتا ہے تو پھر تباہ ہوتے ہین اور دین و ایمان سبکو تباہ کر بیٹھتے ہین اسیکو فرماتے ہین کہ۔

چون رسد آنجا بہ الخ۔ یعنی کہ جب اوس جگہ پہونچتا ہے (جہان کہ اون شیاطین نے بلایا تھا) تو وہان شیر اور بھیڑیے دیکھتا ہے۔ (یعنی مہلکات نظر آتے ہین) تو اوسکی وہ عمر (جو کہ اس مسافت کے قطع کرنے مین صرف ہوئی ہے) ضائع ہے اور راستہ دور ہے اور دن بھی ضائع ہے مطلب یہ کہ جب تک اون شیاطین کے قول پر عمل کریگا۔ اور جب تک دواعی شہوات پر عمل کرتا رہےگا اسوقت تک کی عمر بھی برباد ہوئی۔ اور راستہ سے کوسون دور ہوگیا۔ اور یہ سارے دن برباد ہوئے لہذا ہرگز ہرگز اون کے دواعی پر عمل نکرنا چاہیے۔ آگے خود اون مہلکات کی تفصیل بتاتے ہین کہ۔

چہ بود آن بانگ الخ۔ یعنی شیاطین کی آوازین آخر کیا ہوتی ہین۔ (کچھ تو) کہو۔ (اب خود بتلاتے ہین کہ) وہ آوازین

یہی ہوتی ہین کہ) مال چاہتا ہون اور جاہ چاہتا ہون اور آبرو۔ یعنی وہ مہلکات جو کہ دین کو تباہ و برباد کردیتے ہین یہی حب مال وحب جاہ وغیرہ ہین کہ سب معاصی کی جڑ ہین جیسے کہ حدیث مین بھی ہے کہ حب الدنیا راس کل خطیئۃ بس جبکہ یہ چیزین برباد کردینے والی ہین تو ان کو اپنے اندر سے نکالو اور ان سے تعلق قطع کرو اور علٰحدہ ہوجاؤ - پھر دیکھو کیسے کیسے علوم ومعارف تم پر منکشف ہوتے ہین۔ ۔۔۔ رتے ہین کہ۔

از درون الخ - یعنی اپنے اندر (باطن) مین سے ان آوازون (کے مقتضیات) کو روک دو (اور ان پر عمل مت کرو) تاکہ اسرار (آئینہ تم پر) منکشف ہون۔ مطلب یہ کہ اپنے اندر سے شہوات کو اور دیگر داعی الی الشر کو نکال ڈالو اور اپنے باطن کو صاف کرلو پھر دیکھو کہ کیسے کیسے اسرار منکشف ہوتے ہین۔ اور کس کس طرح سے انوار وتجلیات کا ظہور ہوتا ہے اور چونکہ اخلاق رذیلہ غلبہ ذکر سے کم اور زائل ہوجاتے ہین۔ اسلئے ذکر کی ترغیب دیتے ہین ۔کہ۔

ذکر حق کن بانگ الخ - یعنی حق تعالیٰ کا ذکر کرو اور شیاطین کو بالکل جلا ڈالو۔ اور اپنی) آنکھ کو جو مثل نرگس کے ہے۔ اس نرگس (دنیا کیطرف) سے سی لو اور بند کرلو۔ مطلب یہ کہ غلبہ ذکر اپنے اوپر کرلو۔ اور دنیا سے قطع تعلق کرلو اور شیاطین کو بالکل آگ دیدو اور حقیقت کو پہچانو اور گمراہی اور مجاز سے بچو اسکو آگے فرماتے ہین (بانگ غولان را بسوز مین بانگ کے معنی بالکل کے ہین اور یہ محاورہ ہے معنی یہ ہین کہ شیاطین کو خوب اچھی طرح بالکل آگ دیدو)۔

صبح صادق را الخ - یعنی صبح صادق (حقیقت) کو صبح کاذب (مجاز اور غیر مقصود) سے (علٰحدہ کرکے) خوب پہچان لے۔ اور شراب کے رنگ کو پیالہ کے رنگ سے ممتاز کرکے) جان لے۔ مطلب یہ کہ حقیقت اور مجاز اور مقصود اور غیر مقصود مین امتیاز کرو اور دونون مین جو فرق ہے اسکو سمجھو۔ اور پھر حقیقت اور مقصود کو حاصل کرنیکی کوشش مین لگو اور غیر مقصود کو ترک کردو پھر دیکھنا کہ ان آنکھون کے علاوہ تمھین دیدۂ بصارت جس سے کہ حق شناسی اور حقیقت شناسی میسر ہوگی ملیگا۔ لہٰذا خوب خوب مجاہدے اور ریاضت کرکے اس مقصود کو حاصل کرو اسکو فرماتے ہین کہ۔

تا بود کز دیدگان الخ - یعنی (مجاہدات وریاضات کرو اور ان کے ذریعہ سے حقیقت شناسی تک پہونچو) تاکہ ان سات رنگ کی آنکھون کے بدلہ مین صبر اور دیر ایک اور آنکھ (حقیقت شناس) پیدا فرمادے۔ اور جب مجاہدات سے بصیرت اور تحقیق حاصل ہوجاوے گی۔ تو ان ظاہری الوان کے علاوہ دوسرے الوان اور حالات تم کو میسر ہونگے اسکو فرماتے ہین کہ۔

رنگہا بینی بجز الخ - یعنی ان الوان کے علاوہ اور دوسرے رنگ دیکھوگے اور پتھرونکی جگہ موتیون کو دیکھوگے مطلب یہ کہ جب حقیقت ہی پر ہر وقت تمھاری نظر رہے گی۔ تو پھر ان دنیاوی اشیاء سے الگ اور علٰحدہ ہوکر تم کو اشیاء حقیقی اور مقصود اصلی نظر آویگا۔ اور اسکے سوا دوسری چیزون کی ہستی کالعدم ہوجاسکے گی اور جب یہ حالت بڑھیگی اور فنا کے مرتبہ مین ترقی ہوگی۔ تو پھر اپنی ہستی کو بھی معدوم سمجھوگے اور اوس ایک وجود کے سامنے سارے وجودات ہیچ اور معدوم ہی معلوم ہونگے آگے فرماتے ہین کہ۔

گوہرے چہ بلکہ الخ - یعنی گوہر کیا ہے بلکہ خود دریا ہی ہوجاؤ گے۔ اور ایک آفتاب آسمان کی پیمایش

کرنے والے ہوجاؤ گے مطلب یہ کہ جب مجاہدات و ریاضات سے درجہ فنا کا حاصل کر چکوگے اور اپنی ہستی کو معدوم کر چکوگے اسوقت بس اُسی ایک ذات کا وجود پیش نظر رہے گا۔ اور دیگر وجودات اور ہستیان کالعدم ہوجاوینگی اور یہ حالت ہوگی کہ ؎ چو سلطان عزت علم برکشد + جہان سر بجیب عدم درکشد + اور اُس کے وجود باجود کے سامنے یہ حالت ہوگی جیسے کہ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہین کہ ؎ یکے قطرہ از ابر نیسان چکید + خجل شد چو پہنائے دریا بدید + کہ جائے کہ دریاست من کیستم + گر او ہست حقا کہ من نیستم + اور جب یہ اپنی ہستی کو اِس طرح معدوم سمجھے گا۔ اِسوقت حق تعالے کی طرف سے رحمت نازل ہوگی اور اِسکو اپنے جوار مین لیلے گی۔ اِسی کو شیخ آگے فرماتے ہین کہ ؎ چو خود را بہ چشم حقارت بدید + صدف در کنارش بجان پرورید + سپہرش بجائے رسانید کار + کہ شد نامور لولوے شاہوار + بلندی بدان یافت کو پست شد + در نیستی کوفت تا ہست شد + پس اپنے اور دیگر موجودات کی ہستی کو کالعدم کرکے صرف اُس ذات وحدہ لاشریک کی طرف توجہ کرو۔ اور چونکہ طلب کے لیے اُس کے ملنے کی جگہ کا معلوم ہونا ضروری ہے پس آگے فرماتے ہین کہ۔

کارکن در کار الخ۔ یعنی کام کرنے والا (حق تعالے) کارخانہ (صنائع و موجودات) ہی مین پوشیدہ ہے (لہذا) تو کارخانہ مین (مصنوعات عالم مین) جا (غور کر اور) اُسکو ظاہر طور پر دیکھ لے مطلب یہ کہ ہمنے جو کہا ہے کہ اگر مجاہدہ کروگے تو تم کو حق تعالے کی معرفت میسر ہوجاویگی اور وہ تم کو ملجاویگا اِسکو کچھ بعید مت سمجھو اِس لیے کہ اب بھی وہ تم سے دور نہین ہے۔ بلکہ اُسکی معرفت انہین مصنوعات دنیا مین غور کرنے سے حاصل ہوسکتی ہے۔ بلکہ خود اپنے ہی اندر غور کرنے سے اُس صانع حقیقی کی معرفت اور اُسکا قرب حاصل ہوجاویگا۔ لیکن جب تک چشم بصیرت نہین ہے اُسوقت تک تو یہ ظاہری چیزین اُسکے جمال کے مشاہدہ سے حاجب اور مانع ہین۔ اِنسے قطع نظر کرلو پھر دیکھو کہ اُسکی معرفت کے لیے کہین خارج جانیکی ضرورت نہین ہے۔ اِسی کو فرماتے ہین کہ۔

کار چون بر کارکن الخ۔ یعنی کام (مصنوعات عالم) نے کام کرنے والے پر (حق تعالے کے سامنے) پردہ تن رکھا ہے۔ (اُسکی معرفت سے اور مشاہدہ سے حاجب اور مانع ہورہی ہین لیکن اُسکی معرفت انھین مین ہے پس) اِس کام سے خارج تم اُسکو نہین دیکھ سکتے مطلب یہ کہ اور کوئی ذریعہ سوا اِن ہی مصنوعات عالم کے اندر غور و فکر کے اور اُس غور و فکر کے بعد اُنکی ہستی کو معدوم سمجھنے کے معرفت حق کا نہین ہے۔ اِس لیے جو عاقل ہوتے ہین وہ اِسی کو طلب کرتے ہین خود فرماتے ہین کہ۔

کارگہ الخ۔ یعنی کارخانہ (عالم) مثل عاقل کے جائے قیام کے ہے (اِس لیے کہ وہ تو معرفت کے لیے اِسی مین غور و فکر کریگا) اور جو کہ اِس سے باہر گیا وہ غافل ہے۔ یعنی کہ جوان مصنوعات عالم مین غور کریگا وہ اِنکی وجود کی حقیقت کو سمجھے گا۔ اور پھر اُس وجود کی حقیقت سمجھکر اُنکے اضمحلال کو بھی اچھی طرح معلوم کریگا۔ اور حق تعالے کے وجود کو اصل اور اُسی کو مقصود سمجھے گا۔ تو وہی عاقل ہوگا۔ مقصود یہ ہے کہ فنا اور عدم حاصل کرنا چاہیے۔ کہ اِسی سے معرفت حق ہوتی ہے۔ اور مقصود اصلی حاصل ہوتا ہے

اسی مقصود کو مولانا صاف طور سے فرماتے ہیں کہ۔
پس درآ در کارگہ الخ یعنی (جب کہ حق تعالیٰ ہستی کو فنا کرنے سے ہی ملتے ہیں) پس کارخانہ (عالم) میں یعنی عدم میں آؤ۔ تاکہ مصنوع اور صانع کو ایک جگہ دیکھو۔ مطلب یہ کہ اپنی ہستی کو اور دیگر اشیاء کی ہستی کو فنا کرکے اور مضمحل سمجھکر پھر اُس کے وجود پر نظر کرو تو بس اُسی کا وجود کامل اور قابل وجود کہنے کے نظر آویگا۔ اور باقی سارے وجودات اس قدر مضمحل ہونگے کہ اُنکو وجود کہتے ہوئے شرم آویگی۔ تو چونکہ مصنوعات ہی اُسکی معرفت کے لیے ظاہر اور مین آلہ اور ذریعہ ہیں اس لیے ان ہی کے وجودات میں اول غور کرو اسکو فرماتے ہیں کہ۔
کارگہ چون الخ یعنی کارخانہ (عالم) جبکہ روشن دیکھنے کی جگہ ہے تو اس کارخانہ (عالم) سے باہر پوشیدگی (اور تاریکی) ہے لہٰذا ان سب کے اور اپنے وجود کو کالعدم سمجھو اور ہستی کو نیستی سے بدل دو۔ تب تمھیں معرفت حاصل ہوسکتی ہے۔ اور اگر اپنی ہستی پر نظر رکھی تو کبھی بھی معرفت حاصل نہیں ہوسکتی مولانا اس مضمون کو فرعون اور اسکے تکبر کی مثال دیکر بیان فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

رو بہ ہستی داشت فرعون عنود
لاجرم می خواست تبدیل قدر
خود قضا بر سبلت آن حیلہ مند
صد ہزاران طفل کشت او بیگناہ
تاکہ موسیٰ نبی ناید برون
این ہمہ خون کرد و موسیٰ زادہ شد
گر بدیدے کارگاہ لایزال
اندرون خانہ اش موسیٰ معاف

لاجرم از کارگاہش کور بود
تا قضا را باز گرداند ز در
زیر لب میکرد ہر دم ریشخند
تا بگردد حکم و تقدیر الہ
کرد بر گردن ہزاران ظلم و خون
وز برائے قہر او آمادہ شد
دست و پایش خشک گشتے ز احتیال
وز برون می کشت طفلان از گزاف

اوپر فنار کی ترغیب دی تھی۔ یہاں سے خودی کا نقصان بیان فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ۔ چونکہ فرعون ہستی کی طرف متوجہ اور خودی میں منہمک تھا اس لیے فنا و عدم سے بالکل اندھا تھا۔ اور چونکہ فنار و عدم ہی حق سبحانہ کی معرفت کا ذریعہ ہے لہٰذا نہ وہ حق سبحانہ سے واقف تھا نہ اسکی تدبیر اور افعال سے۔ پس لامحالہ وہ قضار الٰہی کو بدلنا چاہتا تھا۔ یہ معنی نہیں کہ قضار الٰہی کو قضا جان کر بدلنا چاہتا تھا۔ کیونکہ وہ تو قضار الٰہی کو جانتا ہی نہ تھا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو امر نفس الامر میں مقدر ہوچکا تھا اُسکو وہ چاہتا تھا کہ نہ ہو۔ لیکن قضار الٰہی اس تدبیر پر ہنس رہی تھی کہ دیکھو یہ کیا بیہودہ منصوبے گانٹھ رہا ہے اُس نے لاکھوں بچے بے گناہ مار ڈالے تاکہ جو امر نفس الامر میں مقدر ہوچکا ہے وہ وجود میں نہ آئے۔ اُس نے ہزاروں ظلم اور خون اس لیے اپنی گردن پر لیے کہ موسیٰ علیہ السلام وجود میں

نہ آئین۔ گو اُس نے یہ سب خون کئے۔ مگر موسیٰ علیہ السلام پیدا ہو ہی گئے۔ اور اُسکی سرکوبی کے لیے آمادہ ہو گئے۔ پس اگر یہ احمق کارگاہ حق سبحانہ (فنا و عدم) سے واقف ہوتا اور خودی و منی مین منہمک نہ ہوتا تو تدبیر سے اُس کے ہاتھ پاؤن خشک ہو جاتے۔ اور کبھی جرأت نہ ہوتی کہ تقدیر الٰہی کے مقابلہ مین تدبیر کرے۔ تقدیر الٰہی اِس درجہ قوی ہے کہ فرعون گھر سے باہر بیہودگی سے ہزارون بچے قتل کرتا تھا لیکن موسےٰ جو خود اُس کے گھر کے اندر موجود تھے اُنکو کچھ نہ کہتا تھا۔

شرح شبیری روبہستی داشت الخ۔ یعنی (دیکھو) فرعون سرکش ہستی کی طرف توجہ رکھتا تھا (اور اُسکو اپنی ہستی پر نظر تھی اِس لیے) اُس کے کارخانہ سے غافل تھا (جوکہ اُسکی معرفت کا آلہ ہے) اور اُسکو حق تعالےٰ کی معرفت نصیب نہ ہو سکی۔

لاجرم میخواست الخ۔ یعنی بالضرور وہ تبدیل قدر چاہتا تھا۔ تاکہ قضا کو دروازہ سے لوٹا دے۔ یعنی اُسکی ہلاکت اور بربادی جو موسےٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے مقدر ہو چکی تھی اُسکو معرفت حق نہ ہونیکی وجہ سے چاہتا تھا کہ رد کر دے اور یہ خبر نہ تھی کہ وہان یہ شان ہے کہ ما یبدل القول لدی و ما انا بظلام للعبید اور اِس کے لیے طرح طرح کی تدبیرین کرتا تھا۔ مگر قضا اُسپر ہنس رہی تھی کہ کس قدر بیوقوف ہے کہین مین ٹل سکتی ہون۔ فرماتے ہین کہ۔

خود قضا بر سبلت الخ۔ یعنی خود قضا اُس حیلہ مند کی مونچھ پر زیر لب ہر وقت مسخرہ پن کر رہی تھی۔ اور یہ کہہ رہی تھی کہ تو جو چاہے کرے مین تیرے دشمن کو تیرے ہی ہاتھون پلواؤنگی اور پھر وہ تجھی کو ہلاک کریگا۔ آگے پھر اُسکی تدبیرون کو قضا کے بدلنے کے لیے بیان فرماتے ہین کہ۔

صد ہزاران طفل کشت الخ۔ یعنی لاکھون بیگناہ بچے اُسنے مار ڈالے تاکہ اللہ تعالیٰ کا حکم اور تقدیر پھر جاوے

تاکہ موسیٰ الخ۔ یعنی اور تاکہ موسیٰ علیہ السلام نبی باہر نہ آوین (پیدا نہ ہون) اُسنے اپنی گردن پر ہزارون خون کر لیے۔

این ہمہ میکرد موسے الخ۔ یعنی یہ سب خون کئے (اور طرح طرح کی تدبیرین کین مگر) موسےٰ علیہ السلام پیدا ہو ہی گئے اور اُسکی ہلاکت کے واسطے آمادہ ہو گئے۔ تو یہ ساری فضول تدبیرین حقیقت سے لاعلمی کی وجہ سے تھین اگر وہ حقیقت شناس ہوتا تو پھر اِس قسم کے حیلے ہرگز نہ کرتا۔ اسی کو آگے فرماتے ہین کہ۔

گر بدیدے کارگاہ الخ۔ یعنی اگر حق تعالیٰ کے کارخانہ کو دیکھ لیتا (اور اِسمین غور کر لیتا تو اُسکے صانع کے وجود کی عظمت اور جلال منکشف ہو جاتی۔ تب) اُسکے ہاتھ پاؤن حیلہ کرنے سے خشک ہو جاتے۔ اور وہ کوئی حیلہ نکر سکتا۔ اور اب بھی اُسکا کوئی حیلہ کام نہ آیا اِس لیے کہ۔

اندرون خانہ اش الخ۔ یعنی کہ گھر کے اندر تو موسےٰ علیہ السلام جوکہ عافیت دیے گئے تھے۔ (پرورش پا رہے ہے) مین اور باہر لڑکون کو بیوقوفی کی وجہ سے مار رہا ہے۔ گھر کی خبر نہین کہ خود ہی اپنے دشمن کی پرورش کر رہا ہے۔ پس اُسکی اِس حالت کو ایک مثال سے واضح فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

ہمچو صاحب نفس کو تن پرورد
کاین عدو و آن حسود و دشمن است
او چو موسیٰ و تنش فرعون او
نفس اندر خانۂ تن نازنین

بر دگر کس ظن حقدے میبرد
خود حسود و دشمن آن این تن است
او بہ بیرون می دود کہ کو عدو
بر دگر کس دست می خاید بکین

فرعون کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو گھر مین رکھنے اور باہر بچون کو قتل کرنے مین بالکل وہی حالت تھی جو ایک صاحب نفس کی ہوتی ہے جو ہمہ تن تن پروری اور ہوا و ہوس مین مصروف ہے۔ یہ شخص دوسرون کو دشمن سمجھتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ یہ میرا دشمن ہے۔ وہ میرا حاسد ہے حالانکہ اصل دشمن کی اوسکو خبر بھی نہین۔ کہ وہ اسکا نفس ہے۔ جسکو یہ نہایت رغبت اور شوق کے ساتھ پال رہا ہے۔ وہ یعنی اوسکی روح مثل موسےٰ علیہ السلام کے فطرۃً منقاد حق سبحانہ ہے۔ اور اوسکا نفس مثل فرعون کے ہو۔ جو اوسکا دشمن اور گمراہ کرنیوالا ہے۔ پس اسکو اپنے اصلی دشمن کی تو خبر نہین جو گھر مین موجود ہے۔ باہر ڈہونڈہتا پھرتا ہے۔ کہ دشمن کہان ہے۔ ملجائے تو مین اُسے مار ڈالون۔ پس اوسکا دشمن حقیقی نفس ہے جو خانۂ تن مین محجوب ہوا بیٹھا ہے۔ اور دوسرون پر مارے غصہ کے اپنے پشت دست کاٹتا ہو۔ یہ روش اوسکی بالکل غلط ہے۔ اسکو وہی کرنا چاہیے جو ایک شخص نے اپنی بدکارون کیساتھ کیا تھا جسکی تفصیل حسب ذیل ہو۔

شرح شبیری

ہمچو صاحب الخ۔ یعنی (فرعون کے موسےٰ علیہ السلام کو پالنے کی ایسی مثال ہو کہ) جیسے کوئی صاحب نفس بدن کی پرورش مین لگا ہوا ہو اور نفس کی پرورش سے غافل ہو۔) اور دوسرون پر حسد کا گمان کرتا ہے اور اصل دشمن و دوست کو تو دیکھتا نہین کسیکو دشمن اور کسیکو دوست سمجھ لیتا ہے۔ یہی حالت فرعون کی تھی کہ اصلی دشمن اور مہلک موسیٰ علیہ السلام کو تو خود پال رہا تھا اور دوسرے بچون کو قتل کر رہا تھا۔ اور اوس کی یہ حالت ہوتی ہو کہ یون کہتا ہو کہ۔

کاین عدو و آن الخ۔ یعنی کہ یہ عدو ہے اور وہ حاسد اور دشمن ہو۔ (حالانکہ) خود حاسد اور دشمن اپنا خود ہی ہے مگر حقیقت نہ جاننے کی وجہ سے دوست کو دشمن اور دشمن کو دوست سمجھتا ہے یہان تو فرعون کو صاحب نفس سے اور موسیٰ علیہ السلام کو تن سے تشبیہ دی تھی کہ تن کو پالنا اپنے دشمن کو پالنا ہے۔ مگر چونکہ عداوت دونون طرف سے تھی اور جسطرح فرعون موسیٰ علیہ السلام کا دشمن تھا اسیطرح وہ اسکے دشمن تھے۔ پس اون کی دشمنی کو آگے اسطرح بیان فرماتے ہین کہ وہ صاحب نفس تو موسیٰ علیہ السلام کی طرح ہو۔ اور اوسکا بدن فرعون کیطرح ہے۔ اسلئے کہ جسطرح روح بدن کی دشمن اور اوسکی مخالف ہوتی ہے اسیطرح وہ بھی فرعون کے مخالف تھے۔ اور جسطرح کہ روح باوجود دشمن ہونیکے جسم ہی مین رہتی ہے اسی طرح موسیٰ علیہ السلام بھی فرعون ہی کے یہان رہتے تھے۔ اسکو فرماتے ہین کہ۔

اوچو موسیٰ الخ۔ یعنی وہ صاحب نفس تو مثل موسیٰ علیہ السلام کے ہے۔ اور اسکا بدن مثل اون کے فرعون کے ہے اور وہ باہر تلاش کرتے ہیں کہ کون دشمن ہے۔ حالانکہ دشمن پاس ہی موجود ہے۔
نفس اندر خانۂ الخ۔ یعنی کہ نفس (جیسا دشمن) اس نازنین بدن کے خانہ میں (موجود) ہے اور یہ شخص دوسروں پر کینہ کیوجہ سے ہاتھ چباتا ہے۔ اور دوسروں کو دشمن خیال کرتا ہے۔ پس چاہیے کہ اول اس دشمن کو قتل کرے کہ ضرر حقیقی اسی سے پہونچاہے۔ اور اگر دوسرے لوگ دشمن بھی ہوتے ہیں تو وہ ضرر حقیقی نہیں پہونچا سکتے۔ مثلاً انتہا سے انتہا کوئی اسکو جان سے مار ڈالے گا تو اوسکا کوئی حقیقی نقصان نہیں ہوا اسلئے کہ حق تعالےٰ کے یہاں مراتب زیادہ ہوئے اور درجہ شہادت کا حاصل ہوا۔ جو کہ مرغوب و مطلوب ہے۔ اور جو ضرر کہ نفس پہونچاتا ہے اوسکا خمیازہ قیامت میں معلوم ہوگا اور وہ ایسا ضرر ہوگا کہ اوسکا کوئی تدارک ہی نہیں ہے اور بلکہ دوسرے لوگ جو دشمن ہوتے ہیں وہ بھی ان حضرت نفس کی بدولت ہوتے ہیں۔ کسی سے دوستی ہے کسی سے دشمنی ہے۔ سارے حرکات انہیں حضرت کے ہیں لہذا اس جڑ ہی کو قطع کردو۔ کہ اگر یہ مارا گیا تو سارے دشمن مارے جاوینگے۔ اور پھر کوئی بھی دشمن حقیقی نہ رہیگا آگے اسپر (جو کہ بنا رفساد ہو اور خرابیوں کی جڑ ہو اوسیکو قطع کرنا چاہیے۔) ایک حکایت تمثیلاً بیان کرتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

ملامت کردن مردمان شخصے را کہ مادر را بہ تہمت کشت

آن یکے از خشم مادر را بکشت	ہم بزخم خنجر و ہم زخم مشت
آن یکے گفتش کہ از بدگوہری	یاد ناوردی تو حق مادری
ہی تو مادر را چرا کشتی بگو	اے چہ کرد آخر بتوائے زشت خو
ہیچکس کشت است مادر اے عنود	می نگوئی او چہ کرد آخر چہ بود
گفت کارے کرد کان عار وے ست	کشتمش کان خاک ستار وے ست
متہم شد با یکے زان کشتمش	غرق خون در خاک گور آغشتمش
گفت آنکس را بکش اے محتشم	گفت پس ہر روز خلقے را کشم
کشتم او را رستم از خونہائے خلق	نائے او برم بہست از نائے خلق

ایک شخص نے غصہ ہو کر اپنی ماں کو مکوں اور خنجر سے مار ڈالا۔ ایک شخص نے کہا کہ ارے تو بڑا بد ذات ہے تجھے حق مادری بھی یاد نہ رہا۔ ارے بتا تو سہی تو نے اپنی ماں کو کیوں مار ڈالا۔ اوس نے تیرا کیا بگاڑا تھا۔ کمبخت کسی نے اپنی ماں کو بھی مارا ہے۔ ارے بتاتا کیوں نہیں۔ آخر کچھ بات بھی تھی۔ اوس نے کیا کیا تھا۔ اوس نے جواب دیا کہ اوس نے ایک ایسا کام کیا تھا جو اوسکے لئے شرم کا باعث تھا۔ لہذا میں نے اوسے مار ڈالا کہ خاک اوسکی پردہ پوشی کرے۔ وہ ایک شخص سے زنا کے ساتھ متہم ہو گئی تھی۔ اس لئے میں نے اوسے

مار ڈالا - اور یون خون مین ڈوبی ہوئی مٹی مین ملا آیا غسل بھی نہین دیا - اُس شخص سے کہا کہ اس شخص کو مارنا چاہیئے تھا - نہ کہ مان کو - لڑکے نے جواب دیا کہ تم یہ چاہتے ہو کہ ہر روز لوگون کو مارتا پھرون یہ کیسے ہو سکتا ہے - لہذا مین نے اوسی کو ماردیا اور تمام مخلوق کے خون سے بچگیا - اور مین نے سمجھا کہ لوگون کے گلے کاٹنے سے یہی بہتر ہے کہ اسکا گلا - کاٹ دون -

شرح شبیری

لوگون کا اُس شخص کو ملامت کرنا جسنے اپنی مان کو متہم ہونے کی وجہ سے مار ڈالا

آن یکے از خشم الخ - یعنی ایک شخص نے اپنی مان کو مار ڈالا - خنجر کے زخم سے بھی اور گھونسے کے زخم سے بھی -
آن یکے گفتش الخ - یعنی (اسپر) ایک شخص نے اوس سے کہا کہ نالائق کیوجہ سے تجھے مان ہونیکا حق بھی یاد نہ آیا - اور اوسکو قتل کر دیا -
ہی تو مادر را چہ الخ - یعنی ارے تو نے مان کو کسلئے مار ڈالا - (کچھ تو) کہہ آخر اوسنے تیری ساتھ کیا کیا تھا اے بری خصلت والے -
ہیچ کس کشتست الخ - یعنی ارے کمبخت کسی نے مان کو بھی مارا ہے - اور کہتا کیون نہین کہ آخر اوسنے کیا کیا اور کیا بات تھی جسپر کہ تو نے اوسکو قتل کر دیا -
گفت کارے الخ - یعنی اوس لڑکے نے کہا کہ اوس (مان) نے ایک کام کیا تھا کہ وہ (موجب) اوسکی عار کا تھا - اسلئے مین نے اوسکو مار ڈالا کہ خاک اوسکی پردہ پوش ہو - کار عار سے مراد زنا ہے - یعنی وہ زانیہ تھی اسلئے مین نے یہ سمجھکر کہ ایسے آدمی کا مرنا ہی بہتر ہے اوسکو مار ڈالا -
متہم شد با یکے الخ - یعنی چونکہ وہ ایک شخص سے متہم تھی اسلئے مین نے اوسکو مار ڈالا اور خون مین ڈوبی ہوئی کو مین نے قبر کی خاک مین ملا دیا - یعنی اوسی طرح خون آلودہ ہی دفن کر دی -
گفت آنکس را الخ - یعنی اوس (ناصح) نے کہا کہ اے عزیز اوس شخص کو (جس سے متہم تھی) مار ڈال (امر بمعنی ماضی یعنی مار ڈالا ہوتا کہ مان کے قتل سے تو ہاتھ نہ رنگے جاتے) تو اوس لڑکے نے جواب دیا کہ پھر تو ہر روز ایک مخلوق کو قتل کیا کرتا - اسلئے کہ اوسکا تو روز یہی کام تھا تو مین کس کس کو مارتا - اسلئے مین نے جڑ ہی کاٹ دی کہ نہ وہ ہوگی اور نہ کوئی اوس سے منہ کالا کر سکے گا - نعوذ باللہ من الشیطان الرجیم -
کشتم او را رستم الخ - یعنی مین نے اوس ہی کو مار ڈالا اور (مخلوق کے خون کرنے سے چھوٹ گیا - اور مین نے اُس ہی کا گلا کاٹ ڈالا (اسلئے کہ) مخلوق کے گلا کاٹنے سے یہی بہتر ہے - آگے مولانا انتقال فرماتے ہین کہ -

شرح حبیبی

نفس تست آن مادر بد خاصیت	که فساد اوست در هر ناحیت

پس بکشش اوراکہ بہر آن دنی	ہر دمے قصد عزیزے می کنی
از روے این دنیاے خوش بر تست تنگ	از پئے او باحق و با خلق جنگ
نفس کشتی باز رستی زاعتذار	کس ترا دشمن نماند در دیار

ب تم سمجھو کہ وہ بدخصلت مان تمھارا نفس ہی جسکا فساد ہر گوشہ مین پھیلا ہوا ہی تم کو چاہیئے کہ تم اوسیکو مار ڈالو جسکے سبب تم ہر دم ایک شخص کے خون کا ارادہ رکھتے ہو اسی کے سبب یہ دنیا جو بجہت مزرع آخرت یا آلہ معرفت حق سمجھا نہ ہو نیکے بظاہر پسندیدہ اور موجب راحت ہی باوجود اپنی وسعت کے تمپر تنگ ہو گئی ہی۔ اور تمھارا دم ناک مین آرہا ہی۔ اور اسی نکے لئے تم نے خدا اور مخلوق سے لڑائی مول لے رکھی ہی۔ پس جب نفس کو مار ڈالوگے تو تم سے کوئی حرکت ایسی صادر ہی نہوگی جسکی وجہ سے تم کو معذرت کرنی پڑے یا تمھارا کوئی دشمن الخ سلسلہ معذرت کرنے سے بھی بچ جاؤگے۔ اور عالم مین کوئی تمھارا دشمن بھی نہیگا

شرح شبیری

نفس تست آن الخ۔ یعنی وہ بدخاصیت مان یہ تیرا نفس ہے۔ کہ اسیکا فساد ہر طرف پھیل رہا ہی۔

پس بکشش او را الخ۔ یعنی پس اس (نفس) کو مار ڈال کہ اس کمینہ کی وجہ سے تو ہر دم ایک عزیز (ولی اللہ کی ایذا رسانی) کا قصد رکھتا ہی۔ مطلب یہ کہ ایک یہی نفس ہے کہ جسکی بدولت اولیاء اللہ کو تم تکالیف پہونچانے ہو جسکا ضرر ضرر حقیقی ہی لہذا اسی کمبخت کو نیست اور قتل کرنا چاہیے۔

از روے این دنیاے الخ۔ یعنی اور اس (نفس ہی) کی بدولت یہ عمدہ دنیا تجھپر تنگ ہی اور اوسکی وجہ سے اللہ تعالی سے اور مخلوق سے لڑائی ہے مطلب یہ کہ باوجود اس دنیاوی عیش اور آرام کے بھی تم تنگ دل اور پریشان رہتے ہو۔ یہ اس ہی کی حرص کا نتیجہ ہے۔ کہ جسقدر دنیا تمھارے پاس ہے یہ اوس سے زیادہ کو چاہتا ہی اسی نے عیش مکدر کر رکھا ہی اور اسیکے دواعی اور خواہشات پر عمل کرنے سے حق تعالی سے اور مخلوق سے سب سے لڑائی ہی۔ لہذا اس ہی کو کھو دو کہ سب کچھ ملجاوے۔

نفس کشتی باز الخ۔ یعنی اگر تم نفس کو مار ڈالو تو عذر کرنیسے چھوٹ جاؤ۔ اسلئے کہ جب کسی سے لڑائی وغیرہ ہوتی ہے اسوقت عذر کرتے ہو کہ ہم سے غلطی ہوگئی معاف کردو۔ اور اگر نفس نہوگا تو عذر کرنیکی بھی ضرورت نہوگی اسلئے کہ کسی قسم لڑائی وغیرہ ہی نہوگی) اور دنیا مین تمھارا کوئی دشمن نہ رہیگا۔ آگے مولانا ایک اشکال کی تقریر کرکے اوسکا جواب دیتے ہین۔ حاصل اعتراض کا یہ ہے کہ جب آپ کہتے ہین کہ نفس کشی کے بعد کوئی دشمن دنیا مین نہ رہیگا تو انبیا علیہم السلام اور اولیاء اللہ کے نفس کا کشتہ ہونا تو معلوم اور ظاہر ہے پھر کفار اون کے دشمن اور حاسد کیون ہوئے پس حاصل جواب کا یہ ہے کہ دشمن ایک تو وہ ہوتا ہے کہ جو ضرر حقیقی اور واقعی پہونچا سکے اور وہ ضرر ضرر عقبی ہے اور جو دشمن انبیاء کے تھے چونکہ وہ اون کو کوئی ضرر آخرت کا نہ پہونچا سکتے تھے اسلئے وہ اون کے دشمن بھی نہ تھے بلکہ وہ تو خود اپنے ہی دشمن تھے۔ کیونکہ اپنا ہی ضرر آخرت کر رہے تھے۔ اور اون کے انوار اور برکات سے محروم تھے اور اگر انبیاء علیہم السلام کو کوئی جسمانی تکلیف وغیرہ پہونچا بھی دی تو وہ قابل اعتبار نہین اسلئے کہ وہ باقی رہنے والا اور کوئی معتد بہ ضرر نہین ہے۔ اور یا دشمن وہ ہوتا ہے کہ جو کسی منفعت کے حصول سے مانع ہو اور یہان یہ بھی نہین تھا اسلئے کہ کفار انبیاء علیہم السلام کو کسی نور یا کسی برکت کے حصول سے مانع نہو سکے۔ اب معلوم

ہو گیا کہ چونکہ اونکا نفس کشتہ ہو چکا تھا اسلئے اونکا کوئی دشمن بھی دینا مین موجود نہین تھا اور دشمن حقیقۃً خود نفس اصل ہی ہے اب اشعار کو سمجھ لو کہ خوب سمجھ مین آویگا۔ فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

گر اشکال آرد کسی بر گفت ما / از برای انبیا و اولیا

کانبیا را نی کہ نفس کشتہ بود / پس چراشان دشمنان بود و حسود

گوش نہ ای تو طلبگار صواب / بشنو این اشکال و شبہت را جواب

دشمن خود بودہ اند آن منکران / زخم بر خود میزدند ایشان چنان

دشمن آن باشد کہ قصد جان کند / دشمن آن نبود کہ خود جان می کند

نیست خفاشک عدوی آفتاب / او عدوی خویش آمد در حجاب

تابش خورشید او را می کشد / رنج او خورشید ہرگز کی کشد

دشمن آن باشد کزو آید عذاب / مانع آید لعل را از آفتاب

مانع خویش اند جملہ کافران / از شعاع جوہر پیغمبران

کی حجاب چشم آن فردند خلق / چشم خود را کور و کژ کردند خلق

چون غلام ہندوی کو کین کشد / از ستیزہ خواجہ خود را می کشد

سرنگون می افتد از بام سرا / تا زیانی کردہ باشد خواجہ را

گر شود بیمار دشمن با طبیب / ور کند کودک عداوت با ادیب

در حقیقت رہزن جان خود اند / راہ عقل و جان خود را خود زدند

گازری گر خشم گیرد ز آفتاب / ماہیی گر خشم میگیرد ز آب

تو نکو بنگر کرا دارد زیان / عاقبت کہ بود سیہ اختر ازان

گر ترا حق آفریدہ زشت رو / تو مشو ہم زشت رو و زشت خو

ور بود کفشت مرو در سنگلاخ / ور دو شاخستت مشو تو چار شاخ

تو حسودی کز فلان من کمترم / می فزاید کمتری در اخترم

خود حسد نقصان و عیب دیگرست / بلکہ از جملہ کمیہا بدترست

آن بلیس از ننگ و عار کمتری / خویشتن افکند در صد ابتری

از حسد میخواست تا بالا بود / خود چہ بالا بلکہ خون پالا بود

آن ابوجہل از محمد ننگ داشت / وز حسد خود را ببالا می فراشت

بوالحکم نامش بد و بوجہل شد / ای بسا اہل از حسد نااہل شد

من ندیدم در جہان جستجو / ہیچ اہلیت بہ از خوی نکو

انبیارا واسطہ زان کرد حق تا پدید آید حسدہا در قلق
درگذر از فضل و ازجستی و فن کار خدمت دارد و خلق حسن
زانکہ کس را از خدا عارے نبود حاسد حق ہیچ دیارے نبود
آن کسے کش مثل خود پنداشتے زان سبب با او حسد برداشتے
چون مقرر شد بزرگی رسول پس حسد ناید کسے را از قبول

اگر کوئی شخص ہمارے مذکورہ بالا بیان پر ابنیاء و اولیاء کے سبب اشکال وارد کرے۔ اور کہے کہ کیا ابنیا کا نفس کشتہ نہین تھا پھر لوگ اون کے کیون دشمن تھے۔ تو ہم کہین گے کہ اے طالب حق متوجہ ہو اور اپنے اشکال وشبہ کا جواب سن۔ یہ لوگ فی الحقیقت ابنیاء کے دشمن نہ تھے بلکہ وہ خود اپنے دشمن تھے اور ابنیا کی دشمنی کے پردہ مین خود زخم کھا رہے تھے۔ کیونکہ دشمن وہ ہوتا ہے جو دوسرے کی جان لینا چاہتا ہو۔ نہ کہ وہ جو خود دم توڑ رہا ہو دیکھو خفاش فی الحقیقت آفتاب کا دشمن نہین بلکہ وہ اس پردہ مین اپنا دشمن ہے۔ آفتاب کی چمک خود اوسکو مارتی ہے اور آفتاب کو اس سے کچھ صدمہ نہین پہنچتا۔ دشمن وہ ہے جس سے تکلیف پہنچے۔ اور لعل کو آفتاب سے مستفیض ہونے سے مانع ہو جائے۔ اس اصول کو مدنظر رکھنے کے بعد تم کو معلوم ہو جاویگا کہ کفار خود اپنے دشمن ہین کہ وہ اپنی ارواح کو جو بمنزلہ لعل کے ہین جوہر انبیاء کی شعاعون سے مانع ہین۔ لیکن یہ لوگ اس یکتا (نبی) کے آنکھ کے حجاب نہین کہ اوسکو مشاہدہ حق سے باز رکھین۔ اور اخذ فیض سے مانع ہون۔ بلکہ اپنی ہی تو آنکھون کو اندھی اور بھنگی کر رہے ہین انکی مثال ایسی ہے جیسے کہ وہ ہندوستانی غلام جو اپنے آقا سے عداوت رکھتا تھا۔ اور اپنے آقا کی مخالفت سے اپنے کو ہلاک کر دیا تھا۔ وہ کوٹھے سے اوندھے منہ اسلئے گر پڑا تھا تاکہ اسطرح آقا کا مالی نقصان کرے۔ لیکن سمجھو کیا یہ آقا کی مخالفت تھی ہرگز نہین۔ بلکہ خود اپنے ساتھ عداوت تھی۔ یون ہی اگر مریض طبیب کا مخالف ہو یا لڑکا اپنے ادیب کا مخالف ہو تو یہ لوگ خود اپنے دشمن ہین۔ اور اپنی عقل و جان کی راہ مارتے ہین۔ علی ہذا اگر وہی آفتاب پر غصہ ہو یا مچھلی پانی سے ناراض ہو۔ تو غور کرو کہ اسمین کسکا نقصان ہے۔ اور انجام کار اس سے کسکی قسمت پھوٹے گی۔ خود انہین کی نہ کہ آفتاب اور پانی کی۔ یہان تک اس اشکال کا جواب ہو گیا آگے عداوت با اہل اللہ کا منشا متعین فرماتے ہین اور اوسکی اصلاح فرماتے ہین اور کہتے ہین کہ اگر تجھکو حق سبحانہ نے زشت یعنی ناقص بنایا ہے تو تو اس نقصان غیر اختیاری کیساتھ ایک اور نقص زشت خوئی کا اضافہ نکر اور خوبرویون یعنی کاملین پر حسد نکر۔ اور اگر تیرے پاس جوتا ہو تو سنگلاخ مین ننگے پاؤن مت جا۔ یعنی جبکہ تو اس حمت سے بچ سکتا ہے تو ضرور بچ ریلا بضرورت رنج و زحمت مت خرید۔ اور اگر تو دو شاخ (آلہ عذاب) مین گرفتار ہے اور تکلیف نقص تجھکو لاحق ہے تو چار شاخ (آلہ عذاب) مین گرفتار نہو۔ یعنی مخالفت اہل کمال سے اوس نقص کو دونا نکرلے بیوقوف تو اسپر حسد کرتا ہے کہ مین فلان سے کم ہون اور اسکے ہوتے ہوئے میری کمتری اور بے قدری مین اضافہ ہوتا ہے۔ مگر اتنا نہین سمجھتا کہ اول تو تو کم تھا ہی پھر یہ حسد اور عیب اور نقصان ہے بلکہ تمام برائیون سے بڑی برائی ہے۔ اس سے تیرا نقصان اور بڑھتا ہے۔ اور تو پہلے سے بھی زیادہ برا ہوتا ہے دیکھو تو سہی اس حسد نے ابلیس کا کیا حشر کیا کہ کمتری کی عار و ننگ سے سوا بتری مین گر گیا۔ اور پہلے سے لاکھون درجہ کمتر ہو گیا۔ وہ احمق حسد سے تفوق چاہتا

مگر بہتر نہوا بلکہ خونریز اور خونخوار ہوگیا۔ اور ابوجہل کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے عار آئی اور ان سے اپنے کو بڑا سمجھتا رہا۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ پہلے ابوالحکم کہلاتا تھا اب ابوجہل مشہور ہوگیا۔ ارے نادان یہ حسد وہ بُری بلا ہے کہ اس سے بہت سے اہل نااہل ہوگئے اور قابل ناقابل بنگئے۔ خبردار تو اوس کے پاس نہ پھٹکنا تو خوشخوئی کو اختیار کر سکے یہ بہت بڑی دولت ہے مین نے بہت کچھ کنج وکاوکی مگر مجھے تو خوشخوئی سے بڑھکر کوئی اہلیت نہین معلوم ہوئی۔ انبیاء کو حق نے واسطا اسی لئے بنایا ہے اور براہ راست بندون کو احکام اسی لئے نہین سُنائے کہ لوگون کی استعدادات مکنونہ کا ظہور ہو۔ جو صالح الاستعداد ہین اون کی صلاحیت ظاہر ہوجاوے۔ اور جو فاسد الاستعداد ہین اونکا فساد ظاہر ہوجاوے۔ اور جوش مین آکر اون کا حسد کھلجاوے وجہ اسکی یہ ہی کہ انبیاؑ چونکہ صورۃً دوسرے لوگون کے مماثل ہین اور آدمی جنکو اپنا مماثل سمجھتا ہو اوسی کے تفوق سے حسد کرتا ہی اور اسکی اطاعت کو ننگ کی بات سمجھتا ہی پس لازم کہ انبیاؑ پر فاسد المزاج لوگ اپنی مثل سمجھکر حسد کرین اور چونکہ خدا کو کوئی اپنا مماثل نہین سمجھتا اسلئے اوسکی اطاعت سے کسیکو استنکاف بھی نہین۔ اور اوسکا کوئی حاسد بھی نہین یہی وجہ ہی کہ جن لوگونپر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی ثابت ہوگئی اونکو اطاعت مین کوئی عذر نہین اور نہ اون کو اس سے عار ہی۔ کہ انکی اطاعت ہم کیون کرین۔ پس جو لوگ فاسد المزاج فاسد الاستعداد تھے اونھون نے حسد کیا اور خسران ابدی مین مبتلا ہوگئے۔ اور جو لوگ معتدل المزاج صالح الاستعداد تھے اونھون نے اطاعت کی۔ اور مفلح وکامیاب ہوگئے۔ اس سے معلوم ہوگیا کہ حسد منبع شرور ہے۔ اور خلق حسن و اطاعت اہل کمال منبع خیرات پس تو لیاقت وقابلیت سب سے اعلیٰ مرتبہ حاصل کرنے کے خیال کو چھوڑ کہ یہی منشا رحسد ہے اور خدمت وخلق حسن اختیار کر کہ یہی کار آمد ہے (تنبیہ) ان ابیات مین ترتیب بدلی ہوئی ہی لہذا تم ہماری شرح سے مقدم ومؤخر کو متعین کرلو)۔

شرح شبیری گر شکال آرد الخ۔ یعنی اگر کوئی شخص ہمارے قول پر اشکال کرے۔ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ کے واسطے۔

کانبیا را نے کہ الخ۔ یعنی کہ کیا انبیا علیہم السلام کا (اور اسیطرح اولیاء اللہ کا) نفس مرا ہوا نہین ہوا تھا۔ (استفہام تقریری یعنی ضرور کشتہ تھا) پھر اون کے دشمن اور حاسد کسلئے تھے۔ حالانکہ تم کہتے ہو کہ جسکا نفس کشتہ ہوجاوے اوسکا جہان مین کوئی دشمن یا حاسد نہین رہتا۔ یہان تک تو شبہ کی تقریر تھی۔ آگے جواب فرماتے ہین کہ۔

گوش نہ اے الخ۔ یعنی کہ اے درست بات کے طالب ذرا کان رکھ اور اس اشکال اور شبہ کا جواب سُن۔ کہ۔

دشمن خود بودہ الخ۔ یعنی وہ منکر (کافر) تو اپنے ہی دشمن تھے۔ اور اپنے ہی اوپر وہ اس طرح زخم مارتے تھے اسلئے۔

دشمن آن باشد الخ۔ یعنی دشمن تو وہ ہوتا ہی کہ جان (رگ لینے) کا قصد کرے اور وہ دشمن نہین ہوتا جو کہ خود ہی جان کنی کرتا ہے۔ یہان مصرعہ اول مین جان سے مراد علوم ومعارف مین اب مطلب یہ ہوگیا۔ کہ دشمن تو حقیقۃً وہ

ہوتا ہی۔ جو کہ کوئی ضرر آخرت اور حقیقی ضرر پہونچا سکے اور تقرب حق اور علوم و معارف مین سے کچھ لے لے اور ان چیزونکو برباد کر دے اور جو شخص کہ خود ہی جلے اور مرے وہ کیا دشمن ہوگا اسلئے کہ اس محسود کا کیا ضرر کیا اگر کچھ کھویا تو اپنا ہی کھویا۔ آگے کفار کی دشمنی کی ایک مثال فرماتے ہین کہ۔

نیست خفاشک الخ۔ یعنی (دیکھو) چمگادڑ آفتاب کی دشمن نہین ہی۔ (اور اوس کو کوئی ضرر نہین پہونچا سکتی بلکہ خود ہی اپنا نقصان کر رہی ہی) اور اپنی ہی دشمن ہی۔ کہ پردہ مین آگئی ہے۔ (اور انوار شمس سے محروم ہی۔

تابش خورشید الخ۔ یعنی آفتاب کی چمک اوسکو (حسد کی وجہ سے) مارے ڈالتی ہی۔ لیکن اوسکا رنج خورشید کو تو ہرگز ذرا بھی نہین پہنچتا۔ یعنی اوس چمگادڑ کے پوشیدہ ہو نیسے خورشید کو مطلق بھی رنج نہین ہی۔ ہان اوسکا خود ہی نقصان ہی۔ اسی طرح یہ کفار بھی خود انوار و تجلیات و برکات نبوت سے محروم ہین۔ مگر انبیاء کو کیا ضرر پہونچاتے ہین۔ یہان تک تو دشمن کے اول قسم کا بیان تھا۔ جو کہ کوئی ضرر حقیقی پہونچا سکے آگے اوسکو بتاتے ہین کہ جو کسی جلب نفع سے مانع ہو فرماتے ہین کہ۔

دشمن آن باشد الخ۔ یعنی دشمن تو وہ ہوتا ہی کہ اُس سے عذاب (ضرر حقیقی) پہونچے۔ (اور وہ ضرر یہ کہ) لعل (انبیاء و اولیاء) کو آفتاب (حق سبحانہ تعالیٰ) سے (فیض حاصل ہونیسے) مانع ہو اور انبیاء و اولیاء مین یہ بات نہین ہی بلکہ خواہ کفار اور معاندین اور منکرین اور حاسدین کا بغض اور کینہ کتنا ہی بڑھ جاوے مگر اون کے ترقی مراتب مین ذرہ برابر بھی کمی نہین ہوتی لہذا معلوم ہوگیا کہ کفار اور معاندین انبیاء و اولیاء کے دشمن ہی نہین ہین بلکہ اپنے ہی دشمن ہین۔

مانع خورشید جملہ الخ۔ یعنی سارے کافر اپنے کو انبیاء کی ذات کی شعاع سے (اور اون کے انوار سے) روک رہے ہین تو اپنا ہی نقصان کر رہے ہین۔

کے حجاب چشم الخ۔ یعنی اوس یکتا (یعنی حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ حجاب یہ مخلوق کب ہو سکتی ہی۔ (اور اون کو فیوض کے حاصل ہونے سے کب روک سکتے ہین بلکہ مخلوق نے اپنی آنکھ کو اندھا اور کج کر رکھا ہی کہ اوس کوری اور کجی کیوجہ سے اونپر حق ظاہر نہین ہوتا۔ آگے مولانا ان حاسدین کے حسد کی ایک اور مثال دیتے ہین کہ۔

چون غلام ہندوی الخ۔ یعنی مثل ہندی غلام کے کہ وہ کینہ کرتا ہی۔ اور آقا کی لڑائی کیوجہ سے اپنے کو مار ڈالتا ہی۔ چونکہ ہندوستان سے محمود غزنوی وغیرہ کے زمانہ مین بہت سے غلام اور باندی قید ہو کر گئے اسلئے مطلق غلام کو فارس مین ہندی کہنے لگے۔ مطلب یہ کہ ان معاندین کی اہل حق سے عداوت کی ایسی مثال ہی کہ جیسے کوئی ہندی غلام اپنے آقا سے لڑے اور اوسکا نقصان کرنیکو خود مر جاوے۔ کہ جب مین مر جاؤنگا تو جو میری قیمت ہی اسقدر اسکا نقصان کرتا ہی۔ تو اس آقا کا تو صرف مال ہی کا نقصان کیا مگر اپنا تو جانکا نقصان کیا اسی طرح یہ کفار ہین کہ انبیا کو بظاہر تھوڑی سی کلفت جسمانی پہونچا کر اپنی آخرت کو خراب کرتے ہین ان پر یہ مثل صادق ہے کہ پرائے شگون کو اپنی ناک کٹائی۔ آگے فرماتے ہین کہ۔

سر نگون می الخ۔ یعنی وہ غلام گھر کے کوٹھے سے اوندھا گر جاتا ہی تاکہ آقا کا کچھ نقصان کرے۔ مگر آقا کا تو کوئی ایسا ضرر کہ جسکا تدارک نہو سکے نہوا مگر اوسکا ایسا ضرر ہوا ہی کہ اوسکا تدارک ہو ہی نہین سکتا۔ کہ جان ہی گئی جو کہ اصل ہی

آگے مولانا انکی عداوت کی ایک مثال دیتے ہین - سچ یہ ہی کہ مولانا ہی ان علوم کو خوب سمجھتے ہین اور انکا فہم حق تعالی نے مولانا علیہ الرحمتہ ہی کو عنایت فرمایا ہی - کہ بس ایک بات کو سمجھکر اوس کو مختلف عنوانون سے اور مثالون سے سمجھاتے ہین - فرماتے ہین کہ -

گر شود بیمار الخ - یعنی اگر بیمار طبیب کا دشمن ہوجاوے اور اگر لڑکا اوستاد اور معلم سے عداوت کرے تو درحقیقت یہ لوگ اپنی جان کے خود ہی رہزن ہین اور اپنی عقل اور جان کی خود ہی رہزنی کررہے ہین اور اوس طبیب یا اوستاد کا کچھ بھی ہرج نہین - یہ خود ہی طبیب اور اوستاد کے فیض سے محروم رہین گے - یایون سمجھو کہ -

گازرے گر خشم الخ - یعنی اگر دہوبی آفتاب سے خفا ہوجاوے - (اور کہنے لگے کہ ہم آفتاب مین کپڑے نہین سکھلتے یا کوئی مچھلی پانی سے خفا ہوجاوے (اور کہے کہ مین پانی مین نہین رہتی اور اوس سے نکل آوے) تو تم خوب اچھی طرح دیکھو کہ نقصان کسکو ہوگا - اور آخر کار سیاہ اختر (اور بدنصیب) کون ہوگا - ظاہر ہے کہ یہ دہوبی اور یہ مچھلی ہی ہونگے ان کے خفا ہوجانے سے آفتاب اور پانی پر کیا اثر پڑا وہ تو اوسی طرح درخشان اور وہ اوسی طرح صاف پاک رہا - یہی خود مرین گے - اسی طرح انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ کے حاسدین خود ہی حسرت و افسوس کرین گے مگر اون کو کوئی کسی قسم کا ضرر نہین پہونچا سکتے - لہذا ثابت ہوگیا کہ چونکہ اولیاء اللہ اور انبیاء علیہم السلام کا نفس کشتہ تھا اسلیئے کوئی حقیقی ضرر رسان اون کے لئے نہ تھا آگے مولانا اس مضمون سے انتقال فرماکر اسکو بیان فرماتے ہین کہ جسقدر عیوب اور بری باتین تمھارے اندر اب موجود ہین خیر ان ہی تک رکھو - ان اخلاق رذیلہ کو ترقی تو ندو - جس حد پر یہ ہین اوسی حد تک رکھوگے تو ایکدن انکا بھی قلع قمع بالکلیہ ہوجاوے گا پس فرماتے ہین کہ -

گر ترا حق آفریدہ الخ - یعنی اگر حق تعالی نے تم کو بری صورت پیدا کیا ہی (چونکہ دنیا مین خوبصورت کم اور بدصورت زیادہ ہین اسلیئے یہان زشت رو کہدیا ہے) تو تم بدصورت اور بدسیرت دونون مت ہوجاؤ - مطلب یہ کہ تم اس کمی کو اور ترقی مت دو چاہیے تو یہ تھا کہ جسقدر کمی اور نقص ہے اوسکو بھی زائل کرتے یہ تو نہ کیا بلکہ اور اوس مین ترقی کرنا شروع کردی - ایسا ہرگز مت کرو - آگے ایک مثال دیگر واضح فرماتے ہین کہ -

ور بود کفشت مرد الخ - یعنی اور اگر تمھارے (پاس سواری پاؤن کی حفاظت کی نہو بلکہ صرف) جوتیان ہون تو تم سخت زمین مین مت چلو کہ اس جوتہ سے بھی ہاتھ دہو بیٹھوگے اور جو کچھ حفاظت پیر کی اب یہ کررہا ہی پھر اتنی بھی نہ رہے گی) اور اگر اسوقت تمھارے (عذاب دینے کے) لیئے دو شاخ مقرر ہوئی ہین تو تم چار شاخ مین مت ہو - دو شاخ اور چار شاخ سے آلۂ تعذیب مراد ہین دو شاخ سے تکلیف کم ہوتی ہے - اور چار شاخ سے زیادہ مطلب یہ کہ اگر تمھارے پاس اخلاق حمیدہ اور بصیرت نہو تو تم ان ذمیمہ ہی کو اپنی حد پر رکھو اور ان کو ترقی مت دو ورنہ پھر بالکل ہی برباد اور غارت ہوجاؤ گے -

تو حسودی کز الخ - یعنی کہ تم تو حسد کرتے ہو کہ مین فلان سے کم ہون - (اور وہ مجھ سے بڑا کیون ہے اور یہ سمجھتے ہو کہ اوسکے مراتب کا بڑھنا تمھاری کمی کا بڑھنا ہے لیکن یہ نہین سمجھتے کہ) خود حسد ہی ایک علیحدہ کمی ہی - بلکہ تمام کمیونسے یہ بدتر ہے - اسلیئے کہ رذائل مین سے سب سے زیادہ ردی یہی ہے - آگے حسد کے نقصان وہ ہونیکو مثال دیگر بیان فرماتے ہین کہ -

آن بلبیس الخ۔ یعنی کہ ابلیس نے اس کمتری ہی کی شرم اور عار کیوجہ سے اپنے آپ کو سیکڑون ابتریون مین ڈال لیا۔ (کہ یون کہنے لگا کہ انا خیر منہ خلقتنی من نار و خلقتہ من طین) اور وہ شیطان حسد کیوجہ سے چاہتا تھا کہ بلند اور بالا (مرتبہ والا) ہو جاوے۔ مگر بالا تو کیا ہوتا خون آلودہ ہو گیا۔ یعنی ناپاک اور مردود ہو گیا۔ اور بالا و بلند خاک بھی نہوا۔ آگے ایک اور مثال اسکی دیتے ہین کہ۔

آن ابوجہل الخ۔ یعنی کہ ابوجہل محمد صلی اللہ علیہ وسلم (کے اتباع) سے شرم رکہتا تھا۔ اور حسد کیوجہ سے اپنے کو بلندی کیطرف اُبھارتا تھا لیکن اوسکا یہ نتیجہ ہوا کہ ابوالحکم (بڑا فیصلہ کرنیوالا) اوسکا نام تھا اور (حسد کے بعد) ابوجہل (بڑا اکثر جاہل) نام ہو گیا۔ اور بہت (سے ایسے) ہین (کہ) جو اہل تھے مگر حسد کیوجہ سے نااہل ہو گئے۔ اور اچھی طرح غارت اور برباد ہو گئے۔ جیسا کہ شیطان اور ابوجہل حسد ہی کی بدولت مردود اور مطرود ہین آگے فرماتے ہین کہ۔

من ندیدم الخ۔ یعنی مین نے تو جہان طلب مین سوائے اچھی خصلت کے کوئی اہلیت نہین دیکھی اور اس سے بہتر کوئی شئے نہین اور یہ حاصل ہوتی ہے نفس کشتن سے اور اخلاق ذمیمہ کے ازالہ سے پس ان سبکو چھوڑو اور اخلاق حمیدہ کو حاصل کرو۔ آگے مولانا ایک بالکل نیا مضمون مگر بہت ہی لطیف بیان فرماتے ہین۔ جسکا خلاصہ یہ ہے کہ ایک اشکال یہ ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ جبکہ بندون کو بلا کسی واسطہ کے فیض پہونچا سکتے تھے تو پھر انبیاء علیہم السلام کو درمیان مین واسطہ لانیکی کیا ضرورت تھی مولانا اسکا جواب فرماتے ہین کہ جسکا یہ خلاصہ ہے کہ حق تعالیٰ کو مقصود حسد کا امتحان لینا تھا کہ کون ایسا ہے جو کہ حسد جیسے اردالا اخلاق مین مبتلا ہے اور کون مبتلا نہین ہے۔ پس اگر حق تعالیٰ خود ہی بلا واسطہ فیض پہونچاتے تو اون سے کیکو حسد نہوتا۔ اسلئے کہ حسد تو اپنے ہمجنس سے ہی ہوتا ہے۔ کہ یہ اسقدر بڑہ گیا اور ہم رہگئے۔ اور دنیا مین جو بھی خدا کے قائل ہین وہ کسی حالت مین اپنے کو اللہ تعالے سے بڑہا نہین سکتے۔ اور اسکے ہرگز قائل نہین ہو سکتے۔ کہ ہم خدا کے برابر ہین۔ نعوذ باللہ منہ۔ لہذا جو مقصود تھا یعنی اظہار حسد وہ حاصل نہوتا۔ اسلئے انبیاء علیہم السلام کو درمیان مین واسطہ ڈالا مگر چونکہ اون کے بعد پھر کسیکو حسد نہ رہتا اسلئے کہ عادۃً حسد ہمعصر سے ہی ہوتا ہے اور بعد والون کو حسد نہین ہوتا خواہ کسی اور وجہ سے ایمان نہ لاوین مگر حسد ہرگز نہین ہوتا۔ پس آزمایش ایک زمانہ کے لئے مخصوص ہوتی اور بعد کے لوگون کی آزمایش نہوتی اسلئے حق تعالے نے نبوت کے بعد ولایت کا درجہ رکھا کہ نبیون کے بعد ولی ہون گے اور لوگ دنیا مین اون سے حسد اور عناد رکھین گے۔ اس طور پر ہمیشہ یہ آزمایش باقی رہے گی۔ اس لئے کہ ہر زمانہ مین اولیاء اللہ اوس زمانہ کے موجود ہوتے ہین اب اشعار کو سمجھو کہ انشاء اللہ خوب اچھی طرح حل ہو جاوین گے۔

انبیا را واسطہ الخ۔ یعنی انبیا کو حق تعالے نے اسلئے واسطہ ڈالا ہے تا کہ حسد خوب اچھی طرح ظاہر اور واضح ہو جاوین۔ اور کوئی یہ نسمجھے کہ رسالت کی حکمت صرف یہی ہے کہ حسد کو ظاہر کیا جاوے۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ منجملہ اور حکمتو کے ایک یہ بھی حکمت ہے خوب سمجھ لو۔

در گذر از فضل الخ۔ یعنی چستی اور فنون مین بڑائی کو چھوڑ دو۔ اور خدمت کرنا اور اچھے اخلاق ہی کام کی چیز مین

اس لئے کہ اگران چیزون مین بڑھنا چاہوگے تو پھر وہی حسد پیدا ہوگا۔ پس اس سے بچو یہ جملہ معترضہ کے طور پر اوسکی برائی پھر بیان فرما کر مضمون واسطہ کو بیان فرماتے ہین کہ۔

تانکہ کس را الخ۔ یعنی (انبیاء علیہم السلام کو حق تعالیٰ) اسلئے (واسطہ ڈالا) کہ حق تعالیٰ (کے ابتاع) سے توکسیکو عار نہ تھی۔ اور حق تعالیٰ کا حاسد کوئی شخص نہوتا۔ لہذا وہ حسد کا ظہور نہوتا۔

آن کسے کش مثل الخ۔ یعنی جس شخص کو کہ اوسکو تونے اپنے مثل جانا کہ جیسے ہم انسان ہین ویسے ہی یہ بھی ہے اور خود ہمارے مین سے پیدا ہوا ہے۔ توپھر اسکو یہ درجہ کیون ملا) اس سبب سے اسکی ساتھ تونے حسد اُٹھایا لہذا ابنیاء سے حسد کیا جیسا کہ ظاہر ہی۔ اور وہ مقصود پورا ہوگیا۔ مگر چونکہ نبوت تو حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگئی تھی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مین تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی مسلم ہوچکی ہی۔ اب کیسکو حسد نہ رہتا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ آزمایش کے جاری رکھنے کو اولیاء کو پیدا فرمایا۔ اسی کو آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔

چون مقرر شد الخ۔ یعنی جبکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی مسلم ہوچکی ہی پس اب کیسکو قبول (حکم) سے حسد (مانع) نہوتا خواہ اور کوئی امر اسکے علاوہ مانع ہوجاتا مگر حسد نہوتا اسلئے کہ حسد تو معاصرین ہی کو ہوتا ہی۔

شرح حبیبی

پس بہر دورے ولئے قائم است ‌ ‌ ‌ تا قیامت آزمایش دائم است

ہر کرا خوئے نکو باشد برست ‌ ‌ ‌ ہر کسے کو شیشہ دل باشد شکست

پس امام حی آن قائم ولی است ‌ ‌ ‌ خواہ از نسل عمرؓ خواہ از علیؓ است

مہدی وہادی ویست اے راہ جو ‌ ‌ ‌ ہم نہان وہم نشستہ پیش رو

او چو نورست و خرد جبریل او ‌ ‌ ‌ آن ولے کم از و قندیل او

وانکہ زین قندیل کم مشکوۃ ماست ‌ ‌ ‌ نور را در مرتبت ترتیبہاست

زانکہ ہفصد پردہ دارد نور حق ‌ ‌ ‌ پردہائے نور دان چندین طبق

از پس ہر پردہ قومی را مقام ‌ ‌ ‌ صف صف اند این پردہاشان تا امام

اہل صف آخرین از ضعف خویش ‌ ‌ ‌ چشم شان طاقت ندارد نور بیش

وان صف پیش از ضعیفی بصر ‌ ‌ ‌ تاب نارد روشنائے بیشتر

روشنی کو حیات اول است ‌ ‌ ‌ رنج جان و فتنۂ این احول است

احولیہا اندک اندک کم شود ‌ ‌ ‌ چون ز ہفصد بگذرد او یم شود

آتشے کاصلاح آہن یا زرست ‌ ‌ ‌ کے صلاح آبی وسیب ترست

سیب وآبی خامئے دارد خفیف ‌ ‌ ‌ نے چو آہن تابشے خواہد لطیف

لیکن آہن را لطیف آن شعلہاست ‌‌ ‌ کو جذوب تابش آن اژدہاست

ہست آن آہن فقیر سخت کش ‌ ‌ زیر پتک و آتش است و سرخ و خوش

حاجب آتش بود بے واسطہ ‌ ‌ در دل آتش رود بے رابطہ

بے حجاب آب و فرزندان آب ‌ ‌ پختگی ز آتش نیابند و خطاب

واسطہ دیگے بود یا تابۂ ‌ ‌ ہمچو پا را در روش پاتابۂ

یا مکانے درمیان تا آن ہوا ‌ ‌ مے شود سوزان و مے آرد بما

پس فقیر آنست کو بیواسطہ است ‌ ‌ شعلہا را با وجودش رابطہ است

پس فقیر آنست کو خود را دہد ‌ ‌ آب حیوانے کہ ماند تا ابد

پس دل عالم ویست زیرا کہ تن ‌ ‌ می رسد از واسطہ این دل بفن

دل نباشد تن چہ داند گفتگو ‌ ‌ دل نجوید تن چہ داند جستجو

پس نظرگاہ شعاع آن آہن است ‌ ‌ پس نظرگاہ خدا دل نے تن است

باز این دلہاے جزوی چون تن است ‌ ‌ با دلے صاحبدلے کو معدن است

بس مثال و شرح خواہد این کلام ‌ ‌ لیک ترسم تا نلغزد فہم عام

تا نگردد نیکوئے ما بدے ‌ ‌ اینکہ گفتم ہم نبد جز بیخودی

پاے کژ را کفش کژ بہتر بود ‌ ‌ مر گدا را دستگہ بر در بود

مضمون بالا سے تم کو یہ شبہ نہونا چاہیے۔ کہ انبیاء کا دور ختم ہوگیا۔ لہذا آزمایش بھی ختم ہوگئی۔ اور اب حسد مضر نہین کیونکہ ہر زمانہ مین ایک ولی ہوتا ہے۔ جو قطب ارشاد کہلاتا ہے اب وہ حقیقی جانشین ہوتا ہے۔ نبی امت کا اور اسکی اطاعت بھی یون ہی موجب خیرات و برکات اور اسپر حسد اور اسکا انکار بھی یون ہی موجب حرمان و خذلان ہوتا ہے جسطرح نبی کی اطاعت اور اسکا انکار۔ لہذا یہ آزمایش قیامت تک جاری رہیگی پس جو شخص خوشنصیب صالح الاستعداد ہوگا رہائی پائیگا۔ اور جو ضعیف القلب فاسد المزاج ہوگا نقصان اٹھائیگا۔ اپنے زمانہ کا امام حی و قائم وہی ولی ہوتا ہے۔ خواہ حضرت عمرؓ کی نسل سے ہو یا حضرت علیؓ کی اور اپنے زمانہ کا وہی مہدی ہوتا ہے ہان وہ محجوبین سے محجوب ہوتا ہے اور عارفین کے لیئے ظاہر۔ نہ یہ کہ مہدویت شخص واحد مین منحصر ہے اور وہ غار سر من رائے مین چھپا ہوا ہے۔ اور حسن عسکری کا بیٹا ہے۔ جیسا کہ شیعون کا خیال ہے) اوسکے ماتحت اور بہت سے اولیاء اللہ ہین اور اون کی اطاعت اونکا انکار نہ کرنا بھی ضروری ہے۔ اس قطب ارشاد اور دیگر اہل اللہ کی ایسی مثال ہے جیسے کہ شعلہ چراغ اور قندیل و مشکوۃ وغیرہ سو قطب ارشاد تو بمنزلہ شعلہ چراغ ہے اور اوس سے جو بلا واسطہ مستفید ہین وہ بمنزلہ قندیل کے اور جو ان سے مستفید ہین وہ بمنزلہ طاق کے جسمین وہ قندیل رکھا ہوا ہے۔ غرض اسی طرح نور کے مراتب مختلف ہوتے چلے گئے ہین اور اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ نور حق سبحانہ کے لیئے سات سو بلکہ بکثرت پردہ ہین نور وہ سب حجب نورانی ہین۔ اور ہر پردہ کے پیچھے ایک گروہ کی جگہ ہے پس جو لوگ تمام حجب کو طے کر گئے ہین وہ تو نور علی نور ہین اور جو پردہ اول کے قریب ہین او پر تیز روشنی پڑتی ہے۔ اور جو ان سے پیچھے ہین اون پر اسے

کم اور جو اونسے پیچھے ہین اون پر اونسے کم علیٰ ہذا القیاس - اور اس تفاوت مقامات کی اصل وجہ تفاوت استعدادات ہے جو سب سے پیچھے ہین چونکہ اونکی استعداد بہت کم ہے اسلئے وہ ہنوز اس سے زائد نور کی تاب نہین لا سکتے - اور جو اونسے آگے ہین وہ اسی قدر نور کی برداشت کر سکتے ہین اور اس سے زیادہ کا تحمل نہین کر سکتے - اور جو روشنی اگلی صف والونکے لئے مایۂ حیات ہے وہ پچھلی صف والے ضعیف البصر لوگون کے لئے وبال جان - اور مضر ہے - پس رفتہ رفتہ یہ استعداد بڑھتی جاتی ہے اور ضعف بصر گھٹتا جاتا ہے - اور نظر قوی ہوتی جاتی ہے - اور جبکہ سب حجب طے ہوجاتے ہین تو حق سبحانہ سے اتصال معنوی حاصل ہو جاتا ہے - اور آدمی عارف کامل و اکمل ہوجاتا ہے - ہمارے اس بیان کہ جو روشنی اگلی صف والون کے لیے مایۂ حیات ہے وہی روشنی پچھلی صف والون کے لئے وبال جان ہے کچھ استبعاد نہونا چاہیے - کیونکہ اسکی نظیر محسوسات مین بھی موجود ہے - دیکھو جسقدر آگ سے لوہے یا سونے کی اصلاح ہوتی ہے اسقدر آگ سے بہی اور سیب تر کی اصلاح نہین ہو سکتی بلکہ وہ انکے لئے مفسد اور جلا کر خاک کر دینے والی ہے وجہ کیا ہے وہی تفاوت استعداد چونکہ بہی و سیب مین ہنوز خامی موجود ہے اسلئے نرم آنچ کی ضرورت ہے لیکن لوہے کے لیئے شعلہائے عالیشان ہی بمنزلہ نرم آنچ کے ہین کیونکہ وہ اپنی پختگی کے سبب اس خطرناک اثر دہے یعنی آگ کے شعلونکا جاذب اور متحمل ہے - اسی طرح سمجھ لو کہ فقیر کامل جو مجاہدات و ریاضات کی مشقتین جھیل چکا اور پختگی حاصل کر چکا ہے سو وہ لوہے کی طرح گندن اور آگ کے نیچے سرخ اور خوش ہے - اور آتش جلال حق سبحانہ کا بلا واسطہ تحمل کرتا ہے - اور بدون واسطہ کے آگ مین داخل ہوجاتا ہے - لیکن جو لوگ پانی یا پانی سے پیدا شدہ چیزون کی طرح خام اور ضعیف الاستعداد ہین وہ بدون واسطہ کے پختہ نہین ہو سکتے - اور اس قابل نہین کہ آگ بلا واسطہ ان سے مخاطب ہو اور ان کی طرف توجہ کرے - لہذا ضرورت ہے کہ کوئی پختہ ہانڈی اور توے کی مانند واسطہ ہو - تاکہ وہ آگ سے متمتع ہو سکین یا یون کہو کہ ان کی مثال ایسی ہے جیسے پاؤن اور کامل کی مثال ایسی ہے کہ جیسے پاتابہ وغیرہ پاؤن اگر بدون پاتابہ کے سنگلاخ وغیرہ مقامات پہ چلے تو اسے نقصان پہونچے گا - اور اگر پاتابہ کی مدد سے چلے تو محفوظ رہیگا - وجہ وہی پاتابہ کی پختگی اور پاؤن کی خامی ہے - پاؤن کو بمنزلہ میوہ کے سمجھ - اور کامل کو بمنزلہ مکان پر ہوا کے - میوہ اسی وقت بڑھتا اور پکتا ہے جبکہ ہوا آفتاب سے گرمی حاصل کر کے اس تک پہونچا دے - اور بدون ہوا کے واسطہ کے میوہ آفتاب سے متمتع نہین ہو سکتا - مضمون سابق کے مناسب اب ہم ایک اور بات بتلانا چاہتے ہین غور سے سنو - وہ یہ کہ جنس ولی ہی وہ ہے جسکے اور فیوض حق سبحانہ کے درمیان کوئی واسطہ نہین اور ان فیوض کو اس سے براہ راست تعلق ہے اور وہ جنس ولی ہی ہے - جو بلا واسطہ آب حیات پیتا ہے جس سے وہ دائم البقا ہوجاتا ہے پس وہ بمنزلہ قلب عالم کے ہے اور باقی عالم بمنزلہ جسم کے جسطرح جسم کو کمالات دل سے حاصل ہوتے ہین یون ہی عالم کو کمالات اسکے واسطہ سے حاصل ہوتے ہین گو جنس ولی کو اسکا تفصیلی علم نہو - کہ اوسکے واسطہ سے کسی کو کیا مل رہا ہے) اگر وہ نہو تو عالم کو کچھ بھی حاصل نہین ہو سکتا کیونکہ اگر دل نہو تو جسم بولنا کیا جانے - اور طلب سے کیونکر واقف ہو - یہ سب کچھ دل ہی کی برکت سے ہے - پس جسطرح شعاع آتش کا مطمح نظر لوہا ہوتا ہے - یون ہی حق سبحانہ کا منظور نظر وہ دل ہے نہ کہ جسم

(یعنی باقی عالم) یہ تو دل اور مجھو بین وغیرہ کا درمیانی فرق تھا اب اہل اللہ کا آپس کا فرق سمجھو اہل اللہ تابعین کو قطب ارشاد کے ساتھ وہی تعلق ہے جو تن کو دل سے۔ یہ لوگ قطب ارشاد کے مقابلہ مین بمنزلہ تن کے ہین اور قطب ارشاد اصل اور دل۔ اس مضمون کی توضیح کے لیئے بہت سی مثالون اور بہت تفصیل کی ضرورت ہے مگر مجھے اندیشہ ہے کہ ایسا نہو عوام کو غلط فہمی ہو جاوے۔ اور بھلائی کے بدلے برائی حاصل ہو۔ اسقدر بھی کہنا مناسب نہ تھا مگر سکر مین کہہ ڈالا بات یہ ہے کہ ہر چیز اپنا مناسب چاہتی ہے چنانچہ ٹیڑھے پاؤن کے لیے ٹیڑھے ہی جوتے کی ضرورت ہے۔ اور فقیر کی رساق دروازہ ہی تک ہوتی ہے اور یون ہی ان کج فہم اور دولت باطنی سے بے بہرہ لوگون کے لئے موٹی ہی باتین مناسب ہین جو اُن کی سمجھ مین آسکین۔ دقائق اونکے لئے ہرگز مناسب نہین۔ اس بیان مین حسد کی مذمت اور کج فہمی کی بُرائی بیان کی تھی۔ اس مناسبت سے آگے دو غلامونکا قصہ بیان فرماتے ہین۔

شرح شبیری پس بہر دورے الخ۔ یعنی پس ہر زمانہ مین ایک ولی قائم موجود ہوتا ہے۔ اور قیامت تک آزمائش (حسد) باقی رہے گی۔

ہر کرا خوئے نکو الخ۔ یعنی کہ جو اچھی خصلت والا ہوگا وہ تو (عذاب سے) چھوٹ جاویگا (اور آزمائش مین کامیاب ہوگا) اور جو شخص شیشہ دل (اور تنگ مزاج) ہوگا وہ ٹوٹ جاویگا۔ (یعنی اوسکی خوب گت بنیگی) آگے فرماتے ہین کہ۔

پس امام حی قائم الخ۔ یعنی پس زندہ امام قائم وہ ولی ہی ہے خواہ عمر رضی اللہ عنہ کی نسل سے (یعنی فاروقی) ہو اور خواہ علی رضی اللہ عنہ کی نسل سے ہو (یعنی علوی) غرضکہ ہر زمانہ مین ایک شخص ایسا رہیگا کہ جو اوس زمانہ مین امام قائم اور سبکا سردار ہوگا۔ اور سبکو اوسکے ذریعہ سے فیض پہونچے گا۔ جسکو کہ اصطلاح مین قطب کہتے ہین۔ اس شعر مین ایک لطیف اشارہ شیعوں کے رد کی طرف بھی ہے۔ کہ وہ کہتے ہین کہ امام صرف حضرت مہدی علیہ السلام ہین جو کہ پوشیدہ ہین اور علوی ہین اور اون کے ظہور کا ایک وقت معین ہے۔ یہان مولانا فرماتے ہین کہ وہی خاص امام نہین ہین بلکہ ہر زمانہ مین اوس زمانہ کا ولی ہوتا ہے اور وہ ظاہر بھی ہوتا ہے۔ اوسکے لئے جسکو بصیرت ہو اور جسکو بصیرت نہو اوسکے لئے پوشیدہ ہی ہے۔ آگے مہدی کہنا بھی اس اشارہ کی تائید کرتا ہے فرماتے ہین کہ۔

مہدی و ہادی الخ۔ یعنی ہدایت دینے والا اور خود ہدایت پانے والا یہی ہے اسے طالب حق اور وہ پوشیدہ بھی ہے اور منہ کے سامنے بھی بیٹھا ہے۔ مطلب یہ کہ جسکو حق تعالیٰ نے حقیقت شناس آنکھ دی ہو وہ تو اوسکے کمالات کو دیکھے گا اور اوسکا اتباع کریگا اور جو اندھا ہو اور اوسکو بصیرت حاصل نہو اوس سے اوسکے کمالات پوشیدہ ہونگے۔ اور وہ نفع سے بھی محروم رہیگا۔ اب آگے اسی کے متعلق ایک اور مضمون بیان فرماتے ہین جسکا حاصل یہ ہے کہ اون اولیاء مین بھی مراتب مختلف ہین ایک تو سب سے بڑا ہوگا اور دوسرے اوس سے کم ہونگے۔ اور پھر اون مین بھی علی فرق مراتب کمی زیادتی ہوگی۔ اسلئے ہر طالب کو یہ نہ چاہیئے کہ وہ اوس بڑے اور قطب ہی سے فیض کو حاصل کرنا چاہیے بلکہ اوسکو چاہیے کہ جو اوسکے قابل ہو اور جس سے اوسکو نفع ہو اوس سے فیض حاصل کرے۔ ورنہ اگر اوس قطب کے پاس گیا تو اپنی

کم فہمی اور کم استعدادی کیوجہ سے اوسکے کمالات کو نہ سمجھیگا - اور پھر یا تو اوس سے بد اعتقاد ہو کر اپنا ایمان کھو دیگا یا ویسے ہی کافر اور زندیق بنجاویگا - اور بے سمجھے بوجھے اوسکی تقلید اوتاریگا تو پھر ایمان کہان سلامت رہ سکتا ہی - اسی لئے حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ کے آخر زمانہ مین حضرت مولانا رشید احمد صاحب محدث رحمۃ اللہ علیہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ بہت سے لوگ مکہ جاتے ہین اور ایمان وہین چھوڑ آتے ہین - اسلئے کہ آخر عمر مین حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہم کے کمالات اسدرجہ کو پہونچ گئے تھے کہ ہر ایک کی سمجھ مین نہ آتے تھے - پھر یا تو غیر معتقد ہو جاتا تھا اور یا زندیق ہو جاتا تھا اور چونکہ اوس ولی اعظم کے کمالات اسدرجہ عالی ہوجاتے ہین کہ کسیکی سمجھ مین نہین آتے - مگر اون کے جو اون سے مناسبت رکھتے ہین اس لیے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہین کہ کوئی شخص اسوقت تک صدیق نہین ہوسکتا جب تک کہ ستر صدیق اوسکو زندیق نہ کہین یعنی اوسکے کمالات اسدرجہ کو پہونچ جاوین کہ جب لوگون کی سمجھ مین نہ آدین تو لوگ اوسکو زندیق اور کافر کہنے لگین اور اس زمانہ مین یہ شان حضرت مولانا حکیم الامۃ شاہ اشرف علی صاحب ہین بالکل کھلم کھلا دکھلائی دے رہی ہی - کہ مولانا دام ظلہم ہی قطب اس زمانہ کے اور ولی اعظم ہین اسی لئے حضرت کو لوگون نے کافر وغیرہ بھی کہا ہی خوشا نصیب اون لوگون کے جنکو مولانا دام ظلہم سے تعلق ہے اے اللہ مولانا دام ظلہم کے برکات اور فیوض سے اس گناہگار کو بھی کچھ حصہ عطا فرما - اور اتباع سنت اور محبت اپنی کوٹ کوٹ کر میرے دلمین بھردے - اب اشعار کو سمجھئے فرماتے ہین کہ -

وچہ نور ست الخ یعنی کہ وہ (ولی اعظم) مثل نور کے ہے اور عقل اوسکی جبریل (کی جگہ) ہے (یعنی کہ جسطرح جبریل علیہ السلام وحی کے پہونچانیکا واسطہ تھے اسیطرح یہان اسکی عقل فیوض کے لیئے واسطہ ہی) اور جو ولی کہ اس سے کم ہی وہ اسکی قندیل ہے -

وانکہ زین الخ - یعنی اور وہ کہ اس قندیل سے کم ہی وہ ہمارا مشکوۃ (طاق) ہی اور مرتبہ مین نور کے بہت ترتیب ہین یہ اقتباس ہے - آیت اللہ نور السموات والارض مثل نورہ کمشکوۃ فیہا مصباح المصباح فی زجاجۃ یعنی کہ اصلی نور تو وہ ولی اعظم ہے اوس تک تو رسائی بہت کم ہوتی ہی - اوسکے بعد اوس سے کم وہ ہین جنپر کہ اوس کے انوار کا عکس پڑ رہا ہے اوسکے بعد وہ ہین کہ جنپر اوس عکس سے عکس پڑ رہا ہے - تو اگر ہم کو ستیرا درجہ بلکہ اوس سے بھی کہین کم درجہ والے کے کمالات معلوم ہوجاوین - تو بہت بڑی بات ہی - ورنہ کہان ہم اور کہان ان حضرات کے کمالات پس ہر طالب کو چاہیے کہ اوسکو تلاش کرے اور اوس سے فیض حاصل کرے جس سے کہ مناسبت ہو اور اگر کسیکو کسی بزرگ سے مناسبت نہین ہوتی تو یہ حضرات تو اللہ کا راستہ بتاتے ہین جسطرح بھی جسکو ملجاوے انکو گروہ بندی کی تو ضرورت ہوتی نہین لہذا خود فرمادیتے ہین کہ بھائی مجھسے تم کو نفع نہوگا - کسی اور کو تلاش کرلو بس اگر قرائن سے معلوم ہو کہ آزمایش نہین بلکہ حقیقت مین بھی ہوتا ہی تو فوراً کہنا مان لو اور اگر دیکھو کہ آزماتے ہین تو یہ بھی یاد رکھو کہ انکے ناز اور نخرے بھی معشوقون سے کیا کم ہوتے ہین بس جاؤ مگر اوس در کو نہ چھوڑو آخر کہان تک رحم نہ آویگا - اور یہ ساری باتین اسلیئے ہین کہ نور کے مراتب مختلف ہین جیسے کہ بیان ہوا آگے اس اختلاف مراتب کی وجہ کہ یہ مختلف کیون ہین بیان فرماتے ہین -

زانکہ ہصفد پردہ الخ۔ یعنی اسلئے کہ حق تعالیٰ کا نور سات سو پردہ رکھتا ہی (یعنی بے انتہا حجابات نور حق تک ہین) پس تم ان مراتب کو بھی نور کے پردے ہی جانو۔ مطلب یہ کہ اولیاء اللہ کے مراتب مختلف ہونیکو یہی سمجھو کہ ایک تو وہ پردہ ہے کہ جو بالکل اوس نور کے متصل ہی وہ تو پورا پورا روشن ہوگا اور اوس سے پاس والا اوس سے کم علی ہذا اسی لئے ہر ایک قوم کے لیے ایک ایک پردہ کو معین فرمادیا ہی۔ کہ اوس سے وہی فیض حاصل کرسکتے ہین فرماتے ہین کہ

از پس ہر پردہ الخ۔ یعنی کہ ہر پردہ کے پیچھے ایک قوم کا مقام کردیا ہی اور اسی طرح صف بصف یہ پردے امام تک ہین۔ مطلب یہ کہ اوس ولی اعظم تک سارے پردہ ختم ہوجاتے ہین اور اسپر بلاواسطہ کسی حجاب کے نور پڑتا ہے۔

اہل صف آخرین الخ۔ یعنی کہ سب سے پچھلی صف والے ضعف کیوجہ سے اونکی آنکھہ زیادہ نور (کے دیکھنے) کی طاقت نہین رکھتی۔ لہذا اوسکو چاہیے کہ بس یہین تک رہے اور اس سے آگے نہ بڑہے۔

وان صف پیش الخ۔ یعنی جو صف کہ اس سے آگے ہی وہ بھی بصیرت کی ضعف کیوجہ سے زیادہ روشنی کی تاب نہین لاسکتی۔ اور جس حد پر ہین اوس سے آگے تک نہین دیکھ سکتے۔

روشنائے کو الخ۔ یعنی اور جو روشنی کہ حیات اول (جماعت) کی ہی۔ وہ اس احول (ناقص الاستعداد) کیلئے رنج جان (مصیبت) اور فتنہ ہی۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا کہ اوسکے کمالات کو اپنی کم استعدادی کی وجہ سے نہ سمجھیگا اور پھر ایمان کھو بیٹھیگا۔ چونکہ یہان سے معلوم ہوتا تھا کہ بس اگر یہی حالت ہی تو پھر اوس نور تک رسائی ہم ناقصونکی تو ہرگز نہین ہوسکتی۔ اور ہم ان پردون ہی کے پیچھے پڑے رہین گے۔ لہذا اس ناقص کی تسلی فرماتے ہین کہ۔

احولیہا اندک الخ۔ یعنی یہ احولی تھوڑی تھوڑی کم ہوتی ہی۔ اور جب اون سات سو پردون سے گذرجاویگا۔ تو پھر دریا ہوجاویگا یعنی وہی اتحاد اصطلاحی ہوجاویگا۔ آگے اوس امر کو کہ ایک ہی چیز ایک کو نافع اور ایک کو مضر ہی ایک مثال سے واضح فرماتے ہین کہ۔

آتشے کاصلاح الخ۔ یعنی آگ کہ لوہے اور سونے کی تو اصلاح (کرنے والی) ہی کہ اون سے اشیاء مختلف آگ ہی کے ذریعہ سے بنتی ہین) مگر آبی اور سیب تر کی اصلاح (کرنے والی) کہان ہی۔ آبی ایک پہل ہوتا ہے مطلب یہ کہ دیکھو آگ ہی ہے اوس مین اگر لوہے اور سونے کو ڈال دو تب تو اون کی اصلاح ہوجاتی ہی اور وہ کام کے قابل ہوجاتے ہین۔ اور اگر اوسی آگ مین کسی پہل مثلاً آبی یا سیب کو ڈال دین تو پھر دیکھو کہ ان کی کیا گت بنتی ہی۔ کہ جتنے کچھ پہلے کام کے تھے اب اوس سے بھی گئے گذرے ہوئے۔ پس اسیطرح جو کہ اہل بصیرت ہوتے ہین اور قوی الاستعداد ہوتے ہین اونکی تو رسائی وہان تک ہوتی ہے اور جو ابھی ضعیف الاستعداد ہین اون کی رسائی بھی رفتہ رفتہ ہوجاویگی ایک دم سے پہونچنے کی کوشش فضول ہی۔ اسلئے کہ ابھی اسمین خامی باقی ہی اسلئے اوس نور کی تاب نہ لاسکین گے اسیکو فرماتے ہین کہ۔

سیب و آبی خامے الخ۔ یعنی سیب اور آبی چونکہ ابھی ایک خفیف خامی رکھتے ہین اسلئے اونکا ناس ہوجاتا ہی۔) اور یہ ابھی لوہے کی طرح نہین ہی کہ وہ ایک لطیف روشنی اور چمک کو چاہتا ہی ابھی اسمین خامی ہے تو اوس تک

بے حجاب نہین ہو پہنچ سکتے۔ اسلئے ان کو چاہیے کہ جہانتک ان کی رسائی ہو وہین تک رہین ۔ آگے فرماتے ہین کہ۔

لیک آہن را لطیف الخ۔ یعنی (اوس آبی وغیرہ کو تو وہ آگ مضر ہے) لیکن لوہے کے لیے اوسکے شعلے لطیف ہین (اور اس لوہے کو بنا دینے والے ہین) اسلئے کہ وہ لوہا اوس اژدہا (جیسی آگ) کی تابش کو جذب کرنیوالا ہے ۔ اور اوسکے اندر اتنا ضبط اور اتنی ہمت ہے کہ یہ اوسکی گرمی کو برداشت کرلیتا ہے ۔ آگے مولانا اس لوہے کی مراد کی تعیین فرماتے ہین کہ۔

ہست آن آہن الخ۔ یعنی وہ لوہا فقیر سخت (مجاہدات) کھینچنے والا ہے۔ کہ ہتوڑے اور آگ کے نیچے ہو مگر (سُرخ رخندان) ہے اور خوش ہے۔ اور بلا کسی واسطہ کے آگ کا ہمنشین ہوجاتا ہے۔ اور دل آتش مین بغیر رابطہ کے چلا جاتا ہے مطلب یہ کہ اوس لوہے کی مثل وہ فقیر ہے کہ جو مجاہدہ کش ہو۔ اور راہ حق کی سختیان خوش وخرم رہکر جھیلتا ہو اور خواہ کتنا ہی قوی وارد ہو یا کچھ ہو مگر اوسکو پرواہ بھی نہین ہوتی ۔ بلکہ وہ تو اوس ایک وحدہ لاشریک کی دھن مین ہر وقت مستغرق رہتا ہے اور حق تعالی سے بلا کسی واسطہ کے فیض حاصل کرتا ہے۔ جیسا کہ ایک مرتبہ پہلے بیان کیا گیا۔ کہ جب مسترشد واصل ہوجاتا ہے تو پھر شیخ کے درمیان مین واسطہ ہونیکی ضرورت نہین رہتی بلکہ وہی عروس و مشاطہ مثال ہوتی ہے۔ پس وہ انوار اور تجلیات مین اور واردات مین گھستا چلا جاتا ہے اور اوس کو اپنی جان کی یا کسی چیز کی مطلق پرواہ نہین ہوتی ۔ اس لیے کہ اوس کی استعداد کامل ہے اور استعداد قوت موجود ہے کہ ان واردات کو برداشت کرسکے ۔ آگے استعداد اور خام کو فرماتے ہین کہ۔

بے حجاب آب و الخ۔ یعنی پانی اور اوسکے فرزندان (یعنی ثمار وغیرہ) آگ سے بغیر حجاب کے پختگی نہین پاتے ہین اور نہ خطاب ۔ (پلاؤ زردہ قورمہ وغیرہ) پاتے ہین۔ (اور وہ) واسطہ یا تو کوئی دیگ (ہانڈی) پتیلی وغیرہ ہوتی ہے یا توا ہوتا ہے۔ (کہ آگ اور اوس شئے کے درمیان مین حجاب ہوتا ہے ۔ اور خود اول حرارت کو جذب کرکے پھر اوسکو پہونچاتا ہے ۔ اور اگر خود اس شے کو آگ مین ڈالدو تو جل بھنکر خاکستر سیاہ ہوجاوے یا ایسے سمجھو کہ) جیسے پاؤن کے لیئے چلنے مین پاتابہ کی ضرورت ہے۔ کہ اوسکی مدد سے سنگلاخ زمین مین بلا تکلف چلا جاتا ہے اور اگر وہ نہو تو پیر کے کنکر ٹکڑے اڑ جاوین) اور یار اوس آگ کے اور اُس آبی وغیرہ کے) درمیان مین (واسطہ) کوئی مکان ہوتا ہے۔ (جیسے کہ حرارت آفتاب کے اور ثمار کے درمیان ایک بہت بڑا مکان حائل ہے) یہان تک کہ ہوا گرم ہوجاتی ہے اور پھر اس مین نشو ونما پیدا کرتی ہے اور اگر یہ ثمار وغیرہ کہین آفتاب کی حرارت تک پہونچ جاوین اور اوس کی ایک ذرا لپٹ بھی ان کو لگجاوے تو تباہ ہوجاوین یہ جو رنگ و بو و ذائقہ نکلا ہے یہ سارا اس کی بدولت ہے کہ درمیان مین ایک واسطہ موجود ہے اور اس واسطہ کے اندر حرارت ان کی مزاج کے مطابق ہے۔ اسلئے خوب لطیف اور مزہ دار ہو رہے ہین آگے پھر اوس ولی کامل کی تعریف فرماتے ہین اور مثال کو ممثل بہ پر منطبق کرتے ہین کہ۔

پس فقیر آنست الخ - یعنی (جبکہ یہ تقریر سمجھ مین آگئی) پس (اب سمجھو کہ) فقیر وہ ہی کہ جو بلا واسطہ کے (واصل اور مستفید) ہو اور (اوس نور کے) شعلون کو اوسکے وجود سے ایک رابطہ ہو۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہی کہ جب مسترشد واصل ہو جاتا ہے تو شیخ کی ضرورت نہین رہتی۔ اسلئے مستفید بلا واسطہ حق سبحانہ تعالیٰ سے ہوتا ہی یہان بعض محشیون نے مقام کا ناس مارا ہی اور لکھا ہی کہ واسطہ مین حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم بھی داخل ہین اور بلا واسطہ کہنے سے اونکا واسطہ بھی اٹھ گیا آگے اسکے جوابات دیتے ہین جو کہ بجز مہمل ہونیکے اور کچھ وقعت نہین رکھتے ہین مین کہتا ہون کہ یہان اس ہی کی کیا ضرورت ہی کہ اس واسطہ مین حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی داخل مانا جاوے بلکہ واسطہ سے مراد شیخ اور دیگر مجاہدات وریاضات ہین اور مطلب یہ ہی کہ جب اوس مین استعداد کامل ہو جاتی ہی تو اوسکو ان ظاہری وسائط کی ضرورت نہین رہتی - باقی حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے توکسی وقت غیر محتاجی ممکن ہی نہین ہی - اور یہ سارا فیض وغیرہ اون ہی کی تو برکت ہی ورنہ اور کون تھا جسکے ذریعہ سے یہ چیزین حاصل ہو سکتی ہین لہذا یہ کہنا کہ اوس واسطہ مین حضور مقبول داخل ہین پھر جوابات دیکر اسباب کو دہونا بالکل ایسا ہی کہ جیسے کسی کابلی کا ایک ہندوستانی نے علاج کیا تھا - جب تندرست ہوکر وطن گیا تو اوس معالج سے کہا کہ اگر تم یہان آؤگے تو ہم تمھارے اس خدمت کا تم کو بدلہ دینگے شامت اعمال سے بعد چندے معالج صاحب اون کے یہان پہونچ گئے - اوسنے ان کو مکان پر ٹہلا دیا اور خود کسی کام کو گیا اوسکی بیوی نے ان سے پوچھا کہ تم کون ہو اور کہان سے آئے ہو اونھون نے اپنے علاج کرنیکا قصہ بتایا اوس بی بی نے کہا کہ اگر بھلی خیر ہے تو ابھی بھاگ جاؤ ورنہ وہ کہتا تھا کہ جب وہ ہندوستانی آوےگا ہم اوسکو اول قدر زخمی کرینگے جتنے کہ ہم تھے - اور پھر اوسکا علاج کرینگے پس اسی طرح اول یہ مہمل شبہ کرنا اور پھر مرہم پٹی کرنا ہی - یہان توکسیکو جسے تھوڑی سی بھی عقل ہو یہ شبہ ہو ہی نہین سکتا خوب سمجھ لو - آگے بھی اوس ولی اعظم ہی کی تعریف ہے - اور اوسی سے پہلے مضمون پر آگے بھی کئی تفریعین کرتے ہین کہ۔

پس فقیر آنست کو الخ - یعنی پس فقیر وہ ہی کہ خود اپنے کو آب حیات دے جو کہ ہمیشہ تک رہے - مطلب ہی کہ وہ اقسام علوم و تجلیات و انوار خود بلا واسطہ ظاہری کرنے لگے -

پس دل عالم الخ - یعنی پس (جبکہ وہ ایسا ہو تو) تمام عالم کا وہی دل ہی اسلئے کہ بدن کو جو فن (اور علم وغیرہ) حاصل ہوتا ہے وہ دل ہی کے واسطہ سے ہوتا ہی اسیطرح یہ شخص ہے کہ جسکو عالم مین فیض ہوگا - وہ اسکی برکت سے ملے گا ہان اسکو خبر ہو کہ میری ذات سے فیض ہو رہا ہے ضروری نہین بلکہ اکثر اس کو خبر نہین ہوتی - اور اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے آفتاب کا نور کہ تمام عالم پر پھیل رہا ہے اوس مین عمدہ اور خراب اور پاک اور ناپاک سب چیزین ہین - مگر آفتاب کو مطلق بھی خبر نہین کہ مجھ سے کس کس کو فیض پہونچ رہا ہے اور کون کون میری ذات سے منور ہو رہے ہین حالانکہ ظاہر ہے کہ سارا عالم اوسی کی وجہ سے منور ہے پس اسیطرح یہ ولی اعظم اپنے زمانہ مین سبب ہوتا ہی تمام عالم کے مستفید ہونیکا اور اوسکو خبر بھی نہین ہوتی - آگے اسکی توضیح فرماتے ہین کہ۔

دل بناشد تن الخ۔ یعنی (دیکھو) اگر دل نہو تو بدن گفتگو کرنا کیا جانے۔ اور اگر دل طلب نکرے (اور راہ حق کو تلاش نہ کرے) تو بدن جستجو کرنا کیا جان سکتا ہے۔ یہ سارے اعمال ان دل صاحب ہی کی برکت سے ہین اسیطرح جسقدر علوم وفنون ومعارف وقرب کسیکو عالم مین میسر ہوتا ہے وہ اس ولی اعظم ہی کی بدولت ہوتا ہے آگے مولانا اوس لوہے کی مثال پر تفریع فرماتے ہین کہ۔

پس نظرگاہ الخ۔ یعنی (جب کہ اوس لوہے مین استعداد اور قوت تھی پس اسیلئے) وہ لوہا شعاع (اور لپٹ) کا نظرگاہ ہوگیا (اور آگ نے اوس پر اپنا اثر ڈالکر اوسکو لال بنادیا) پس (اسیطرح) حق تعالی کا نظرگاہ (تجلیات کے ظہور کی جگہ) دل ہی ہے بدن نہین ہے۔ اور دل وہ ولی اعظم ہی ہے۔ پس معلوم ہوگیا کہ تجلی گاہ اور مستفید حق تعالے سے وہی ہے۔ اور جتنے ہین وہ سب اوس کے تابع اور اس شخص سے مستفید ہین یہان کسیکو ظاہر الفاظ سے شبہ ہوتا تھا کہ دل تو ہمارے بھی ہے اور دل ہی تجلی گاہ حق تو ہمارا دل بھی تجلی گاہ ہوا۔ آگے مولانا اسکا جواب دیتے ہین۔

باز این دلہائے الخ۔ یعنی پھر یہ جزی دل مثل تن ہی کے ہین اوس صاحبدل کے سامنے جو کہ (انوار وتجلیات کا) معدن ہے۔ مطلب یہ کہ تمھارا جو دل ہے وہ بھی غفلت اور بے استعدادی مین اس ولی اعظم کے سامنے بدن ہی کی طرح محجوب اور غافل ہے خوب سمجھ لو آگے فرماتے ہین کہ۔

بس مثال وشرح الخ۔ یعنی یہ کلام تو بہت شرح کو چاہتا ہے اور بہت سی مثالون کی ضرورت ہے۔ (اور جب بہت سی مثالین دینگے تو پھر یہی ہوگا کہ اوسی اتحاد اصطلاحی کے قائل ہوجاوینگے جو کہ حاصل ہے وحدۃ الوجود وغیرہ کا۔ اور اوس مین لاکھون گمراہ وبرباد ہوگئے ہین اسی لئے فرماتے ہین کہ) لیکن ڈرتا ہون کہ کہین فہم عوام لغزش نہ کھاوے۔ (اور معنی غلط نہ سمجھ جاوین) آگے فرماتے ہین کہ۔

تا نگردد الخ۔ یعنی تاکہ ہماری نیکی بدی نہ بن جاوے۔ (کہ کہین گے حق بات اور وہ گمراہی کا ذریعہ ہوجاوے۔ اور وہی مثل صادق آوے کہ نیکی برباد گناہ لازم دوسرے مصرعہ مین فرماتے ہین کہ) یہ بھی جو کچھ ہم نے بیان کردیا ہے سوائے بیخودی کے اور کچھ نہ تھا۔ (یعنی یہ بھی بیخودی مین کہہ گئے۔ اگرچہ یہ بھی کہنے کی بات نہ تھی۔) پھر فرماتے ہین کہ۔

پائے کثر را الخ۔ یعنی ٹیڑھے پاؤن مین ٹیڑھا ہی جوتہ ٹھیک ہوتا ہے۔ (تو کم فہمون کے لئے کم ہی درجہ کے علوم اور معارف بیان کرنے چاہئین تاکہ اون کی سمجھ مین ٹھیک سے آجاوین) اور فقیر کی قدرت دروازہ ہی پر ہوتی ہے (کہ وہین کھڑے کھڑے جو کچھ لینا ہے لے اگر اسکے آگے گیا اور کہین گھر مین گھس گیا تو سوائے اسکے کہ پٹے گا اور کیا ہوگا لہذا جو کہ کم فہم ہون اون کی رسائی علوم عالیہ تک تو ناممکن ہے لہذا اون کو اون کے مرتبہ کے موافق ہی باتین بتانی چاہئین آگے مولانا اسپر (کہ جس مرتبہ کا آدمی ہو اوسکو اوسی مرتبہ مین رکھنا چاہیے اور اوس سے بڑھانا نہ چاہیئے) ایک بادشاہ اور دو غلامون کی حکایت بیان فرماتے ہین کہ دیکھو چونکہ ایک بدخو تھا اوسکو اس کے مرتبہ کے موافق رکھا گیا اور جو نیک خصلت تھا اوس کے مرتبہ کو عالی کیا گیا۔ جیسا کہ مولانا نے سخن باز پرسیدن شاہ حال از غلام دیگر مین ہر ایک کو اوسکے مرتبہ کے موافق رکھنے کو اشعار ذیل

مین بیان کیا ہی جنکا حاصل یہ ہی کہ بادشاہ نے اوس خوبصورت بدسیرت سے کہا کہ مجھے معلوم ہوگیا ہی کہ تو گندہ خصلت ہے
اور وہ صرف گندہ دہن ہی ہی لہذا تو دور ہو جا اور وہ تجہیر جالم ہو گا اور تو اوسکا محکوم وہ اشعار یہ ہین سے گفت
دانستم ترا از دے بدان ❊ از تو جان گندست واز یارت دہان ❊ بس نشین اے گندہ جان از دور تو ❊ تا امیر او باشد
و مامور تو ❊ جس سے صاف ظاہر ہے کہ ہر ایک کو اوس کی حالت کے مطابق رکہا۔ اور نہ اوس سے ویسا ہی معاملہ
کیا اسیطرح کم فہمون کے سامنے بھی مضامین عالیہ بیان نکرنا چاہئین۔ یہان بھی محشیون نے ربط کی گت بنائی ہی
حالانکہ بالکل سیدھی بات تھی خوب سمجھ لو۔

شرح حبیبی

امتحان کردن بادشاہ آن دو غلام را کہ نو خرید ہ بود

پادشاہے دو غلام ارزان خرید — با یکے زان دو سخن گفت و شنید
یافتش زیرک دل شیرین جواب — از لب شکر چہ زاید شکر آب
آدمی مخفی است در زیر زبان — این زبان پردہ است بر درگاہ جان
چونکہ بادے پردہ را درہم کشید — سر صحن خانہ شد بر ما پدید
کاندران خانہ گہر یا گندم است — گنج زر یا جملہ مار و کژدم است
یا درو گنج است مارے بر کران — زانکہ نبود گنج زر بے پاسبان
بے تامل او سخن گفتے چنان — کز پس پانصد تامل دیگران
گفتہ در باطنش دریا ستے — جملہ دریا گوہر گویا ستے
نور ہر گوہر کزو تابان شدے — حق و باطل را ازان فرقان شدے

ایک بادشاہ نے دو غلام سستے خرید لئے۔ اور ان دونون مین ایک سے گفتگو شروع کی۔ اپنی کہتا تھا اور
اوسکی سنتا تھا جب اوس کی باتین سنین تو اوسکو سمجھدار اور شیرین جواب پایا۔ کیون نہو آخر شیرین لب تھا
اس سے میٹھی میٹھی باتین ہی ظاہر ہونی چاہئین آدمی زبان کے نیچے چھپا ہوا ہے۔ اور یہ زبان درگاہ روح کا ایک
پردہ ہے۔ جب ہوا پردہ کو اوٹھاتی ہے اور کسی عارضی سے زبان کہلتی ہی تو اس سے گہر اور روح کی حالت ظاہر
ہوتی ہے کہ ان مین موتی اور اعلیٰ درجہ کے خصائل ہین۔ یا گیہون اور ادنے درجہ کے اوصاف یا اس مین سونے
کا خزانہ اور اوسط درجہ کے خصائل ہین۔ یا خصائل حمیدہ بالکل ہی نہین۔ بلکہ سانپ بچھو اور خصائل ذمیمہ ہی
بھرے پڑے ہین یا اوس مین زر کا خزانہ اور خصائل حمیدہ ہین مگر ایک طرف کو سانپ بھی بیٹھا ہوا ہے
یعنی اوسکی ساتھ خصائل ذمیمہ بھی ہین۔ کیونکہ عادۃ خزانہ بدون پہرہ دار سانپ کے اور خصائل حمیدہ بدون صفات ذمیمہ
کے نہین ہوتے۔ لہذا جب اسنے کسیقدر زبان کہولی۔ تب اسکی حالت فی الجملہ معلوم ہوئی کہ بڑا زیرک اور شیرین
گفتار ہے وہ بدون سوچے ایسی باتین کرتا تھا۔ جوکہ اور لوگ بہت غور و خوض کے بعد کرسکتے ہین اور ایسا

معلوم ہوتا تھا کہ اوسکے اندر دریا ہے جو سرتاپا گوہر ہے سیاہون کہو کہ وہ ایک موتی ہی جسکو حق سبحانہ نے گویائی عطا کی ہے۔اس کے اندر سے جو موتی نکلتا تھا۔اور جو نفیس بات وہ کہتا تھا اوسکا نور حق و باطل کو بالکل جدا جدا کر دیتا تھا۔

شرح شبیری

ایک بادشاہ کا دو نو خرید غلامونکو آزمانا

بادشاہے الخ ۔ یعنی ایک بادشاہ نے دو غلام ارزان خرید لئے۔ان دو نون مین سے ایک سے بات کہی سنی۔ارزان قید واقعی ہے احترازی نہین۔یعنی کہین سے ارزان دو غلام لے لئے اور ایک سے بات چیت کی۔

یافتش زیرک الخ ۔ یعنی کہ جب اوس سے بات چیت کی تو اوسکو سمجھدار اور شیرین جواب پایا۔(یعنی اوسنے خوب عمدہ عمدہ باتین کین اور سمجھدار بھی تھا مگر اوسکی سیرت اور اوسکے خصائل بہت ہی ناپاک اور گندہ تھے جیسا آگے معلوم ہوگا۔ہان سمجھدار اور خوب زبان بہت تھا اور یہ بد سیرتی کو منافی نہین۔اگلے مصرع مین مولانا اس شیرین زبانی کی ایک مثال دیتے ہین کہ) لب شکر ریز سے (بجز) شکر (اور شیرینی) کے کیا پیدا ہو۔یعنی چونکہ وہ حسین اور خوبصورت تھا (جیسا کہ آگے معلوم ہوگا) تو پھر اوس کے شیرین لبون سے بجز شیرین باتون کے اور کیا نکلتین۔پس اوس نے خوب چکنی چپڑی باتین کین آگے مولانا انتقال فرماتے ہین دوسرے مضمون کی طرف۔جسکا خلاصہ یہ ہی کہ انسان کے عیوب اور ہنر سب کے سب زبان ہی سے معلوم ہوتے ہین جب تک انسان چپ رہتا ہی اوسکی حالت اور اوسکے عیوب اور ہنر سب پوشیدہ رہتے ہین اور جہان وہ بولا بس ساری قلعی کھلگئی۔اسیکو شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہین کہ ؎ تا مرد سخن نگفتہ باشد ۔ عیب و ہنرش نہفتہ باشد ۔ اور اسیکے قریب قریب مضمون حدیث مین بھی ہی۔کہ آیا ہی کہ ہر صبح کو تمام اعضا زبان کیطرف متوجہ ہوتے ہین اور کہتے ہین کہ خدا کے لیے درست رہنا اگر تو درست رہیگی تو ہم بھی درست رہینگے۔اور اگر تو بگڑ جاویگی تو ہم بھی بگڑ جاوینگے۔جس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہی کہ ظہور عیوب و ہنر دونکا دارومدار زبان ہی پر ہے۔سب اشعار کو سمجھ لو سکے فرماتے ہین کہ۔

آدمی مخفی است الخ ۔ یعنی آدمی (کا عیب اور اوس کی خوبی) زبان کے نیچے مخفی ہے۔اور یہ زبان درگاہ جان پر پردہ ہے۔

چونکہ بادے پردہ را الخ ۔ یعنی کہ جب کسی ہوا نے پردہ کو ہٹا دیا تو گھر کے صحن کے بہید ہم پر ظاہر ہو گئے۔

کاندران خانہ الخ ۔ یعنی کہ اوس گھر مین موتی ہین یا غلہ ہی اور سونے کا خزانہ ہی یا سانپ اور بچھو بھرے پڑے ہین۔

یا دران گنج است الخ ۔ یعنی یا اوسمین خزانہ ہے اور اوس کے کنارہ پر ایک سانپ ہے اسلئے کہ سونے کا خزانہ

بے پاسبان کے نہین ہوتا۔ پس اسیطرح جبکہ زبان سے کوئی بات نکلتی ہی اسوقت وہ پردہ اوٹھ جاتے ہین اور سارا عیوب یا ہنر معلوم ہوجاتے ہین اور معلوم ہوجاتا ہی کہ آیا یہ شخص عالم ہے یا جاہل ہے اور آیا اوسکے یہ خصائل صرف دکھانے کے ہین یا اصل مین بھی کچھ ہے لہذا معلوم ہوگیا کہ ہنر اور عیب کے ظہور کا آلہ زبان ہی ہی۔ آگے پھر اوس قصہ کیطرف انتقال ہی کہ۔

بے تامل او بسخن الخ۔ یعنی کہ وہ غلام بلا سوچے ہوئے ایسی باتین کر رہا تھا کہ دوسرے لوگ بانسو تاملون اور فکرونکے بعد کہہ سکتے تھے۔ گویا کہ اوسکے باطن مین ایک دریا ہے۔ اور (یہ باتین) ساری موتی ہین یا گوہر گویا ہین۔ مطلب یہ کہ وہ جو بادشاہ سے گفتگو کر رہا تھا تو اسقدر برجستہ باتین کر رہا تھا اور اسقدر حاضر جواب تھا کہ اون باتون کو اگر اور لوگ کہین تو اونکو بے انتہا سوچنے کی ضرورت پڑے۔ مگر وہ اسقدر زیرک اور سمجھدار تھا کہ بلا سوچے فی البدیہہ اس قسم کی باتین کر رہا تھا۔ یہان یہ شبہ ہو کہ جب وہ بدخو اور بدسیرت تھا تو پھر مولانا اوسکی تعریف کیون کر رہے ہین تو سمجھو کہ اگرچہ وہ حقیقۃً تو بدسیرت ہی تھا مگر بظاہر صورت تو حسین و جمیل اور خوبصورت اور شیرین زبان تھا اسلئے اوسکی ظاہری اوصاف کی تعریف فرما رہے ہین۔ اور یہان مولانا کا مقصود بھی اوس کی تعریف نہین ہے بلکہ اوسکی مثال دیکر عارفین کے کلام کی اور اون کے حقائق و معارف کو بیان کرنا چاہتے ہین کہ جو حضرات عارف ہوتے ہین چونکہ اونپر حقایق اشیاء منکشف ہوجاتی ہین اسلئے وہ اون باتون کو جو اور لوگ بہت ہی تامل و غور کے بعد بیان کر سکتے ہین بالکل برجستہ اور فی الفور بیان فرماتے ہین اور اون کو تامل و غور کی ضرورت نہین رہتی اسلئے کہ اون کی تو یہ حالت ہوجاتی ہی کہ بی یسمع و بی یبصر و بی ینطق کہ اوسکا سماع بھی اودھر ہی سے اور اوسکی بات بھی اودھر ہی سے۔ اور اوسکا دیکھنا بھی اودھر ہی سے غرضکہ اوسکے تمام افعال حق تعالیٰ کے تابع ہوجاتے ہین اور اوسکو علم وہبی اور لدنی ہوتا ہی جسمین کہ کسب کی ضرورت نہین ہوتی لہذا اون کو غور و فکر کی کیا حاجت ہے اور کیا ضرورت ہے اور اس مقصود کی تائید اگلے شعر سے ہوتی ہی۔ جسکا خلاصہ یہ ہی کہ مولانا کلام عارفین کو بیان فرماتے ہین کہ جس طرح یہ غلام برجستہ جوابات دیرہا تھا اور شیرین کلامی سے گفتگو کر رہا تھا اسیطرح حضرات اولیاء اللہ جو کہ متخلق باخلاق اللہ اور مستفید عن الحق ہوتے ہین۔ بغیر کسی تامل وغیرہ کے علوم و معانی کو بیان فرماتے چلے جاتے ہین اور دوسرے لوگ اون باتون کو بغیر انتہا غور و فکر اور تامل کے بیان نہین کر سکتے (بلکہ بیان تو کیا کرین گے اگر ان کو غور و تامل سے سمجھ ہی لین تو غنیمت ہے) اب شعر کو سمجھو کہ فرماتے ہین کہ۔

نور ہر گوہر کزو الخ۔ یعنی ہر اوس گوہر کا نور جو کہ اوس سے (یعنی حق تعالیٰ سے) تابان (مستفید) ہو وہ حق اور باطل کو اوس سے امتیاز اور علیحدگی ہو اسکی جزا القرینۂ مقام محذوف ہے یعنی وہ نور ممیز ہو اگر تم کو چشم بصیرت حاصل ہو چونکہ یہان بیان کلام عارفین کا تھا آگے خود کلام حق کا بیان فرماتے ہین کہ۔

شرح حبیبی

نور فرقان فرق کردے بہر ما	ذرہ ذرہ حق و باطل را جدا

نور گوہر نور چشم ما شدے ۔ ہم سوال و ہم جواب ما بدے
چشم کژ کردی دو دیدی قرص ماہ ۔ چون سوال است این نظر در اشتباہ
راست گردان چشم را در ماہتاب ۔ تا یکے بینی تو مہ را اینک جواب
فکرتت را راست کن نیکو نگر ۔ ہست ہم نور و شعاع آن گہر
ہر جوابے کز گوش آید بدل ۔ چشم گفت از من شنو آنرا بہل
گوش دلالست چشم اہل وصال ۔ چشم صاحب حال و گوش اصحاب قال
در شنید گوش تبدیل صفات ۔ در عیان دیدہا تبدیل ذات
ز آتش از علمت یقین شد بے سخن ۔ پختگی جو در یقین منزل مکن
تا نسوزے نیست آن عین الیقین ۔ این یقین خواہی در آتش در نشین
گوش چون نافذ بود دیدہ شود ۔ ورنہ قل در گوش پیچیدہ شود
این سخن پایان ندارد باز گرد ۔ تا کہ شہ با آن غلامش چہ کرد

مولانا کے بیان پر ایک شبہ ہوتا تھا وہ یہ کہ آپ نے فرمایا ہے کہ غلام جو بات کہتا تھا وہ ایسی ہوتی تھی کہ حق و باطل میں اس سے امتیاز ہوتا تھا۔ یہ محض شاعری ہی کیونکہ یہ بات قرآن میں تو ہے ہی نہیں۔ کیونکہ اگر قرآن میں ہوتی تو پھر یہ نزاع اور اختلاف کیون ہوتا۔ اور جب قرآن مین نہین تو بیچارہ غلام کی بات مین یہ صفت کہان ہو سکتی ہی۔ مولانا جواب دیتے ہین کہ قرآن مین یہ صفت بالکل وجود موجود ہے۔ مگر کجی ہم لوگون کے فہم مین ہے اس لئے حق و باطل جدا نہین ہو سکتے۔ ورنہ یہ نہین کہ قرآن مین یہ صفت نہیں۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کسی پر صفرا کا غلبہ ہو اسلئے اوسکو میٹھی چیز کڑوی معلوم ہوتی ہو۔ تو یہ نہین کہا جاسکتا ہی کہ شیرینی شئے میں شیرینی نہین۔ اس مین شیرینی کامل ہے۔ مگر تمھاری قوت ذائقہ کے اندر نقص ہے اسلئے وہ شیرینی تم کو محسوس نہین ہوتی۔ یہ حاصل جواب ہے۔ اب ہم اشعار کا مطلب خیز ترجمہ کرتے ہین۔ نور فرقان فی نفسہ فارق بین الحق والباطل ہی۔ اور ہمارے لئے بھی فارق ہوتا اور وہ ذرہ حق و باطل کو جدا کر دیتا۔ اور اصلا شبہ نہ چھوڑتا اوس کے مضامین عالیہ مثل گوہر کا نور ہماری چشم قلب کا نور ہو جاتا۔ کہ اوس سے ہم کو حق و باطل مین کامل امتیاز ہو جاتا اور خود وہ نور ہی ہمارا سوال اور جواب ہو جاتا۔ یعنی ہم کو اوسکے مشاہدہ کے بعد سوال کی ضرورت ہی نہ رہتی کہ جواب کی حاجت ہوتی۔ لیکن کیا کیجئے کہ تم نے معاصی وغیرہ سے اپنے چشم باطن کو مریض اور غلط بین کر لیا ہے۔ اور چاند کی ٹکیا کو دو دیکھنے لگے یعنی واقع کو خلاف واقع سمجھنے لگے۔ پس جسطرح تمہارا فرقانیت قرآن کے متعلق سوال متلبس باشتباہ حقیقت ہے کیونکہ یہ ناشی ہے اسی اشتباہ سے۔ یون ہی تمہاری نظر غلط متلبس باختفاء حقیقت ہے کہ وہ موجب اختفاء حقیقت ہے پس تمھارے سوال بابت فرقانیت قرآن کا جواب یہ ہے کہ تم اپنی نظر کو چاند کے دیکھنے مین سیدھا کر لو اور فہم راست سے قرآن کو سمجھو۔ کیونکہ جب تم اپنی فہم کو درست کر لوگے تو فرقانیت قرآن تم کو مشاہد ہو جائیگی۔ پس سوال بھی قائم نہ رہیگا ہم پھر کہتے ہین کہ تم اپنی فہم درست کر لو۔ اور غلط بینی چھوڑ کر راست بین بنو۔ تم کو خود معلوم ہو جاوے گا کہ قرآن بھی اس غلام کے گوہر سخن کا

نور وہم شعاع یعنی فارق بین الحق والباطل ہونے مین شارک اعلی ہے کیونکہ درجۂ فرقانیت مین ان مین وہی نسبت ہے جو خالق ومخلوق مین ہی۔ پس جب یہ معلوم ہوگیا کہ قرآن فارق بین الحق والباطل ہے تو اب وہ شبہ کہ جب قرآن ہی فارق نہین تو سخن غلام کیونکر فارق ہو سکتا ہی۔ بالکل مندفع ہوگیا۔ ہم نے فرقانیت قرآن کے دلائل نہین بیان کئے بلکہ یہ کہدیا کہ چشم باطن کو راست بین بناکر مشاہدہ کرو۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ جو جواب کان سے دل تک پہونچتا ہے وہ شفا رتام نہین بخشتا۔ بلکہ چشم باطن بزبان حال متقاضی ہوتی ہی کہ یہ ناکافی ہی۔ اسے چھوڑ۔ اور مجھے معائنہ کرنے دے میں شفاے کلی بخشون گی۔ اس لئے ہم نے قال کو چھوڑکر چشم بصیرت پر محول کردیا۔ واقعی بات یہ ہے کہ کان کو چشم بصیرت سے کیا نسبت کان کی مثال تو ایسی ہے جیسے دلالہ۔ اسکا کام یہ ہے کہ مقصود کو دل تک پہونچادے۔ اور بس۔ اور چشم باطن صاحب وصال ہے کہ وہ مطلوب سے بہرہ ور ہوتی ہے۔ نیز کان بمنزلہ صاحب قال کے ہے کہ اوسکا تعلق الفاظ سے ہے۔ اور چشم بصیرت مثل صاحب حال کے کہ اوس کا تعلق حقیقت سے ہے۔ پس جو نسبت دلالہ اور صاحب وصال اور صاحب قال وصاحب حال مین ہے وہی نسبت کان اور چشم باطن مین ہے پس اس جواب مین جو کان سے مدرک ہو اور اس جواب مین جو چشم قلب سے مدرک ہو وہی نسبت ہوگی جو کان اور چشم باطن مین ہے اور فرق سنو جو تغیر جواب سننے کے بعد پیدا ہوتا ہی۔ اور جو کہ مشاہدہ وجدانی کے بعد پیدا ہوتا ہے ہر دو مین ایسی ہی نسبت ہے جیسی کہ صفات کے بدلتے اور کایا پلٹ ہوجانے مین کہ ایک ادنے ہے اور دوسرا کہین اعلی۔ وہو ظاہر۔ پس ہر دو جوابون مین بھی وہی نسبت ہوگی ان وجوہ سے ہمنے دلائل کو ترک کیا اور کہا کہ وجدان کو صحیح کرو۔ اور اس سے دیکھو اب ہم ترقی کرکے کہتے ہین کہ چشم بصیرت کو راست کرکے اوس سے دیکھنے پر بھی اکتفا نہین کرنا چاہیئے کیونکہ اس سے گو یقین حاصل ہوجائیگا مگر یہ یقین کافی نہین بلکہ حال اور رسوخ فی العلم کی ضرورت ہے۔ اگرچہ درجۂ علم مین تم کو یقین کامل ہی لیکن اسپر اکتفا نہین کرنا چاہیے۔ اور اس علم الیقین مین ڈیرہ نہ ڈال لینا چاہیئے۔ بلکہ پختگی حاصل کرنی چاہیئے۔ گو تم کو حرارت نار کا یقین ہی مگر اصل یقین وحق الیقین (جسکو معنی لغوی کے اعتبار سے عین الیقین کہدیا نہ کہ بمعنے اصطلاحی) اسوقت تک نہین ہوسکتا جب تک اس مین جلو بھنو۔ پس اگر تم کو اس درجۂ یقین کی ضرورت ہے تو تم کو آگ مین بیٹھنا چاہیئے۔ اسکے بدون یہ یقین حاصل نہین ہوسکتا۔ یون ہی اگر تم کو فرقانیت قرآن کے متعلق عین الیقین کی ضرورت ہے۔ تو حال پیدا کرو۔ جوابات قالیہ ہر چند کہ مفید یقین ہون مگر ناکافی ہین خیر اگر کان بھی یہ کہنے والا ہو یعنی استماع بغرض تحقیق حق ہو۔ اسوقت وہ بھی آنکھ کا کام دیجاتا ہی گو آنکھ نہین ہوتا اور اگر یہ بھی نہو تب تو کہنا سُننا بالکل ہی فضول ہے اسلئے کہ الفاظ کان سے دل تک پہونچتے ہی نہین پھر فائدہ کیا ہو۔ (یہ ایک استطرادی مضمون ہے جو مزید افادہ کے لئے بیان کردیا گیا۔ ورنہ اصل مقصود صرف اسقدر ہے کہ چشم بصیرت کو راست بین کرو تم کو فرقانیت قرآن معلوم ہوجائی گی۔ ہم کو دلائل بیان کرنیکی ضرورت نہین) خیر یہ بات تو کبھی ختم ہی نہوگی اب لوٹنا چاہیئے۔ اور دیکھنا چاہیے کہ بادشاہ نے اپنے ہر دو غلام کے ساتھ کیا کیا۔

شرح شبیری | نور فرقان فرق الخ۔ یعنی قرآن شریف کا نور ہمارے لئے حق وباطل کو ذرہ ذرہ

ممتاز اور جدا کر دیتا ہے اور نور گوہر ہماری آنکھ کا نور ہو جاتا اور سوال وجواب سب ہمارے ہی اندر سے ہوتے - جزا بقرینہ اگلے اشعار کے محذوف ہے یعنی یہ امور ہوتے اگر چشم بصیرت ہم کو حاصل ہوتی یہاں یوں سمجھو کہ مولانا کا مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ اگر ہمارے اندر کجی نہ ہوتی اور چشم بصیرت ہمیں حاصل ہوتی تو قرآن شریف بھی اور کلام عارفین بھی سب ہمارے ہادی اور ممیز بین الحق والباطل ہوتے اس لئے کہ منشا اختلاف دو ہی ہوتے ہیں کبھی تو وہ منشا کلام کے اندر ہوتا ہے کہ اوس میں اختلاف ہوتا ہے اور کبھی وہ منشا سامع کی طرف سے ہوتا ہے کہ اوس میں کوئی کجی وغیرہ ہوتی ہے - پس جبکہ سامع میں کجی ہوتی ہے تو اسوقت یہی کہا جاتا ہے کہ یہ کلام تو فی نفسہ درست اور صحیح ہے مگر اس عارضی کجی کیوجہ سے اس خاص شخص کو اسکی درستی اور اسکا صدق معلوم نہیں ہوتا - جیسے کہ حق تعالی فرماتے ہیں کہ ذلک الکتاب لا ریب فیہ - تو یہاں یہی معنی ہیں کہ اس کتاب میں فی نفسہ تو ریب نہیں ہے لیکن اسکا صدق اس لئے معلوم نہیں ہوتا کہ کجی طرف سامع میں ہے اسکی ایسی مثال ہے کہ جیسے کہ ایک سفید کپڑا رکھا ہے اور ایک شخص یرقان والا اوسکو زرد دیکھ رہا ہے اس لئے کہتا ہے کہ یہ کپڑہ زرد ہے مگر دوسرا صحیح النظر کہتا ہے کہ لا صفرۃ فیہا کہ اس میں زردی نہیں ہے تو دیکھ لو کہ یہ قول صحیح ہے یا نہیں فی نفسہ بالکل درست ہے ہاں اوس شخص کے اعتبار سے غلط ہے تو اوسکا اعتبار نہ کیا جاوے - اور اسیکو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب فرماتے تھے کہ حق تعالی نے لا ریب فیہ فرمایا لا ریب فیہم نہیں فرمایا - اس لئے کہ منشا ریب تو اون سامعین ہی میں تھا اور اس قرآن شریف میں تو منشا ریب تھا ہی نہیں پس اسیطرح چونکہ منشا شبہ واختلاف ہمارے اندر ہے اور ہم کو چشم بصیرت حاصل نہیں ہے اس لئے کلام حق اور عارفین میں ہمکو شبہات ہوتے ہیں اگر ہمیں چشم بصیرت ہوتی تو پھر ان سب شبہات کا جواب خود ہمارے ہی اندر موجود ہوتا - اگلا شعر دال علی الجزا رہے کہ فرماتے ہیں کہ -

چشم کژ کر دی الخ - یعنی آنکھ کو تو کج کر رکھا ہے اور چاند کی ٹکیا کو دو دیکھ رہے ہو تو یہ نظر (کج) اشتباہ میں مثل سوال (اعتراض) کے ہے مطلب یہ کہ چونکہ تم نے اپنی چشم باطن کو کور وکج کر رکھا ہے اس لئے حقیقت سے دور ہو کر یہ نظر بھی اعتراض کی طرح ہو گئی کہ جسطرح معترض کے سامنے حقیقت شئے پوشیدہ ہو جاتی ہے اسی طرح یہ چشم باطن تمہاری بند ہو رہی ہے اسی لیے انوار حق وانوار عارفین تمپر نازل اور فائض نہیں ہوتے - اور تم حق تعالے کے ساتھ دوسرے کو شریک کر رہے ہو سا سئے کہ جب حق تعالی ہی اس قابل نہیں کہ اونپر بھروسہ کیا جاوے - اور وہی ایسے ہیں کہ جن سے خوف کیا جاوے اور امید کیجاوے اور کوئی ایسا ہے نہیں جو اس قابل ہو اور یہ شخص غیر حق پر بھی اعتماد اور بھروسہ کرتا ہے - اس لئے یہ اعتماد وغیرہ توحید حالی کے خلاف ہے توحید اعتقادی کے تو خلاف نہیں مگر توحید حالی کے خلاف ہے - تو توحید حالی کے اعتبار سے اس کو اس طرح تعبیر کر دیا کہ تم قرص ماہ یعنی حق سبحانہ وتعالے کو دو دیکھ رہے ہو اور شبہات میں پڑ رہے ہو - آگے اس سے خلاصی کی تدبیر بتاتے ہیں کہ -

راست گردان الخ - یعنی اپنی نگاہ کو ماہتاب (کے دیکھنے) میں درست کر لو - تا کہ چاند کو ایک ہی دیکھو - (اور یہ احولی دور ہو تو پھر تمہارے شبہات کا یہی جواب ہو جاویگا اور اپنی فکر کو کج مت کرو اور اچھی طرح دیکھو کہ

وہ (غیر حق جسپر تم اعتماد اور بھروسہ کرتے ہو) بھی اوسی کو ہر کے نور کا عکس ہے اور اوسیکی شعاع ہے مطلب یہ کہ اس احولی کو جسکی وجہ سے تم کو حقیقت نظر نہیں آتی اور اس وجہ سے غیر حق کے ساتھ بھی معاملہ حق تعالیٰ جیسا کرنے لگتے ہو: دور کرو اور پھر دیکھو تو معلوم ہو کہ یہ بھی جسپر کہ تمھاری نظر ہے۔ اوسی نور کی شعاع ہے۔ اور اوسی کا عکس ہے۔ پس اگر اصل کو چھوڑ کر کوئی عکس کی طلب کرنے لگے۔ تو اوس سے زیادہ بیوقوف اور ناحقیقت شناس اور کون ہوگا۔ لہذا یہ جو کچھ گمراہیاں ہو رہی ہین اور فیض سے محروم ہین یہ ساری اپنی کجی کی بدولت ہے۔ ورنہ اگر ہمارے۔ اندر کجی نہوتی تو ساری فیوض و برکات ہم حاصل کرتے۔ اور اگر چشم بصیرت ہوتی تو سارے انوار و تجلیات کو دیکھا کرتے۔ اور پھر اون کو حاصل کرتے اور اگر کلام حق کو یا کلام اولیاء اللہ کو کان سے سن بھی لیا تو اوس سے کوئی معتدبہ فائدہ نہین ہو سکتا۔ جب تک کہ چشم بصیرت اور قلب صافی موجود نہو اسیکو فرماتے ہین کہ۔

ہر جواب کان الخ۔ یعنی جو جواب کہ کان کے ذریعہ سے دلمین آتا ہے۔ تو چشم (قلب) کہتی ہے کہ مجھ سے سن اسکو چھوڑ۔ یعنی صرف کان ہی تک مت رہ اور سنی سنائی باتون پر ہی مت رہو بلکہ کچھ خود بھی تدبیر اور ہمت کرو اور بصیرت کو حاصل کرو۔ آگے کان کی اور چشم بصیرت کی ایک مثال دیتے ہین کہ۔

گوش دلال الخ۔ یعنی کان تو دلالہ ہے اور آنکھ وصل والی ہے (یا یون کہو کہ) آنکھ تو صاحب حال (کی مثل) ہے اور کان صاحب قال (کی مثل) ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو مشاطہ محبوب اور محب کے درمیان مین پیغام دینے والی اور تدابیر وصل کرنیوالی ہوتی ہے۔ مگر جبکہ باہم وصل ہوتا ہے تو پھر اون مشاطہ صاحب کو بھی کوئی نہین پوچھتا۔ اور وہان اوسکا بھی گذر نہین ہوتا۔ حالانکہ اصل مین سبب وصال وہی ہے پس اسیطرح حقائق و معارف کے حصول کا اول ذریعہ تو کان ہی ہے۔ اور اسی کے ذریعہ سے قلب تک پہونچتے ہین مگر جبکہ قلب مین انجلاء اور صفائی پیدا ہوجاتی ہے اسوقت پھر ان کان صاحب کی ضرورت نہین رہتی۔ مگر بلا واسطہ کان کے پھر علوم و معانی و حکم قلب پر فائض ہوتے ہین اور کان کی مثال تو ایسی ہے کہ جیسے صاحب قال ہوتا ہے۔ کہ جو کچھ بھی اوسکے سامنے ہے اور ظاہر الفاظ سے جو مفہوم ہوتا ہے بس وہ اوسی کو جانتا ہے۔ اور آگے رسائی نہین اور چشم قلب مثل صاحب حال کے ہے کہ اوسکو سوائے الفاظ وغیرہ کے اور علوم و معانی بھی حاصل ہوتے ہین۔ پس قابل حصول چشم بصیرت ہی ہوئی۔ آگے پھر چشم گوش مین فرق بیان فرماتے ہین کہ

در شنود الخ۔ یعنی کان کے سننے مین تو صرف تبدیل صفات ہی ہے۔ (مثلاً کسی نے نصیحت کی کہ تکبر مت کرو یہ سنکر ذرا متواضع بن گئے وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب صفات ہی کی تبدیلی ہے۔ لیکن) آنکھون کے دیکھنے مین تبدیل ذات کی ہے یعنی اگر اوسی قول کو جسکو تم نے سنا ہے خود دیکھ لو اور حقیقت کو معلوم کرلو تو تمھاری یہ ذات ہی نہ رہے بلکہ قریب ہے تم بالکل ہی بدلجاؤ۔ اور تم تم نرہو یہ ساری حجابات اوسیوقت تک ہین جب تک علم الیقین حاصل ہے اور اگر عین الیقین اور حق الیقین حاصل ہوجاوے۔ تو پھر تو علوم و معانی اسقدر منکشف ہون کہ اٹھائے نہ اٹھین چونکہ صوفیہ کے یہان تین اصطلاحین ہین۔ علم الیقین عین الیقین اور حق الیقین۔ آگے مولانا ان تینون کو بتاتے ہین جسکا خلاصہ یہ ہے کہ علم الیقین تو کہتے ہین کسی مخبر صادق سے کوئی خبر سنکر اوس کو صحیح مان

جیسے کہ کسی نے کہا کہ آگ جلا دیتی ہے پس چونکہ وہ مخبر صادق تھا اس لئے ہم نے یقین کر لیا اسکو تو علم الیقین کہتے ہیں اور اگر اوس میں کسی کو جلتے ہوئے بھی دیکھ لیں تو پھر عین الیقین کا درجہ حاصل ہوتا ہے اور اگر کسی سے سُنا بھی اور دوسروں کو بھی جلتے ہوئے دیکھا مگر پھر خود بھی اوسی میں کود پڑا تو اب اوسکو آگ کا حق الیقین کا مرتبہ حاصل ہوا بس اسی طرح اول تو عشق و محبت حق کو صرف سُن ہی کر مانتے ہیں یہ تو علم الیقین ہے۔ اور اوس سُننے کے بعد پھر دوسروں کو دیکھتے ہیں کہ اوس عشق و محبت میں غرق ہو رہے ہیں اُسوقت عین الیقین حاصل ہوتا ہے اور اگر خود بھی اوسمیں جلنے لگے اور عشق خدا وندی میں خود بھی غرق ہو گئے تو اب درجہ حق الیقین کا حاصل ہوا لہذا قابل طلب درجہ حق الیقین کا ہے اوسکو حاصل کرنا چاہیے۔ اور کان سے سُننے پر یا چشم ظاہر سے دیکھنے پر ہی مت رہو بلکہ دل کی آنکھ سے دیکھو۔ اور حق الیقین حاصل کرو۔ اب مطلب اشعار کو سمجھو کہ فرماتے ہیں۔

ز آتش ار الخ۔ یعنی اگر آگ سے تمھارا علم یقین ہو جاوے (یعنی تم کو درجہ علم الیقین کا حاصل ہو جاوے) تو بات سے یقین میں پختگی و تلاش کرو۔ (یعنی عین الیقین حاصل کرو) اور ٹھیرو مت۔ اور جب تک کہ تم خود (اوس آگ میں) جل نہ جاؤ (اسوقت تک) وہ عین یقین (یعنی اصل یقین) اور حق الیقین نہیں ہے اور اگر اس یقین کو (یعنی حق الیقین کو) چاہتے ہو تو آگ میں بیٹھ جاؤ۔ مطلب یہ کہ آگ کی صفت احراق کو سُنکر جو تم کو یقین ہوا ہے یہ تو علم الیقین ہے (جسکو مولانا نے ز آتش ار علمت یقین الخ سے بتایا ہے) مگر یہاں منزل مت کئے رہو اور ٹھیرے مت جاؤ بلکہ اس امر کو سُن کر خود اسکی تلاش میں لگو اور کسی جلے ہوئے کے پاس جا کر اسکو دیکھ لو اور درجہ عین الیقین کا حاصل کرو۔ (جسکو مولانا نے پختگی جو در یقین سے بیان کیا ہے) لیکن جب تک کہ خود بھی اُس مزہ کو نہ چکھو اور خود ہی آتش (محبت میں نہ جاؤ اس وقت تک اصل یقین اور حق یقین حاصل نہیں ہو سکتا جسکو مولانا نے تا نسوزے نیست آن عین الیقین سے تعبیر فرمایا ہی یہان عین سے مراد اصل ہے آنکھ نہیں ہے پس معنی یہ ہوے کہ جب تک کہ اصل یقین یعنی حق الیقین حاصل نہ ہو اسوقت تک طلب سے باز مت رہو بلکہ اِس درجہ کو حاصل کر لو۔ یہان لفظ عین کو دیکھ کر محشیوں نے خوب خوب گت بنائی ہے اور کوئی تو مولانا کی اصطلاح کے جُدا ہونے کا قائل ہو گیا اور کوئی کچھ ہونے لگا حالانکہ بالکل ظاہر مطلب یہ ہے کہ عین سے مُراد اصل لے لیا جاوے جس کا ترجمہ دوسرے الفاظ میں حق بھی ہو سکتے ہیں خوب سمجھ لو۔ آگے فرماتے ہین کہ۔

گوش چون الخ۔ یعنی کان بھی اگر پرکھنے والا ہو تو وہ بھی ایک دن آنکھ بن جاتا ہے۔ اور اگر وہ ناقد نہیں ہے تو باتیں جو اُس نے سُنی ہین کان ہی میں لپٹ کر رہ جاتی ہین۔ اور قلب پر اثر نہیں پہنچا جبکہ قرآن شریف میں بھی ہے کہ او القی السمع وھو شھید یعنی حق بات کو سُننے اس حال میں کہ اُس کا کان شہید ہو۔ تو دیکھو کہ حق کے سُننے کے لیے کان کا شہید ہونا شرط فرمایا۔ اگر وہ ناقد نہ ہوگا تو پھر تو یہ باتیں کان ہی کان تک محدود رہیں گی۔ انکا اثر قلب تک کچھ نہ ہوگا۔ پس اِس ساری تقریر کا ماحصل یہ ہوا کہ کلام حق اور کلام عارفین کے سمجھنے کے لیے بصیرت پیدا کرو اور اول تو اُن باتوں کو سُنکر علم الیقین پیدا کرو پھر عین الیقین ہو جاویگا۔ پھر حق الیقین ہو جاویگا آگے فرماتے ہین کہ۔

این سخن پایان الخ - یعنی یہ (علوم و معانی) کی باتین تو انتہا نہین رکھتین اس لیے لو تو اور دیکھو کہ بادشاہ نے اپنے غلامون کے ساتھ کیا کیا آگے اُس قصّہ کی طرف رجوع فرماتے ہین - جسکا خلاصہ یہ ہے کہ جب بادشاہ اُس غلام خوبرو سے باتین کر چکا اور معلوم ہوگیا کہ یہ تو بڑا عقلمند اور حاضر جواب اور شیرین کلام ہے تب بادشاہ نے اُس دوسرے بدصورت کو بلایا - اور اس خوبصورت کو کہا کہ تم جاکر نہا دھو آؤ جب وہ چلا گیا تو اسکی غیبت مین اس سے اُس کے حالات دریافت کئے اس طور سے کہ کہا کہ بھائی وہ تو تمھاری بہت بُرائیان کرتا تھا مگر تم تو ایسے معلوم نہین ہوتے ہو - اور تم تو بہت اچھے آدمی ہو اور ایسے ہو اور ویسے ہو اب اگر تم کو اُس کے کچھ عیوب وغیرہ معلوم ہون تو بیان کردو - تاکہ مجھے بھی معلوم ہو کہ تم میرے خیرخواہ ہو - کہ اُسکی بُرائیان ظاہر کرکے مجھے اُسنے بچا لیا اُسنے عرض کیا کہ حضرت وہ جو کچھ کہتا تھا اور میرے عیوب بیان کرتا تھا صحیح اور درست تھے - مین بیشک ایسا ہی ہون مگر اُس کے عیوب مین عرض کرتا ہون وہ یہ کہ وفادار ہے اُسمین انسانیت ہے وغیرہ وغیرہ یعنی اُسمین یہ چیزین ہین - اگر یہ عیوب ہین تو اُسمین عیوب ہین اور اگر یہ ہنر ہین تو اُسمین ہنر ہین - اب اشعار پر اس تقریر کو منطبق کرلو -

شرح حبیبی

روان کردن بادشاه یکے ازان دو غلام را و از دیگرے احوال آن پرسیدن و باز گفتن او آنچہ در وے ست

آن غلامک را چو دید اہل ذکا	آن دگر را کرد اشارت کہ بیا
کاف رحمت گفتمش تصغیر نیست	جد چو گوید طفلکم تحقیر نیست
چون بیامد آن دوم در پیش شاہ	بود او گندہ دہان دندان سیاہ
گرچہ شہ ناخوش شد از گفتار او	جستجوے کرد ہم ز اسرار او
گفت با این شکل و این گندہ دہان	دور بنشین مرک این سوتر مران
کہ تو زاہل نامہ و رقعہ بدی	نے جلیس و یار ہم بقعہ بدی
تا علاج آن دہان تو کنیم	تو حبیب و ما طبیب پرفنیم
بہر کیکے نو گلیمے سوختن	نیست لائق از تو دیدہ دوختن
لیک قابل تر بدی زان یار خود	نزد ما آ کہ تو بہ زان یار بد
با ہمہ بنشین دو سہ دستان بگو	تا ببینم صورت عقلت بگو
آن ذکی را پس فرستاد او بکار	سوے حمامے کہ رو خود را بخار
وین دگر را گفت کو چہ زیرکے	صد غلامے در حقیقت نے یکے

آن نہ کہ خواجہ تاش تو بود ۔ از تو یار اسرد مے کرد آن حسود
گفت کو دزد و کژست و کژنشین ۔ حیز و نامرد و چنانست و چنین
گفت پیوستہ بدست او راست گو ۔ راستگوئے من ندیدستم چو او
راستی و نیک خوئی و حیا ۔ حلم و دینداری و احسان و سخا
راستگوئی در نہادش خلقت است ۔ ہر چہ گوید من نہ گویم تہمت است
گر نہ دانم آن نکو اندیش را ۔ متہم دارم وجود خویش را
باشد او در من نہ بیند عیبہا ۔ من نہ بینم در وجود خود شہا
ہر کسے گر عیب خود دیدی ز پیش ۔ کے بدے فارغ وی از اصلاح خویش
فارغ اند این خلق از خود اے پدر ۔ لاجرم گویند عیب ہمدگر
من نہ بینم روے خود را اے شمن ۔ من بہ بینم روے تو تو روے من
آن کسے کہ او بہ بیند روی خویش ۔ نور او از نور خلقان ست بیش
گر بمیرد نور او باقی بود ۔ زانکہ دیدش دید خلاقے بود
نور حسی نبود آن نورے کہ او ۔ نور خود محسوس بیند پیش رو
گفت تو ہم عیب او گو مو بمو ۔ آنچنان کہ گفت او از عیب تو
تا بدانم کہ تو غمخوار منے ۔ کہ فدائے مملکت یار منے
گفت ای شہ من بگویم عیبہاش ۔ گرچہ ہست او مر مرا خوش خواجہ تاش
عیب او مہر و وفا و مردمے ۔ خوئے او صدق و صفا و ہمدمی
کمترین عیبش جوانمردی و داد ۔ آن جوانمردے کہ جان را ہم بداد
صد ہزاران جان خدا کردہ پدید ۔ چہ جوانمردی بود کان را ندید
ور بدیدے کے بجان بخلش بدے ۔ بہر یک جان کے چنین غمگین شدے
بر لب جو بخل آب آن را بود ۔ کور جوے آب نابینا بود
گفت پیغمبر کہ ہر کس از یقین ۔ داند او پاداش خود در یوم دین
کہ یکے را دہ عوض می آیدش ۔ ہر زمان جودے دگرگون زایدش
جود جملہ از عوضہا دیدن است ۔ پس عوض دیدن ضد ترسیدن است
بخل نادیدن بود اعواض را ۔ شاد دارد دیدہ دُر غواص را
پس بعالم ہیچکس نبود بخیل ۔ زانکہ کس چیزے نبازد بے بدیل
پس سخا از چشم آمد نے ز دست ۔ دید دارد کار جز بینا نجست
عیب دیگر آنکہ خودبین نیست او ۔ ہست او در ہستی خود عیب جو
عیب گو و عیب جوے خود بدست ۔ با ہمہ نیکو و با خود بد بدست

گفت شہ جلدی مکن در مدح یار	مدح خود در ضمن مدح او میار
زانکہ من در امتحان آرم ورا	شرمساری آیدت در ماجرا

جب بادشاہ نے اس غلام کو زیرک اور ذہین پایا تو اُسکو چھوڑکر دوسرے کو آنے کا اشارہ کیا۔ مین نے اپنی تقریر مین لفظ غلامک استعمال کیا ہے اسمین کاف تصغیر کے لیے استعمال نہین کیا گیا۔ بلکہ یہ کاف شفقت ہے اگر دادا اپنے پوتے کو طفلک کہے تو یہ اُسکی شفقت ہے نہ کہ تحقیر۔ یون غلامک کو سمجھو خیر جب وہ دوسرا غلام بادشاہ کی حضور مین حاضر ہوا تو دیکھا کہ دانت کالے ہین منھ سے بدبو آتی ہے اگرچہ ابتداءً بادشاہ نے باقتضائے طبع اسکی گفتگو کو ناپسند کیا۔ لیکن پھر خیال کیا کہ صرف گفتگو ہی تک نہ رہنا چاہیے بلکہ اسکی باطنی حالت بھی معلوم کرنی چاہیے۔ اُسنے مصلحتہً کہا کہ تو بڑا بدشکل اور گندہ دہن ہے۔ ہم سے دور بیٹھ۔ اور آگے مت بڑھ۔ تو تو اس قابل ہے کہ تجھ سے نامہ بری کا کام لیا جاوے۔ تو اس لائق نہین کہ تجھکو ندیم و جلیس بنایا جاوے تا آنکہ ہم تیرے منھ کا علاج کرین کیونکہ تو دوست ہے اور ہم طبیب ماہر ہیں ون کے لیے نیا کمبل جلا دینا ہرگز مناسب نہین اس لیے گندگی دہن کے باعث تیری طرف توجہ نہ کرنا بھی مناسب نہین۔ خیر گو تو گندہ دہن اور بدشکل ہے مگر اپنے یار سے اچھا معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ شکل و صورت کے لحاظ سے اچھا ہے مگر تیری سیرت اچھی معلوم ہوتی ہے۔ پس تو مصاحبت کا زیادہ مستحق ہے۔ نہ کہ وہ بد طینت غلام تیرا ساتھی۔ اس لیے تو ہمارے پاس آجا۔ اس بیان مین اول سختی سے کام لیا اُس کے بعد کچھ نرم ہوا پھر بالکل ہی نرم ہوگیا۔ کیونکہ اول کہا دور بیٹھ۔ تو مصاحبت کے قابل نہین وغیرہ وغیرہ پھر کہا کہ گو تو گندہ دہن ہے لیکن مناسب نہین کہ تجھکو اپنے سے الگ رکھا جاوے۔ بلکہ ہم تیرا علاج کرین گے۔ اور تجھے صحبت کے قابل بنائین گے۔ اس کے بعد بالکل ہی نرم ہوگیا۔ اور کہا کہ اچھا تو ہمارے پاس آجا۔ یہ اُتار چڑھاؤ ہین اسکی حالت باطنی معلوم کرنے کے لیے) گو تو مصاحبت کے لائق نہین مگر ہم تجھپر عنایت خسروانہ مبذول کرتے ہین اور باپہم اجازت دیتے ہین کہ ہمارے پاس بیٹھ۔ اور کچھ باتین کر تا کہ تیری عقل جسکے بہتر ہونے کا مین ظن رکھتا ہون مجھے معلوم ہو جاوے۔ یہان بطور جملہ معترضہ کے یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اس گفتگو کے وقت دوسرے غلام کو ایک کام کیلیے بھیجدیا تھا اور کہدیا تھا کہ تم حمام مین جاؤ اور خوب مل دل کر نہاؤ جب یہ جملہ معترضہ معلوم ہوگیا۔ تو ہم مطلب شروع کرتے ہین۔ بادشاہ نے مذکورہ بالا گفتگو کے بعد اس دوسرے غلام قبیح سے کہا کہ ارے مین تجھے ایسا نہ سمجھتا تھا تو تو نہایت عقلمند ہے اس لیے تو تو سو غلامون کا ایک غلام ہے۔ اور ویسا نہین ہے جیسا کہ تیرے ساتھی نے ظاہر کیا تھا اُس کمبخت حاسد نے ہمارا دل ہی تیری طرف سے پھیر دیا تھا۔ اُسنے کہا تھا کہ یہ چور بھی ہے۔ کج فہم بھی۔ مصاحبت کے لحاظ سے بھی اچھا نہین۔ بزدل اور نامرد بھی ہے۔ اور ایسا ویسا ہے۔ غرض اُس نے بہت سی بُرائیان کی جنھین مین کہان تک بیان کرون۔ غلام نے جواب دیا کہ حضور والا اُس نے کبھی جھوٹ نہین بولا راست گفتاری اُسکا ہمیشہ شیوہ رہا ہے۔ مین نے اپنی عمر بھر مین ایسا سچا آدمی کبھی نہین دیکھا۔ اُس راست فہم کو مین کج فہم نہین سمجھ سکتا۔ مین خود اپنی ذات کو متہم کرون گا اور کہونگا کہ ضرور مجھ مین یہ عیب ہین گو مجھے معلوم نہین ہوتے۔ یہ ممکن ہے۔ کہ اُسنے یہ عیب مجھ مین دیکھے ہون اور مین اپنے

اندر شد دیکھتا ہون۔ کیونکہ اگر ہر شخص اپنے عیب کو دیکھتا تو وہ اپنی اصلاح سے کبھی فارغ نہ ہوتا چونکہ لوگ اپنے عیوب کو نہین دیکھتے۔ اسی لیے وہ دوسرون کے عیب بیان کرتے ہین اگر وہ اپنے عیب دیکھتے تو اُنکو اسکی مہلت ہی نہ ملتی۔ مین اپنا مُنھ نہین دیکھ سکتا۔ بلکہ آپ کا مُنھ دیکھتا ہون اور آپ اپنا مُنھ نہین دیکھ سکتے بلکہ میرا مُنھ دیکھتے ہین یہی حالت بالکل عیبون کی ہے اور جو شخص کہ اپنا مُنھ دیکھ سکے اور اپنے عیب اُس کو نظر آئین تو سمجھنا چاہیے۔ کہ اُسکی نظر بہت تیز ہے۔ اور اُسکا نور سب لوگون سے بڑھا ہوا ہے۔ یہ نور اُسکا مرنے سے زائل نہین ہوتا۔ کیونکہ اُسکی بینش نور حق سبحانہ تعالیٰ ہے۔ لانہ ینظر بنور اللہ اور بینش حق سبحانہ غیر فانی ہے لہذا اُسکی بینش بھی غیر فانی ہوگی۔ اور یہ نور حسی کا کام نہین کہ اِس سے اپنا مُنھ دکھلائی دے بادشاہ نے کہا تو نے خود کہا ہو کہ کوئی شخص اپنا عیب نہین دیکھتا بلکہ لوگ آپس مین ایک دوسرے کے عیوب کو دیکھتے ہین۔ پس جس طرح اُسنے تیرے عیوب دیکھے اور بیان کئے یون ہی تو اُس کے عیوب دیکھتا ہوگا۔ تو بھی بیان کر۔ اِسمین کیا کیا عیب ہین۔ تاکہ سب مجھے معلوم ہو جاوے۔ کہ تو میرا غمخوار میری سلطنت کا ممد ومعاون اور میرا دوست ہو۔ کیونکہ جب تک مجھے اُس کے عیوب نہ معلوم ہونگے مین اُس کی شر سے بچ نہین سکتا پس تیرا اُنکو بیان کرنا میری خیر خواہی ہے اور چھپانا میری بدخواہی۔ غلام نے عرض کیا کہ اچھا حضور جو عیب اُس کے مجھے معلوم ہین مین بیان کرتا ہون اگرچہ وہ میرا دوست ہو اور مجھے مناسب نہین کہ اُسکے راز بیان کرون۔ اِس کے عیوب یہ ہین کہ اِسمین محبت ہے وفا ہے جوانمردی ہے صدق وصفا ہے ہمدمی ہے بہت کم درجہ کا عیب اِسمین جوانمردی اور سخاوت ہے۔ اور جوانمردی بھی کیسی کہ جان بھی دیدی اور اپنے کو رضاے حق مین فنا کر دیا۔ حق سبحانہ نے بہت سی جانین دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ یعنی بہت سے انعام اور احسانون کا امیدوار بنایا ہو۔ لیکن وہ کتنا بڑا جوانمرد ہے کہ اُنپر نظر نہین کرتا۔ بلکہ طاعت سے مقصود اُسکو امتثال اوامر ونواہی ہے۔ اور اصل سخاوت وجوانمردی ووادیہی ہے کیونکہ اگر وہ ان انعامات واحسانات پر نظر کرے تو پھر بخل کی کوئی وجہ ہی نہین اور اتنی جانون کے ملتے ہوے اُسکو ایک جان کے جانے کا کوئی غم نہین ہو سکتا۔ مثلاً نہر پر پانی سے وہی بخل کر سکتا ہے جو نہر کے پانی کو نہ دیکھتا ہو اور جو دیکھتا ہو اُسکو بخل ہو ہی نہین سکتا۔ پس چونکہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ ہر شخص کو قیامت مین اُس کے عمل کا بدلا یقیناً معلوم ہو جائیگا۔ کیونکہ اُسکو ایک کی عوض دس ملین گے۔ اِس لیے آدمی ہر وقت نئی نئی سخاوتین کرتا ہو اور یہ سخاوت اُسکی اُن عوضون کے یقین کے سبب سے ہے۔ پس عدم بخل لازم ہے۔ کیونکہ معاوضہ پر نظر ہونا مخالف ہے اُس خوف کے جو منشا بخل ہو پس وہ خوف کے ساتھ جمع نہین ہو سکتا۔ پس بالضرور بخل کے ساتھ جمع نہ ہو سکے گا وہو المدعیٰ۔ بخل کا منشا تو معاوضہ کا پیش نظر نہ ہونا چاہیے اور جب معاوضہ پیش نظر ہوگا تو بخل ناممکن ہے۔ یہی وجہ ہو کہ غواص دریا مین گھستا ہے اور اپنی جان کو خطرہ مین ڈالتا ہو۔ کیونکہ اُس کے پیش نظر موتی ہوتا ہے اگر صرف توقع نفع وعوض کا نام ہی سخاوت ہو تو دنیا مین کوئی شخص بخیل ہو ہی نہین سکتا کیونکہ کوئی شخص بلا معاوضہ کے کوئی کام کرتا ہی نہین اور جو کام کرتا ہو بتوقع معاوضہ کرتا ہو۔ اور جب کہ توقع نفع کا نام ہی سخاوت

ٹھیرا تو ہر شخص سخی ہوا۔ پس جبکہ یہ معلوم ہو گیا۔ کہ علی العموم تمام اسخیا کی سخاوت کا منشا معاوضہ کا پیش نظر ہوتا ہے اور یہ معلوم ہے کہ بہتر معاوضہ کے پیش نظر ہوتے ہوے کوئی شخص اپنی کسی محبوب شے کو صرف کرنے مین دریغ نہین کر سکتا۔ تو معلوم ہوا کہ یہ اسخیا فی الحقیقت سخی نہین ہین ورنہ عالم مین کوئی بخیل ہی نہ رہیگا۔ اس سے یہ نتیجہ بر آمد ہوا کہ اصل سخی وہی ہے جس کے پیش نظر معاوضہ نہ ہو۔ اور یہ کہ سخاوت کا تعلق ہاتھ سے نہین۔ یعنی صرف کرنے کا نام سخاوت نہین بلکہ اُسکا تعلق آنکھ سے ہے اور سخاوت نام ہے سیر چشمی کا۔ پس اس سے نتیجہ نکلا کہ وہ غلام بھی اصل سخی ہے۔ کہ معاوضہ پر نظر نہین رکھتا۔ اور اپنی چشم بصیرت سے اُس کو بستی ہی دیکھتا ہے۔ واقعی بات یہ ہے کہ چشم بصیرت ہی کی ضرورت ہے۔ اور وہی شخص مفلح اور کامیاب ہو سکتا ہے جو چشم بصیرت رکھتا ہو۔ یہ عیوب تو حضور والا سن چکے اب مین اسکا ایک اور عیب بیان کرتا ہون وہ یہ کہ وہ خود بین نہین بلکہ خود اپنے اندر عیب تلاش کرتا رہتا ہے۔ پس اسکا کام یہ ہے کہ اپنے ہی عیوب بیان کرتا ہے۔ اور اپنے ہی عیب تلاش کرتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ وہ اور سب کے ساتھ اچھا ہے۔ بُرا ہے تو صرف اپنے ساتھ بادشاہ نے کہا کہ اپنے دوست کی تعریف مین جلدی نہ کرو بلکہ یاد کرو اور خیال کرو کہ اسمین کیا کیا عیب ہین۔ یہ نہین ہو سکتا کہ اسمین تمام اوصاف ہی اوصاف ہون۔ اور کوئی بھی بُرائی نہ ہو۔ تمھارا اسکی تعریف کرنا اور کوئی عیب نہ بیان کرنا یہ گویا کہ خود اپنے تقدس کا دعوے ہے۔ اور اپنی تعریف اپنی زبان سے گو اشارۃً اور ضمناً ہی ہو مناسب نہین مین اس لیے تاکید کرتا ہون کہ مین اسکا امتحان کرونگا۔ مبادا تم کو شرمندگی ہو۔

قدتم الربع الاول من الدفتر الثانی من المثنوی المعنوی وللہ الحمد۔

شرح شبیری

ایک غلام کو کسی کام کے لیے بھیجدینا اور دوسرے سے اُسکے حالات دریافت کرنا اور اُسکا بیان کرنا جو کچھ کہ اُسمین تھا

این غلامک را الخ۔ یعنی کہ جب اس غلمٹے کو بادشاہ نے دیکھا کہ ذکاوت والا ہے (یعنی اسکا امتحان لے لیا) تو اُس دوسرے کو اشارہ کیا کہ یہان آؤ آگے مولانا ایک جملہ معترضہ فرماتے ہین۔

کاف رحمت الخ۔ یعنی مین نے (غلامک مین جسکا ترجمہ غلمٹا چھوٹا سا غلام ہین) کاف رحمت بولا ہے (کاف) تصغیر نہین ہے (اس لیے کہ دیکھو) جب دادا کہتا ہے میرا طفلک تو اسمین بھی تحقیر نہین ہے۔ مطلب یہ کہ مین نے جو غلامک کہدیا ہے اس سے کوئی صاحب یہ نہ سمجھین کہ فضول کسی مسلمان کی تحقیر کی میرا مقصود تحقیر اور تصغیر نہین ہے۔ بلکہ مین نے شفقت اور رحمت کی وجہ سے

اس طرح کہدیا ہے۔ (یہ مولانا کا ایک لطیفہ ہے) آگے پھر قصہ ہی کو بیان فرماتے ہیں کہ۔
چون بیامد الخ۔ یعنی جب کہ وہ دوسرا (غلام) بادشاہ کے سامنے آیا تو (معلوم ہوا کہ) وہ گندہ دہن اور سیاہ دندان تھا۔ لیکن وہ بادشاہ کے بلانے سے حاضر ہو گیا۔
گرچہ شہ ناخوش شد الخ۔ یعنے اگرچہ بادشاہ اُسکی باتوں سے ناخوش ہوا (کہ اُسکو اُسکی گندہ دہنی سے تکلیف ہوئی لیکن) اُسنے اُسکے اسرار بھی معلوم کرنے چاہے۔ تاکہ یہ دیکھے کہ اُس کے اخلاق کیسے ہیں۔ پس اُسنے سختی کا برتاو شروع کر دیا اور تندی سے پیش آیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بادشاہ بھی کوئی عارف ہے اس لیے کہ اُسنے جو امتحان لیے ہیں وہ بالکل ایسے ہیں جو کہ مشائخ مستفیدین سے لیا کرتے ہیں پس بادشاہ نے یہ امتحان لیا۔ کہ۔
گفت بااین شکل الخ۔ یعنی بادشاہ نے کہا کہ اِس شکل اور گندہ دہنی کے ساتھ تو دور ہی بیٹھ لیکن اس طرف زیادہ مت جانا (اس لیے کہ مجھے کچھ باتیں کرنا ہیں پس قریب ہی بیٹھ جا)
تا علاج این دہان الخ۔ یعنی تاکہ تیرے اِس منھ (کی گندگی) کا علاج کریں تو مریض ہے اور ہم پُر فن طبیب ہیں۔ مطلب یہ کہ پوچھ پاچھ کر تیری اس گندہ دہنی کا سبب معلوم کرکے اُسکا علاج کر دیں گے۔
کہ تو زاہل الخ۔ یعنی تو تو (لائق) صاحب نامہ اور رقعہ ہونے کے تھا۔ (کہ تجھکو الگ بٹھاکر تجھ سے تعوذ وغیرہ سے گفتگو کیجا یا کرے) نہ کہ جلیس اور یار اور ہمنشین (ہونے کے قابل) تھا۔ مگر صرف اِس عیب کی وجہ سے بالکل چھوڑ دینا بھی نہ چاہیے۔ اس لیے کہ آخر خریدا ہے تو اِس ذراسی بات سے اتنا نقصان کیوں کیا جاوے۔ اِسی کو مولانا ایک مثال دیکر فرماتے ہیں کہ۔
بہر کیکے الخ۔ یعنے (اگر ہم اِس عیب کی وجہ سے تجکو بالکل علحدہ کر دیں جس طرح) پِسّو کی وجہ سے تیا گلیم جلادینا بیوقوفی ہے اسیطرح) تجھ سے آنکھ سی لینا (علحدگی اختیار کرنا) لائق نہیں ہے۔ اس لیے ہم سے دور مت ہو اور پاس ہی بیٹھ۔
با تو ہم ہمنشین الخ۔ یعنی باوجودان سب (عیوب وغیرہ) کے بیٹھ جا اور دوایک باتیں کرتا کہ میں تیری عقل کی صورت کو پوری طرح دیکھوں۔
آن یکے را الخ۔ یعنی (جب اِس سے باتیں شروع کیں تو) تو اُس سمجھدار کو کام کیواسطے روانہ کر دیا ایک حمام کی طرف کہ جاکر خوب مل مل کر نہا آؤ۔
وین دگر را گفت الخ۔ یعنی (جب اُسکو روانہ کر دیا) تو اُس دوسرے سے کہا کہ تو تو کیسا زیرک ہے اور تو تو حقیقت میں سو غلاموں کے برابر ہے تو ایک نہیں ہے۔ یہی طریق مشائخ کا ہوتا ہے۔ کہ اول طالب سے سختی کرتے ہیں اور جب وہ اُسمیں پورا اُترتا ہے اور اُس سختی کو جھیل جاتا ہے تو اب اُس سے نرمی اور دلجوئی کی باتیں کرتے ہیں آگے بھی مقولہ بادشاہ ہی کا ہے۔
باز قابل الخ۔ یعنی پھر تو اپنے ساتھی سے زیادہ قابل ہے۔ لہذا ہمارے پاس آکہ تو اُس برے یار سے اچھا ہے۔

آن نہ کہ خواجہ تاش الخ۔ یعنی کہ تو ایسا نہیں ہے جیسا کہ تیرے خواجہ تاش نے کہا ہے۔ کہ وہ حاسد تجھ سے ہمسری کرتا تھا۔ اور تیرے عیوب کو ہمارے سامنے بیان کرتا تھا تاکہ ہماری طبیعت تجھ سے پھر جاوے۔ لیکن تو تو بہت اچھا آدمی ہے۔
گفت او دزد و کژ ست الخ۔ یعنی وہ دوسرا غلام یہ کہتا تھا کہ وہ چور ہے اور کج ہے اور بد صحبت ہے۔ حیز ہے نامرد ہے ایسا ہے ویسا ہے۔ مطلب یہ کہ وہ تیری خوب برائیاں کرتا تھا۔
گفت پیوستہ الخ۔ یعنی اُس بدصورت نے کہا کہ ہمیشہ وہ سچ بولنے والا ہی تھا اور اُس سے زیادہ سچا مین نے کوئی دیکھا نہیں۔
راستی و نیکخوئی الخ۔ یعنی سیدھا پن اور نیک خصلتی اور حیا اور علم اور دینداری اور احسان اور سخا اور سچائی اُسکے اندر خلقی ہین لہذا وہ جو کچھ کہتا ہے مین یہ نہین کہتا کہ مجھپر تہمت ہے۔
گر نہ گویم الخ۔ یعنی مین اُس نیک اندیش کو کج نہین کہتا۔ بلکہ اپنے ہی وجود کو متہم کرتا ہون۔
باشد او در من الخ۔ یعنی شاید وہ مجھ مین عیوب کو دیکھتا ہو اور اے بادشاہ (ان عیوب کو) اپنے وجود مین مین نہ دیکھتا ہون۔ یعنی شاید مجھے اپنے عیوب نہ نظر آتے ہون اور اُسکو نظر آتے ہون۔ اس لیے مین اُسکو جھوٹا نہین کہہ سکتا۔ وہ بیشک ٹھیک کہتا ہے۔ آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔
ہر کسے گر عیب خود الخ۔ یعنی اگر ہر شخص اپنے عیوب کو سامنے دیکھ لیا کرتا تو پھر وہ اپنی اصلاح سے کیا فارغ رہتا۔ یہ فراغت اور غفلت تو اپنے عیوب کے ظاہر نہ ہونے ہی کی وجہ سے ہے۔
غافل اند این خلق الخ۔ یعنی چونکہ لوگ غافل اور اپنے (عیوب) سے بیخبر ہین اس لیے ایک دوسرے کے عیوب بیان کرتے ہین اور کہتے ہین کہ۔
من نہ بینم الخ۔ یعنی اے بت پرست مین اپنا مُنھ تو دیکھتا نہین پس مین تیرا مُنھ دیکھون اور تو میرا مُنھ دیکھ یعنی کہ مین تیرے عیوب نکالون اور تو میرے عیوب نکال۔ اس لیے کہ ہم کو خود تو اپنے عیوب دکھلائی دیتے نہین دشمن یعنی بت پرست کہنا یا تو صرف بضرورت قافیہ ہوا اس لیے کہ ہم جو ہر وقت اپنی تن پروری مین لگے ہوے ہین اور عیوب کی خبر نہین ہے اس لیے دشمن کہدیا۔ اور آپسمین کہنے سے مراد یہ ہے کہ آپسمین ایک دوسرے کے عیوب نکالتے ہین اسی کو کہنے سے تعبیر کر دیا۔ پس یہ ساری غفلت اپنے عیوب پر نظر نہ ہونے کی وجہ سے ہی ہے۔ اور جو لوگ اپنے عیوب پر نظر رکھتے ہین اُنکا نور جس سے وہ اپنے عیوب کو دیکھ رہے ہین مخلوق کے اِس ظاہری نور نظر سے علیحدہ ہوتا ہے۔ اسی کو فرماتے ہین کہ۔
آنکسے کہ او بہ بیند الخ۔ یعنی جو شخص کہ اپنا مُنھ (عیوب) خود دیکھ رہا ہے اُسکا نور بصیرت اور مخلوق کے نور سے زائد ہوتا ہے۔ عیوب کو مُنھ سے تشبیہ اس لیے دی کہ جس طرح اپنا مُنھ دکھلائی نہین دیتا اسیطرح اپنے عیوب بھی دکھلائی نہین دیتے۔ پس مطلب یہ کہ جسکی نظر کہ اپنے عیوب پر ہوتی ہے۔ تو اُسکی نظر اور مخلوق سے اعلیٰ ہوتی ہے۔ اس لیے کہ اُسکو بصیرت اور چشم حقیقت شناس میسر ہوتی ہے جو کہ اس چشم ظاہری کے نور سے کہین زیادہ ہے وہو من العلوم آگے فرماتے ہین کہ۔

نور حسی نبود الخ - یعنی وہ نور جس سے کہ اپنے عیب سامنے دیکھ رہا ہے نور حسی نہین ہوتا بلکہ وہ نور حقیقی اور نور بصیرت ہوتا ہے - کہ جسکو کسی وقت مین زوال نہین -
اگر نمیرد نور او الخ - یعنی اگر وہ مر بھی جاوے تو نور اُسکا باقی رہتا ہے اس لیے کہ اُسکی آنکھ حق تعالےٰ کی آنکھ ہو جاتی ہے اور اسکی وہ حالت ہو جاتی ہے جسکو ارشاد ہے کہ بے یسمع و بے یبصر و بی ینطق پس جبکہ اُسکو نظر بصیرت اور حقیقت شناس حاصل ہو جاوے تو وہ تو باقی اور غیر فانی ہی ہوئی اگر اُس شخص پر عادی طاری بھی ہوگی تب بھی وہ نور زائل نہ ہوگا - بلکہ اُسمین تو اور ترقی ہوگی - آگے پھر رجوع ہے حکایت کی طرف
گفت تو ہم عیب الخ - یعنی بادشاہ نے کہا کہ جس طرح اُسنے تیرے عیوب بیان کئے ہین تو بھی اُس کے عیوب ایک ایک کرکے بیان کر -
تا بدانم الخ - یعنی تاکہ مجھے معلوم ہو جاوے کہ تو میرا غمخوار ہے اور میرے ملک اور کام کا منتظم ہے کہ اُس کے عیوب پر مطلع کرکے مجھے اِس سے بچاتا ہے -
گفت اے شہ الخ - یعنی (یہ سنکر) اُسنے کہا کہ اے بادشاہ مین اُسکے عیوب بیان کرتا ہون - اگرچہ وہ میرا اچھا خواجہ تاش ہے خواجہ تاش آپسمین اُن دو غلامون کو کہتے ہین جنکا آقا ایک ہو - مطلب یہ کہ اگرچہ وہ بہت ہی اچھا آدمی ہے لیکن مین آپ کے ارشاد کے مطابق اُسکے عیوب عرض کرتا ہون - وہ عیوب یہ ہین
عیب او مہر و وفا الخ - یعنی اُس کے عیب محبت اور وفا اور انسانیت ہین اور اُسکے عیب سچائی اور صفائی اور ہمدمی ہین اور ایک چھوٹا سا عیب اُسکا جوانمردی اور انصاف ہے اور جوانمردی بھی وہ کہ اپنی جان تک دیدے مطلب یہ کہ اُسمین یہ خصائل ہین پس اگر یہ عیب ہین تو اُسمین اِس قدر عیوب ہین اور اگر یہ باتین ہنر ہین تو اسمین اِسیقدر ہنر ہین اور اس طرح بیان کرنا بلیغ ہے اِس کہدینے سے کہ اُسمین کوئی عیب نہین ہے اور اِسکی مثال ایسی ہے کہ جیسے عربی کا شعر ہے کہ ؎ ولا عیب فیہم غیر اَن سیوفہم + بہن فلول من قراع الکتائب + (ترجمہ یعنی شاعر کہتا ہے کہ میرے ممدوحین مین اور کوئی عیب نہین ہے بجز اِس کے کہ اُنکی تلوارون مین دشمنون کو مارنے سے دندانے پڑ گئے ہین - اور یہ معلوم ہے کہ یہ بات عیب نہین ہے پس معلوم ہوگیا کہ اُنمین کوئی عیب نہین ہے اِسی قبیل سے یہ بھی ہے آگے مولانا فرماتے ہین جسکا خلاصہ یہ ہے کہ اگر حق تعالیٰ کی راہ مین یہ جان فنا بھی ہو جاوے تو کوئی ہرج نہین ہے - اِس لیے کہ حق تعالےٰ نے اسکے علاوہ لاکھون جانین پیدا فرمائی ہین جو محبت حق مین اپنی جان کو فنا کر دیتا ہے - اُسکو حیات ابدی حاصل ہوتی ہے - جیسا کہ ظاہر ہے - لیکن اُس حیات کے دیکھنے کے لیے چشم بصیرت کی ضرورت ہے - جو کہ ہر کسی کو حاصل نہین اِسی لیے لوگ ڈرتے ہین بلکہ لفظ فنا ہی سے گھبراتے ہین اور اگر اُس حیات کو دیکھ لیتے اور اُسکا مشاہدہ ہو جاتا تو پھر کبھی بھی جان دینے مین دریغ نہ کرتے - اور ہرگز نہ ڈرتے - یہ سارا بخل حقیقت سے ناواقف ہونیکی وجہ سے ہے - اب اشعار کا حل سمجھ لو اور منطبق کر لو کہ بہت ہی آسانی سے منطبق ہو جاوینگے فرماتے ہین کہ -
صد ہزاران جان الخ - یعنی حق تعالیٰ نے لاکھون جانین علاوہ اِس جان کے پیدا فرمائی ہین -

لیکن جس شخص نے اُن کو نہ دیکھا ہو وہ جوانمردی کیسے کر سکتا ہے۔ اور اپنے کو کیسے فنا کر سکتا ہے۔
ور بدید سے کے بجان الخ۔ یعنی اور اگر اُن جانوں کو جو اس ایک کے فنا کے بدلہ مین ملین گی۔ فنا سے ڈرنے والا شخص) دیکھ لیتا تو پھر اُس کو جان (دینے) مین کب بخل ہوتا اور ایک جان کی وجہ سے اِس قدر غمگین کب ہوتا۔ اِس لیے کہ اُس کی تو وہ جانین اور حیات ابدی پیش نظر ہے پھر اِس عارضی جان کی اُس کو کیا قدر اور کیا پرواہ ہے۔ اُس کی تو یہ شان ہوگی کہ ؎ زندہ کنی عطاے تو ور بکشی فداے تو ✦ دل شدہ مبتلاے تو ہر چہ کنی رضاے تو ✦ اور اُس کی تو یہ حالت ہو کہ ؎ سپردم بتو مایۂ خویش را ✦ تو دانی حساب کم و بیش را ✦ اُس درگاہ مین تو یہ حالت ہے کہ ؎ نیم جان بستانند وصد جان دہند ✦ انچہ در وہمت نیاید آن دہند ✦ پس فنا کو حاصل کرو۔ اور اِس کے ذریعہ سے وہ حیات ابدی اور وہ جانین حاصل کرو کہ دیکھو کس قدر سستے مول پر یہ موتی فروخت ہو رہے ہین خوب کہا ہے کہ ؎ کے بیابی این چنین بازار را ✦ کہ بیک گل میخری گلزار را ✦ خوشا نصیب اُس کے جس کو یہ دولت نصیب ہو اسے اللہ اِس گناہگار کو بھی اپنے اور اپنے رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت عطا فرما۔ اور اپنے مرضیات کو اسکی طبعیات فرما دے۔ حضرت مولانا دام ظلہم کی برکت سے ؎ آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند ✦ آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند ✦ مقصود سے دور را چلا گیا۔ آگے مولانا فرماتے ہین کہ۔

بر لب جو بخل الخ۔ یعنی ندی کے کنارہ پر پانی (دینے) سے بخل اُس شخص کو ہوتا ہے کہ وہ اُس پانی کی ندی سے اندھا ہوتا ہے تو ایک ایک پیالہ پانی پر مرا جاتا ہے اور کہتا ہے کہ کہان لیے جاتے ہو۔ میرا پانی ہے۔ حالانکہ اُس کو یہ خبر نہین کہ اگر ایک دریا مین سے ایک پیالہ کم ہی ہوگیا تو کیا غضب آگیا۔ اِسی طرح اِس حیات ابدی کے بدلہ یہ جان فانی فنا ہی ہوگئی تو کیا ہوا اگر چشم بصیرت ہے تو اُس سے حقیقت کو دیکھو۔ اور پھر سمجھو تو کبھی جان دینے سے دریغ نہ ہوا اور تم کو فنا مین رغبت ہو۔

گفت پیغمبر الخ۔ یعنی رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص یقینی طور پر اپنے (اعمال کے) بدلے (جو) قیامت کے دن (ملین گے) دیکھ لے کہ ایک (عمل) کے دس عوض ملتے ہین تو ہر وقت اُس کی سخاوت بڑھتی ہے۔ مطلب یہ کہ فنا سے خوف اُس وقت تک ہے جب تک کہ اُس حیات کو دیکھا نہین اور جب دیکھ لیگا کہ من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالہا کہ ایک نیکی کے دس ثواب ملتے ہین تو پھر اُس کو اپنی جان محبت حق اور اُس کی راہ مین فنا کر دینا کچھ مشکل نہ معلوم ہوگی جود جملہ از عوضہا الخ۔ یعنی یہ سب کی سخاوت عوضوں کے دیکھ لینے کی وجہ سے ہے پس عوض کو دیکھ لینا ڈرنے کی ضد ہے یعنی چونکہ شیطان فقر و فاقہ سے ڈراتا ہے اِس لیے انسان سخاوت سے باز رہتا ہے اور اُس کے دل مین یہ خوف ہوتا ہے کہ اگر اِس مال کو راہ حق مین دیدیا تو پھر مین مفلس رہ جاؤن گا۔ لیکن جبکہ کسی نے اُن ثمرات پر جو کہ ان اعمال کے عوض مین میسر ہون گے نظر کی تو پھر

وہ ہرگز خوف نہ کرے گا۔ بلکہ وہ تو یہی سمجھے گا کہ ایک خرمہرہ دیکر خزانہ ملتا ہے۔
پس وہ فوراً اُس خرمہرہ کو دیدینے کے لیے تیار ہوجاوے گا۔ لہذا اُن اعواض
کو دیکھ لینا اور فقر و فاقہ سے خوف کرنا یہ دونوں آپس میں ضد ہیں جب خوف ہوگا تو
اعواض کے دیکھنے سے محروم ہے اور اسیطرح بالعکس میں بھی۔
بخل نادیدن الخ۔ یعنی بخل عوضوں کے نہ دیکھنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ (اور اگر اُن کو دیکھ لیتے
تو پھر بحر محبت الٰہی میں غوطہ زنی سے ہرگز خوف نہ کرتے۔ اور اپنی ہستی کو مٹا کر فنا
حاصل کرتے۔ اِس لیے کہ دیکھو) غوطہ زن کو موتی کا دیکھ لینا کس قدر خوش رکھتا ہے
اور وہ گوہر کے حاصل ہونے کی امید پر اِس دریاے ذخار میں غوطہ زنی سے نہیں گھبراتا۔
اسی لیے کہ اُس نے گوہر کو دیکھ پایا ہے) آگے مولانا ایک لطیفہ فرماتے ہیں کہ۔
پس بعالم ہیچکس الخ۔ یعنی کہ پس عالم میں کوئی بخیل نہ ہوگا اِس لیے کہ کوئی بے بدلے
کے کچھ لاتا نہیں ہے۔ لہذا جب معلوم ہوگیا کہ ہر شخص کسی شئے کی امید پر سخاوت کرتا ہے
اور جن کو حصول کی امید نہیں ہوتی وہ سخاوت بھی نہیں کرتے۔ پس معلوم ہوگیا کہ دنیا
میں خائف تو ہیں مگر بخیل کوئی نہیں یہ ایک لطیفہ ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔
پس سخا از چشم الخ۔ یعنی (کہ جب یہ تقریر سُن لی) پس اب سمجھو کہ) سخا آنکھ سے
ہوتی ہے۔ ہاتھ سے نہیں ہوتی اور آنکھ ہی کچھ کام کی ہو اور سوائے بینا کے کوئی نہیں چھوٹتا۔ مطلب
یہ کہ جب معلوم ہوگیا کہ منشاء بخل اور سخاوت کا اعواض کا دیکھ لینا اور نہ دیکھنا ہے لہذا
معلوم ہوا کہ اصل سخی آنکھ ہوئی کہ سخاوت کا سبب وہی ہے اور ہاتھ تو صرف آلہ ہے آگے
مولانا پھر قصہ کی طرف رجوع فرماتے ہیں کہ۔
عیب دیگر آنکہ الخ۔ یعنی (اُس بدصورت نے کہا کہ) ایک اور عیب (اُس میں) ہے کہ وہ خود بین
نہیں ہے۔ اور خود اپنے عیوب کو تلاش کرتا ہے تاکہ اُسکا تدارک کرے۔
عیب گوئی عیب جوئی الخ۔ یعنی کہ اپنے ہی عیوب کو ظاہر کرنے والا اور تلاش کرنے والا ہے
اور سب کے ساتھ تو اچھا ہے۔ لیکن اپنے لیے بُرا ہے کہ اپنے عیوب پر نظر رکھتا ہے جب اُسنے
اُسکی تعریف میں زیادتی کی تو اُسپر بادشاہ نے فرمایا کہ۔
گفت شہ جلدی مکن الخ۔ یعنی اُس بادشاہ نے کہا کہ اُس کی تعریف
کرنے میں جلدی مت کرنا اور اپنی تعریف اُس کے ضمن میں مت لاؤ۔ مطلب یہ کہ
تم جو اُس کی اِس قدر تعریف کر رہے ہو یہ صرف اِس لیے ہے کہ تاکہ ظاہر کرو کہ میں بہت ہی
متواضع ہوں پس یاد رکھو کہ۔
زانکہ من در امتحان الخ۔ یعنی اِس لیے (جلدی مت کرو) کہ میں اُس کو امتحان میں
لاؤں گا (یعنی آزماؤں گا کہ تو جو کچھ کہہ رہا ہے آیا وہ صحیح ہے یا غلط ہے تو اِس وقت)

مجھے شرمندگی حاصل ہو داستان مین یعنی اس کہنے کی وجہ سے شرمندگی ہو کر نہ کہتا اور نہ جھوٹا بنتا جب بادشاہ نے کسیطرح یقین ہی نہ کیا تو اس نے قسمین کھانا شروع کردین۔

تم الربع الاول من الدفتر الثانی من المثنوی المعنوی ویتلوہ الربع الثانی منہ انشاء اللہ تعالیٰ

تاریخ ۲۸ صفر سنہ ۱۳۲۲ھ